

الامام احمد علم الحديث

عن محمد بن حنفیہ



مکتبہ المدینہ

امام اعظمؒ

اور

علم الحدیث

حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ



مکتبۃ الحسن
33- حق شریعت
اردو بازار لاہور

انتساب

عالی جناب عباس حسین ملک رئیس اعظم شہریہ لکھنؤ
کے نام

جن کی دینی حمیت اور محبت اسلام میں ڈوبی ہوئی مخلصانہ
دریادلی اور ہمدردانہ عنایت کی انجمن دارالعلوم الشہابیہ
رہن منت ہے اور جو اپنے دل میں آئندہ بھی انجمن کے
فلاحی، تعلیمی اور تبلیغی کاموں کو پروان چڑھانے کا
خاص جذبہ رکھتے ہیں۔

انجمن دارالعلوم الشہابیہ شہریہ لکھنؤ



جملہ حقوق محفوظ ہیں

- نام کتاب: امام اعظم اور علم الحدیث
- نام مصنف: حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی
- با اہتمام: حافظ زاہد علی
- صفحات: 796
- تاریخ اشاعت: رجب المرجب ۱۴۳۶ھ / اگست ۲۰۰۵
- کمپوزرز: مسعود فرید، محمود فرید 0333-4331105
- تعداد: 1100
- ناشر: مکتبہ الحسن 33- حق شرعیٹ، اردو بازار لاہور
- قیمت: فون: 042-7241355 / 450=



علمی طلب

حافظ ذہبی الامام الحافظ مسعر بن کدام سے جو
زمانہ طالب علمی میں کوفہ کے اندر امام صاحب
کے رفیق ہیں نقل کرتے ہیں:

”میں امام اعظم کا رفیق مدرسہ تھا
وہ علم حدیث کے طالب علم بنے
تو حدیث میں ہم سے آگے نکل
گئے۔ یہی حال زہد و تقویٰ
میں ہوا۔ اور فقہ کا معاملہ تو
تمہارے سامنے ہے۔“

علمی نسب نامہ

امام اعظمؒ نے سربراہ حکومت عباسیہ ابو جعفر منصور دوانیقی کے سامنے برسر دربار بتایا ہے۔

”ربیع بن یونس کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ امیر المؤمنین ابو جعفر منصور کے پاس آئے اس وقت دربار میں امیر کی خدمت میں عیسیٰ بن موسیٰ بھی موجود تھے۔ عیسیٰ نے امیر المؤمنین کو مخاطب کر کے کہا اے امیر المؤمنین! ہذا عالم الدنیا الیوم۔ یہ آج تمام دنیا کے عالم ہیں۔ ابو جعفر منصور نے امام اعظمؒ سے دریافت کیا کہ اے نعمان! تم نے کن لوگوں کا علم حاصل کیا ہے؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! میں نے فاروق اعظمؓ، علی مرتضیٰؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کا علم حاصل کیا ہے۔ ابو جعفر نے کہا کہ آپ تو علم کی ایک مضبوط چٹان پر کھڑے ہیں۔“

(تاریخ بغداد، جامع المسانید)

علمی شہرت

”امام لیث فرماتے ہیں کہ میں امام اعظمؒ کی شہرت سنتا تھا۔ ملنے کا بیحد مشتاق تھا۔ حسن اتفاق سے مکہ میں اس طرح ملاقات ہوئی کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص پر ٹوٹے پڑے جا رہے ہیں۔ مجمع میں میں نے ایک شخص کی زبان سے کلمہ سنا کہ اے ابو حنیفہ! میں نے جی میں کہا کہ تو تمنا بر آئی۔ یہی امام ابو حنیفہ ہیں۔“

(مناقب ابی حنیفہ للذہبی: ص ۲۲)

علمی جامعیت

امام ابو جعفر طحاوی نے بکار بن قتیبہ کے حوالہ سے امام ابو عاصم کی زبانی نقل کیا ہے کہ:

”ہم مکہ میں امام اعظمؒ کے پاس رہتے تھے آپ کے پاس ارباب فقہ اور اصحاب حدیث کا ہجوم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا ایسا کوئی شخص نہیں ہے۔ جو صاحب خانہ کو کہہ کر ہم سے ان لوگوں کو ہٹوائے۔“

(مقدمہ اعلاء السنن: ص ۷۲)

علمی کمال

حافظ ابن عبدالبر نے مشہور محدث یزید بن ہارون کا امام اعظمؒ کے بارے میں یہ تاثر نقل کیا ہے:

”میں نے ہزار محدثین کے سامنے زانوائے ادب تہہ کیا ہے اور ان میں اکثر سے احادیث لکھی ہیں لیکن ان سب میں سب سے زیادہ فقیہ سب سے زیادہ پارسا اور سب سے زیادہ عالم صرف پانچ ہیں۔ ان میں اولین مقام ابو حنیفہ کا ہے۔“

(جامع بیان العلم و فضلہ۔ الانتقاء: ص ۱۶۲)

فہرست



کے بہت سے ضمنی مضامین کو فہرست میں باقاعدہ عنوان دیا گیا ہے، جبکہ متن میں اس سے ایک عام قاری اس سے الجھن محسوس کرتا ہے، فہرست چونکہ مصنف کی ہے، اس لیے ہم نے فہرست میں کسی قسم رد و بدل کیے بغیر اس الجھن کو یوں دور کیا ہے، اس کو بڑے فونٹ میں اور ضمنی مضامین کے عنوانات کو چھوٹے فونٹ میں لکھا گیا ہے۔

43

46

57

68

106

111

112

113

ملکات تشکر

گرامی قدر آراء

سوانح حیات

مقدمہ

پیش لفظ

آیت دعوت اور اس کی تفسیر

حافظ ابن کثیر اور ان کا مختصر تعارف

دعوت نبی اور امت دونوں کا کام ہے

اتباع محبت کی نشانی ہے

اتباع کے موضوع پر قرآن کا دعویٰ

اتباع کی سرشاریوں کا نتیجہ

آیت دعوت کا اجمال اور اس کی حدیث سے تشریح

آیت کے چہرہ اجمال سے نقاب کشائی

حضرت ابو موسیٰ اشعرنی اور ان کا مختصر چہرہ

امت دعوت اور امت اجابت

امام بخاری کا حدیث ابی موسیٰ سے استدلال

حدیث ابی موسیٰ کی رہنمائی

زمین کی بارش سے استفادہ میں تین قسمیں

انسانی قلوب کی علم و ہدایت سے استفادہ میں تین قسمیں

114 پانی کا ذخیرہ رکھنے والی زمین یعنی محدثین

حدیث ابی موسیٰ میں محدثین اور اباب روايت

علامہ سندھی کا تشریحی نوٹ

محدثین کے بارے میں حضور انورؐ کا ایک اور ارشاد

116 پانی سے پیداوار کرنے والی زمین یعنی مجتہدین

حدیث ابی موسیٰ ۵ مجتہدین اور فقہاء

علامہ سندھی کی رہنمائی

فقہاء مجتہدین کے متعلق حضور انورؐ کا ارشاد

محدثین اور مجتہدین اسلام کا عملی سرمایہ ہیں

حدیث من یروہ اللہ بہ عہدہ اکی تخرج

حافظ ابن القیم کا تفصیلی بیان

حکیم الامت شاہ ولی اللہ کا بیان

احکام دعاوت اور اصحاب دعاوت دونوں ارشاد کا منطوق ہیں

118 ائمہ اجتہاد کی طاعت ضروری ہے

امت محمدیہ میں علماء کی دو قسمیں

فقہائے اسلام کا حافظ ابن القیم کی زبانی تعارف

آیت اطاعت میں اولی الامر سے فقہاء مراد ہیں

□ صاف اور سنگلاخ زمین یعنی مقلدین 118

مقلدین کی طرف ارشاد میں اشارہ

علامہ قسطلانی کی تشریح

تقلید کی حقیقت

ابن ماجہ کے حوالے سے صحابہ کے پانچ طبقے

صحابہ کے اختلاف مدارج پر شاہ ولی اللہ کا بیان

علم تحقیقی اور تقلیدی دونوں علم ہیں

منصب امامت میں مولانا شہید کا بیان

علائی شاطبی کی بیان کردہ علماء کی قسمیں

اہل السنۃ کے تقلیدی موقف پر امام ذہبی کا بیان

شاہ ولی اللہ کی اختیار کردہ تقلید کی تعریف

امام اعظم کی فضاہت میں شہرت کی وجہ

مجتہد ہونے کی ضروری شرطیں

مجتہد کون ہوتا ہے؟ اس کا جواب علامہ شاطبی کی زبانی

محدثین علم حدیث و روایت میں فنکار ہیں

انسار بعد کا حدیث میں مقام اور شاطبی کا بیان

□ حدیث کیا ہے؟ 124

قرآن میں نبوت کا مقام اور منصب اور اس کی تشریح

□ قرآن و قائل کے تحت نازل ہوا 125

بندرتج نزول قرآن کی توجہ اور اس سے استدلال

قرآن اور وقائع میں باہم تعلق

قرآن میں حضور انور کو اور قرآن کو نور کہنے کی وجہ

قرآن اور سنت میں چراغ اور روشنی کی نسبت ہے

□ حدیث تاریخ سنت کا نام ہے 126

السنۃ کے ایک سے زیادہ اصطلاحی معنی

فقہاء کی اصطلاحی زبان میں السنۃ

قرآن کے قراء سجد اور السنۃ کے لیے محدثین کی روایت

سنت کا سنت ہونا روایات محدثین کا محتاج نہیں ہے

اس موضوع پر حافظ ابن تیمیہ کا لطیف بیان

قرآن کی حفاظت کے دو طریقے سینہ اور محیفہ

سنت کی حفاظت بھی دو طرح ہوئی سینہ اور عمل کا بیان

حفاظت سنت اور حفاظت قرآن میں فرق کی وجہ

□ تاریخ سنت کے لیے حدیث کا لفظ 129

لفظ حدیث کا قرآن میں استعمال

قرآن میں دین کی نعمت کے اظہار کا نام حدیث ہے

تاریخ سنت کے لیے نام تجویز کرنے میں امت کی دیانت

□ حدیث کا صحیح مقام 130

دین میں قرآن و سنت کی بحیثیت

منکرین حدیث کا اسلام میں مقام

□ قرآن اور سنت میں فرق 131

□ امام الحرمین کا نظریہ 132

قرآن و سنت دونوں وحی ہیں

قرآنی وحی کی شان اعجاز اور اس کا مقام تعبدی

قرآن کی تلاوت اور سنت کے اتباع پر زور

قرآن و سنت میں نامساوی کا فرق ہے

نامہ پیام کے فرق پر امام ابو محمد الجونی کی تصریح

□ حافظ جلال الدین السیوطی کی تائید 133

قرآن مجزہ ہے سنت مجزہ نہیں ہے

سنت کا آغاز روایت بالمعنی سے ہوا ہے

نامہ اور پیام کا تفصیلی فرق

134

سنت بھی اللہ کی وحی ہے

قرآن لفظ دینے والوں کے مجموعہ کا نام ہے

قرآن کا ترجمہ قرآن نہیں ہے

نزول قرآن کے قرآن کا پیام بھی اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے

قرآن کی بتائی ہوئی وحی کی تین صورتیں

نزول قرآن کے لیے وحی کے اقسام سے گاندہ میں سے

ایک کی تعیین

علامہ آلوسی اور علامہ مہدی کے بیانات

تلفظ فی الروح بدو یا اور الہام کو قرآن نے وحی کہا ہے

امام شافعی کی الرسائل میں تشریح

137

قرآن میں حکمت سے مراد سنت ہے

حکمت سے سنت مراد ہونے پر قرآنی آیات سے استدلال

حکمت سے کیا مراد ہے اس کا امام شافعی کی جانب سے

تفصیلی جواب

حکمت کی آیتیں بھی قرآن کی آیات کی طرح تلاوت

ہوتی تھیں

سنت کی وحی الہی ہونے پر حافظ ابن قیم کا جامع تجربہ

کتاب کے ساتھ نبوت آنے کی ضرورت پر امام احمد کا بیان

کتاب و سنت کے باہمی رشتہ پر امام ابو حنیفہ کے بیانات

قرآن میں حضور انور کی اتباع کا غیر مشروط طالعہ ہے بقید علم ہے

مختصر قرآن کے شارح ہیں

سنت میں روایت بالمعنی جائز ہونے کی عقلی توجیہ

حافظ جلال الدین السیوطی کا مختصر اور اجمالی تعارف

السنة میں تو اتر لفظی نہ ہونے پر الجوزائری کا بیان

تواتر سے بحث کرنا محدثین کے دائرہ کار سے باہر ہے

حافظ ابن تیمیہ کی بتائی ہوئی دو اصولی باتیں

کلام کے کاشف اور افضل ہونے کا معیار اور امام خطابی

144

اتباع وحی اور تلاوت وحی میں فرق

ماہوتی میں الکتاب کی قید تلاوت کے ساتھ مخصوص ہے

145

صحیح مسلم کی حدیث ابی سعید کا منشاء

حدیث ابی سعید خدری مطول ہے

حافظ ابن حجر کا اجمالی تذکرہ

لا تکتبوا عنی غیر القرآن میں غیر کا موصوف

محدوف ہے

کتابت کی ممانعت پر ڈاکٹر یحییٰ صالح کی رائے

ممانعت کے عملی مصداق پر امام خطابی کا بیان

الحديث الفاصل میں رامہر حزی کی رائے

حضرت ابو ہریرہ کی مسند احمد کی حدیث سے استدلال

ڈاکٹر عبداللہ کی حدیث ابی سعید کے مصداق کے متعلق

رائے

حدیث ابی سعید کتاب کی حدیثوں کے سوا ضعیف نہیں ہے۔

حضور انور کی جانب سے اجازت اور اس پر احادیث سے

استدلال

حدیث ابی سعید کا فتح اور علامہ احمد محمد شاہ کا اصرار

تا قابل انکار حقیقت

152

دور نبوت میں حدیث کا کتابی ذخیرہ

- احکام و سنن کی کتابیں
- عمر بن حزم کی تالیف کی تاریخی حیثیت
- قاضی ابوبکر کے پاس عمرو بن حزم کی دستاویز
- دستاویز عمرو بن حزم سے اسلام میں متداول ہے
- کتاب الصدقہ نبوت کا تحریر سرمایہ ہے
- خلفائے راشدین کا کتاب الصدقہ پر عمل
- سالم بن عبد اللہ سے کتاب الصدقہ کی روایت
- کتاب الصدقہ کی تاریخی اور روایتی حیثیت
- 158 صحابہ کرام اور کتابت حدیث
- 158 صحیفہ صادقہ
- صحیفہ صادقہ کا تواتر
- 161 صحیفہ علی مرتضیٰ
- 161 صحیفہ صدیقی
- 163 صحیفہ جابر
- 164 صحیفہ سمرہ
- صحیفہ سمرہ کی روایت
- امام حسن بصری کا اجمالی تذکرہ
- صحیفہ محمد اور اس کا پورا نام
- 164 الصحیفۃ الصغیرہ
- 165 ایک غلط فہمی کا ازالہ
- اہل عرب میں غنی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کے ذرائع
- 166 حدیث بیان کرنے والے صحابہ کرام
- حدیث روایت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد

- اس قدر قلیل تعداد صحابہ کی روایت کی تعداد
- شاہ ولی اللہ کا تاریخی انکشاف
- تعداد حدیث کے لحاظ سے صحابہ کی قسمیں
- صحابہ کرام کے امام حاکم کے بتائے ہوئے بارہ طبقے
- 169 صحابہ کرام میں حفاظ و فقہاء
- فقہاء صحابہ کی حفاظ صحابہ پر تنقید
- صحابہ میں حضرت ابو ہریرہ کا مقام
- حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ کا موازنہ
- ترجمہ روایت کے لیے فقہاوی کی شرط
- حفظ و ضبط اور فقہ و اجتہاد میں موازنہ
- حضرت عائشہ کے صحابہ پر تحقیقات
- حضرت عمر کی جانب منسوب بیانات کا صحیح فناء
- امام داری اور حکیم الامت کی رائے
- موقف عمر کی عمل عمر سے تقسیم
- حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں ایک ہزار چھتیس محدث
- آخر ہلا فقہاء اور محدثین ہوتے تھے
- صدر الاول میں سنت سے فقہ مراد ہوتا تھا
- 176 خلافت راشدہ اور مدوین حدیث
- حافظ ابوبکر بن عقیل کا توضیحی بیان
- دور خلافت میں حدیث کے مدون نہ ہونے کے وجوہ
- نبوت کا امتیازی مقام خلافت ہے
- آیت شیخ کی شاہ ولی اللہ کی بیان فرمودہ تفسیر
- اسلام میں خلافت راشدہ کے اعمال کی بحیثیت

□ امام اعظمؒ کی محبت سنی ہونے کی علامت ہے 197

عبدالعزیز بن میمون امام اعظمؒ کے معاصر ہیں
دکھ بن الجراح قدوسی میں امام اعظمؒ کے قول کو اپناتے تھے
امام یحییٰ بن سعید امام اعظمؒ کے فتویٰ میں مقلد تھے
امام اعظمؒ کی تقلید ۱۹۵ء سے پہلے شروع ہو چکی تھی
یحییٰ بن سعید امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں

□ رخ انور اور سر پائے امامت 199

امام اعظمؒ کی تاریخ ولادت میں اختلاف

□ امام اعظمؒ تابعی ہیں 199

□ اسلام میں صحابہ کا مقام 200

صحابہ کی عدالت قرآن سے ثابت ہے
عدالت صحابہ پر ملاحظہ فرمائی اور ابن عبد السلام کی تصریح

□ تابعین کی بزرگی 200

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے استدلال
حدیث عائشہؓ کی روایت سے استدلال
خیر القرون کی محدثین کی پیش کردہ تفسیر
صدر اول اور سلف صالح کی تشریح
کمال علم اور کمال ایمان میں صحابہ کا مقام
دور نبوت میں امام اعظمؒ کی ولادت

□ محدثین کی زبان میں تابعی 205

صحابی کی تحریف امام بخاری کی زبانی
ارشادات نبوت سے امام بخاری کی تائید
امام اعظمؒ کو صحابہ کی دید کا شرف ہے غبار ہے

□ امام اعظمؒ کی تابیت اور محدثین کرام

□ حافظ ابن حجر عسقلانی 208

امام اعظمؒ کی تابیت پر حافظ ولی الدین عراقی کا فیصلہ

□ حافظ زین الدین عراقی کا تبصرہ 210

حافظ عراقی کی بیان کردہ تابعین کی فہرست

□ علامہ قسطلانی کی رائے 211

حافظ ابن عبدالبر کا تابیت امام کے بارے میں انکشاف

عبداللہ بن الی ارث سے امام اعظمؒ کو شرف دید

حافظ ابو بکر الجعفی اور عبداللہ بن الحارث کی تاریخی وقایع

حافظ ابو بکر الجعفی اور ان کی تاریخ رجال سے واقفیت

دید کی شہادت ایک مثبت دعویٰ ہے

اثبات دینی میں تعارض پر محدثین کا فیصلہ

جزء مدنیہ میں امام بخاری کا زین فیصلہ

امام اعظمؒ کا حضرت انسؓ کو دیکھنا متفق علیہ ہے

صحابہ تابعین کے لیے قرآن میں چار درجے

□ امام اعظمؒ کا زمانہ طلب علم 214

ولید بن عبدالملک کو تین کارآمد سہ سالار

زمانہ ولید میں اسلامی حکومت کا جغرافیہ

امام اعظمؒ کے چھپنے اور لوہین کا دور

□ کوفہ کی مرز کی حیثیت 215

کوفہ کا جغرافیائی مقام

زمانہ فاروق اعظمؓ میں کوفہ کی آبادی اور اس کی وجوہ

کوفہ کی آبادکاری کے لیے کمیٹی کی تشکیل

کوفہ میں آبادکاروں کی اولین تعداد ۴ ہزار ہے

کوفہ کی جدید تحکیم اور ادبیات، ماسدی کا سروے
کوفہ کا نقشہ اور اس کی تمدنی و تہذیبی مرکزیت
کوفہ میں زمانہ عاروق میں مسکنوں کا نمونہ
۴۰ ہزار آباد کاروں میں صحابہ کی تعداد
صحابہ کی تعداد میں محدثین و مورخین کا اختلاف
احمد امین کی زبانی کوفہ کا علمی نسب نامہ
علماء کوفہ کے شوق طلب علم پر حافظ ابن تیمیہ کا انکشاف
فن قرأت تجوید کے امام اور کوفہ
علم التفسیر اور کوفہ

عربیت اور نحو صرف کی تدوین اور کوفہ
علماء لغت کے یہاں کوفہ کی لسانی اہمیت

220 امام اعظمؒ کی علمی طلب گاریوں کا زمانہ

علمی طلب گاریوں کے لیے نقطہ آغاز
آغاز طلب میں امام اعظمؒ کی علم الکلام سے دلچسپی
علم الکلام میں امام اعظمؒ کی مہارت
نظریۃ العلم کے لیے امام فہمی کا مشورہ
الشرائع کی طرف متوجہ کرنے میں امام فہمی کا کردار
آغاز طلب علم کے بارے میں غلط فہمی کا ازالہ

221 امام اعظمؒ اور فنون عصریہ

علم الشرائع سے پہلے امام اعظمؒ نے فنون حاصل کیے
مصر کا دور میں امامت پر پہنچنے اتنے شبانہ کا بیان
زمانہ امام اعظمؒ میں عربیہ علوم اور ان کی تقسیم
امام اعظمؒ کی علمی طلب علم کی تاریخی ترتیب
امام اعظمؒ نے لڑکپن میں علوم مصریہ میں تحصیل فرمائی تھی

224 امام اعظمؒ اور علوم عقلیہ

علوم عقلیہ میں مہارت پر عبداللہ بن ابی حفص کا بیان
امام اعظمؒ کی کلامی اور عقلی علوم میں شہرت
تفہیم مدرس اور مکاتیب سے امام اعظمؒ کے مناظرے
امام اعظمؒ کے مذاہب میں علمی مسائل
حافظ ابن رجب حنبلی کا اختلاف پر تاسف
مسئلہ ایمان میں اختلاف اور جیم بن مغفون کا موقف

226 مسئلہ ایمان اور امام اعظمؒ

ایمان میں تصدیق اقرار اور اعمال کا باہمی ربط
ارشاد نبوت سے ربط کی تائید
زبان کا اقرار ایمان میں کیوں شرط ہے؟
ایمان میں امام اعظمؒ کے نزدیک اقرار کی اہمیت
ایمان کے موضوع پر امام اعظمؒ کا قانونی موقف

230 امام اعظمؒ کی علم کلام میں تصانیف

معجزہ کا خط پر دو پیکند
البیاضی طاش کبریٰ، بزازری اور بزدوی کی تصریحات
امام اعظمؒ کی کلامی کتابوں کی تاریخی حیثیت

232 علم کلام اور اس کا حکم

امام اعظمؒ کے نزدیک اسلامیات میں علم کلام کی حیثیت
دفاعی سرمایہ کی ہے
امام الحرمین اور امام فرائی کی تائید
علم کلام کے موضوع پر اولیت کا شرف امام اعظمؒ کو حاصل ہے

۵۵۹ء سے ۱۰۴۳ء تک کا وقت امام اعظمؒ نے حدیث پر

صرف کیا

□ امام اعظمؒ طالب علم حدیث کی حیثیت سے 237

□ امام فہمی کا امام اعظمؒ کے کا بر شیعہ میں شمار

□ امام فہمی کی حدیث میں شان جامعیت

□ امام اعظمؒ کے طلب علم کی تاریخی داستان کا اجمالی خاکہ

□ بیس سال کی عمر میں حدیث پڑھنے کی وجہ 239

□ علم حدیث میں زمانہ طالب علمی میں امام اعظمؒ کی سبقت 240

□ امام مسور بن کدام کی شہادت

□ علم حدیث میں امام مسور بن کدام کا مقام

□ امام یحییٰ کی زبانی امام اعظمؒ کی اہلیت کا اعتراف

□ امام اعظمؒ کے حدیث میں اساتذہ 242

□ امام اعظمؒ کے اساتذہ حدیث کی عظمت 243

□ اساتذہ کی عظمت سے علاوہ کی عظمت کا اندازہ

□ امام اعظمؒ کی برتری کی ادنیٰ شہادت

□ مملکت اسلامی میں حدیث کی درسگاہیں

□ علم حدیث کی صحیح صادق کا طلوع

□ امام اعظمؒ کے اساتذہ میں پہلا طبقہ 247

□ محدثین کے نزدیک عدم صحت موضوع ہونے کو مستلزم

نہیں ہے

□ حدیث کے صحیح نہ ہونے کا مطلب

□ حدیث ضعیف کی بھی دو قسمیں ہیں

□ حدیث افتراق کے بارے میں فیروز آبادی کا دعویٰ

□ صحابہ سے شرف روایت

□ صحابہ سے روایت کے بارے میں ثبوت معتد ہے

□ امام اعظمؒ کا حضرت انس بن مالک سے تلمذ 251

□ حضرت انس بن مالک کا اجمالی سوانحی چہرہ

□ حضرت انس سے امام اعظمؒ کی روایت طلب علم

□ امام اعظمؒ کا حضرت عبداللہ بن الحارث سے تلمذ 254

□ امام اعظمؒ کی زبانی عبداللہ سے ملاقات کا واقعہ

□ عبداللہ سے امام اعظمؒ کے سماع کی تصریح

□ عبداللہ بن الحارث کی تاریخی وقایع

□ حافظ ابو بکر البجالی ظل حدیث اور تاریخ رجال کے امام ہیں

□ عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے امام اعظمؒ کا تلمذ 256

□ تحمل روایت کی عمر اور محدثین 257

□ اتصال روایت کی شرط 258

□ کوفہ میں علم حدیث 259

□ کوفہ میں صحابہ کرام

□ بخاری شریف میں کوفہ کے محدثین کے راویوں کی تعداد

□ کوفہ کے محدثین کی تذکرہ الحفاظ سے فہرست

□ علامۃ التابعین امام فہمی سے تلمذ 267

□ حدیث کی زبانی یادداشت کا دور

□ امام حماد بن سلیمان سے تلمذ 271

□ میزان الاعتدال میں ائمہ متبوعین کا ذکر 273

□ تاریخ کا المناک حادثہ 274

□ امام حماد پر ار جاء کی تہمت 275

حافظ سیوطی کی ربانی ارجاء کی حقیقت

281 ابو اسحاق السہمی سے تلمذ □

283 الامام الحافظ شیبان سے امام اعظم کا تلمذ □

285 الحکم بن عتیبہ سے امام اعظم کا تلمذ □

286 امام اعظم کا طلب علم کے لیے سفر □

287 علم کی خاطر اسلام میں سفر کی اہمیت □

289 حدیث اور فقہ کا باہمی تعلق □

فقہ حدیث کا تعلق شاہ ولی اللہ کی ربانی

فقہ حدیث کا تعلق علامہ خطابی کی ربانی

296 رحلت علیہ کی تاریخ □

امام اعظم کے اسفار حج کی تعداد

لیف بن سعد کی امام اعظم سے پہلی ملاقات

مکہ میں امام اعظم کے ارگرداہل فقہ اور محدثین کا ہجوم

مکہ میں امام اعظم کا چار سال نو ماہ قیام

299 حجاز میں امام اعظم کے مشاغل □

300 محدث اور فقیہ میں فرق □

302 حدیث اور روایت حدیث □

روایت و اسناد سے پہلے حدیث کا مقام

اسناد و روایت کے فن میں وسعت

جو حدیث ابو حنیفہ کو ایک یا دو واسطوں سے ملتی ہے

وہ امام بخاری و مسلم کو چھ واسطوں سے ملتی ہے

صحابہ اور کبار تابعین میں کوئی ضعیف نہ تھا

307 مکہ مکرمہ کی علمی حیثیت □

حرمین کے عمل پر اعتقاد اور امام بخاری کا مسلک

309 امام اعظم کا عطاء بن ابی رباح سے تلمذ □

عطاء بن ابی رباح کی علمی وسعت پر ایک ضروری تنبیہ

312 ایک ضروری تنبیہ □

313 حافظ عمرو بن دینار سے امام اعظم کا تلمذ □

313 حکومت اور عدالت □

315 عمرو بن دینار کی اور عمرو بن دینار بصری □

316 حافظ ابوالزبیر محمد بن مسلم سے امام اعظم کا تلمذ □

317 المدینہ المکرمہ □

318 مدینہ کے فقہاء و سبب □

عمر بن عبدالعزیز کی مدینہ میں مشاورتی کونسل

فقہاء و سبب پر ابن ہشام و حنبلی کا نوٹ

320 مدینہ کے علم و عمل پر اعتماد □

324 خواب گاہ نبوت کی زیارت اور مسجد نبویؐ میں عبادت □

326 الحافظ ابو عبد اللہ تافع الہمدی ۱۱۸ھ □

328 روایت میں راویں کا تعبیری اختلاف □

330 احادیث فقہ اور روایات حدیث □

332 الحافظ ابو بکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ۱۴۳ھ □

333 سب سے صحیح سند ہے □

334 ایک لطیف نکتہ □

334 قاسم بن محمد کی شان علمی □

- عمرہ بنت عبد الرحمن کا علمی مقام
- 338 امام اعظمؒ نے امام مالک سے روایت لی ہے
- 341 اشہب کی روایت سے غلط فہمی
- 343 حافظ مغنی کی تحقیق
- 345 امام مالک کی نظر میں امام اعظمؒ کا مقام
- بہرہ اور اس کی علمی حیثیت
- 349 الامام ابو بکر ایوب بن ابی تیمیہ السخانی
- 351 حدیث میں امام اعظمؒ کا نمایاں مقام
- 354 مجہول اور ضعیف راویوں سے روایت
- 356 علم اسناد و روایت میں مجہول کا مسئلہ
- 357 مجہول کی دو قسمیں
- 358 اختلافی عصر و زمان
- 359 امام اعظمؒ کی ضعفاء سے روایت ان کی تعدیل ہے
- 361 ضعیف روایات کا درجہ شواہد اور توابع کا ہے
- 364 خطاء اور غلطی سے کوئی پاک نہیں ہے
- موضع اوہام الجمع و التفریق میں امام بخاری کے اوہام
- تذکرۃ الخطاء میں امام اعظمؒ کے مشائخ
- تذکرۃ الخطاء کا علمی مقام
- 371 امام اعظمؒ کا حفاظ حدیث میں مقام
- 374 امام اعظمؒ اور اسناد عالی
- اسناد عالی کی تلاش سلف کی سنت ہے
- اسناد عالی کی استنباط پر حدیث سے استدلال

- 380 امام اعظمؒ کی احادیات
- 381 اسناد عالی کی دوسری قسمیں
- 385 امام اعظمؒ کی ثنائیات
- 386 امام اعظمؒ کی ثلاثیات
- امام بخاری کی ثلاثیات اور ان کے ذرائع
- 387 امام کی بن ابراہیم
- 388 الفضاک بن مخلد
- 390 امام اعظمؒ کی رباعیات
- 391 تاریخ تدوین حدیث
- 392 طرق و اسانید حدیث کی تعداد
- 393 احادیث صحیحہ کی اصلی تعداد
- 394 قرآن کی ۶۲۳۶ آیتیں اور ۴۴۰۰ حدیثیں
- احادیث یاد کرنے کا سلف میں رواج
- 397 تدوین حدیث اور عمر بن عبد العزیز
- 398 جمع قرآن اور صحابہ
- 399 جامع القرآن کا حضرت عثمان غنیؓ کے لیے لقب
- 401 ۹۸۰ تک حدیث پر علمی سرمایہ
- عمر بن عبد العزیز کا تدوین حدیث کے لیے سرگرم
- اسلام کے علمی سرمایہ پر حافظ ابن حزم کا بیان
- فرمان خلافت میں حدیث عمر کا اضافہ
- 407 اسلام میں خلفائے راشدین کی سہ

- 412 جمع قرآن بیان قرآن پر ایک اہم تفسیری نکتہ □
 آیت جمع کی تفسیر ابن عباس اور شاہ ولی اللہ کی تحقید □
 ان علیہما جمع کی شاہ ولی اللہ کی بیان کردہ تشریح □
 417 عمر اول اور عمر ثانی کے عمل میں ہم آہنگی □
 418 تدوین حدیث کی اولیت کا شرف □
 419 دوسری صدی ہجری میں علم حدیث □
 421 امام اعظم شریعت کے مدون اول ہیں □
 423 حدیث میں امام اعظم کی تصنیف □
 424 کتاب الاثر کا طریق تالیف □
 الامانی طریق میں علاوہ کے لیے محدثین کی تعبیری بیان □
 426 کتاب الاثر کے نسخے □
 426 کتاب الاثر بروایت امام محمد □
 430 کتاب الاثر بروایت ابی یوسف □
 431 کتاب الاثر بروایت امام زفر □
 433 کتاب الاثر بروایت حسن بن زیاد □
 435 ناموں کی تصحیف پر ایک ضروری توضیح □
 436 کتاب الاثر کی روایتی صحت □
 438 کتاب الاثر کی علمی حیثیت □
 439 کتاب الاثر کا تاریخی مقام □
 442 کتاب الاثر کی امتیازی حیثیت □
 444 کتاب الاثر کی مقبولیت □

- 446 کتاب الاثر کا محدثین پر اثر □
 448 کتاب الاثر کی علمی خدمت □
 450 ابواب اور مسانید میں فرق □
 452 حافظ محمد بن مخلد دوری □
 453 حافظ ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید □
 455 حافظ عبد اللہ الحارثی □
 457 حافظ محمد بن ابراہیم الاصفہانی □
 458 حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر □
 459 حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد □
 460 حافظ ابو نعیم الاصفہانی □
 461 حافظ ابن ابی العوام □
 462 حافظ ابن عدی □
 462 حافظ ابوالحسن اشعری □
 463 حافظ ابوبکر بن عبد الباقی □
 464 حافظ طلحہ بن محمد □
 464 حافظ ابن عساکر دمشقی محدث □
 465 حافظ امام عیسیٰ جعفری مغربی □
 محدث خوارزمی کا ترتیب ملوہ جامع المسانید □
 468 المحراف حافظ ابن القیسرانی □
 469 مسانید امام اعظم کی شرحیں □
 470 حدیث کا دوسرا مجموعہ موطا امام مالک □

- کتب حدیث میں موطاء کا مقام □
 موطاء کی وجہ ترجیح □
 موطاء کے روایتی سلسلے کی مرکزی شخصیتیں □
 جامع معمر بن راشد 476 □
 جامع سفیان الثوری 479 □
 اس دور کی اور کتابیں 482 □
 کتاب السنن ابن جریج 483 □
 کتاب الفرائض لابن مقسم ۱۸۶ھ 484 □
 کتاب السنن لزامد بن قدامہ 484 □
 کتاب السنن یحییٰ بن زکریا ۱۸۴ھ 485 □
 کتاب السنن وکیع بن الجراح ۱۹۷ھ 486 □
 کتاب السنن سعید بن ابی عروبہ ۱۹۵ھ 487 □
 کتاب التفسیر ہشیم بن بشیر ۱۸۳ھ 488 □
 کتاب الترمذی عبد اللہ بن المبارک 488 □
 سیرت و مغازی 489 □
 فقہ و شرائع 490 □
 فقہ و شرائع میں امام اعظم کی تصانیف 496 □
 دور صحابہؓ ۱۰۲ھ سے ۲۲۰ھ تک حدیث 498 □
 دوسری صدی کے مصنفین اور ان کی کتابیں □
 مصنفین اور تلامذہ امام اعظمؒ 501 □
 تیسری صدی میں علم حدیث 504 □

- علم حدیث میں کثرت طرق 504 □
 محدثین و حفاظ کے مراتب 505 □
 حدیث میں مولفیات کا توسع 507 □
 علم حدیث میں مسانید کی تالیف 507 □
 مصنفین مسانید کا پیش نہاد □
 تیسری صدی کے مسانید کی فہرست اجمالی □
 مسانید میں اولیت 511 □
 عبید اللہ بن موسیٰ کا تشیع اور محدثین کے یہاں اس کا مطلب □
 مسند امام احمد بن حنبل کی عظمت 512 □
 کیا مسند امام احمد میں موضوع حدیثیں بھی ہیں؟ □
 مسند امام جعفر بن محمد کی وسعت □
 علم حدیث میں مصنفات 518 □
 مصنف عبد الرزاق ۲۱۱ھ 519 □
 امام عبد الرزاق کو امام اعظم سے شرف تکذ □
 مصنف ابن ابی شیبہ ۲۴۰ھ 521 □
 مصنف ابن ابی شیبہ کی خصوصیات □
 امام مالک اور امام حلیف بن سعد کی خط و کتابت □
 امام ابو حنیفہ کی کتاب السیر پر امام اوزاعی کی تنقید □
 تیسری صدی ہجری میں صحاح کی تدوین □
 ابن ماجہ، سنن دارمی یا موطا کا صحاح ستہ میں شمار 530 □
 صحیح بخاری اور صحیح مسلم 532 □
 محدثین کے نزدیک صحیحین کا مقام 535 □

- 536 صحیحین میں صحت کا معیار □
 537 التزام صحت اور اس کا مطلب □
 537 بخاری و مسلم کی شرطیں □
 541 تلقی امتثال قبول اور صحیحین □
 بخاری و مسلم کا صحیحہ میں مقابلہ بعد میں آنے والوں □
 صحیح بخاری کا پورا نام اور اس کی سب سے بڑی خوبی □
 549 صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں موازنہ □
 552 حدیث میں امام مسلم کا بیان □
 554 سنن نسائی اور صحاح میں اس کا مقام □
 557 سنن ابی داؤد کا صحاح میں مقام □
 سنن ابی داؤد کی فقہ میں داہمی ہونے کی وجہ □
 561 سنن ترمذی کا صحاح ستہ میں درجہ □
 563 صحیح کے ساتھ حسن اور غریب کی اصطلاح □
 565 ترمذی کے بارے میں ایک اہم سوال □
 568 صحاح ستہ میں ابن ماجہ کا مقام □
 570 مؤلفین صحاح کے نقطہ نظر کا اختلاف □
 571 امام بخاری کا نقطہ نظر □
 572 امام مسلم کا نقطہ نظر □
 573 امام ابوداؤد کا تالیف میں مقصد □
 574 امام ابویسیٰ ترمذی کا پیش نہاد □

- 575 امام نسائی کا کتاب کی تالیف میں مسلک □
 575 امام ابن ماجہ کا نقطہ نظر □
 576 صحاح ستہ کی علمی خدمت □
 576 مستخرجات صحیحین اور استخراج کے فوائد □
 578 احادیث صحیحین کے طرق و اسانید کی تعداد □
 579 صحیحین اور دوسری کتابوں کے اطراف □
 580 دوسری اور تیسری صدی کے مؤلفین حدیث □
 تیسری صدی کے محدثین کا چہرہ شاہ ولی اللہ کی زبانی □
 چہرہ اللہ میں بیان کردہ دوسری صدی کے محدثین کا حال □
 585 دوسری اور تیسری صدی میں صحت حدیث کا معیار □
 587 حدیث مرسل اور دوسری صدی کے ائمہ حدیث □
 592 افراد و غرائب اور تیسری صدی کے محدثین □
 593 ابوداؤد ترمذی کی حدیث قلین □
 595 سنن ابی داؤد کی حدیث تائین □
 596 صحیحین کی حدیث خیاب مجلس □
 599 امام اعظمؒ اور حدیث کی صحت □
 راوی کے خطبہ صدر کی اہمیت اور اس کی شرط □
 خطبہ کا مفہوم اور اس کی حدیث کی نظر میں اہمیت □
 603 امام اعظمؒ اور دو قبول روایت □
 آئینی و قانونی لحاظ سے احادیث کی شہرت □
 608 امام اعظمؒ اور اہل ہوائی سے روایت □

جرمہ کے بارے میں حافظ دہلوی کا خالص مہرمانہ
نقطہ نظر

614 جرح و تعدیل رواقہ حدیث اور امام اعظم

علامہ ستادی کی جرح و تعدیل پر ایک مورخانہ ستادہ

جرح و تعدیل کے موضوع پر امام ترمذی کا امام اعظم سے

استدلال

امام اعظم اور جامعہ دہلی کی تصنیف

زید بن عیاش اور امام مالک اور ابو حنیفہ کا اختلاف

621 اسماء الرجال اور امام اعظم

626 تحمل روایت حدیث اور امام اعظم

تحمل روایت کے طرق

سماع و عرض

631 تحمل روایت اور اجازت

632 تحمل روایت اور منادلہ

634 حدیث شاذ اور امام اعظم

639 روایت بالمعنی اور امام اعظم

حفظ الفاظ سے اور معرفت کا معانی سے تعلق ہے

روایت بالمعنی کی اجازت اور اس کی ضروری شرطیں

روایت بالمعنی کے جواز کے لیے علماء کے بیان کردہ نتائج

روایت بالمعنی کا دائرہ کار وسیع ہونے سے علماء کی پریشانی

652 مراتب حدیث اور امام اعظم

653 تواتر اسناد

655 تواتر عمل

حدیث ضعیف کو امر تواتر عمل کی تائید ہو تو دو گنج قرار پاتی ہے

656 تواتر قدر مشترک

659 اخبار آحاد اور امام اعظم

660 اخبار آحاد کا معیار احتجاج

معیار احتجاج میں صحابہ روایت اور باب حدیث کا مسلک

سنہ سے متعلق تحقیق محدثین کا اور متن سے متعلق تنقیح

فقہاء کا کام ہے

صحیح حدیث کے ساتھ قبولیت حدیث کی شرطیں

قبولیت حدیث کی پہلی شرط کہ مسلمہ اصولوں کے خلاف

نہ ہو

665 مسلمہ اصولوں کے خلاف روایت

کیا ہر حدیث بجائے خود ایک اصول ہے؟

حدیث کذبہ بات ابراہیم اور اس پر الجہازی کی تنقید

670 معانی قرآن سے متصادم حدیث

حدیث کے ضعیف ہونے کی وجوہ متعدد اور تہاکن ہوتی ہیں

حدیث المعنی بیان کی حد ثانیہ اور ثلثیہ نہ قطعیہ

حدیث کی قبولیت میں معانی قرآن سے تصادم علت

قادر ہے

حدیث معراۃ اور معانی قرآن سے اس کا معارضہ

سنت مشہورہ سے معارضہ حدیث

حدیث معراۃ اور امام اعظم کے موقف کی غلط ترجمانی

سنت مشہورہ سے معارضہ حدیث

سنت مشہورہ سے معارضہ اور حدیث عمرو بن سلمہ

685 اخبار آحاد کا تواتر سے معارضہ

حدیث مسلم کی تعلیل اور حافظہ امین تیمیہ کا جواب
احادیث رفع یدین کا تواتر سے معارضہ
علامہ مصیبن الدین سندگی کا خدشہ اور اس کا جواب

- اعمال و اقوال صحابہ کا اسلام میں مقام 693
□ اخبار آحاد میں مفاہمت اور امام اعظمؒ 696
□ رفع یدین کی صورت 702
□ ہبہ کی واپسی پر احادیث میں مفاہمت 703
□ ارشاد نبوت اور صیابی کے فتویٰ میں مفاہمت 705
□ احمد حسین کراچی پر فکری اختلاف کی بنا پر جرح
□ دلائل کلب پر ابو ہریرہؓ کا فتویٰ اور امام ربیعؒ کی معذرت
□ نعیم بن حمار پر وضع حدیث کا الزام
□ جماعت کھڑی ہو جانے پر سنتیں پڑھنا 710
□ مختلف اوقات میں سنتوں کی ادائیگی پر آثار صحابہ
□ صبح کی سنتوں کی ادائیگی پر آثار صحابہ
□ قیس بن فہد کے واقعہ کا غلط استعمال
□ وجوہ ترجیح اور امام اعظمؒ 716
□ کیا مختلف احادیث میں فقہات و جہت ترجیح ہے؟
□ فقہات و جہت روایت کی نہیں بلکہ ترجیح کی شرط ہے
□ رفع یدین کے موضوع پر امام ابو حنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کی گفتگو
□ واقعہ کی روایتی حیثیت اور علامہ سندگی کا پیش
□ علو اسناد سے ہٹ کر فقہات کیوں وجہ ترجیح ہے؟
□ حنیفہ کے نزدیک وجہ ترجیح اہمیت ہے یا کثرت نہیں ہے
□ حدیث ضعیف اور امام اعظمؒ 726

□ حقد میں سے امام ترمذی سے پہلے حدیث کی تقسیم ثنائی تھی
□ حقد میں اور متاخرین کی حسن میں فرق
□ رائے کے مقابلے میں ضعیف حدیث پر عمل حنیفہ کا مذہب ہے
□ ضعیف پر عمل میں امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ میں ہم آہنگی
□ ضعیف سے حقد میں کی اصطلاحی ضعیف مراد ہے

- حدیث قہقہہ سے وضو ٹوٹنے پر استدلال 731
□ نیز تہر سے وضو کی حدیث 732
□ حدیث مقدار
□ ضعیف پر عمل کے بارے میں ارباب روایت کے مسلک
□ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی نین شرطیں
□ علامہ دوانی کا شبہ اور اس کا جواب 736
□ دوانی کے شبہ پر علامہ خفائی کا جواب
□ علامہ خفائی کے جواب پر مولانا عبدالحی کی تنقید
□ دوانی کے شبہ کا خود دوانی کا دیا ہوا جواب
□ حدیث و قیاس میں تعارض اور امام اعظمؒ 740
□ قیاس کی شریعت پر طامی آراء
□ خبر واحد اور قیاس میں تعارض پر امام اعظمؒ کے موقف کی توضیح
□ فخر الاسلام کی جانب سے امام اعظمؒ کے مسلک کی غلط
ترجمانی
□ صدر الاسلام کی جانب سے امام اعظمؒ کے مسلک کی صحیح
ترجمانی
□ شیخ ابوالحسن کرمی کی جانب سے صدر الاسلام کی یہ
□ حدیث میں امام اعظمؒ کے اصول 748
□ صحت حدیث کے اصول اور قبولیت حدیث کے ضوابط

کلمات تشکر

اللہ جل شانہ نے انسانوں کی بلندی اور برتری کے لئے اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ پیدا فرمائے، انہی اخلاق حسنہ اور صفات عالیہ کی وجہ سے انسانیت آج اُجڑ رہی ہے اور جو مومن بندے ان سے متصف ہوتے ہیں ایسے افراد اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی مقبول ہوتے ہیں اور اس کے بندوں کے یہاں بھی انہیں مقبولیت عامہ نصیب ہوتی ہے، ان صفات عالیہ میں صفت تواضع اور انکساری بڑی اہمیت رکھتی ہے، اکابر و پوہندہ کو اللہ تعالیٰ نے علوم وافرہ کثیرہ سے بھی نوازا اور افعال صالحہ اور اخلاق عالیہ سے بھی متصف فرمایا، ان حضرات نے تواضع اور انکساری کو ایسا اپنایا اور حرز جاں بنایا کہ قرن ماضی میں اس کی نظیر نہیں ملتی، نیز ان حضرات میں زہد و استقامت بھی بڑے درجے کا تھا، تحریر و تقریر، شریعت و طریقت کی خدمات سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے تھیں، مخلوق سے کسی چیز کے طالب نہ تھے، کسی شخص نے خواہ کتنا ہی بڑا ہو، مال دار صاحب اقتدار ہو، ذرا سا بھی لالچ نہیں رکھتے تھے، اہل مال جو ان حضرات کے معتقد تھے وہ چاہتے تھے کہ کچھ پیش کریں، لیکن ان حضرات کا مزاج یہ تھا کہ قول و فعل سے یہ غلام فرما دیتے تھے کہ ہماری خوشی اس میں ہے کہ جس وجہ سے ہم سے تعلق ہے یعنی علم یکتا اور عملی زندگی کو اپناتا، ہم اس سے خوش ہوتے ہیں۔

اس کی ایک نظیر ضلع سیالکوٹ میں حضرت مولانا محمد علی صدیقی کا نہ صوفی کی ذات اقدس قصبہ کا نہ محلہ میں پیدا ہونے والا بچہ اور تعلیم و تربیت کا سفر مظاہر العلوم سہارنپور اور دارالعلوم

جیسے صحت کے موضوع پر قوانین تحریر کی ہیں ایسے ی
قبولیت کے موضوع پر اصول تحریر کی ہیں
دوسرے علوم کی طرح حدیث بھی ایک علم ہے
شاہ ولی اللہ کا بے مثل سہارا اور اس پر تفصیلی بحث

754 شاہ صاحب کا منشاء □

اصول وضو با صحت و قبولیت حدیث
مجتہدین کے پیش نظر شریعت کا پورا نظام ہوتا ہے
مجتہدین اس حیثیت میں انبیاء سے مشابہت رکھتے ہیں

760 تلاذہ حدیث اور امام اعظم □

الحافظ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ
امام ابو عبد الرحمن المقری

768 ابن ابی حاتم کا مخالف □

امام عبد اللہ بن المبارک
یحییٰ بن محمد حدیث کا مطلب

777 الامام ابراہیم بن طہمان □

محمد ثنین کی اصطلاحی زبان میں ارہاء کی حقیقت

780 الامام الحافظ مکی بن ابراہیم □

783 الامام الضحاک بن مخلد ابو عاصم النبیل □

786 الامام الحافظ یزید بن ہارون □

788 الامام الحافظ وکیع بن الجراح □

791 الامام الحافظ علی بن مسہر □

792 الامام الحافظ حفص بن غیاث □

794 الامام الحافظ ہشیم بن بشیر □

محمد ثنین کا امام اعظم سے علمی رشتہ

دیوبند سے ملے کرتا ہوا صرف اشاعت دین اور توحید و سنت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرتا ہوا
سیالکوٹ میں آ بسا اور اپنی زندگی کے ستون سال گزار کر سرخرو اپنے مالک حقیقی سے ج ملا۔
مولانا کے علمی تحقیق اور وسعت علمی، اقدس و للیبت کا اندازہ ان کے اساتذہ کرام
اور تحریرات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے اور کسی اہل علم و دانش پر یہ پوشیدہ نہیں۔

میرے لیے یہ امر انتہائی مسرت کا باعث ہے کہ آج سے تقریباً دو سال قبل میرے
محبی و محترمی جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب مدظلہ نے حضرت مولانا کی ایک انتہائی علمی کاوش
”امام اعظم اور علم الہدیث“ کی از سر نو پیموزنگ اور ترتیب جدید کے ساتھ طباعت کا ذمہ مجھے
سونپا جو اشغال کثیرہ کی وجہ سے بظاہر میرے لیے ممکن نہ تھا۔ مگر کتاب کی افادیت ملحوظ خاطر
رکھتے ہوئے کام شروع کر دیا۔ جو الحمد للہ مختلف منازل طے کرتا ہوا پایہ تکمیل کو پہنچا جو میں سمجھتا
ہوں کہ جتنا مولانا کی توجہ و فیض جاری ہی کا حصہ ہے۔

یہ کتاب کس درجے کی ہے اس کا اندازہ مشہور عالم اور نابغہ روزگار شخصیات کے
ان تاثرات سے لگایا جاسکتا ہے جو کتاب کے شروع میں منسلک ہیں۔ مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کتاب کی سترہ دن میں تالیف و تالیف کرامت
فرمادیا اور میرے ناقص علم کے مطابق اس قدر علمی اور ضخیم کتاب جس کے تمام مصادر و مراجع
امہات المکتب ہیں اتنی قلیل مدت میں تالیف کی گئی ہے جس کی مثال شاید اس سے پہلے نہیں
نہیں ملتی۔

اس کتاب کی ایک خاصیت جس کو میں نے نئی ترتیب و تدوین کے ساتھ پیموز کر دیا
اس کے شروع میں جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب مدظلہ کا انتہائی علمی اور شرح و بسط کے ساتھ
مقدمہ ہے جو اس قدر تحقیق و رجحان سے لکھا گیا ہے کہ وہ کتاب کا ایک حصہ ہی معلوم ہوتا
ہے۔ دیکھو کہ وہ اس کتاب ہی کا ایک حصہ تھا جو روایا و حکیم صاحب نے اسے تھیل فرمایا جس
نے اس کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

چونکہ حضرت مولانا محمد علی صدیقی بہارے درمیان نہیں ہیں اس لیے میری خواہش
تھی کہ مولانا کی مختصر سوانح حیات بھی لکھ دی جائے تاکہ قاری صاحب کتاب سے متعارف ہو
جائے۔ تو میں شکر گزار ہوں جناب انعام الحق خاڑی صاحب کا کہ انہوں نے یہ کام سر انجام دیا
ہے اور تقریباً مولانا مرحوم کے متعلق تمام ضروری معلومات احاطہ قلم کر دی ہیں۔

اور ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ ہم نے اس کتاب کی صحت و درستگی کا انتہائی اہتمام کیا
ہے پھر بھی انسان کمزور ہے کہیں غلطی ہو سکتی ہے آپ کا غلطی کا نشانہ ہی کرنا ضروری کا ثبوت
ہوگا۔ اور جس کی آنکھ و ایذیشن میں تصحیح کر دی جائے گی۔

میری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ اقدس میں قبول فرمائے
اور اس کتاب کو عوام خواص کے لیے نفع بخش بنائے آمین۔ درمیان مرحوم کے لیے باقیات
الصلوات بنائے۔ آمین

آخر میں میری مولانا مرحوم کے سیکڑوں تلامذہ اور قبعین سے اتنا اس ہے کہ مولانا
مرحوم کے علمی ذخیرہ کو جمع کیا جائے اور زیور طباعت سے آراستہ کیا جائے۔ تاکہ عوام و خواص
مولانا کے علوم اور فیوض و برکات سے مستفید ہو سکیں یہ ان کی ذمہ داری بھی ہے اور مولانا مرحوم
کا حق بھی ہے، اللہ جل شانہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کے لیے ہر قسم کے اسباب
اور وسائل مہیا فرمائیں۔ آمین

طالب دعا

حافظ زاہد علی

استاذ الفنون جامعہ اشرفیہ لاہور

لیکچرار شعبہ عربی گورنمنٹ کالج شیخوپورہ

امام اعظمؒ اور علم الحدیث
کے متعلق
گرامی قدر آراء

حضرت مولانا علامہ
ابوالوفاء افغانی رحمہ اللہ
احیاء الماریات لکھنؤ
حیدرآباد (دکن بھارت)

ماشاء اللہ تعالیٰ آپ نے بڑی جدوجہد کے بعد ایک ایسا مجموعہ مرتب کیا کہ قوم کو مستغنی کر دیا۔ کتاب کی تحقیقات اور اس کی خوبیاں تو فوراً اس پر بھی واضح ہو جائیں گی جس نے اس کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے۔ جیکے اصحاب و قعس سے دیکھا ہو، جزاک اللہ تعالیٰ خیر اہل تحقیق کی اور تفصیل سے بیان کیا۔ کاش یہ کتاب عربی میں ہوتی تو اس کی منفعت عام ہوتی۔ اب اس کا قائدہ صرف ان کے لیے ہے جو اردو سے واقف ہیں۔ میں کتاب پر تنصیلاً تو اس وقت پھر لکھ سکوں گا کہ اس کا پورا مطالعہ کر سکوں۔ اشغال و امراض غور سے پوری کتاب کے مطالعہ کی اجازت کہاں دیتے ہیں۔ تاہم میں ضرور اس کے مطالعہ سے فائدہ ہونے کی کوشش کروں گا بشرط زندگی، والموت ادنیٰ من شراک نعلی، تبدیل آب و ہوا کیلئے افغانستان جانے کا قصد ہے دو ماہ بعد اربیسر ہو تو شاید دیکھ سکوں۔ اب تو کتاب الحجہ جز ثانی کی جہت میں مشغول ہوں، اکثر حصہ کی طبعیت ہو چکی ہے، بحمدہ، اللہ تعالیٰ آپ کو مزید اس قسم کی خدمتوں کی توفیق دے اور حیات طیبہ نصیب فرمائے و نعمم اللہ کل خیر، آپ کے تعارف کا مشتاق ہوں والسلام و متم باخیر والہافیہ۔

.....

حضرت مولانا
خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ
مدرسہ خیر المدارس
ملتان

حدیث اور امام اعظم، پوچھی، ماشاء اللہ، اس کا راز تو آید و مردان چنین کنند۔

.....

حضرت مولانا
نعمت اللہ شاہ صاحب
حیدرآباد
(دکن بھارت)

کتاب امام اعظم اور علم الہدیٰ کے ابواب و فصول ایک مستقل کتاب کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر چاروں ائمہ کے فقہ کی تدوین کی جائے اور مختلف معروضات پر مضمون اور تہ کیل اور ترتیب، تہذیب نگارش جو علم الہدیٰ نبوی خاطر جمع کیے گئے ہیں، کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے، میں اس کتاب کو ہر مسلم جو نورانی اور ہر دارالعلوم کے لیے لازم و ملزوم سمجھتا ہوں۔ میں نے سوا عظمت اور اپنے خطبات کے لیے اس کتاب کو نہایت اہم اور ضروری سمجھا ہے۔ سینکڑوں اسماء الرجال، انسائیکلو پیڈیا یا دیگر کتب نہ لکھی جائیں اس کتاب کی اہمیت پیدا نہیں کر سکتیں۔

.....

دیرینہ قناعتی کہ حضرت امام اعظم کی مہارت علم حدیث اور ان کے اساتذہ و تلامذہ فی اللہ حدیث پر کوئی کتاب لکھی جائے۔ اب سے تقریباً چالیس سال پہلے خود احقر نے محدثین خفیہ کے نام سے ایک مقالہ ماہنامہ القاسم دارالعلوم دیوبند میں شروع کیا تھا مگر اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔

حال میں حضرت مولانا محمد علی صاحب مدنی کا ندھلوی کی تصنیف جدیدہ امام اعظم اور علم الہدیت، نظر نواز ہوئی تو دیرینہ قناعت پوری ہونے کا وقت آ گیا۔ کتاب کو جوں جوں دیکھتا گیا مسرت بڑھتی گئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے کہ پوری شرح وسط کے ساتھ اس موضوع پر بہترین اور مستند مواد جمع فرمادیا، اور اس کی افادیت اس سے اور بڑھ گئی کہ ہر جگہ اصل ماخذ کا حوالہ پوری وضاحت کے ساتھ دے دیا ہے۔ اور جب کتاب کے مقدمہ میں یہ پڑھا کہ اس کی تالیف کا زمانہ صرف وہ سترہ دن ہیں جن میں پاکستان ہندوستان کے حملہ پر دفاعی جہاد میں مصروف تھا اور مولانا مدظلہ کامل قیام سیکڑہ خصوصیت سے اس جنگ کا سخت ترین محاذ تھا انہی دنوں میں اس کتاب کی تالیف ہوئی تو معلوم ہوا کہ بلاشبہ یہ ایک کرامت ہے۔ اب کتاب چھپی ہوئی سامنے ہے سترہ دن میں کوئی متوسط آدمی اس کو اطمینان سے پڑھ کر بھی ہرا نہیں کر سکتا۔ لکھا اور وہ بھی سیکڑوں کتابوں کے حوالوں اور ان کی تشریحات کے ساتھ لکھا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

بہر حال کتاب کو مختلف مقامات سے پڑھ کر یہ اعلاہ ہوا کہ الحمد للہ اس موضوع پر کافی، شافی اور بڑا قابل قدر ذخیرہ مولانا نے پیش فرمادیا ہے لہذا ہم اللہ خیر الجزاء۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ
صدر دارالعلوم (کراچی)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی جدلت، شان اور علمی کمالات، دور و تقویٰ، عبادت و زہادت انکی چیز نہیں جس سے کوئی لکھ پڑھا مسلمان ناواقف ہو، اپنوں اور غیروں میں موافق اور مخالف سبھی ہیں۔ یہ چیز ناقابل اختلاف کبھی گئی ہے لیکن ہر امام اور ہر عام مقتداہ علوم دین کے مختلف شعبوں میں سے کسی ایک شعبہ کو بحیثیت فن کے اپنے سعی و عمل کے لیے مخصوص کر لیتا ہے یا منجانب اللہ ایسے اسباب ہو جاتے ہیں کہ یہ فن ان کی خصوصیت بن جاتی ہے۔ وہ دنیا میں عام طور پر اسی فن کے ماہر کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسرے علوم و فنون کا ماہر نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام علوم اسلامیہ، نقلیہ، تفسیر، حدیث وغیرہ میں بلکہ عقلیہ کلام وغیرہ میں بھی اعلیٰ مال عطا فرمایا تھا۔ مگر ان تمام علوم و فنون میں سے جس چیز کو اپنے لیے خاص فن کی حیثیت سے انہوں نے اختیار فرمایا وہ فقہ فی الدین ہے، اس لیے دنیا میں ان کی عام شہرت فقہ کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ اہل بصیرت سے تو یہ بات مخفی نہیں کہ فقہ میں کوئی شخص مہارت و امامت کا درجہ اس وقت تک حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک قرآن و سنت میں مہارت تامہ حاصل نہ کرے۔ مگر بعض سطحی نظر والوں نے امام اعظم کی جدلت شان فی علم الہدیت پر کچھ شبہات کیے، کچھ دوسرے لوگوں نے اسے عوام میں پھیلا یا اور بہت سے عوام غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ ان حالات کو دیکھ کر میری

حضرت مولانا

شمس الحق افغانی صاحب

صدر شعبہ تفسیر
اسلامی یونیورسٹی
بہاولپور

حضرت مولانا

محمد سرفراز خان صاحب

شیخ الحدیث
جامعہ نصرۃ العلوم
کوئٹہ

آپ کا ارسال کردہ گرامی قدر علمی تحفہ موصول ہوا، کچھ حصہ پڑھا اور سیر نہ ہوا، یہی خیال اور ارادہ تھا کہ ساری کتاب کو وقت پڑھ کر اپنے تاثر کا اظہار بھی، وصولی کے عریضہ میں بھیج دوں گا مگر فحسوس کہ اچانک تین چار چار پانچ عجلہ آدھ ہوئیں جن میں ایک عارضہ قلب بھی ہے چند دن صاحب فراموش رہا اور نماز کے لیے بھی گھر سے باہر نہ جاسکا، اب خدا خدا کر کے کل سے مسجد اور مدرسہ میں حاضری دیتا ہوں لیکن نظر بڑھا کر مطالعہ مشکل ہے۔ جتنا حصہ کتاب کا پڑھا ہے بلا مبالغہ دل کی د سے دعائیں نکلتی رہی ہیں کہ ایسی دلیل، قصور، اور لاجواب کتاب اپنے باب میں آگئی ہے جس کے بعد انشاء اللہ اس سلسلہ میں حنون تو بدل سکتا ہے لیکن تحقیق حد آخر کو پہنچی چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ آنجناب کو تمام اہل اسلام کی طرف سے مومن اور حضرات احناف کی طرف سے خصوصاً جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

راقم کی صحت کے لیے خصوصی اوقات میں دعا فرمائیں۔

یہ کتاب حضرت مولانا محمد علی صاحب کاندھلوی کا تصنیفی شاہکار ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت جامع الکملات تھی۔ آپ بیک وقت فقیہ اعظم اور مجتہد بھی تھے، عارف، زاہد، عابد اور متقی بھی تھے مفسر، حکم اور سیاسی مبصر بھی تھے، اس کے ساتھ قضاء و افتاء کا سرچشمہ بھی تھے اور یہ کہ عظیم محدث اور ناقد حدیث بھی تھے، آخری وصف کے علاوہ باقی اوصاف امام کی تاریخی حیثیت اس قدر واضح تھی کہ ان پر کسی مستقل کتاب لکھنے کی ضرورت نہ تھی کہ ان میں کسی موافق مخالف کو تردد نہ تھا، البتہ آپ کا آخری کمال کہ آپ ایک عظیم محدث اور ناقد حدیث تھے۔ بعض حضرات کی نظروں سے پوشیدہ تھا اگرچہ آپ کا یہ کمال بھی واقعات اور تاریخی شواہد کی بنیاد پر بالکل صحیح تھا لیکن اس کے دلائل، کتب رجال، تاریخ و طبقات کے وسیع ذخیروں میں منتشر ہونے کی وجہ سے ناظرین کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ حضرت مولانا موصوف کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ آپ نے ان ذخائر منتشرہ کو غطان بعیدہ سے فراہم کر کے نہایت عمدہ ترتیب، کثافت تعبیر اور موزوں اسلوب استدلال کی شکل میں پیش کیا اور ساتھ ہی جدید معیاری فہرست بھی منسلک کر دی۔ یہ کتاب صرف ایک تاریخی کتاب نہیں بلکہ دلائل حجیت حدیث، مقامات و اجتہاد، شرائط و خصوصیات، کتب حدیث و احوال محدثین، علم اصول الحدیث، علم الرجال کے قیمتی مباحث کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جس کا مطالعہ نہ صرف طلب بلکہ علماء اور مدرسین کے لیے بھی ضروری ہے اللہ تعالیٰ آپ کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔

حضرت مولانا
محمد چراغ صاحب



شیخ الحدیث
مدرسہ عربیہ
کراچی

حضرت مولانا محمد علی صاحب صدیقی کاندھلوی کی تصنیف ”امام اعظم اور علم الہدیت“ کے چیدہ چیدہ مقامات دیکھنے کا اتفاق ہوا، میرے خیال میں حضرت مؤلف کی یہ علمی کاوش دادِ حسین حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔

مولانا نے یہ کتاب تصنیف کر کے ملت اسلامیہ کی ایک عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔ امام اعظم کے علم حدیث سے استفادے اور تعلق کے بارے میں بعض لوگ جن غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں اگر انہوں نے تعصب سے بالاتر ہو کر اس کتاب کو پڑھنے کی کوشش کی تو امید ہے کہ یہ تصنیف لطیف ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہو جائے گی۔

مصنف محترم نے کتاب کے پیش لفظ میں جن تین امور کا ذکر کیا ہے، کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف محترم کے قلم نے ان کا پورا پورا لحاظ کیا ہے اور ابتدائی دونوں امور پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو تمام مسلمانوں کے لیے نافع بنائے اور مصنف محترم کو دنیا و آخرت میں بہتر صلہ عطا فرمائے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین



حضرت مولانا
محمد بشیر صدیقی صاحب
رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے محترم مولانا الحاج محمد علی صدیقی کاندھلوی نے اپنی ”یہ ناز تصنیف“ امام اعظم اور علم الہدیت“ کو بڑی محنت اور کاوش سے ترتیب دیا ہے جس کا متن ۷۳۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ ممدوح نے اس میں بدلائل ثابت کیا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صرف علم فقہ میں ہی امام الائمہ نہیں بلکہ علم حدیث میں بھی ایک برترین اور کامل فخر مقام رکھتے ہیں۔ اگر کسی کی کم علمی یا حاسدانہ نگاہ اسے معلوم نہ کر سکے تو ”بشرۃ آفتاب راجہ گناہ۔“

موضوع کتاب کا دائرہ تحقیق اگرچہ صرف امام اعظم کی محدثانہ شان کا اظہار ہے مگر طعنات بڑے بڑے مفید بحث زیر قلم آ گئے ہیں، چنانچہ کہیں تو مقام حدیث کی اہمیت ہے اور کہیں قرآن و سنت کا باہمی تعلق نہایت لطیف طور پر واضح کیا ہے۔ کہیں اس بات کی تشریح و توضیح ہے کہ ابتداء میں کتابت حدیث کی ممانعت کیوں تھی پھر اس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے کہ حدیث کی تدوین وصالِ نبوی کے ایک سو سال بعد ہوئی اور اس کے ثبوت میں دورِ نبوت میں حدیث کے کتابی ذخیرے کی نشاندہی کر کے ثابت کر دکھایا ہے کہ تحریر حدیث کی ابتداء دورِ نبوت میں ہی شروع ہو چکی تھی اور خلافتِ راشدہ کے دور میں اشاعت حدیث کی سب سے زیادہ کوشش فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کی۔

امام اعظم کے نام اور کنیت پر بحث کرتے ہوئے بعض لوگوں کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے کہ آپ کے جد امجد غلام تھے۔ اور اس کی تائید میں خود امام موصوف کی تشریح پیش کی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے متعلق کہ (اُمّایان یا علم) شریا میں بھی ہو گا تو بھی فارس میں سے کچھ لوگ اسے حاصل کر لیں گے۔ سیر حاصل بحث کے بعد

ثابت کیا ہے کہ امام اعظم اس بشارت میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں بلکہ اس کا اولین مصداق آپ ہی ہیں۔

امام موصوف کی تابعیت کے ثبوت میں آپ کی روایت عن الصحابہ کو بھی بدلائل ثابت کیا ہے پھر آپ کی تعلیم و تربیت کے بحث میں علم حدیث میں آپ کے شیوخ کی علمی عظمت و برتری ثابت کر کے کوفہ کی علمی عظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں ان دنوں حدیث و فقہ کی تعلیم کا کس قدر چرچا تھا اور امام موصوف نے کتنے جلیل القدر شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا۔

امام اعظم کا حفظ حدیث میں برترین مقام واضح کرتے ہوئے یہ بھی بتادیا کہ ناقدین نے راویوں کی عدالت و ثقاہت کے بارے میں امام موصوف کی رائے کو خاص طور پر پیش کیا ہے۔ گویا آپ علم جرح و تعدیل اور سہ انرجال سے فن میں بھی یکتے روکار تھے۔ آپ کے تراجم حدیث کا ذکر کرتے ہوئے ثابت کر دیا ہے کہ جلیل القدر ائمہ حدیث و فقہ کو آپ سے تلمذ کی نسبت ہے اور اصحاب صحیح ستہ بھی بالواسطہ آپ کی شاگردی کے دائرہ سے خارج نہیں۔

”حدیث میں امام اعظم کے اصول“ اور حدیث و قیاس کے باہمی تعارض کے بحث اہل نظر کی خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ الغرض زیر تبصرہ کتاب گونا گوں بحث کو ضمن میں لیے ہوئے ہے جو صرف طلبہ حدیث کے لیے نہیں بلکہ فقہاء کے لیے بھی بے حد مفید اور کارآمد ہے۔ اگر مولانا بعض علمی مباحث کو حذف کر کے صرف اس مواد کو شائع کر دیں جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی محدثانہ شان کے اظہار پر مشتمل ہے تو عام پڑھنے لکھنے لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے۔

مولانا کا طرز بیان ثقافت اور دلی آویز ہے اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے ہر کتاب فکر کے حوالہ فضاء کے نام پر بے ادب و احترام سے لیے ہیں اور یہ ایسی خوبی ہے جس سے ہمارے اکثر علماء قبی و ست نظر آتے ہیں۔

دوسرے ایڈیشن میں کتاب کے مواد اور عناوین کی ترتیب اور ان کے باہمی تعلق میں زیادہ وقت نظر کی ضرورت ہے تاکہ ہر بحث ایک خاص دائرہ میں محدود ہو اور یہ بکھرے ہوئے درگراں مایہ ایک مسلسل مسلک فروریہ نظر آئیں۔

سوانح حیات

حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی قدس سرہ

جناب
انعام الحق عازی
ایم ایل (عربی)
اسٹنڈ پروفیسر
بین الاقوامی یونیورسٹی
اسلام آباد

مولانا محمد علی صدیقی کی ولادت:

حضرت مولانا محمد علی کاندھلوی صدیقی قدس سرہ یکم ربیع الاول ۱۳۲۸ھ بمطابق ۱۲ مارچ ۱۹۱۰ء بروز جمعہ طلع مظفر نگر کے مردم خیز قصبہ کاندھلہ کے محلہ مولویان میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ نے آپ کا نام احمد علی رکھا جب کہ لوگوں نے بعد میں محمد علی کہا شروع کر دیا اور یہی نام مشہور ہو گیا۔

حضرت مولانا کے والد ماجد کا نام مولانا حکیم احمد تھا۔ آپ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے ارشد تلامذہ اور خلفاء میں سے تھے۔ یعنی علم ظاہری اور علم باطنی دونوں میں حضرت گنگوہی سے فیض یاب تھے۔ آپ نہایت سیدنا ابوبکر صدیق کی اولاد میں سے ہونے کی وجہ سے ”صدیقی“ کہلاتے تھے۔ زمینداری اور طبابت کے ساتھ ساتھ آپ کے والد ماجد شیخ طریقت بھی تھے اور آپ کا محلہ ارادت کافی وسیع تھا۔ جمعہ کے روز خصوصی طور پر ارادت مندوں کا ایک ہجوم رہتا تھا۔ حکیم صدیق احمد صاحب نے طبابت کا پیشہ اپنے شیخ طریقت حضرت گنگوہی کی ہدایت پر اختیار کیا تھا۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ علم طبابت آپ نے کس سے حاصل کیا تھا۔ حکیم صاحب کے دادا حکیم رحیم اللہ ایک جید اور خازق طبیب تھے اور ۱۹۰۰ء

تک آپ کی شہرت تھی۔ آپ ان لوگوں میں شامل تھے جو حضرت سید احمد شہید بریلوی کے ساتھ بالاکوٹ کے جہاد میں شریک تھے۔ انہی حکیم رحیم اللہ کے والد حکیم عزیز اللہ اور دادا حکیم حنیف اللہ بھی طلباء کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب کے والد مولانا صدیق احمد صاحب نہ صرف طبیب خاذاق تھے بلکہ آپ نوادہ میں بھی ایک خاص ملک حاصل تھا۔ چنانچہ ان کے تمام ہم عصر علماء ان کی فتاہت کے قائل تھے۔ فقہ حنفی پر ان کی نظر صرف مقلدانہ نہیں تھی بلکہ محققانہ تھی۔ انہوں نے فقہ حنفی کا بڑا علمی اور تحقیقی مطالعہ کیا تھا اور دلائل کو عنوان بنا کر ایک مبسوط کتاب بھی لکھی تھی جو اثر تو محفوظ نہ رہ سکی تاہم حضرت مولانا محمد علی صاحب کی کاوش سے بچے کچھ اور اوراق اکٹھے کیے گئے تو پوری کتاب اظہارۃ بن گئی جو کہ دو سو (۲۰۰) صفحات پر مشتمل تھی اور اس کتاب اظہارۃ کی ترتیب میں انہوں نے کم و بیش ساٹھ حدیث کی کتابوں سے اور تین فقہ کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ گویا آپ کے والد ماجد ایک جامعہ شخصیت تھے۔ وہ مفسر قرآن تھے، محدث نئے، فقیہ تھے۔ روحانی امراض کے لیے مرشد کامل اور جسمانی بیماریوں کے لیے ایک طبیب خاذاق تھے۔ جب حضرت مولانا محمد علی صاحب کی عمر گیارہ سال تھی تو آپ کے والد ۱۹۲۱ء میں اس دار فانی سے دار باقی کو انتقال فرما گئے۔

حضرت مولانا چار بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ بھائیوں کے نام بالترتیب حسب ذیل ہیں حکیم حافظ محمد عمر، حکیم محمد عثمان، مولانا حافظ محمد علی اور مولانا شبیر احمد حضرت مولانا کا خاندان ایک نہایت علمی خاندان تھا۔ چنانچہ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے معروف عالم دین قاضی ضیاء الدین سنائی جو کہ سلطان علاء الدین خلجی کے دور میں مکتب کے منصب پر فائز رہے اور وہ برصغیر پاک و ہند میں احتساب کے ادارے کے بانی تھے۔ قاضی صاحب زہد و تقویٰ اور دیانت و امانت میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ ان کی انہی خصوصیات کی وجہ سے حکومت کی جانب سے احتساب کا کام ان کے سپرد تھا۔ قاضی صاحب نور شیخ نظام الدین ہولہ میں ساری زندگی چپقلش رہی کیونکہ شیخ سماع کے قائل تھے اور قاضی صاحب سخت مخالف، لیکن قاضی صاحب کی وفات پر شیخ نظام الدین کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور فرمایا "ایک ہی ذاتِ برائی شریعت کی حمایت کرنے والی تھی، افسوس! وہ بھی نہ رہی۔"

حضرت قاضی صاحب ایک مرتبہ احتساب کی غرض سے حضرت بوعلی قلندر کے پاس بھی گئے۔ قلندر صاحب نے دو تین بار تیز نظروں سے ان کی طرف دیکھا لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ جب مولانا سنائی چلے گئے تو لوگوں نے قلندر صاحب سے کہا کہ آج تو قاضی ضیاء الدین سنائی نے آپ پر بڑی غصہ کی۔ فرمایا

"دو تین بار میں نے چاہا کہ اس پر حملہ کر دوں لیکن اس نے شریعت کی رو بہن رکھی تھی، میرے حیرنے اس پر اثر نہیں کیا۔"

قاضی سنائی صاحب نے دہلی میں ایک ہفتہ وار درس قرآن حکیم کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا جس میں معاشرہ کے ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوتے ہیں اور مؤلف تاریخ فیروز شاہی کے مطابق اس میں شرکاء کی تعداد تین ہزار تک ہوتی تھی۔

بچپن:

اسنے علمی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود حضرت مولانا کا بچپن عام بچوں کی طرح فضولیات میں کیسے گزر سکتا تھا۔ گھر اور باہر کا ماحول سارا علمی نور و ہدایت تھا، اس وجہ سے شروع میں علم اور دین کی طرف آپ کو رغبت تھی۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ نے پہلا روزہ رکھا جس پر گھر میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ عمر کے اسی حصہ میں آپ حضرت مولانا محمد نور علی کاغذ صوفی کی ہارات میں تھا نہ بچوں گئے۔ نماز عصر کے لیے خانقاہ اداویہ گئے تو وہاں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی پہلی بار زیارت ہوئی۔

۱۹۳۰ء میں جب حضرت مولانا کی عمر دس سال تھی، آپ اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی زیارت کے لیے گئے جو کہ اسی سال مالٹا کی اسیری سے رہا ہو کر واپس پہنچے تھے۔ اس ملاقات میں حضرت شیخ الہند نے آپ کو عربی زبان دی تھیں۔ یہ ذہن میں رہے کہ حضرت مولانا کے والد اور حضرت شیخ الہند دونوں ہی حضرت گیسوی کے شاگرد، مرید اور خلفاء میں سے تھے۔

گیارہ سال کی عمر میں حضرت مولانا کے سر سے والد ماجد کا سایہ اٹھ گیا۔ والد کے انتقال کے بعد کا دور نہایت غربت اور معاشی تنگی کا دور تھا۔ ایک روز گھر میں دو روز سے قاقہ تھا

اور والدہ نے اپنے بچوں کو گھر سے باہر جانے سے منع کر دیا۔ کسی ذریعہ سے حضرت مولانا کی تالی صلب کو پتہ چل گیا۔ وہ خورد و نوش کا سامان لے کر گھر آ گئیں لیکن حضرت مولانا کی والدہ نے دو سامان لینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا "یہ سامان میں ہرگز نہیں لوں گی۔ دنیا کہے گی کہ اولاد کو بھی یوں کی مدد سے پالا ہے۔ میں اپنی اولاد کی بچائیں بچی نہیں کرنا چاہتی۔ اتفاق سے دو کرتے سلائی کے لیے آ گئے۔ والدہ نے ظہر کی نماز تک دونوں ہاتھ سے کی کر دے دیئے اور یوں شام تک کھانے کا انتظام ہو گیا۔

تعلیم و تربیت:

حضرت مولانا کی تعلیم و تربیت بڑے پاکیزہ ماحول میں ہوئی۔ حفظ قرآن پاک اپنی دلد سے شروع کیا اور تیسویں پارہ کی سورہ (۱۶) سورتیں ان سے حفظ کیں۔ اس کے علاوہ قاعدہ بغدادی بھی اپنی والدہ محترمہ ہی سے پڑھا۔ بعد میں حافظ رحیم بخش صاحب کے ہاں اس برس کی عمر میں کمال قرآن حکیم حفظ کیا۔ پھر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۲ء تک بڑوت میں اپنے بڑے بھائی حمید محمد عمر کی سرپرستی میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۳۳ء میں آپ اپنے ماموں حضرت مولانا شفاق الرحمن صاحب کا ندھلوی شارح نسائی و موطا امام مالک کی زیر تربیت رہے۔ پھر ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۷ء تک مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور میں زیر تعلیم رہے۔ وہاں ان کے اساتذہ میں مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی، قاری محمد داؤد اور حضرت مولانا مسعود احمد صاحب کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔ پھر ۱۹۳۸ء اور ۱۹۳۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں حصول تعلیم کے لیے چلے گئے۔ پھر یہ سلسلہ ۱۹۳۸ء تک جاری رہا جب کہ مولانا مرحوم کی عمر ۱۹ سال تھی۔ پھر ۱۹۳۷ء میں آپ نے مولوی فاضل ۱۹۳۸ء میں مفتی فاضل اور ۱۹۳۹ء میں عربی فاضل کی امتحان حاصل کیں۔

جن دنوں حضرت مولانا بڑوت میں تھے ان دنوں حمید محمد عمر صاحب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ براستہ بڑوت دہلی تشریف لے جا رہے تھے۔ مولانا مرحوم اپنے بڑے بھائی حمید محمد عمر کے ساتھ حضرت تھانوی کی زیارت کے لیے ریوے انجمن گئے۔ حضرت تھانوی نے دونوں بھائیوں کے سروں پر شفقت سے ہاتھ بچھیرا۔ حضرت مولانا مرحوم فرماتے تھے کہ حضرت تھانوی نے سر پر ہاتھ بچھیرنے کے کیف کو میں ایک مرتبہ تک محسوس کرتا رہا۔

حضرت مولانا مرحوم کے اکابر و مشائخ:

حضرت مولانا محمد علی صاحب کا ندھلوی قدس سرہ کے اکابر و مشائخ دو جلیل القدر اور تاریخ ساز شخصیات ہیں جنہوں نے دین اسلام کی سربلندی اور اعلائے کلمہ الحق کے لیے اپنی ساری زندگیوں لگا دیں۔ ان کے بارہ میں حضرت مولانا مرحوم نے اپنی وصیت میں لکھا ہے "حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور شیخ الہدیٰ حضرت مولانا ذکریا صاحب سے بیعت ہوں۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب کے پاس تو کم رہا ہوں، لیکن حضرت مولانا حسین احمد دہلی اور حضرت مولانا ذکریا صاحب کے پاس لگا تار دو دو ماہ شب و روز گزارے ہیں، اور ان بزرگوں کی غلوٹ و جلوت کا چشم دید گواہ ہوں۔ ان کے علاوہ جن بزرگوں کا فیضان نظر مجھے ملا ہے، جن کی صحبت سے مجھے دین کی صحیح فہم اور قلب کی صحت نصیب ہوئی ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

- (۱) حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری ان سے میں دہلی میں مدرسہ امینہ کے کتب خانہ میں ۱۹۳۱ء میں ملا ہوں اور دیر تک پاس بیٹھا ہوں۔
- (۲) حضرت مولانا ضیل احمد سہارنپوری ان کی زیارت میں نے ان کی ہجرت مدینہ سے پہلے کا ندھلہ کے ریوے انجمن پر کی ہے۔ آپ ظہر کی نماز کے لیے وضو فرما رہے تھے۔ جس سال انہوں نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی اسی سال میں مظاہر العلوم میں داخل ہوا تھا۔
- (۳) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی زیارت اور صحبت سے الحمد للہ کافی مستفید ہوا ہوں۔ سہارنپور سے بھی زیارت کے لیے تھانہ بھون جاتا رہا، اور ایک بار تو دیوبند سے تن تھاپیدل چل کر صرف زیارت کے لیے تھانہ بھون گیا تھا۔
- (۴) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی زیارت کا پہلا شرف مجھے قیام دیوبند ہی میں ہوا۔ مولانا عثمانی نے میرا پہلا نکاح پڑھایا تھا۔ مولانا اشفاق الرحمن صاحب کی دعوت پر مولانا اور میں کا ندھلوی لے کر انہیں کا ندھلہ آئے تھے۔ نکاح کے دوسرے دن میں نے اور مولوی موسیٰ نے مولانا سے حدیث کا برکت کے لیے استفادہ کیا۔

(۵) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ کی زیارت میں نے ۱۹۲۹ء میں کی جس چھ ماہوں میں رہا۔ پھر ۱۹۳۸ء میں بھی ان کی زیارت نصیب ہوئی۔

حضرت مولانا عبدالصمد بہارٹی اور مولانا نور الدین بہارٹی سے ۱۹۳۰ء میں شرف ملاقات نصیب ہوا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پورٹی کی زیارت بہار پور میں حضرت شیخ الہدیت قدس سرہ کے ہاں ہوئی۔ کھانا بھی کئی بار ساتھ کھایا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی زیارت تو مجھے پہنچنے ہی سے رہی۔ دہلی کے قیام میں بھٹہ الدین جاتا۔ جس جہزات کو مانگے ہو جاتا تو حضرت جی ترابا بہرام خان دہلی میں جمعہ کے روز آ جاتے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی زیارت بھی ہوئی اور خط و کتابت بھی کافی عرصہ رہی تین سب سے اچھی اور طویل زیارت فیصل آباد میں ایک تہیانی اجتماع میں ہوئی۔ مولانا نے نماز جمعہ میری امامت میں ادا کی۔ ایسے ہی دوسرے بزرگوں جیسے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ، حضرت مولانا فخر الدین مراد آبادی، حضرت مولانا مفتی محمد حسن اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب گو جرنالوی سے کئی بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

سیالکوٹ میں ورود:

حضرت مولانا مرحوم کا سیالکوٹ میں تشریف آنا اور پھر یہیں کا ہو کر رہ جانا اس کا ایک پس منظر ہے۔ جو انہوں نے اپنی خود نوشت سوانح حیات "میرامادو سال" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کی مختصر اور اجمالی داستان کچھ یوں ہے۔

۱۹۲۹ء میں حضرت مولانا دیوبند میں تھے کہ جمعیت ہدائے ہند نے کانگریس کے ساتھ مل کر سول نافرمانی کی تحریک کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا مسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ جامع مسجد دیوبند میں ایک جلسہ عام میں پر جوش تقریر کی جسے سن کر حضرت مولانا محمد علی صاحب کاندھلوی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس تحریک میں ضرور حصہ لیں گے۔ چنانچہ وہ حضرت مدنی کے اس سی سی سفر میں قریباً ایک ماہ آپ کے ہم رکاب رہے۔ پھر والدہ سے اجازت لے کر ۱۹۳۰ء میں دہلی آ گئے۔ اور دفعہ ۱۳۴ کی موجودگی کے باوجود کھنٹی باغ میں جلسہ منعقد کیا، جس کے نتیجے میں رفقہ ہو کر دہلی، ملتان اور لاہور کی جیلوں میں رہے۔ مارچ ۱۹۳۱ء میں رہا

ہوئے۔ اس عرصہ میں حضرت مولانا کو پنجاب کے علماء اور سیاسی زعماء سے ملاقات کا موقع ملا اور آپ کے ذہن میں اس علاقے میں دین کا کام کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔

۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء جمعہ کے روز حضرت مولانا مرحوم مجلس احرار کی کشمیر انکوائسٹیشن کے سلسلہ میں دہلی سے لاہور کے لیے روانہ ہوئے۔ سیالکوٹ آ کر ایک جلسہ میں تقریر کی جس کی صدارت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کر رہے تھے۔ پھر سیالکوٹ کے مختلف مقامات پر تقریریں کیں۔ رام پانی میں آپ نے مختلف اوقات میں بارہ تقریریں کیں۔ چنانچہ یہاں آپ رفقہ ہو گئے اور آپ کو از حائل سال کی قید سنائی گئی۔ سیالکوٹ جیل میں آپ کو مقامی لوگوں، علماء، سیاسی ورکروں اور دانشوروں سے حرید میل جول کا موقع ملا اور یہاں کے مذہبی اور فکری رویوں سے آشنائی اور آگہی ہوئی۔ جس سے یہ بات دل کی اقلہ گہرائیوں تک پہنچی کہ اس علاقہ میں دین کا کام کیا جائے۔

مارچ ۱۹۳۳ء کو جب حضرت مولانا جیل سے رہا ہو کر واپس کاندھلہ پہنچے تو والدہ ماجدہ کی حالت دیکھ کر یہ سوچ غالب آنے لگی کہ فکر معاش کی طرف توجہ کی جائے تاکہ والدہ کی خدمت کی جائے۔ انہی دنوں حضرت مولانا کے ایک مداح اور قریبی ساتھی ڈاکٹر حاجی فیروز الدین دہلی آئے اور انہوں نے حضرت مولانا کو بذریعہ خط اطلاع کر کے کاندھلہ سے دہلی بلا لیا اور پھر ایک دلچسپ ترکیب سے مولانا کو سیالکوٹ لے آئے۔ اس بارہ میں حضرت مولانا نے خود لکھا ہے

"(ڈاکٹر فیروز دین) کا چار روز کا قیام تھا۔ میں چار روز ان کے ساتھ رہا۔ ۲۹ تاریخ کو ان کی روانگی تھی۔ رات کو وہ بیسے ایکسپریس میں جانے والے تھے۔ میں ان کو اسٹیشن روانہ کرنے گیا۔ اسٹیشن پر میں نے پلیٹ فارم لے لیا۔ ان کی مشابہت کی خاطر گاڑی چلنے تک بیٹھ گیا۔ گاڑی نے چلنے کا دسل کیا۔ میں نے اتر نیکی کوشش کی۔ مجھے یہ کہہ کر بٹھا لیا کہ ابھی گاڑی کے چلنے میں دیر ہے۔ بلا غرمیں اترنے کا کہنے لگے نصیر، نصیرو گاڑی تیز ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ چلو اگلے اسٹیشن پر اتر جاؤں گا۔ اسٹیشن آیا، میں نے اترنے کی کوشش کی لیکن مجھے یہ کہہ کر روک لیا کہ نصیرو جی گاڑی کافی نصیرے گی۔ گاڑی پھر چل دی۔ اب انہوں نے راز کھولا کہ میں نے آپ کا کٹ لے لیا۔ اب میں پریشان ہوا۔ میں نے کہا کہ میں

پھر آؤں گا۔ اب میرے حالات اچھے نہیں ہیں۔ بولے کہ کیا حالات ہیں اور کیا چیز رکاوٹ ہے؟ میں نے کہا کہ میری والدہ بڑی عسرت اور تنگی سے زندگی گزار رہی ہیں۔ بولے فکر نہ کیجیے کہ اس کا انتظام ہو جائے گا۔ بالفضل میں ان کو دوسروں پر یہ کامی آ رہا ہے آپ کی جانب سے روانہ کر آیا ہوں۔ اب میں چپ ہو گیا۔

سیالکوٹ میں قیام اور خدمت دین۔

سیالکوٹ آنے کے بعد کچھ عرصہ تو ڈاکٹر فیروز الدین صاحب کے گھر قیام رہا جس کے دوران مطالعہ کے علاوہ یہاں کے مختلف مسالک کے علماء سے ملاقاتیں رہیں جن میں مولانا غلام فرید، مولانا محمد ابراہیم میر، مولانا احمد دین اور مولانا محمد یوسف سرفہرست ہیں۔

۱۲ اگست ۱۹۳۳ء کو مولانا محمد علی صاحب نے مولانا غلام فرید کے مشورہ سے اندر مساجد کے بچوں کے لیے قصبہ چنی شیٹیاں میں ”فلاح دین و دنیا“ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ حضرت مولانا یہاں کے روایتی طریقوں سے چندہ جمع کرنے کو ناپسند فرماتے تھے، اس لیے یہ وقت نہایت تنگی میں گزرا۔ حضرت مولانا اور پندرہ طلبہ کا گذارا ایک آنہ سیر کے حساب سے خریدی گئی سوکھی روٹیوں کو چھاپہ میں بھگو کر کھانے پر تھا۔

۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر فیروز دین نے خادم علی روڈ پر ۲/۱ زمین خریدی اور اس میں مدرسہ کے لیے عارضی طور پر چار کمرے بنادیے اور مدرسہ فلاح دین و دنیا کو چنی شیٹیاں سے یہاں منتقل کر دیا گیا۔ شہر میں آنے جانے کی وجہ سے حاجی محمد علی انگلیز کینو انجینئر کی مسجد واقع ایبٹ روڈ میں جمعہ پڑھانے کی وجہ سے مولانا کا یہاں تعارف اور شہرت بڑھنے لگی اور عام تعلیم یافتہ طبقہ مولانا کے قریب ہونے لگا۔

سیالکوٹ شہر میں اس وقت کی مشہور کاروباری اور سماجی شخصیت حاجی شہاب الدین صاحب نے ایک دینی درس گاہ بنانے کا ارادہ کیا۔ حاجی شہاب الدین کے حاجی محمد علی صاحب انگلیز کینو انجینئر سے بہت تعلقات تھے۔ چنانچہ حاجی محمد علی مولانا مرحوم کو ۱۳ فروری ۱۹۳۶ء کو اپنے ساتھ لے کر حاجی شہاب الدین کے گھر گئے جہاں حضرت مولانا اور حاجی شہاب الدین کے درمیان مدرسہ میں کام کرنے کے سلسلہ میں بڑی پرمغز اور دلچسپ گفتگو ہوئی جس میں دہلی سے

آئے ہوئے حاجی شہاب الدین کے ایک سہمی بھی شامل ہو گئے۔ اس گفتگو اور حاجی شہاب الدین کی مردم شناسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا محمد علی کا نہ صرف اسی روز یعنی ۱۳ فروری ۱۹۳۶ء کو رات دس بجے تک بیع سامان دارالعلوم الشہابیہ تشریف لے آئے اور پھر اس سے دنیا سے عام آخرت کے انتقال تک یعنی ۱۶ دسمبر ۱۹۹۲ء تک یعنی ستاون (۵۷) سال یہیں قیام فرمایا۔

حضرت مولانا کے اندر خدمت دین کا جذبہ اور اخلاص اور دین کی امن پہ اس قدر رچ بس گئی تھی کہ ۱۳ فروری ۱۹۳۶ء کو رات دس بجے دارالعلوم الشہابیہ میں قدم رنجہ فرماتے ہیں اور اگلے ہی روز یعنی ۱۵ فروری کو درس قرآن پاک کا سلسلہ شروع فرمادیتے ہیں جس میں ہر مکتبہ فکر کے حضرات دور دور سے آکر شامل ہوتے تھے۔ ماہ و سال کے لحاظ سے اس وقت آپ کی عمر صرف ۲۶ سال تھی، لیکن آپ ہر مکتبہ فکر کے حضرات کے مسائل سے نہایت علمی جوابات دیتے اور انہیں مطمئن کرتے۔

دارالعلوم الشہابیہ میں اپنے اس ستاون سالہ قیام میں آپ نے ہر سیاسی اور مذہبی تحریک میں حصہ لیا۔ ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف جو تحریک چلی تھی حضرت مولانا محمد علی صاحب نے اس میں بھی بھرپور حصہ لیا اور چھ ماہ کی سزا ہوئی۔ ان چھ ماہ میں بھی آپ نے اپنی علمی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔

جنرل ضیاء الحق صاحب نے آپ کو مجلس شوریٰ میں لینے کی بڑی کوشش کی لیکن آپ نے انکار کیا۔ آپ حکام سے بہت کم ملا کرتے تھے کیونکہ طبیعت میں ان لوگوں کے بارہ میں بہت بے نیازی پائی جاتی تھی۔ پوری زندگی علماء کے وقار کو قائم رکھا۔ کبھی کسی سے اپنی کسی حاجت کا اظہار نہیں کیا لیکن سب کی حاجتوں کو پورا کرنے والی ذات نے ان کی ہر حاجت کو پورا کیا۔ دارالعلوم الشہابیہ کو دو منزلہ کیا۔ قدیم مسجد کو شہید کر کے اتنی بڑی مسجد اور مدرسہ بنادیا لیکن کسی کے ہاں جا کر چندہ نہیں مانگا۔ لوگ خود آکر چندہ دیتے اور کسی کو پتہ بھی نہ ہوتا کہ کون چندہ دے کر گیا ہے۔

تصانیف:

حضرت مولانا مرحوم کی تصانیف کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مطلوبہ اور غیر مطلوبہ۔ یہاں صرف ان کی تصانیف کا مختصر ذکر کرنا مقصود ہے۔

مطبوعہ تصانیف:

(۱) معالم القرآن:

حضرت مولانا کی تحریر کردہ تفسیر قرآن کریم ہے جس کی تصنیف کا سلسلہ آپ نے ۱۹۷۳ء میں شروع کیا اور تا دم واپس اس پر کام جاری تھا۔ آپ کی زندگی میں اس کی ۱۲ جلدیں شائع ہو گئی تھیں۔ معالم القرآن کی ہر جلد ایک پارہ پر مشتمل ہے۔ مولانا ہر جلد کے آغاز میں اصطلاحات قرآن اور شرعی اور قانونی مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ معالم القرآن کی چیدہ چیدہ خصوصیات میں اس کا موضوعات اسلوب، شرعی مسائل کی تنقیح، استنباط کے طریقوں کی تشریح، جدید قانونی مسائل کا شریعت کی روشنی میں تجزیہ قابل ذکر ہے۔

بعض حضرات نے ایچ فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر تحقیقی مقالات لکھے ہیں جو پنجاب یونیورسٹی اور علامہ اقبال یونیورسٹی کے علوم اسلامیہ کے شعبوں کے زیر نگرانی تیار کئے گئے یا کئے جا رہے ہیں۔

(۲) امام اعظم اور علم الہدیت:

یہ کتاب امام اعظم ابو حنیفہ کے علم الہدیت میں حقیقی مقام کی تعیین میں معرکہ راہ کتب کی فرست میں ہے حدیثیں ہیں جو اردو زبان میں اس نوعیت کی تحقیقی کاوش شاید ہی کوئی اور ہو۔ حضرت مولانا نے اس کتاب کی تکمیل صرف ۷ روز میں کی۔ اس عمل میں غیر معمولی تیزی اس وقت دیکھی جاتی ہے جب مصنف ذہین، مخلص، صحبت یافتہ اور جذبہ قربانی سے معمور ہو۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران مولانا کو یہ فرصت ملی تو انہوں نے اس کتاب کی تکمیل صرف ۷ دنوں میں کر ڈالی۔

ان دو ضخیم کتابوں کے علاوہ ارمغان ایمان، نقوش زندان، اسلام کا نظام اذکار اور دوسری کئی کتابیں اور مضامین آپ کی قلم سے نکلے۔

غیر مطبوعہ تصانیف:

غیر مطبوعہ تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابیں ہیں۔

(۱) میرے ماہ و سال:

یہ حضرت مولانا کی خودنوشت سوانح حیات ہے، لیکن اس مسودہ میں ۱۹۴۳ء تک کے واقعات ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے واقعات کا مسودہ نہیں ضائع ہو گیا ہے۔ اس کتاب کا اسلوب نہایت چاشنی دار ہے اور اس کے مطالعہ سے حضرت کی زندگی کے ایسے گوشے نمایاں ہوتے ہیں جن کا ان کے قریبی اصحاب کو بھی شاید علم نہ ہو۔ یہ کتاب حضرت مولانا نے غالباً ۱۹۸۰ء کو لکھنی شروع کی تھی۔

(۲) قاضی ضیاء الدین سنائی اور ان کا عہد:

برصغیر پاک و ہند میں شریعت کے احتساب کی جدوجہد کرنے والوں میں قاضی ضیاء الدین سنائی کی شخصیت ایک اہم مقام کی حامل ہے۔ علاء الدین غلٹی نے آپ کو تختہ مقرر کیا۔ آپ نے ”نظام الاحتساب“ کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی۔ حریر برآں آپ کے قادی کو بعد میں ”الفتاویٰ الضیائیہ“ کے نام سے مرتب کیا گیا۔ قاضی صاحب حضرت مولانا کے جد امجد بھی ہیں۔ مولانا مرحوم نے قاضی صاحب کی شخصیت، افکار، جدوجہد، علمی مرتبے اور راجدات میں جرأت و ندانہ کے متعلق جو بے سارے اپنے ہاتھ سے قریباً ۱۵۰ صفحات لکھے جو کتابی شکل میں قریباً تین سارے میں موصفات ہو جائیں گے۔

مولانا محمد علی صدیقی کی وفات:

مختصر یہ کہ حضرت مولانا محمد علی صدیقی کا خصوصی اپنی زندگی کی قریباً پچاس منزلیں طے کر کے ۱۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور اپنے خیمین کے دلوں میں اپنی جدائی کا غم چھوڑ گئے اور ان کے بارہ میں ہر شخص یہی کہتا ہے۔

مرنے والے تمہیں روئے کا زمانہ برسوں

بلا ریب حضرت مولانا سلف کی ایک یادگار تھے۔ ان کو دیکھ کر ملنے والے دلوں کے اخلاص و للیت کے واقعات یاد آتے تھے کیونکہ مولانا مرحوم نے بھی ستاون سال سیالکوٹ میں گزارنے کے بعد کوئی جائیداد چھوڑی اور نہ ہی کوئی مکان۔

کئی دماغوں کا ایک انسان، میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے، زبان سے زور بیاں گیا ہے

مقدمہ

سیدنا علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت میں پندرہ خصلتیں پیدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر مصائب کی بارش شروع ہو جائے گی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ وہ پندرہ خصلتیں کیا ہیں؟ فرمایا: ”جب خیمت کا مال دولت کا مال سمجھا جائے۔ (باشاہ اور حکومتی عہدیداران کا ان کوئی و صوبائی اسمبلی اس مال کو اپنے باپ کا مال سمجھیں اور غریب و نادار لوگوں میں تقسیم نہ کریں) اور امانت کے مال کو لوٹ کا مال سمجھیں (یعنی اس کو بغیر ذکر اسے کھا جائے جیسے سرکاری خزانہ اور بینکوں کا مال کھایا گیا ہے) اور رکوۃ کو نادان اور ڈنڈہ سمجھیں اور آدمی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے اور جب آدمی دوست کے ساتھ تکی اور باپ کے ساتھ ظلم و ستم اور برائی کرنے لگے اور مسجدوں میں (بات چیت یا درود و وظائف کی شکل میں) آوازیں اٹھائی ہوئے تھیں اور یہ قوم کا سردار اس کا ذلیل ترین آدمی ہو اور ایک انسان کی عزت اس کے شر سے بچنے کے لیے ہونے لگے اور لڑائیں لپی جائے تھیں اور ریشم (جس کو شریعت نے مسلمان مردوں کے لیے حرام قرار دیا ہے) پہنا جانے لگے۔ جب گانے والی عورتوں اور باجوں (آیات عزائم) کو محبت کی جانے لگے اور امت کے چھپے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں (یعنی سلف صالحین اور محدثین و فقہاء جیسے امام ابو حنیفہ اور دوسرے ائمہ پر لعن طعن کیا جانے لگے) جب ایسا ہونا شروع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو زمین میں اھنسا کر یا پھر ان کی صورتیں مسخ کر کے فذاب دیں گے۔“ (ترمذی حلیہ نمبر ۲۲۱ کتاب الفتن)

اس حدیث میں جتنی خدمات قیامت میں کی گئی ہیں وہ صرف سب پوری ہوئی ہیں۔ اور یہ علامت ”چھپے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے“ یہ علامت بھی اس صورت میں ظاہر ہو چکی ہے کہ ائمہ اسلام اور محدثین کرام کے بارہ میں طعن طعن کے الزامات لگائے جاتے ہیں اور ان کی شان میں ستائشیں کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب امام ابو حنیفہ کے غیر نقد ہونے کے بارہ میں لکھتے ہیں

”ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب نے کئی معاصر اہل علم اور بعد کے لوگوں نے امام صاحب کو مطلقاً غیر شہ (ناقابل اعتبار) قرار دیا ہے۔“ (المصحات جلد ۲ ص ۱۶۶)

”امام صاحب نے اپنی باتوں کو خط یا باطل یا شر سے تعبیر کیا ہے۔ انہیں ان کے خلاف ہونے کا شک یا یقین تھا۔“ (المصحات جلد ۲ ص ۱۳۴)

ایک اور صاحب جو محقق ہونے کے دعویدار ہیں یوں رقم طراز ہیں

”اس خصوص میں امام ابو حنیفہ کا معاملہ بھی اچھا ایسا ہے۔ امام صاحب بھی ہی سے انہوں نے اپنا یہی مزاج بنایا تھا۔ نہ قرآن حفظ کیا نہ علوم قرآنیہ سے بہرہ ور ہوئے نہ علم حدیث سیکھا نہ حافظ حدیث بنائے نہ نحو و صرف میں درک نہ عربی زبان و ادب میں مہارت حاصل کی نہ شعر و نثر کا علم نہ علم کلام اور منطق و فلسفہ میں دسترس تھی بلکہ محض عوام کا انعام میں صدر نشینی کے مقصد سے رائے اور قیاس میں خوب مہارت پیدا کر لی۔“ (خصیصہ حک از بر نظام عبدالعظیم سنی طبع دار المطابع حلیہ منو بھارت)

ایک اور صاحب لکھتے ہیں کہ

”امام ابو حنیفہ پر ایک سے زائد مرتبہ کفر عائد ہوا جس سے توبہ کرانے کی بھی فوجت آئی۔“ (المصحات جلد ۳ ص ۱۶۷)

ایک اور صاحب امام اعظم ابو حنیفہ کے بارہ میں اپنی تحقیق ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

”کیونکہ یہ مسلمہ امر اور آخری اور قطعی حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نام نے ساتھ محدث و امام فن حدیث کا لفظ برائے نام بھی سب تاریخ اسلام اور اہل اہل و طہات میں نہیں لگے بلکہ امام صاحب کے معاصرین اور بعد والوں نے جس درجہ اشد ترین اور صمد حد ترین حضرت امام پر ان کے دو نام و تسمی کے ضعیف ہونے سے امت ریاء و منی سے نہایت

واقعہ یہ ہے کہ قرنِ حدیث و رجال میں نہ ہی تو حضرت امام ابوحنیفہ کو کوئی مہارت و کمال ہے اور نہ ہی کسی حنفی کو اس موضوع پر کوئی کتاب لکھنے کی توفیق میسر ہوئی۔ (سابقہ صفحہ ص ۱۸۹) حال ہی میں ایک کتاب کراچی میں امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کے خلاف شائع ہوئی۔ اس کتاب کی زبانِ بازاری اور نہایت گھٹیا ہے۔ اس کتاب میں امرِ حدیث پر بھی نہایت کمرہ اور دل آزار الفاظ میں جرح کی گئی ہے۔ اس کتاب میں ایک عنوان ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مثالب (زخم جو انہوں نے امت کو دیے)

امام ابوحنیفہ کے فضول اور فحش اقوال کے بیان میں وغیرہ وغیرہ۔

یہ تو صرف چند ایک حوالے ہم نے نقل کیے در نہ ایک فرقہ کے آٹھ حضرات اس مرض کے مریض ہیں اور ان کے جاہل ترین لوگ جو مولوی عربی کی کتاب بھی سمجھ نہیں پڑھ سکتے جب تک امام ابوحنیفہ کے بارہ میں گستاخانہ کلمات نہ کہیں ان کے پیٹ کی سوسنی خارش نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کی انہی گستاخانہ کارروائیوں کی وجہ سے ان کے علماء ان کے جہلاء سے سخت نا ابر رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا داؤد غزنوی کے تذکرہ میں مذکور نویس مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ ایک دن میں ان کی (حضرت مولانا داؤد غزنوی) کی خدمت میں حاضر تھا کہ جماعت اہل حدیث کی تحقیر سے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ آپ نے بڑے دردناک لہجے میں فرمایا

”مولوی اسحاق! جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابوحنیفہ کی روحانی مدد والے کر بیٹھ گئی ہے۔ ہر شخص ابوحنیفہ ابوحنیفہ کہہ رہا ہے۔ کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے۔ پھر ان کے بارہ میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ۔ اگر کوئی بڑا احسان کرے تو دوسرے (۱۷) احادیث کا علم بردار بنتا ہے۔ جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارہ میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد و یک جہتی کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے۔ باعزیز العلمہ العما الشکوبی وحزنی الی اللہ۔“ (حضرت مولانا داؤد غزنوی ص ۱۳۶) ایک اور جگہ فرمایا۔

”دوسرے لوگوں کو یہ شکایت کہ اہل حدیث احسانت اور اہل توحین کرتے ہیں بلاوہ نہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے عقد میں عوام اس امر ای میں مبتلا ہو رہے ہیں اور امام اہل حدیث کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ بھی کر جاتے ہیں۔ یہ درمجان

سخت گمراہ کن اور خطرناک ہے اور ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“ (حضرت مولانا داؤد غزنوی ص ۸۷) اسی سلسلہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم میریالکوی نے اپنا ایک ذاتی واقعہ اپنی کتاب ”تاریخ اہل حدیث“ میں نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے دماغ میں بھی امام ابوحنیفہ کے خلاف کچھ لکھنے کا تصور پیدا ہوا لیکن حضرت مولانا میر مرحوم نیک متقی اور بزرگانِ دین سے محبت کرنے والے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کارِ بد سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ اس واقعہ کو حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کی الفاظ میں سنئے۔ فرماتے ہیں:

”اس مقام پر اس کی صورت یوں ہوئی کہ جب میں نے اس مسئلہ کے لیے کتب متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ارق کر دانی سے میرے دل پر کچھ غبار آ گیا۔ اس کا اثرِ روحانی طور پر یوں ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج چوڑی طرح روشن تھا یا ایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھایا۔ گویا طلسمات بعضہا لوق بعض کا ظہور ہو گیا۔ معاذ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب سے بدظنی کا نتیجہ ہے اس سے استغفار کرو۔ میں نے کلمات استغفار پڑھنے شروع کیے وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحب سے حسن عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی اور میں ان شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحب سے حسن عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرینِ معارج قدیر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتا ہے ”انصارونہ علی علی علی“ میں نے جو کچھ عالم بیداری اور ہوشیاری میں دیکھا یا اس میں مجھ سے چھڑا کرنا ہے سو ہے۔“ (تاریخ اہل حدیث ص ۷۲)

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میر نے اپنی کتاب میں یہ واقعہ صرف اس لیے نقل فرمایا کہ حضرت امام صاحب کی شان میں گستاخیاں کرنے والے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں اور ان بزرگانِ دین کے بارہ میں مازیا اور گستاخانہ الفاظ منہ سے نہ نکالیں۔

تمی داستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
چو خضر از آب حیاں نشہ می آرد سکندر را

مولانا محمد ابراہیم صاحب نے اسی صفحہ کے حاشیہ میں لکھا ہے

”مولانا ثناء اللہ مرحوم امیر سنی نے مجھ سے بیان کیا کہ جن ایام میں میں کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری سے ہم منطق کی تحصیل کرتا تھا اختلاف مذہب و مشرب کے سبب احناف سے میری گفتگو رتی تھی۔ ان لوگوں نے مجھ پر یہ الزام قوی کیا کہ تم اہل حدیث و ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرتے ہو۔ میں نے اس کے متعلق حضرت میاں صاحب مرحوم دہلوی بھی شیخ اہل حضرت سید ندیم حسین صاحب مرحوم سے دریافت کیا تو آپ نے جواب میں کہا کہ ہم ایسے شخص کو جو ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرے ”چھوڑا“ جانتے ہیں۔ علاوہ بریں میاں صاحب مرحوم معیار الحق میں حضرت امام صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں ”اصحابنا وسیدنا ابو حنیفہ العمام افاض اللہ علیہ ضایب العفو والعمران“ (ص ۲) نیز فرماتے ہیں ”ان کا مجتہد ہونا اور قیاس سنت اور عقلی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے ان کے فضائل میں یہ ”یہ بریر“ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ زینت بخش مراتب ان کے لیے ہے۔“ (ص ۵) (تاریخ اہل حدیث ص ۷۲ تعبیض)

امام ابو حنیفہ کی مخالفت کی وجہ:

یہ صرف چند حوالہ جات ہم نے پیش کیے ہیں جن میں امام ابو حنیفہ کی توجہ اور ان کی شان میں ستائش کا لفظ مستعمل کیے گئے ہیں۔ ایسا کیوں کیا گیا اور کیوں کہا جاتا ہے ”اور کیوں نہ ہو“ روزانہ کے بارہ میں ایسی کتابیں ملتی جاتی ہیں اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ مان ہے کہ میں حدیث آتی ہے اور امام ابو حنیفہ کو حدیث نہیں آتی تھی وہ فقیر فی الحدیث تھے یا بقول حضرت مولانا داود غزنوی ان کو تین یا ست حدیثیں آتی تھیں۔ چنانچہ حضرت مولانا داود غزنوی نے ”امد الفتاویٰ“ میں مولانا مبارک غزنوی سے ایک خط صاحب علم نے مشکوٰۃ پر بھیجا۔ جس روز حدیث کی یہ کتاب تھوڑی تو اس نے ترتیب میں آکر کہا (یونکہ اس نے اپنے جاملی حوالے سے یہی بات کہہ کر امام ابو حنیفہ کو صرف ست (۶) حدیثیں آتی تھیں) کہ مجھے امام ابو حنیفہ سے زیادہ حدیث آتی ہیں۔ کی طیب علم نے اس کی یہ بات حضرت مولانا مبارک صاحب سے جا کر کہہ دی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ طیب علم تمہارے گھر سے گا، چنانچہ وہ تین روز کے بعد قادیان ہو گیا اور مینے فیض مینے میں مریا۔ آپ نے اس کی سچائی دیکھ کر کہہ دی کہ یہ شخص مہتمم ہو کر رہے

گا۔ فرمایا کہ جو ان امر کی توجہ کرتا ہے جن کی ساری زندگیاں خدمت دین میں گذریں ان کو بقول حدیث اللہ تعالیٰ جنگ کا الٹی میٹم دے دیتا ہے (من عادى لي وليا فقد اعدى الله بالحرب) اور جس کو اللہ تعالیٰ جنگ کا الٹی میٹم دیں اس کا ایمان کبھی بھی سلامت نہیں رہ سکتا۔

تو امام ابو حنیفہ کے بارہ میں اس قسم کے غلط کہنے کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ان لوگوں کو یہ گمان ہو گیا ہے کہ امام صاحب کو حدیث نہیں آتی تھی اور ہمیں آتی ہے ہم حاصل بالحدیث ہیں اور وہ حدیث نہ آنے کی وجہ سے حدیث کی مخالفت کرتے تھے یا اندازاً یہ ہوتا تو ان کے معاصرین ان کی مخالفت کرتے۔ جب پوچھا جائے کہ ان کو حدیث نہ آنے کی وجہ کیا تھی حالانکہ وہ تابعی تھے اور تابعین کے دور میں تو حدیث کا عام چرچا تھا اور اتنا بڑا امام اور حدیث سے ناواقف تو جواب یہ ملتا ہے کہ وہ تابعی نہ تھے اور دوسرے جس شہر و قوف میں دور رہتے تھے وہاں حدیث کا چلن اور چرچا نہیں تھا۔

امام ابو حنیفہ تابعی تھے:

یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ امام ابو حنیفہ تابعی تھے چنانچہ ابن عمر نے لکھا ہے۔
وكان من التابعين لقي عدة من الصحابة وكان من الورع الزاهدين۔
(مہرست ابن ندیم جلد ۱ ص ۲۹۸)
امام ابو حنیفہ تابعین میں سے تھے کیونکہ آپ نے کئی ایک صحابہ سے ملاقات کی اور وہ (امت کے) پرہیزگار اور زاہد لوگوں میں سے تھے۔

ہمارے خیال میں حضرت امام ابو حنیفہ کی تابعیت کا مسئلہ کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں ہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت جو عمر سیدنا عبداللہ بن عباس کی تھی قریباً وہی عمر سیدنا امام ابو حنیفہ کی تھی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہ موجود تھے۔ آپ کے صحابی سیدنا عبداللہ بن ابی اوی (م ۸۷ھ) تو رجبی کوفہ میں تھے۔ سیدنا عامر بن واظہ الاسقع (م ۱۰۲ھ) بھی اس وقت زندہ تھے جب امام ابو حنیفہ کی عمر ۳۳ سال تھی کیونکہ آپ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی۔ بل بن سعد ساعدی کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی اور سیدنا عبداللہ بن میر المازنی کی وفات ۹۶ھ میں ہوئی۔ اس وقت امام صاحب کی عمر بالترتیب ۱۱ اور ۱۶ سال تھی۔ اور حافظ ذہبی نے لکھا ہے

رأى النس بن مالک غير مرة لما قدم عليهم الكوفة۔

(تذكرة الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵۸)

آپ نے سیدنا انس بن مالک صحابی رسول کو کئی مرتبہ دیکھا جب وہ کوفہ گئے تھے۔ سیدنا انس بن مالک کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔ اس وقت سیدنا امام ابوحنیفہ کی عمر تیرہ سال تھی۔ امام ابوحنیفہ ان کی مجلس میں کئی مرتبہ گئے اور ان سے ملاقات کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ جب ان سے توحید و نبی کی باتیں تھوڑی کرتے تھے۔ وہ تو جس کو بھی سنتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث ہی بیان کرتے تھے لہذا انہوں نے ضرور ان سے کوئی حدیث بیان کی۔ اگر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ گیارہ سال کی عمر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت لے سکتے ہیں تو امام ابوحنیفہ سیدنا انس بن مالک سے حدیث رسول کیوں نہیں لے سکتے؟ آپ نے سیدنا انس سے حدیث رسول ضرور سنی ہوگی لیکن اہل کوفہ حدیث رسول کے بارہ میں پھر زیادہ ہی محتاط تھے اور وہ بیس سال کی عمر سے پہلے حدیث کا باقاعدہ سماع نہیں کرتے تھے جیسا کہ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ

ان اهل الكوفة لم يسمع الواحد منهم يسمع الحديث الا بعد استكماله عشرين سنة۔ (الکعبیہ ص ۵۴)

کوئی بھی اہل کوفہ بیس سال کی عمر سے پہلے باقاعدہ سماع حدیث نہ کرتا تھا۔ اسی وجہ سے بعض محدثین نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے انس بن مالک کو تو دیکھا لیکن ان سے روایت نہیں کی۔ لیکن حافظ ابن حجر نے بھی یحییٰ بن معین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے سیدہ عائشہ بنت عمرؓ سے بھی حدیث کی سماعت کی ہے اور انہوں نے براہ راست سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت فرمائی۔ (ملاحظہ ہو لسان المیران)

کیا کوفہ مرکز حدیث تھا:

بتایا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اس لیے حدیث تم آتی تھی کہ وہ کوفہ میں رہتے تھے اور کوفہ میں علم حدیث بہت کم تھا۔ ایسا کہن بھی جہالت کی وجہ سے ہے اس وجہ سے کہ کوفہ میں پندرہ سو کے قریب صحابہؓ فروکش ہوئے۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۲۲) جن میں ستر ہجری اور تین سو بیست رضوان کے شریک تھے۔ (صفات سیدنا جلد ۱ ص ۲) پھر یہ چار سال تک سیدنا علی کا دار الخلافہ رہا اور آپ نے ان چار سالوں میں اپنے علوم و معارف اور اپنے علم و فقہ کو کوفہ میں پھیلایا

(مسماح لیسہ جلد ۱ ص ۱۳۷) مختلف مقامات کے فیصلے سیدنا علیؓ نے یہیں کیے۔ سیدنا علیؓ کے کوفہ تشریف لے جانے سے قبل سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ اور سیدنا عمار بن یاسرؓ وغیرہ صحابہؓ کرام کوفہ کے درو یار و اپنے علوم و معارف اور احادیث نبویہ سے منور کر چکے تھے۔ (مسماح لیسہ جلد ۱ ص ۱۵۱) چنانچہ امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ ”میں جب کوفہ پہنچا تو بااں چار بڑے اہل طلب حدیث موجود تھے جو حدیث پڑھ رہے تھے۔“ (توسیع الطرہی ص ۲۷۵)

امام بخاریؒ جیسا محدث بھی کوفہ سے مستفنی نہ ہو۔ کا چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ وہ آنحضرتؐ بغداد طلب حدیث کے لیے تشریف لے گئے۔ (ارشاد الساری ص ۱۳۱) اور امام بخاریؒ کا خود اپنا قول ہے کہ

لا احصى كم دخلت الى الكوفة والبغداد مع المعنفين۔ (مقدمہ ص ۱۷۹)

میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں کتنی مرتبہ محدثین کے ساتھ کوفہ و بغداد (طلب حدیث کے لیے) گیا۔

کوفہ کی اسی علمی فضیلت کی وجہ سے سیدنا حذیفہؓ صحابی رسولؐ فرماتے ہیں اللکوفۃ قلبہ الاسلام (مسند ابن حاکم جلد ۳ ص ۸۹)

اور امام نوویؒ کوفہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

وهی دار العسل ومحل العلاء (شرح مسلمہ جلد ۱ ص ۱۸۵)

”کوفہ فضیلت کا گھر اور فضلاء کا شہر تھا۔“

”اسی کوفہ میں امام ابوحنیفہؒ پیدا ہوئے اور مختلف محدثین کے سامنے زانوئے تہمت طے کیا اور حدیث میں ایک خاص مقام حاصل کیا۔ اور امام یحییٰؒ جیسے محدث نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ نے عطاء بن رباحؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن کثیرؓ، ابن جریؓ، قتادہ عمرو بن دینارؓ، اسحاقؓ اور بہت سے لوگوں سے حدیث روایت کی۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے کئی تلامذہ بنے۔ ہارونؓ، سعد بن صلتؓ، ابو عاصمؓ، عبدالرزاقؓ، عبداللہ بن موسیٰؓ، ابو نعیمؓ، ابو عبد الرحمن المقرئؓ اور ان کے علاوہ فضلاء کثیر نے روایت کی ہے۔ ابوحنیفہؒ امام تھے اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔“ (تذکرہ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۶۰)

حافظ ذہبی نے امام صاحب کا تذکرہ حقیقین حدیث میں کیا ہے۔ یہ بھی اس بات کا یقین ثبوت ہے کہ امام ابو حنیفہ صرف سترہ حدیثیں نہیں جانتے بلکہ حفظ حدیث تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے مشہور محدث عبد الرحمن المقرئ جب آپ سے روایت کرتے تو فرماتے کہ مجھ سے اس شخص نے حدیث بیان کی جو فن حدیث میں ہاشاہوں کا ہاشاہ (شہنشاہ) ہے۔ چنانچہ قطیب بخاری نے اسے یہ حدیث بیان کی: **اذا حدث عن ابی حنیفۃ قال حدثنا شاہشاہ۔**

(تاریخ بغداد جلد ۳ ص ۲۱۵)

علامہ ابن عبد البر مالکی فرماتے ہیں کہ امام علی بن مدینی فرماتے ہیں:

”امام ابو حنیفہ سے حدیث روایت کرنے والے سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، حماد بن زید، ہشام، کبج بن جراح، حماد بن عوام اور جعفر بن عون ہیں۔ امام ابو حنیفہ فقہ تھے اور ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام شعبہ امام ابو حنیفہ کے بارہ میں اچھی رائے رکھتے ہیں۔ (جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۱) بلکہ حماد بن زید کے بارہ میں تو لکھا ہے:

روی حماد بن زید عن ابی حنیفۃ احادیث کثیرہ۔ (الاستقاء ص ۱۳۰)

”حماد بن زید نے امام ابو حنیفہ سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔“

امام صدر الامم کی لکھتے ہیں کہ

”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ المقرئ عبد اللہ بن یزید نے جو خود بھی حفاظ حدیث اور حدیث کے بڑے ائمہ میں سے تھے امام ابو حنیفہ سے حدیث کی بہت سی روایات لی ہیں۔“

(مناقب موفق جلد ۲ ص ۳۶)

مسعود بن کدامہ محدثین کرام میں اپنی حالت قدرے باعث ایک خاص مقام سے حاصل ہیں۔ یحییٰ بن محمد قسطنطنیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث میں ان سے زیادہ ثابت اور سی نہیں پایا۔ اور ماہ ذہبی نے بھی ہے کہ امام مسعود بن کدامہ امام ابو حنیفہ کے ہم سہل تھے فرماتے ہیں کہ:

”میں نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ کئی حدیثیں پڑھنی شروع کی لیکن وہ ہم پر غائب رہے اور پھر زہد میں مشغول ہوئے اس میں بھی وہ ہم پر سبقت لے گئے۔ پھر ہم

نے ان کے ساتھ فقہ پڑھنی شروع کی تو اس میں بھی وہ اس مقام پر پہنچے جو تم کو کہہ رہے ہو۔“ (مناقب ابی حنیفہ للدهی ص ۲۷)

ملا علی قاری امام محمد بن سمانہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ کے بارہ میں فرمایا:

”امام ابو حنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔“

(مناقب ملا علی قاری بدیل الجواهر جلد ۲ ص ۱۷۴)

صدر الامم نے عقود الجمان میں بھی لکھا ہے کہ ”امام ابو حنیفہ نے کتاب الآثار کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب کیا ہے۔“ (مناقب الموفق جلد ۱ ص ۹۵) امام ابو داؤد صاحب السنن فرماتے ہیں:

”رحمہ اللہ مالکاً کان اماماً رحمہ اللہ الشافعی کان اماماً رحمہ اللہ امام ابو حنیفہ کان اماماً۔“ (الاستقاء ص ۳۳)

اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے امام مالکؒ پر کیونکہ وہ امام تھے اللہ تعالیٰ رحم فرمائے امام شافعیؒ پر کیونکہ وہ امام تھے اور حق تعالیٰ شانہ رحمت فرمائیں امام ابو حنیفہؒ پر کیونکہ وہ امام تھے۔“ صاحب عقود الجمان نے لکھا ہے کہ

کان ابو حنیفۃ من کبار حفاظ الحدیث واعیانہم ولولا کثرة اعتناہ بالحدیث ماتہیا لہ استنباط مسائل الفقہ۔

(عقود العمان بحوالہ تالیف العصب ص ۱۵۶)

امام ابو حنیفہؒ بڑے حفاظ حدیث اور ان کے فضلاء میں سے شمار ہوتے تھے۔ اگر وہ حدیث نہ جانتے ہوتے تو مسائل فقہ میں ان کا استنباط کا حکم کیسے حاصل ہوتا؟

علامہ ابن خلدون اندلسی اپنے مقدمہ تاریخ میں امام صاحب کے بارہ میں فرماتے ہیں: ”امام ابو حنیفہ کے علم حدیث میں کبار مجتہدین میں سے ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ان کے مذہب پر رد و قبولاً بھروسہ کیا گیا ہے۔“ (مقدمہ ۱۱۵)

علم حدیث جاننے والا کون شخص ہے جو امام سفیان بن عیینہ سے واقف نہ ہو وہ فرماتے ہیں

اول من مہونی محدثاً ابو حنیفہ۔

(الحوار نقلاً عن ابن عساکر جلد ۱ ص ۱۰۳)

”سب سے پہلے جس نے مجھے محدث بنایا وہ امام ابو حنیفہ تھے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ نہ صرف خواہاں مالک الحدیث تھے بلکہ دوسروں کو بھی محدث بناتے تھے اور سفیان مینہ جیسے بہار محدثین و نویسوں نے محدث بنایا جس کا اقرار وہ خود کرتے ہیں۔

امام وکیع بن الجراح محدث عراق نے ہشام بن عروہ، جعفر بن یزید، اعمش، سفیان ثوری اور امام اوزاعی سے حدیث سنی۔ اور آپ سے حماد بن عمار، یحییٰ بن عیینہ اور امام احمد نے روایت لی۔ ان کے بارہ میں اتنے علماء کہتے ہیں

”امام وکیع کے زمانہ میں کوفہ میں ان سے بڑا فقیہ اور بڑا محدث کوئی نہ تھا۔“

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۸۳)

ان وکیع بن الجراح کے بارہ میں حافظ ابن عساکر نے امام یحییٰ بن عیینہ، جو امام الجراح و اتحد علی تھے فرماتے ہیں۔

”شیخ امام ابو حنیفہ کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام احادیث یاد رکھتے تھے۔ اور انہوں نے امام ابو حنیفہ سے بہت سی احادیث کی سماعت کی تھی۔“ (وکان قد سمع من امی حنیفۃ حدیثاً کثیراً)

(کتاب الاسماء جلد ۲ ص ۱۵۰ جامع بیہ۔ عمدہ جلد ۲ ص ۱۴۹)

امام وکیع کا امام ابو حنیفہ کی فقہ کے مطابق فتویٰ دینے کا ذکر امام ذہبی نے بھی کیا

ہے۔ (ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۸۲)

محمد بن عبد اللہ کریم شاہی شہرستانی نے ایک بحث کے ضمن میں امام ابو حنیفہ کا جس انداز میں ذکر فرمایا ہے وہ ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے قابل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کو کسی نے احمد حدیث میں شمار نہیں کیا۔ فرماتے ہیں

”حسن بن محمد بن ابی طالب، سعد بن نبیر، طلح بن حبیب، عمرو بن مرة، بخاری بن وقار، قتیل بن سلیمان، ذرہ، عمرو بن درہ، حماد بن سلیمان، ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد بن الحسن، قدیر بن جعفر یہ سب احمد حدیث ہیں۔ اسی ب کھار کو سنو نبیرہ کی وجہ

سے کافر نہیں کہتے ہیں۔ اور یہ قسم نہیں دیتے ہیں کہ اسی ب بہر ہمیشہ کے ہے جنہم میں ہوں گے اور خوارج اور قہر یہ ان کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ اسی ب بہر ہمیشہ جنہم میں ہوں گے۔“

(کتاب لسان و لسان لشہر سنن جلد ۱ ص ۱۹۵ رحمۃ اللہ علیہ کتاب السنن جلد ۱ ص ۱۰۰) اس سلسلہ میں علامۃ النظر محمد ابن ابراہیم یحییٰ کا بیان آج کل کے ان تمام اعتراضات کے اعتراضات کو ختم کر دیتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں ضرور تھے یا محدثین کی فہرست میں ان کا نام نہیں آتا۔ وذر یہاں ان لوگوں کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں

”امام ابو حنیفہ پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ آپ کا علم حدیث کامل نہیں تھا اس لیے آپ نے ضعیف روایات سے روایت لی ہے۔ اس کہنے والے کی غرض صرف امام ابو حنیفہ کے علم حدیث میں شک ڈالنا ہے مگر نہ امام ابو حنیفہ کا فضل و عدالت، فتویٰ و امانت تو اتار سے ثابت ہے۔ اگر کسی نے علم اور تامل کے بغیر فتویٰ دیا ہے تو یہ اس کی عدالت میں جرح اور دیانت و امانت میں قدرح اور اس کی عقل و مروءت میں سبک سری ہے۔ اس لیے جس شی کو انسان نہیں جانتا یا اچھی طرح نہیں جانتا اس کے جاننے اور اس میں حاذق ہونے کا دعویٰ کرنا جاہلوں اور بیوقوفوں کی عادت ہے۔ اہل خست و دانات میں حیاء اور مروءت نہیں ہوتی۔ وہ ایسا دعویٰ اور ایسی جرأت کر سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے مناقب اور مناقب کی وجہ میں ایسے قبیح عیب کی سیاحت نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ کے علم کی روایت و روایت کی کتابوں کو مدون کر کے سامنے خزانہ علمی میں داخل کیا گیا۔ اور اس کا سنی یہ ہے کہ علماء نے امام ابو حنیفہ کے اجتہاد کو اچھا جانا اور پچھتا ہے اس لیے کہ علماء کے لیے ابو حنیفہ کے مذہب کی روایت ابو حنیفہ کے علم و اجتہاد کے جاننے کے بعد ہی جائز ہو سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے علم و اجتہاد پر امت مسلمہ کا اجماع ہے اور میری مراد اس بات سے یہ ہے کہ کبار علماء کے مابین امام ابو حنیفہ کے اقوال مندول ہیں۔ یمن، شام، مکہ، شرق و غرب میں تابعین کے زمانہ ۱۵۰ھ سے لے کر آج کے دن تک لوگوں میں اور تمام محکموں میں امام ابو حنیفہ کے اقوال پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اس وقت سے لے کر آج نو سو صدی کے شروع تک امام ابو حنیفہ کے اقوال پر اعتماد کیا ہے، ان پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ مسلمان یا تو امام ابو حنیفہ کے

اقوال پر عمل کرتے ہیں یا ان کے اقوال پر انکار کرنے سے خاموش ہیں۔ اور اس قسم کے مباحث میں اکثر مواضع پر اس طریقہ سے اجماع کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ اہل سنت اور غیہ اہل سنت ہر دو فریق کو امام ابو حنیفہ کی تعظیم و احترام اور تقلید پر اتفاق ہے۔ اہل اعتزال میں ابو علی ابو ہاشم ابو اسحاق بصری اور زہری اس وقت امام ابو حنیفہ کی تقلید سے باہر ہو گئے ہیں جب انہوں نے طلب علم کے بعد اپنے فکر و نظر بدل دیا مگر پھر بھی ان کو حنیفہ کے اقتساب میں عار نہ تھا۔ اگر امام ابو حنیفہ علم حدیث سے واقف اور علم حدیث میں کمال کے رپور سے آراستہ نہ ہوتے تو ہم کے کوہ تراں علماء امام ابو حنیفہ کے مذہب میں ہرگز شامل نہ ہوتے جیسے قاضی ابو یوسف، محمد بن الحسن امام علی دیلمی، ابو اسحاق کوفی اور ان کے امثال و اصناف ہند میں شام میں مصر میں یمن میں جزیرہ میں حرمین شریفین اور عراق عرب اور عراق عجم میں ۱۵۰ھ سے لے کر آج تک چھ صدی سے زیادہ عرصہ میں ہزار ہا احاطہ نہیں کیے جاسکتے۔ جہاں جہاں ہیں مٹے نہیں جاتے۔ اہل علم، فتویٰ اور ارباب ورع و تقویٰ علماء احناف میں موجود ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا ضعف، سے حدیث کی روایت کرنے کی وجہ علم حدیث کی معرفت کی کمی بتلانا فاش و ہم ہے بلکہ اس کی وجہ اور ہیں۔ امام ابو حنیفہ مجہول کی روایت کو بھی قبول کرتے ہیں۔ اور یہ امام ابو حنیفہ ہی کا مسلک نہیں ہے بلکہ دوسرے بھی کئی علماء کا یہی طریقہ ہے۔ اور اس میں شرط یہ ہے کہ ثقہ اور معلوم العدالت راوی کی روایت اس مجہول روایت کے معارض نہ ہو اس لیے کہ جب معلوم العدالت راوی کی روایت اور مجہول روایت کا معارض ہوتا ہے تو اس وقت ثقہ اور محفوظ پہلو کو ترجیح دینا متفق علیہ امر ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام احمد ضعیف حدیث پر بھی عمل کرتے تھے بشرطیکہ اس کے مقابلہ میں صحیح حدیث اس کا معارض نہ ہوتی۔ اس وجہ سے امام احمد اپنی مسند میں بہت سی ضعیف احادیث روایت کرتے ہیں۔ اور احتیاط کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس روایت میں ضعف روایت کا علم نہیں ہوتا ہے یا ان وجوہات کا علم نہیں ہوتا جن کے سبب سے وہ حدیث قابل احتجاج اور اتق قبول نہیں ہوتی ہے یا اس کے قبول اور رد کرنے میں محدثین کو اختلاف ہے۔ حافظ ابن مندہ فرماتے ہیں کہ ابو داؤد ضعیف سند سے بھی حدیث کو روایت کرتے ہیں

جب کہ اس ضعیف حدیث سے بہتر دوسری سند سے اس باب میں دوسری روایت نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ ضعیف حدیث بھی رائے سے بہتر ہے اور یہ ایک صریح شہادت ہے کہ ضعیف حدیث کو روایت کرنا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کا ضعف اور اس کے ضعف کے اسباب کو وہ محدث نہیں جانتے تھے جس نے اس کو روایت کیا ہے۔ امام احمد اور امام ابو داؤد اس علم کے امام ہیں اور اس میدان کے شہسوار ہیں اور وہ ضعیف روایت جس کو ان حضرات نے روایت کیا ہے اس قسم کی ضعیف روایت نہیں ہے جس کے راویوں میں کوئی بھی مجہول راوی اور معروف فاسق راوی ہو۔ ایسی روایت کو یہ حضرات جس میں مجہول اور مشہور فاسق راوی ہے باطل یا موضوع یا ساقط یا متروک جیسے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اور ایسی ضعیف روایت جس میں صرف اس قدر ضعف ہے کہ اس کا راوی سچ تو ہے مگر حافظ نہیں ہے یا اس حدیث کے رفع یا اسناد میں اختلاف ہے یا مثل اس کے مثلاً اس حدیث کے نقل یا راوی پر جرح کرنے میں علماء کو اختلاف ہے اور اس کے رد کرنے اور قبول کرنے کے لیے دونوں طرف قوی دلیل نہیں ہے ایسی ضعیف حدیث کو اگر امام ابو حنیفہ نے لیا ہے جسے امام احمد اور امام ابو داؤد بھی امام ابو حنیفہ کے اس میں ہم نوا ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ قیاس اور اجتہاد کے مقابلہ پر ضعیف حدیث کو بھی امام ابو حنیفہ مقدم رکھتے ہیں اور دوسرے محدثین کا بھی یہی معمول ہے۔ امام ابو حنیفہ کا یہ معمول اس وجہ سے نہیں ہے کہ آپ کو علم حدیث کی معرفت نہیں ہے ورنہ امام احمد اور امام ابو داؤد اس سبب میں ابو حنیفہ سے دو قدم آگے ہیں۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ابو حنیفہ کے علم و نظر میں اس کا ضعف قابل اعتدائ نہیں ہے بلکہ اس کی روایت کو قبول کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور اس معمول سے بڑے بڑے حفاظ حدیث بھی نہیں بچے ہیں۔ بخاری اور مسلم نے بھی ایسا کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح اس علم کے اندر میں امام شافعی اکثر ابراہیم بن ابی یحییٰ سے روایت لیتے ہیں اور امام شافعی نے اس کی توثیق کی ہے۔ اور دوسرے محدثین نے ابراہیم بن ابی یحییٰ کی توثیق کرنے میں امام شافعی کی مخالفت کی ہے۔ حافظ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ابن ابی یحییٰ پر جرح کرنے میں محدثین کا اجماع

ہے اور جمہور نے اس کو ضعیف کہا ہے لیکن ائمہ شوافع کے ہاں وہ صحیح ہے۔ اسی طرح ائمہ شافعی ابو خالد الزنجی سے روایت جیتے ہیں لیکن اس کی توثیق میں محدثین کو اختلاف ہے۔ علماء رجال نے اس بحث کو طوں دیا ہے اور اپنی جہاد ایسے حضرات روایت معلوم کیے جاسکتے ہیں۔“ (مردصہ الباسم ص ۵۸ تا ۱۶۳)

یہ اتنا طویل اقتباس صرف اس لیے نقل کیا گیا ہے تاکہ پتہ چلے وزیرِ ایمانی کا امام ابو حنیفہ کے علم و اجتہاد اور روایت حدیث کے بارہ میں کیا نظریہ ہے۔ اور امام صاحب کی علمی عظمت و جلالت نے اسلام کے بھی خزانہ میں کیا کچھ اضافہ کیا۔

امام شعرانی شافعی ہونے کے باوجود اس بارہ میں امام ابو حنیفہ کا دفاع ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”جس نے یہ کہا کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کے دلائل کمزور اور ضعیف ہیں تو میں اس کو جواب دیتا ہوں کہ اے میرے بھائی! میں نے مذہبِ اربعہ کے دلائل کا مطالعہ کیا ہے اور امام ابو حنیفہ کے مذہب کے دلائل کو خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ میں نے زیلعی کی کتاب ”تخریج ہدایہ“ پڑھی ہے۔ میں نے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے دلائل کو دیکھا ہے۔ یا تو وہ صحیح احادیث ہیں یا حسن ہیں یا ایسی ضعیف احادیث ہیں جن کے طرق کثیرہ ہیں اور بارہ حسن سے جاملتے ہیں یا صحیح احادیث سے ملتے ہیں۔ اور جمہور محدثین نے ایسی ضعیف احادیث سے احتجاج کیا ہے جس کے طرق کثیر ہوں اور اس قسم کی ضعیف احادیث بیہقی کی کتاب السنن الکبریٰ میں بہت پائی جاتی ہیں۔ جب امام بیہقی کے پاس احتجاج کے لیے صحیح حدیث نہیں ہوتی ہے تو وہ ایسی ضعیف حدیث سے اپنے امام اور اپنے امام کے مقصدین کے لیے احتجاج کرتے ہیں۔ اور میں نے پہلے کہا ہے کہ میں حسن عن بابن کے علم و اعتقاد سے امام ابو حنیفہ کی طرف سے جواب نہیں دیتا ہوں بلکہ امام ابو حنیفہ کے اقوال اور آپ کے اصحاب کے اقوال کے تتبع اور گہرے مطالعہ کے بعد امام ابو حنیفہ کی طرف سے میں نے جواب دیا ہے میں نے نجاشی فی بیان اذلة مذہب المجتہدین نامی کتاب لکھی ہے اور میری یہ کتاب اس بات کی پوری ضمانت دیتی ہے کہ میں نے پوری تلاش اور دلائل کے جانچنے کے بعد امام ابو

حنیفہ کی طرف سے جواب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے تین مسندوں کے صحیح نسخوں کو پڑھا ہے۔ جن پر حفاظ کے خطوط ہیں اور آخر میں حفاظِ دیلمی کا خط ہے۔ میں نے دیکھا کہ ابو حنیفہ ایسے عدول و ثقات تابعین سے حدیث کو روایت کرتے ہیں جن کے عہد کے خبر ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے۔ امام ابو حنیفہ ان مسندوں میں اسود، علقمہ، عطاء، مکرّمہ، مجاہد، کھول اور حسن بصری جیسے حضرات سے حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین یہ کل روایۃ عدول ثقتہ اعلام اخبار ہیں۔ ان میں کوئی جھوٹا یا معتمد بالکذب نہیں ہے اور خصوصاً ان حضرات تابعین کے بارہ میں خوب غور و فکر کرو جن کو امام حنیفہ نے روایت کے لیے پسند فرمایا ہے اور جن سے امام ابو حنیفہ شدتِ ورع و تقویٰ اور امت محمدیہ پر غایتِ شفقت کے ساتھ دین کے احکام کو لیتے ہیں۔ محدثین ائمہ مجتہدین کے روایۃ میں کوئی ایسا راوی نہیں ہے جو تعدیل و جرح سے بالاتر ہو اس لیے کہ وہ معصوم تو نہیں ہیں لیکن علمائے شریعت محمدیہ کے ائمہ ہیں۔ جنہوں نے جرح و تعدیل کو مقدم کر دیا ہے اس کے باوجود بھی اس میں جانبِ مخالف کا احتمال ہے تو اس پر عمل کیا گیا اور کیا جائے گا۔“

امام عبد الوہاب شعرانی اس سلسلہ میں مزید لکھتے ہیں کہ:

”ہدایت اور نیکی چاہنے والے تمام ائمہ اربعہ کا ادب و احترام رکھو اور جن لوگوں نے ان میں کلام کیا ہے ان پر دھیان نہ دو سوائے اس صورت کے کہ جب ان کے خلاف واضح برہان اور دلیل موجود ہو۔ تم لوگوں کو برا کہنے اور نکتہ چینی کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ تم اس لیے پیدا کیے گئے ہو کہ دین کے ضروری اور لازمی امور میں مشغول رہو۔ میرے پاس ایک اچھا خاصا فقہی طالب علم ائمہ کے آپس کے اختلاف میں دلچسپی لیتا تھا۔ اس کی سزا میں اس پر ایک عبرت ناک مصیبت پڑی اور اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔“

حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی فرمایا کرتے تھے کہ: شخص ائمہ اربعہ کا اور خصوصی طور پر امام ابو حنیفہ کا گستاخ ہے اس کا حاکمہ ماخوذ نہیں ہوتا چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا میر صاحب نے مجھے تین چار مثالیں بھی دیں (اس کا ذکر یہاں)۔

نہیں۔ ظفر کان عدلہ) اور ثوری میں امام مالک اور ابن ابی ذئب میں احمد بن صالح اور شعبی میں امام احمد بن حنبل اور حارث مخابی میں یحییٰ بن یحییٰ ہے۔ اور قاضی عیاض نے کہا تو مجھے تیری کتاب کا ذکر ہے۔ یہ جماعت ائمہ اعلیٰ کی جماعت ہے اور ان کے اقوال کے محال ہیں۔ ان کے آپس کے واقعات سے ہمیں اس طرح پہنچا دے جیسا کہ صحیحہ کرام کے آپس کے واقعات سن کر ہم خاموش ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض حفاظ نے امام ابوحنیفہ کے بارے پر جرح کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی جرح امام صاحب کے بعد اور نیچے کے رواق پر ہے اس لیے کہ میں نے تینوں مسندوں میں جتنی حدیثیں پڑھیں ہیں وہ صحیح ہیں اور اس لیے صحیح ہیں کہ اگر وہ صحیح نہ ہوتیں تو امام ابوحنیفہ ان سے استدلال نہ کرتے۔ اور اگر امام ابوحنیفہ کے نیچے کے رواق میں کوئی کاذب یا متعمم بالکذب ہے تو اس پر جرح و قدح کرنا اس روایت کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہ کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس حدیث کی صحت کے لیے کفایت کرتا ہے اس لیے کہ امام ابوحنیفہ کے علم و اجتہاد میں وہ حدیث صحیح اور قابل احتجاج ہے۔ اسے میرے بھائی امام ابوحنیفہ کے اول میں جرح نہ کرو جب تک مسند ثلاثہ مذکورہ کا مطالعہ نہ کرو اور اس حدیث کو تم اس میں نہ پاؤ جس میں تمہیں ضعف کا شبہ ہے۔ اور جس نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کے دلائل کو ضعیف کہا ہے تو وہ سن لے کہ وہ ان کے تلامذہ کے دلائل ہیں جو امام صاحب کے جد ہوئے ہیں اور لوگوں نے حماقت سے ان دلائل کو امام ابوحنیفہ کے بیان کیے ہوئے دلائل جانا ہے۔ اس جاہل نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہے۔ ابوحنیفہ کا مذہب وہ ہے جو امام صاحب نے آخری وقت تک اس کو قائم رکھا ہے۔ اور جس کو لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے کلام سے خود سمجھا ہے وہ امام صاحب کا مذہب نہیں ہے۔ یہ جہل اور حماقت اکثر طالبان علم میں ہے تو دوسروں کا کیا کہنا ہے؟ امام ابوحنیفہ نے خیار تابعین سے حدیث کو روایت کیا ہے جن میں کوئی کذاب نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے ساتھ تعصب کو چھوڑ دو اور امام صاحب کی برائی میں ان جاہلوں کی تقلید نہ کرو۔ یہ جاہل امام ابوحنیفہ کے حالات اور ان کے علم و اجتہاد کی رفعت و بلندی کو نہیں جانتے ہیں۔ اگر تم لوگ امام ابوحنیفہ کے مذہب کا تتبع کرو جیسا کہ میں نے

کیا ہے تو تم جان لو گے کہ باقی مجتہدین کے مذاہب میں امام ابوحنیفہ کا مذہب سب سے زیادہ صحیح ہے۔ اگر تم چاہے ہو کہ آفتاب نصف النہار کی طرف امام ابوحنیفہ کے مذہب کا زیادہ صحیح ہوتا تم پر ظاہر ہو جائے تو تم علم و عمل میں اخلاص اور عقیدے کے ساتھ مل کر اور بزرگان دین کے دست پر چلو۔ (مصدقہ کبریٰ: اعلام شریعت ص ۶۳ تا ۶۶) امام شمرانی کے اس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ کی مسند کی تمام روایات صحیح ہیں اور ان مساند پر حفاظ حدیث کی تصدیق ہے۔ درجن تابعین سے امام صاحب سے احادیث کو روایت کیا ہے وہ تمام حفاظ محدثین تھے اور خیر ائمہ دن کے مل علم تھے اور کوئی بھی ان میں سے کاذب یا متعمم بالکذب نہ تھا۔ اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کے بارے میں دوسرے تمام ائمہ سے زیادہ قوی اور مضبوط ہیں۔ اور یہ بھی چلا امام ابوحنیفہ کی شان میں کست فنی کرنے والا بلا خرد لیل اور رو سیاہ ہوتا ہے۔ اور امام صاحب کے دلائل پر جرح نہ کرو اور تعصب اور جاہل ہے۔

امام شمرانی نے اس بارہ میں اپنی اس کتاب میں مزید لکھا ہے کہ "میں نے جب مذاہب کے اول میں "نسخ المبین فی بیان احوال المذاہب" المجتہدین نامی کتاب کی تالیف کی تو اس وقت میں نے محمد اللہ امام ابوحنیفہ کے اقوال اور ان کے اصحاب کے اقوال کا پورا تتبع کیا تھا۔ میں نے امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے اقوال میں جو قول بھی دیکھا اس کی مسند اور متصل بہ یا تو قرآن حکیم کی آیت تھی یا حدیث یا کسی صحابہ کا اثر یا پھر قرآن حکیم یا حدیث یا اثر کا مفہوم اس کی سند ہے۔ یا ایسی ضعیف حدیث جس کے طرق متعدد ہیں یا صحیح قیاس جو صحیح اصل پر ہے یہ سب امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے اقوال کے دلائل ہیں۔ اور جو بھی اس کو خود معلوم کرنا چاہتا ہے تو وہ میری مذکورہ کتاب کا مطالعہ کرے۔ اور جس نے بھی تعصب کو چھوڑا ہے اور مجتہدین کے اقوال کو غور و فکر اور انصاف سے دیکھا ہے تو اس کو معلوم ہو گا کہ ائمہ مجتہدین آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں اور سب پر اعتراض کرنے والا پانی کی سطح پر ان ستاروں کی عکس صورت دیکھتا ہے۔ اس کی عکس صورت نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ سب کو ائمہ مجتہدین کے ادب کی تلقین فرمائے۔"

"میں امام ابوحنیفہ کے مناقب کو رہا تھا اور ایک ایسا شخص میرے پاس آیا جس نے محمد

کا زعم تھا (جیسے آج کل بعض جہاد کو زعم ہے۔ ظفر) اور جب اس نے دیکھا کہ میں کیا لکھ رہا ہوں تو اس نے اپنی آستین سے کچھ اوراق نکالے اور مجھے یہاں کہ ان اوراق کو پڑھ لیں۔ میں نے جب انہیں پڑھا تو اس میں امام ابوحنیفہؒ کے خلاف اعتراضات لکھے ہوئے تھے۔ میں نے اس کو کہا کیا تو بھی اس قابل ہے کہ امام ابوحنیفہؒ جیسے شخص پر اعتراض کر سکے۔ اس نے کہا "میں نے فخر الدین رازی کے مؤلفات سے یہ اعتراضات لیے ہیں۔ میں نے کہا کہ رازی کی امام ابوحنیفہؒ کے مقابلہ میں ایک طالب علم سے زیادہ حیثیت نہیں۔ یا رازی (امام ابوحنیفہؒ جیسے) سلطان اعظم کے سامنے رعایا کے ایک آدمی کی مانند ہے یا پھر جو نسبت ستارے کو آفتاب سے ہوتی ہے اسی طرح کی نسبت رازی کو امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہے۔ اور جس طرح اہل علم نے بادشاہ کے خلاف طعن کرنا رعایا پر حرام قرار دیا ہے لیکن جب آفتاب کی طرح واضح دلیل موجود ہو اسی طرح اللہ دین پر طعن کرنا اور اعتراض کرنا مقلدین پر حرام ہے مگر جب نص صریح موجود ہو۔ اور میرے پاس بعض شوافع طلبہ آجایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب کی بات کو نہیں سننا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کو اس بات سے منع کیا لیکن وہ اس سے باز نہیں آتے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہی طلبہ ایک اونچی جگہ سے کُڑے اور دہلی کی بڑی ٹوٹ گئی اور کچھ عرصہ اسی مقبور حالت میں رہ کر آخر مر گئے اور مجھ سے ایک روز دعا کی درخواست کی لیکن میں نے امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب کے ادب کے مارے انکار کر دیا تھا۔ اور یاد رکھو کہ جس نے یہ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں ایسا شخص امام ابوحنیفہؒ کے بارہ میں متعصب اور دین میں ہلاک ہونے والا ہے اور دین پر تہمت لگانے والا ہے اور اپنی بات میں جھوٹ بولنے سے بھی نہیں بچتا ہے اور قرآن حکیم کی اس آیت سے غافل ہے کہ "بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔" اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ رامی کو بھی غلط فہم نہ بنانا چاہیے کہ زبان کے حصانہ سے لوگ جہنم میں اوندھے منہ گرائے جائیں گے۔"

"امام ابوحنیفہؒ رازی بخفی متصل سند سے امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ امام

صاحب نے فرمایا اللہ کی قسم! لوگ مجھ پر جھوٹ بولتے ہیں کہ میں نے قیاس کو نص پر مقدم کر دیا ہے۔ اگر نص موجود ہے تو قیاس کی تو ضرورت ہی نہیں ہوتی ہے تو میں قیاس کرنے پر کیوں مجبور ہوتا ہوں۔ ہم اس وقت قیاس سے کام لیتے ہیں جب نص موجود نہیں ہوتی ہے اور شدید ضرورت کے وقت قیاس کرتے ہیں۔ ہم پیسے اللہ کی کتاب میں اور اس کے بعد حدیث رسول میں اور پھر صحابہ کرام کے آثار میں غور و فکر کرتے ہیں اور دلیل کو تلاش کرتے ہیں۔ اگر ان میں کسی ایک میں بھی دلیل نہیں ملتی ہے تو پھر ہم علتِ جامدہ کی وجہ سے نص کے مطلق پر نص کے مسکوت عند کو قیاس کرتے ہیں اور ایک حکم کو دوسرے حکم پر علت کے تحت اور جامع کے اشتراک سے قیاس کرتے ہیں۔"

"ابو مطیع بھی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ اگر آپ کی ایک رائے ہے اور ابو بکرؓ کی دوسری رائے ہے یا آپ کی اور عمرؓ کی رائے میں اختلاف ہے تو کیا آپ اپنی رائے کو ابو بکرؓ اور عمرؓ کی رائے پر مقدم رکھیں گے یا ابو بکرؓ اور عمرؓ کی رائے کو اپنی رائے پر مقدم کریں گے؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: "میں ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور تمام صحابہؓ کی رائے کو اپنی رائے پر مقدم کرتا ہوں اور ان کے مقابلہ میں اپنی رائے کو چھوڑ دیتا ہوں۔ ابو مطیع فرماتے ہیں کہ میں ایک روز کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ سفیان ثوری، مقداد بن حیثان، حماد بن سلمہ، جعفر صادق وغیرہ حضرات فقہاء امام ابوحنیفہؒ کے پاس تشریف لائے اور آپ سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ ہم کو پتہ چلا ہے کہ آپ دین میں زیادہ تر قیاس کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان سے صبح سے لے کر ذوال تک بحث کی اور اپنا مسلک ان کے سامنے واضح کیا اور پڑھ کر سنایا اور فرمایا: "میں پہلے کتاب اللہ کو لیتا ہوں اس کے بعد سنت رسول کو لیتا ہوں اس کے بعد صحابہ کرام کے آثار کو لیتا ہوں اور صحابہ کرام کے ان آثار کو مقدم کرتا ہوں جن پر صحابہ کو اتفاق ہے۔ اور جب ان میں سے کوئی دلیل میرے پاس نہ ہو تو پھر قیاس کرتا ہوں۔ امام صاحبؒ کے اس موقف کو سن کر یہ سب حضرات اٹھے اور آپ کے ہاتھوں اور گھٹنوں کو بوسہ دیا (وَقَبَّلُوا أَيْدِيَهُ وَرُكْبَتَهُ) اور فرمایا آپ صلوات اللہ علیہ کے سردار ہیں۔ (انت سيد العلماء) اور ہم نے آپ سے معلوم کیے بغیر جو آپ کے بارہ

میں پہلے غلطی کی ہے اس کو معاف کرو، سمجھئے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ حضرات کو معاف فرمائے سفین ثوری نے پہلے اگر امام ابوحنیفہؒ کے بارہو میں کچھ کہا بھی تھا تو اب اپنی غلطی مان لی اور معذرت چاہی۔ اور ان حضرات نے امام ابوحنیفہؒ کی سیادت ہم کا اعتراف کر لیا۔ شقیق بنی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ الماس، العبد الماس اور مکرم الماس ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ دین میں احتیاط کرنے والے اور دین میں رائے اور قیاس سے سب سے زیادہ احتراز کرنے والے ہیں۔ آپ کی مجلس میں ایک ایک مسئلہ پر پوری طرح بحث ہوتی تھی اور جب اہل مجلس کو اتفاق ہو جاتا تھا کہ وہ مسئلہ شریعت اسلامیہ کے موافق اور مطابق ہے تو اس کے بعد امام ابو یوسفؒ کو آپ اس کے لکھنے کو فرماتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں کے علماء سے دریافت کیا کہ تمہارے شہر میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اور جب پوچھا کہ تم میں سب سے زیادہ متقی اور عابد و زاہد کون ہے؟ اور جب پوچھا کہ علم میں سب سے زیادہ مشغول رہنے والا کون ہے؟ تو وہ لوگ ہر ایک سوال کا یہی جواب دیتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ سب سے بڑے عالم سب سے زیادہ زاہد و عبادت گذار اور سب سے زیادہ علم دین میں مشغول رہنے والے ہیں۔ ہم جیسے لوگوں کو امام ابوحنیفہؒ جیسے امام اعظم پر اعتراض کرنے کا ہونی حق نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے علم و جلال اور عزم و زہد اور عفت و عبادت کی کثرت اور اللہ تعالیٰ عوام کے حضور مراقبہ پر قدموں کو اتفاق ہے۔ امام ابوحنیفہؒ پر اعتراض کرنے والا اللہ کی قسم بصیرت میں اندھا ہے۔ جس نے بھی امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تحقیق کی ہے اس نے دین میں امام صاحب کو بڑا احتیاط پایا ہے اور اس نے جان لیا ہے کہ امام صاحب دین میں مذموم رائے سے پاک اور بیزار ہیں۔ اور جس نے ایسا کہا ہے وہ اپنے عقیدہ و مذہب کا رقص سے اندھ کی پرانکار کرنے والا جاہل اور متعصب ہے۔ (عبدلہ علی شہرانی: میزان کبریٰ ص ۶۰-۶۹)

امام عبدلہ باب شہرانی کی کتاب کا یہ اقتباس ان لوگوں کے لیے غور و فکر کا سامان مہیا کرتا ہے جو امام صاحب اور ان کے مسلک کو اپنی تقلید کا نشانہ بناتے ہیں اور ان پر قلت حدیث کا الزام مالد کرتے ہیں۔ امام شہرانیؒ شافعی ہونے کے باوجود امام

ابوحنیفہؒ کا ان متعصب اور جاہل لوگوں کے اعتراضات کا دفاع فرماتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی امام ابوحنیفہؒ کی ایک بہت بڑی کرامت ہے کہ ان کی تحسین و تعریف فضائل و مناقب اور ان پر کیے گئے اعتراضات کے جواب میں ان دونوں نے کتابیں لکھیں جو غیر حنفی تھے۔ چنانچہ محمد بن یوسف اصطخانی الشافعی نے عقود الیمان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ العمان حنفی ابن عبدالبر امسلی نے استقاء فی فضائل الثمات الامام علامہ ابن حجر کی شافعی کی کتاب مہیض البصیرہ فی مناقب ابی حنیفہ نے امام ابوحنیفہؒ کے فضائل و مناقب پر مستقل کتابیں لکھیں۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ بڑے بڑے محدثین نے آپ کے اقوال پر فتویٰ دیے اور آپ کے علم حدیث کو تسلیم کیا لیکن آج کل کے بعض جبلاء جو حدیث کی کتاب صحیح طریقہ سے پڑھ بھی سکتے اور اصول حدیث سے تو کلیتہً ناواقف ہیں وہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کو حدیث نہیں آتی تھی بلکہ وہ حنفی فی الحدیث تھے۔ کسی نے جی کہا ہے۔

اہل مکشش کے لیے بھی باب مکشش بند ہے
اس قدر کم ظرف کوئی باغباں دیکھا نہیں

محدث اور فقیہ کا فرق:

اصل بات یہ ہے کہ اکثر لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کو چونکہ فقہاء کے زمرہ میں شمار کیا ہے اس وجہ سے یہ جہلاء لوگوں کو یہ مخالفہ دیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ فقیہ تھے محدث نہیں تھے۔ فقیہ اور محدث کے فرق کو ایک مثال سے سمجھئے۔ ایک شخص شخص صرف قرآن کے الفاظ کا حافظ ہے اور دوسرا شخص قرآن حکیم کے الفاظ کا حافظ بھی ہے اور معانی اور اس کی تفسیر سے بھی اس کو پوری آشنائی ہے۔ اب جو شخص صرف قرآن کے الفاظ کا حافظ ہے اس کو صرف حافظ کہتے ہیں اور جو قرآن حکیم کے معانی اور اس کی تفسیر بھی جانتا ہے اس کو "عالم" کہتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں شخص عالم ہے لیکن قرآن حکیم کے الفاظ سے ناواقف ہے تو لوگ اس کی اس بات و معتمد خیر کہیں گے کیونکہ عالم ہونا ہی وہ ہے جو قرآن حکیم سے واقف ہو۔ بالکل اسی طرح ایک محدث صرف حدیث کے الفاظ اور اس کی سند کا حافظ ہوتا ہے۔ حدیث کے معانی سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ لیکن ایک فقیہ حدیث کے الفاظ کا حافظ ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے

معانی کا بھی حافظ ہوتا ہے اور اس کے معانی کی گہرائی میں ذوق کر مختلف مسائل کا استنباط کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل فتویٰ فقہاء ہوتے ہیں نہ کہ محدثین۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے عبید اللہ عمرو کا بیان نقل کیا ہے کہ:

”میں امام اعظم (جو کہ امام ابو حنیفہ کے استاذ حدیث تھے اور ایک بہت بڑے محدث تھے) کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے ان سے آکر ایک مسئلہ پوچھا لیکن امام اعظم اس کو وہ مسئلہ نہ بتا سکے اور حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ مجلس میں امام ابو حنیفہ بھی موجود تھے۔ آخر امام اعظم نے امام ابو حنیفہ سے فرمایا کہ اس شخص کو یہ مسئلہ بتائیں۔ امام ابو حنیفہ نے سائل کو مسئلہ بتا دیا جس سے اس کی تسلی ہو گئی۔ امام اعظم کو امام ابو حنیفہ کے جواب پر تعجب ہوا اور فرمایا ”یہ مسئلہ آپ نے کس حدیث سے استنباط کیا ہے؟“ امام ابو حنیفہ نے کہا ”حدیثنا اعمش عن فلان عن فلان“ یعنی امام اعظم ہی کی بیان کردہ حدیث سنائی۔ یہ حدیث سن کر امام اعظم نے فرمایا ”در اصل آپ لوگ اہل علم ہیں اور ہم محض عطار ہیں۔“

(انہم الاطباء و نحن الصبادلہ) (جامع بيان العلم و حدیثہ ۱ ص ۱۳۱)

امام اعظم نے اپنے اس بیان میں محدث اور فقیہ کے فرق کو بیان فرما دیا۔ محدث عطار ہوتا ہے جو مختلف قسم کی جڑی بوٹیوں اپنی دکان پر سجائے رکھتا ہے لیکن اس کو ان جڑی بوٹیوں کے خواص اور ان کی تاثیرات کا علم نہیں ہوتا۔ ان کو صرف ایک طبیب ہی جان سکتا ہے اور وہ ان کو ملا کر ایک ایسا نسخہ تیار کرتا ہے جس سے مریض صحت یاب ہو جاتا ہے۔ بیماری کا نسخہ لوگ طبیب ہی سے حاصل کرتے ہیں البتہ ان میں جو جڑی بوٹیاں استعمال ہوتی ہیں وہ ایک عطار کی دکان سے مہیا ہوتی ہیں لیکن طبیب ان جڑی بوٹیوں سے نا آشنا نہیں ہوتا۔ اگر نا آشنا ہو تو وہ نسخہ ترتیب ہی نہیں دے سکتا۔ حکیم الامت مولانا تھانوی فقہ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ وہ ہے کیا؟ فرمایا

”کتابوں کو پڑھ لینے کا نام فقہ نہیں ہے۔ فقہ ایک نور ہے جو فقیہ کے دل میں ہوتا ہے۔ اس کی برکت سے اس کو دین کی سمجھ حاصل ہوتی ہے اور اس کے نور کو حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کر لیں وہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ اب تم کہہ سکتے ہو پڑھتے پڑھاتے رہو مگر چونکہ دین کی سمجھ نہیں رہی تم فقہ نہیں ہو سکتے۔ اور وہ نور

فقہ طاعات سے بڑھتا ہے اور معاصی سے سبب ہو جاتا ہے۔ جو فقیہ مطہر اور متقی نہ ہو وہ صرف کتابوں کا فقیہ ہے حقیقی فقیہ نہیں اور نہ ہی اس کے واسطے وہ بشارت ہے جو فقیہ کے واسطے حدیث میں مذکور ہے اس لیے خاتمہ سے اطمینان کسی حال میں فقیہ کو بھی نہیں ہو سکتا۔“ (انسیع صحیح سرورہ جلد ۲ ص ۱۳۸)

یہیں سے حضرت تھانوی کی زبان سے محدث اور فقیہ کا فرق بھی سن سکتے ہیں۔ فرمایا ”محدثین کا مسلح نظر روایت ہوتی ہے اور فقہاء روایت سے کام لیتے ہیں جیسے غنا محدثین کے نزدیک بلا حرامیر جائز ہے کیونکہ حدیث میں لفظ ”معاذ“ کا آیا ہے۔ اور فقہاء کے نزدیک بلا حرامیر بھی جائز نہیں کیونکہ وہ علت کو سمجھتے ہیں اور وہ (مطلق) خوف فقہ ہے اور وہ جیسے حرامیر میں ہے صرف غنا میں بھی موجود ہے۔ محدثین نص سے تجاوز نہیں کرتے اور فقہاء اصل مذکورہ حکم کو معلوم کر کے دیگر مواقع تک حکم کو مستعدی کرتے ہیں۔“ (حسن المعروض جلد ۴ ص ۳۴۵)

اسی وجہ سے میاں سید نذیر حسین صاحب اپنی کتاب میں حضرت امام ابو حنیفہ کے بارہ میں فرماتے ہیں

”ان (یعنی امام ابو حنیفہ) کا مجتہد ہونا اور قیاسی طبع ہونا اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے ان کے فضائل میں۔“ (مصارف الحق ص ۵)

اس عبارت میں حضرت میاں صاحب نے امام صاحب کو مجتہد تسلیم کیا ہے اور مجتہد وہ ہوتا ہے جس کی کم از کم تین لاکھ احادیث پر نظر ہو۔ لہذا معلوم ہوا کہ جو شخص مجتہد ہے وہ نہ صرف ہزاروں بلکہ لاکھوں احادیث کا علم رکھتا ہے ورنہ وہ مجتہد ہو ہی نہیں سکتا۔ تو ایک طرف کسی شخص کو مجتہد تسلیم کرنا اور دوسری طرف اس کو علم حدیث میں ۵۰۰۰۰ بت کرنا جہالت اور حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر آپ حدیث سے باواقف ہوتے یا گلیل اللہ حدیث ہوتے تو عبداللہ بن مبارک محدث امام ابو حنیفہ کی رائے کو ”تفسیر اللہ حدیث“ نہ کہتا۔ (دلیل المعروض جلد ۲ ص ۱۶۰)

اور نہ ہی اتنے بڑے بڑے محدثین آپ کی اتباع اور تقلید کرتے۔ یہاں پر یہ بات ذہن میں رہے کہ مجتہد وہ ہوتا ہے جو فقیہ ہو غیہ فقیہ مجتہد نہیں ہوتا۔ اور فقہ اور فہم میں بھی فرق ہے جس کو حافظ ابن قیم نے یوں بیان کیا ہے

”حدیث اور کتاب میں فقہ خاص ہے اور فہم عام ہے۔ حکم کی مراد اس کے کلام سے

سمجھ لینے کا نام فقہ ہے اور وضع سے نکتہ میں جو بھی مفہوم ہوتا ہے فقہ اس پر تکرار ہوا ہے۔ اور متکلم کے کلام سے اس کی مراد سمجھنے میں لوگوں کے مراتب متفاوت ہیں اور اس تفاوت کی وجہ سے فقہ اور علم میں لوگوں کے مراتب متفاوت ہو جاتے ہیں۔ سمجھ کر ائمہ کے فقہ اور فقہ کا رتبہ بہت اعلیٰ تھا اس لیے وہ کسی امر کے اذن و راجح پر وقت سے استدلال کرتے تھے۔ چونکہ وہ امر ایسے وقت کیا جا رہا ہے کہ وہ زمانہ وہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس امر کے کرنے پر انکار نہیں فرمایا اس لیے وہ امر مباح و درجہ سے۔ صریح کرامت کا یہ استدلال اس کی مراد پر استدلال ہے کہ اس امر کو مباح سمجھا گیا ہو تو نہ ہی تعالیٰ شانہ باطل پر ثابت نہیں رکھتا ہے۔ اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ سید و خدیجہ علیہ السلام کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمانا کہ آپ کو اللہ بھی رسوا نہ کرے گا اس لیے کہ آپ صدیقی مرتے ہیں تو میں نے وہ جو تھے ہیں مہمانوں کی میمانت کا حق اور مرتے ہیں اور حق بجانب امور میں آپ ہمیشہ مدد کرتے ہیں اور جس کی یہ شان ہے اس کو اللہ عزیز و رحیم اور اتم ان کہیں بھی رسوا اور شیطانی کواں پر مست نہیں کرتے۔ گا۔ سید و خدیجہ کا یہ استدلال حضور کی نبوت پر حضور کی بعثت سے پیشتر بنے اور سید و خدیجہ نے یوں سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و حکمت محسنین کے جز و ضائع نہیں کرتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے اسلاف و صفات سے مذکور و شامل معاف اور فضائل و سائے رہ کر سید و خدیجہ نے حضور کی صحت نبوت پر استدلال کیا ہے اور اس کی مراد سمجھا ہے۔ صحابہ کرام سب سے زیادہ حضور کی مراد کو جانتے تھے۔ آپ کی اتباع کرتے تھے اور آپ کی مراد اور مقصود کی معرفت کے سرور جتے تھے متکلم کی مراد کا علم بھی عموم غلط سے ہوتا ہے اور بھی عموم غلط سے۔ باب الغلط من عموم لفظ سے متکلم کی مراد کو سمجھتے ہیں اور اب باب معانی فقہاء میں سے اور عموم غلط سے بھی متکلم کی مراد کو سمجھ لیتے ہیں۔

(علاء اللہ علیہ جلد ۱ ص ۱۶۱-۱۶۲)

قرآن و حدیث میں فقہ کی فضیلت

فقہ چونکہ قرآن و حدیث کے احادیث کی غہنی کاغوس اور اس کے محال کا متاشی ہوتا ہے اس لیے قرآن و حدیث میں فقہ اور فقہاء کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيُعْرِضُوا كَافَّةً فَلَوْلَا لَهْرٌ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيُبْهِمُوا الْفُلُوقَ وَلِيُذَكِّرُوا إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔ (سورہ بقرہ: ۱۲۹)

”اور ایسے تو نہیں کہ جہاد میں سب مسلمان نکل اُٹریں ہوں سو یہ نہ ہو کہ طبقہ سے ایک گروہ نکلے جو دین میں فقہ پیدا کریں (یعنی فقہ سنت سیکھیں) اور پھر جب وہ اپنے لوگوں کے پاس پہنچیں تو انہیں بتائیں تاکہ وہ بھیجیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ امت میں ایک گروہ فقہاء کا ضرور ہونا چاہیے تاکہ وہ دوسروں کو دین کی باتیں بتائیں۔ اسی طرح سورۃ النساء میں فرمایا کہ

وَإِذَا حُيِّئَ لَهُمُ الْأَمْرُ مِنَ الْأَمْنِ وَالْخَوْفِ إِذَا عَاوَاهُ وَلَوْ رَدُّوا إِلَى الرَّسُولِ وَالْأُولَى الْأَمْرُ مِنْهُمْ لَعَلَّهُمْ يَسْتَغْنَوْنَ مِنْهُمْ۔ (النساء: ۸۳)

”اور ان کے پاس جب امن اور خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو وہ اسے پھیرا دیتے ہیں۔ اور اگر وہ اسے اللہ کے رسول کی طرف اور اپنے اولی الامر کی طرف لوٹا دیتے تو جو لوگ ان میں اہل احتیاط ہیں وہ بات سمجھ پاتے۔“

اس آیت کی تفسیر میں امام غزالی نے کئی مسائل کا استنباط کیا ہے بعض احکام حوادث ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا حکم نصوص میں نظر نہیں آتا۔ ان کا حکم احتیاط سے جانا جاتا ہے۔

اس آیت سے استنباط کا محنت ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ عامی پر علماء کی تقلید احکام حوادث میں واجب ہے۔

جب قرآن حکیم سے یہ ثابت ہو گیا کہ فقہ فی الدین نہایت ضروری ہے اور کہا کہ ایک جماعت تحصیل فقہ میں لگی رہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ فقہ کتاب و سنت سے الگ نہیں بلکہ فقہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی گہرائی میں پہنچے ہوئے مضامین کو تلاش کرنا اور ان کا سامنے آنا فقہ ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم میں مختلف مقامات میں فقہ کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مختلف احادیث میں فقہ اور فقہ کی تعریف و تحسین فرمائی ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَنْ يَرِدُ اللَّهَ بِهِ عَمِيرًا يَفْقَهُهُ فِي الدِّينِ

(ترمذی جلد ۲ ص ۸۹، مسلم جلد ۱ ص ۱۱۹، دارمی جلد ۱ ص ۸۵)

”حق تعالیٰ شانہ جس شخص سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین میں فقیہ بنا دیتے ہیں۔“

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضرت حکیم الامت تھانوی نے لکھا ہے
”لما سمعنا منہ کہ کسی کو خبر نہیں کہ میرے ساتھ خدا کو کیا منظور ہے مگر فقیہ کو معلوم ہے کہ خدا کو ان کے ساتھ بھلائی منظور ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے ”مَنْ سَلَكَ سَبِيلَ اللَّهِ هَبْهُ حَيْرًا بِفَقْهِهِ لِيُؤْتِيَ الدِّينَ“ جس کے ساتھ خدا کو بھلائی کرنے کا ارادہ ہوتا ہے اس کو دین کی کجی عطا کرتے ہیں۔“

”اما محمدؐ کو کسی نے وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا مجھ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا تو حق تعالیٰ نے فرمایا ”اے محمدؐ! تجھ کو عطا کرتے ہو؟“ میں نے عرض کیا کہ میری مغفرت فرمادیجئے۔ جواب ملا کہ اگر تم توبہ کو بخشنے چاہے تو فقہ عطا نہ کرتے۔ ہم نے تم کو فقہ اسی لیے عطا کیا تھا کہ تم کو بخش منظور تھا لیکن اس سے مامون العاقبت ہونا لازم نہیں آتا یعنی یہ نہ سمجھا جائے کہ فقیہ وہ ہے جو خاتمہ کا اندیشہ بالکل نہیں اس لیے مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں کیونکہ اگر حق تعالیٰ فقیہ کو عذاب دینا چاہیں گے تو فقہ کو اس سے سبب کر لیں گے۔“

(الشیخ: الحج المبرور جلد ۲ ص ۱۳۸)

ایک اور حدیث میں رشاد فرمایا اور یہ حدیث بھی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ ہی سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

”فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد“

(ترمذی جلد ۲ ص ۹۲ ابن ماجہ ص ۲۲)

”ایک فقیہ ہزار شیطانوں پر بھاری ہوتا ہے۔“

سیدنا ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ

صحابہ کرامؓ سے فرمایا

”ان رجلاً باتوا منکم من اقطار الارض یعقوبون فی الدین واداء اتواکم

فاسو صوا بہم غیراً۔“ (ترمذی جلد ۲ ص ۸۹ ابن ماجہ ص ۲۲)

”بے شک احراف عالم سے تمہارے پاس وہ آئیں گے تاکہ وہ دین میں فقہ

حاصل کریں اور جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم انہیں خیر کی نصیحت کرنا۔“
بخاری میں جرجج راہب کا واقعہ مذکور ہے جس میں ہے کہ وہ اپنی عبادت میں مشغول تھا کہ اس کی والدہ نے اسے تین دفعہ آواز دی اس نے والدہ کو کوئی جواب نہ دیا اور اپنی عبادت میں مصروف رہا۔ ماں نے اسے بدعادی۔ وہ عبادت میں لگا رہا اور والدہ کی آواز کی اہمیت کو نہ سمجھ سکا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لو کان جرجج راہب فقیہاً عالمیاً لعلم ان احابة امه خیر من عبادۃ ربہ۔“

(بخاری جلد ۱ ص ۱۶۱)

”اگر جرجج راہب فقیہ عالم ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ ماں کی آواز کا جواب دینا خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے سے بہتر ہے۔“

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے پتہ چلا کہ ہر عالم فقیہ نہیں ہوتا اور جو فقیہ ہوتا ہے وہ صحیح معنوں میں عالم ہوتا ہے کیونکہ وہ کلام کی گہرائی میں پہنچ کر اس کے معانی کو تلاش کرتا ہے۔

سیدنا جابر بن مطعمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

”مَنْ سَمِعَ مِنْ عَدُوٍّ لِمَا يَحِبُّ لَمْ يَسْمَعْهُا“

(دارمی جلد ۱ ص ۷۵ ابن ماجہ ص ۳۱)

”اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و غم رکھے جس نے میری بات سنی اور اس کو خوب یاد کیا پھر وہ بات ان لوگوں کو سنائی جنہوں نے وہ بات مجھ سے نہیں سنی تھی کیونکہ یہ اوقات حائل فقہ (راوی حدیث) تو ہیں لیکن انہیں فقاہت حاصل نہیں ہوتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حائل فقہی وجہ کا فقیہ نہیں ہوتا اور وہ روایت اس شخص تک پہنچا دے گا جو اس سے فقہ نہ سیکھے گا۔“

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی روایت کا اصل مقصد ان سے فقہ حاصل کرنا ہے۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا کہ کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ راوی حدیث کے پاس وہ حدیث ہو جس میں فقہ ہو اور خود وہ راوی صاحب فقہ نہ ہو۔ اس لیے وہ حدیث دوسروں

کو پہنچا دے تاکہ وہ اس کی فقہ سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور دوسرے بھی اس سے استفادہ کریں۔ اور اگر وہ خود فقیہ ہو تو یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ فقیہ ہو اور وہ اس حدیث سے زیادہ مسائل استنباط کر سکے جس سے دوسروں کو زیادہ فائدہ ہو۔ اس سے پتہ چلا کہ فقہ فی الدین ایک بہت بڑی خوبی ہے اور یہ خوبی حق تعالیٰ شانہ خاص خاص لوگوں کو عطا فرماتے ہیں۔ اسی وجہ سے سیدنا ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو خصلتیں ایسی ہیں جو کسی منافق میں جمع نہیں ہو پاتیں۔ ایک حسن سیرت اور دوسری تھقف فی الدین۔ (حسن سمت ولا فقه فی الدین) (ترمذی جلد ۱ ص ۹۳)

اور شاید اسی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے لیے جو دعا فرمائی وہ روایت حدیث کی نہیں تھی بلکہ تھقف فی الدین کی تھی۔ فرمایا

اللھم فقه فی الدین و علم التاویل۔

(بخاری جلد ۱ ص ۱ مسند احمد جلد ۱ ص ۲۲۸)

”اے اللہ! (امین عباس کو) تھقف فی الدین اور علم تفسیر عطا فرما۔“

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب بھی کسی شخص نے مجھ سے مسئلہ پوچھا تو میں نے جان لیا کہ وہ فقیہ ہے یا غیر فقیہ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵ ص ۳۱۲)

فقہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر سیدنا عمر بن الخطابؓ فرمایا کرتے تھے

تلفھوا قبل ان تسودوا قال ابو عبداللہ و بعد ان تسودوا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۱۷)

”تم سردار بننے سے قبل فقہ حاصل کرو“ اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ سردار بننے کے بعد بھی فقہ کو حاصل کرو۔

ان تمام اقتباسات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں فقہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور جو لوگ فقہ کے منکر ہیں وہ صحیح معنوں میں قرآن و حدیث کو نہیں سمجھ سکتے اور روایت حدیث کا اصل مقصد بھی تھقف فی الدین ہی ہے۔

لفظ اہل حدیث کا غلط استعمال:

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ متقی تھے پرہیزگار تھے فقیہ تھے اہل ورع میں سے تھے مجتہد تھے سب کچھ تھے لیکن علم حدیث سے

ناواقف تھے اگرچہ بڑے بڑے محدثین آپ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے لیکن خود امام ابوحنیفہؒ حدیث نہ جانتے تھے اور بقول حضرت مولانا داؤد غزنویؒ اگر کوئی بڑا احسان کرے صرف اتنا تسلیم کرتا ہے کہ امام صاحب کو صرف سترہ احادیث آتی تھیں۔ یحییٰ بن سعید القطانؒ سے کون سا صاحب علم ہے جو واقف نہیں۔ ان کے بارہ میں علی بن الدینؒ فرماتے ہیں ”عارایت احداً اعلم بالرحال منہ“ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۷۵) میں نے اسامہ الرجال میں ان سے زیادہ عالم کسی کو نہیں دیکھا لیکن حافظ ذہبیؒ ہی فرماتے ہیں کہ

کان یحیی القطان یعنی بقول ابی حنیفہ۔ (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۸۲)

”یحییٰ بن سعید القطان امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔“

پھر یحییٰ بن معین جو عبداللہ بن مبارکؒ، یحییٰ بن ابی زائدہؒ اور معمر بن سلیمانؒ جیسے ائمہ حدیث کے شاگرد اور امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابی داؤدؒ اور امام ابوذرؒ جیسے محدثین کے استاذ تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ ان کے بارہ میں فرماتے تھے کہ ”یحییٰ بن معین ہم میں سب سے زیادہ علم اسامہ الرجال کے ماہر تھے۔“ اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو کسی صاحب علم کے سامنے حقیر نہیں سمجھا سوائے یحییٰ بن معین کے۔ ان یحییٰ بن معین کے بارہ میں کتابوں میں مرقوم ہے کہ وہ فقیہی لحاظ سے فنی تھے اور امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ اسی طرح کے اور بہت سے علم حدیث کے جہادہ فقیہ پہلو سے فنی المذہب تھے اور کیا وہ بھی اہل حدیث اور محدثین میں شمار نہ ہوتے تھے؟

لفظ اہل حدیث کا آج کل یہ کتنا غلط استعمال ہو رہا ہے کہ جو لوگ علم حدیث کی شہدہ سے بھی ناواقف ہیں وہ اپنے آپ کو اہل حدیث کہہ رہے۔ اور بتایا یہ جاتا ہے کہ ہم چونکہ حدیث پر عمل کرتے ہیں اس وجہ سے ہم اہل حدیث ہیں حالانکہ آج تک کسی نے حدیث پر عمل کرنے والوں کو اہل حدیث نہیں کہا۔ دنیا میں کون ایسا شخص ہے جو حدیث پر عمل نہیں کرتا۔ کیا شوافع حدیث پر عمل نہیں کرتے؟ کیا امام مالکؒ کے پیروکار حدیث پر عمل نہیں کرتے؟ کیا سعودی عرب کے حنبلہ جو حرم کی اور مسجد نبویؐ میں بیس تراویح پڑھتے ہیں بسم اللہ بالجہر کے قائل نہیں ایک وقت میں دی گئی تین طلاقیں کو تین ہی شمار کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ وہ حدیث پر عمل نہیں کرتے؟ حدیث پر عمل کرنے والے کو ”اہل حدیث“ کہنا یہ کوئی جدید اصطلاح ہے

کیونکہ قدیم اصطلاح میں تو اہل حدیث ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو علم حدیث میں ماہر ہوتے تھے نہ کہ حدیث پر عمل کرنے والوں کو چنانچہ حافظ وزیر بھائی لکھتے ہیں:

ومن المعلوم ان اهل الحديث اسم لمن عني به وانقطع في طلبه
فهؤلاء هم اهل الحديث من اى مذهب كانوا۔

(الروض الباسم جلد ۱ ص ۱۶۲)

”یہ بات مسلمہ ہے کہ اہل حدیث اس طبقہ کا نام ہے جو اس فن کے ورپے ہو اور ہر وقت اس کی طلب میں منہمک اور مشغول رہے۔ ایسے سب لوگ اہل الحدیث ہیں اگرچہ وہ کسی مسلک اور مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔“

لیکن آج کل اہل حدیث محدثین کا جھگڑنا نہیں بلکہ دو گٹ ہیں جو ائمہ اربعہ میں سے کسی کی پیروی نہیں کرتے صرف اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم حدیث پر عمل کرتے ہیں ان میں پڑھے لکھے بھی ہیں اور چنے ان پڑھے بھی ہیں جو قرآن حکیم کا غور بھی نہیں پڑھ سکتے حدیث کا جاننا اور سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے۔ ان حضرات نے حریت فکر کے نام سے ایک تحریک جاری کی اور ائمہ اربعہ کی تقلید کو شرک قرار دے کر ایک مستقل مکتب فکر کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ مولانا محمد شاہ صاحب شاہجہانپوری فرماتے ہیں:

”پچیسے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال سے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آتے بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحّد کہتے ہیں مگر غریب فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا دہائی یا ائمہ سب لیا جاتا ہے۔“ (الارشاد فی سبیل الرشاد: ص ۱۳)

مختصر یہ کہ آزادی فکر کی جو تحریک چلائی گئی تھی اس سے بڑے بڑے شکوفے نکلنے شروع ہوئے۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ یہ فکر و نظر کی آزادی صرف علماء تک نہ رہی بلکہ اس کا دائرہ غیر علماء تک بھی پھیل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ائمہ مجتہدین کے دامن تک دست درازیاں ہونے لگیں۔ ان کے اجتہاد میں کیزے نکالے جانے لگے اور یہاں تک کہا جانے لگا کہ امام ابوحنیفہ کا دامن حدیث سے خالی تھا۔ ان کے قیامات خلاف اسلام تھے اور ان کے مقصدین محمدی اسلام کے

فائل نہیں بلکہ خفی اسلام کو مانتے ہیں۔ گویا۔ امام ابوحنیفہ کو (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مد مقابل جانا جانے لگا۔ یہ روش بڑی غلط تھی اور اس کے نتائج بڑے زہر آلود تھے۔ اس بات کو سب سے پہلے مولانا محمد حسین بٹالوی نے محسوس کیا۔ کیونکہ فکر و نظر کی اس آزادی کی وجہ سے وہ اس سے پہلے اپنے دوست مرزا غلام احمد قادیانی کا انجام دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ، پور میں ایک مجلس اہل حدیث قائم ہوئی جس کا صدر مولانا محمد حسین بٹالوی و نامزد کیا گیا۔ انہوں نے صدر انجمن کی حیثیت سے یہ تجویز پیش کی کہ مجلس اہل حدیث کے ساتھ بریکٹ میں حنفیہ کا لفظ بڑھا دیا جائے۔ (ماہنامہ الہدیٰ، ماہ دی قعدہ ۱۳۲۷ء)

چنانچہ مولانا محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں

”صدر انجمن خاکسار چونکہ باوجود اہل حدیث ہونے کے خفی بھی کہلاتا چار زبانت تھا لہذا اس امر کا اظہار اپنے ماہوار رسالہ (اشاعت الہدیٰ) اور سراج الاخبار کے ذریعہ کر دیا۔ یہ امر ۱۳۲۷ء روحانی فرزند (مولانا ثناء اللہ امرتسری) کو جوانوں کو جو صرف اہل حدیث کہلاتے ہیں اور وہ خفی وغیرہ کہلاتا پسند نہیں کرتے تا گوار گذار اور انہوں نے خاکسار کے اس اظہار کے خلاف اپنے اخبار اہل حدیث میں یہ نوٹ شائع کر دیا۔“

مولانا محمد حسین بٹالوی نے کی بات کا مطلب یہ تھا کہ تقلید کی بندش کی نہ کسی حد تک ہونی چاہیے فکر و نظر کی یہ آزادی جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی کی دینی جاسی کا باعث بنی اس طرح دوسرے علماء کی مبادی کا باعث نہ بن جائے لیکن مولانا ثناء اللہ نے ان کی اس بات کی مخالفت کی لیکن کچھ ہی عرصہ بعد مولوی عبد اللہ چکڑالوی اہل حدیث امام مسجد چینیان، بونہ نے اسی ترک تقلید کے باعث انکار حدیث کر دیا تو پھر مولانا ثناء اللہ صاحب میں بھی قمری تبدیلی رونما ہوئی۔ چنانچہ اپنی اس قمری تبدیلی کو مولوی عبد اللہ چکڑالوی کے بارہ میں ان الفاظ کا جامہ پہنایا۔

”جب انہوں نے دیکھا کہ اب لوگ فقہ کی بندش سے تقریباً آزاد ہو گئے ہیں تو انہوں نے احادیث پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ اور جب کچھ دنوں میں یہ مرحد بھی طے ہو جانے کا تو وہ جمع و تدوین قرآن میں رہنے نکالنا شروع کر دیں گے۔ اور جب تک لوگوں کو اس عیاری کا پتہ نہ چلے گا وہ عوام اور نئے تعلیم یافتہ طبقے کے دل و دماغ کو تادمہ کر چکے ہوں گے کہ اس کا تدارک کسی سے نہ ہو سکے گا۔“ (صدی ثانیہ جلد ۱ ص ۲۸۰)

نواب صدیق حسن خان بھوپالی بھی ایک علمی شخصیت تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ترک تہذیب نے لوگوں کے حرا جوں کو خراب اور رہنوں کو دراز کر دیا ہے اور چند فردی اختلافات نے ائمہ مجتہدین کے بارہ میں بعض لوگ رہبان درازی کر رہے ہیں اور انہی فردی مسائل کو سارا دین سمجھنے لگے ہیں اور مقلدین کو برا سمجھ جانے لگا ہے اور عبدالحق بنارس اور ابو الحسن محی الدین جیسے نو مسلموں نے (جو اصلاً ہندو تھے) مسلمانوں کی صفوں میں تشدد و انتشار پھیلا کر شروع کر دیا ہے اور تحریک حریت فکر خط شاہراہ پر چل نکلی ہے تو انہوں نے بڑی حسرت اور نہایت افسوس سے لکھا:

”اس زمانہ میں ایک شہرت پسند اور رہا کار فرق زمین سے نکلا ہے۔ (نواب صاحب نے ”نبشت“ کا غلط استعمال کیا ہے) جو ہر قسم کی خامیوں اور نقائص کے باوجود اپنے لیے قرآن و حدیث کا علم اور اس پر عامل ہونے کا دعویدار ہے حالانکہ اہل علم و عمل اور اہل عرفان سے ان کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ فرق ”علوم آریہ“ سے جا مل اور نا آشنا ہے جن سے آشنائی ایک طالب حدیث کے لیے اس فن کی تکمیل کے لیے نہایت ضروری اور لازمی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ فرق ”علوم عالیہ“ سے بھی جا مل ہے جن کے بغیر سنت کی شاہراہ پر چلنے کی کوئی گنجائش نہیں مثلاً صرف ”خوافت معانی اور بیان چہ جائیکہ دوسرے کمالات ان میں پائے جائیں اسی لیے تم ان لوگوں کو دیکھو گے کہ یہ محض الفاظ حدیث کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں اور حدیث کے فہم اور اس کے معانی و مفہیم میں غور و فکر کرنے کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ ان کا خیال یہ ہے کہ محض الفاظ حدیث کو نقل کر لینا ہی کافی ہے حالانکہ یہ خیال حقیقت سے کوسوں دور ہے کیونکہ حدیث سے مقصود تو حدیث کے فہم اور اس کے معانی میں غور و فکر کرنا ہے۔ نہ صرف الفاظ حدیث کی نقل پر اکتفا کر لینا۔ پس سب سے پہلے تو حدیث میں اس کا سننا ہے پھر اس کو زبانی یاد رکھنا ہے پھر اس کو سمجھنا ہے پھر اس پر عمل کرنا ہے اور پھر اس کی نشر و اشاعت ہے۔ اور ان لوگوں نے فقط حدیث کو سن لینے اور اس کی نشر و اشاعت پر اکتفا کر لیا ہے حدیث کے یاد کرنے اور سمجھنے کے بغیر۔ حالانکہ اس پر

اکتفاء و اختصار کر لینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پس حدیث اس زمانہ میں بچوں کو پڑھنا پڑھانا ہو گیا ہے نہ کہ اصحاب یقین کا وہ اپنی غفلتوں میں بہکتے پھر رہے ہیں۔ امام غزالی نے ابوسفیان سے نقل کیا ہے کہ وہ ایک مرتبہ زائد بن احمد کی مجلس میں حاضر ہوئے تو سب سے پہلی حدیث جو ان سے سنی دوسرے کا رد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا کہ آدمی کے اسلام کی اچھائی اور اس کے حسن میں سے ہے اس کا بے کار کاموں کو چھوڑ دینا۔ آپ یہ حدیث سن کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا مجھے یہی حدیث کافی ہے۔ جب میں اس سے فارغ ہوں گا تو دوسری حدیث سنوں گا۔ عقل مند لوگوں کا سامع ایسا ہوتا تھا۔ وہ یہ جا مل تو ان کا حدیث کے ساتھ بڑے سے بڑا سلوک صرف یہ ہے کہ یہ لوگ چند ایسے مسائل کو اختیار کر لیتے ہیں جو عبادات کے اندر مجتہدین اور محدثین کے مابین اختلافی ہیں (جیسے رفع الیدین آمین بالجہر فاتحہ ظلف الامام وغیرہ۔ ظفر) معاملات سے متعلق مسائل جو کہ روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے ہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور ان کے سارے کا سارا اتباع حدیث فقط یہ ہے کہ یہ اس اختلاف کو نقل کرتے رہتے ہیں جو ائمہ مجتہدین اور محدثین کے درمیان عبادات کے اندر واقع ہوا ہے نہ کہ معاملات کے اندر آئی لیے یہ لوگ اس باب میں ائمہ حدیث کی جانچ پرکھ سے بے بہرہ اور معاملات کے بارہ میں حدیث کی کچھ بوجھ سے واقف ہیں۔ ایسے ہی سنن اور اصحاب سنن کے اسلوب اور طریقہ کے مطابق کسی ایک مسئلہ کے استخراج اور کسی ایک حکم کے استنباط پر بھی قادر نہیں ہیں۔ اور انہیں اس کی توفیق بھی کیسے ہو کہ یہ حدیث پر عمل کرنے کی بجائے زبانی جمع خرق پر اور سنت کی اتباع کے بجائے شیعہ کی توسیلات پر اکتفاء کرتے ہیں اور پھر اس کے مین دین ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور وہ اس بات پر خوش ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں۔ اور یہ ان میں سے ہر ایک کی عادت ہے۔ امیر ہو یا غریب تہمت مست ہو یا بیاد میں نے ان کو بار بار آزمایا لیکن میں نے ان میں سے کسی کو ایسا نہیں پایا جسے صالحین کے طریقہ پر چلنے کی کوئی رغبت ہو یا وہ اہل ایمان کی سیرت کے مطابق چل نہ سکے۔ میں نے تو ان میں سے ایک کو مبینی

دنیا میں منہبک اور اس کے رومی ساز و سامان میں مستغرق، جہ و جلال کو جمع کرنے والا، حلال و حرام کی تمیز کے بغیر مال کا حریص پایا۔ اسلام کی مناس اور شیرینی سے خان الذہن اور عام مسلمانوں کی نسبت شریر اور کینے لوگوں کی طرح بہت سنگدل پایا۔

نواب صاحب چند سطروں کے بعد پھر یوں فرماتے ہیں:

”بجدا یہ بات انتہائی تعجب خیز اور تحیر کا باعث ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو خالص موحّد مہر دانستے ہیں اور اپنے علاوہ دوسرے سب مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ خود انتہائی متعصب اور دین میں غلو کرنے والے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جن کا دیکھنا آنکھوں کی چھین اور گلوں کی ٹھنن جانوں کے کرب اور دکھ روجوں کے بخار سینوں کا غم اور دلوں کی بیماری کا باعث ہے۔ اگر تم ان سے انصاف کی بات کرو تو ان کی طبیعتیں انصاف کو قبول کرنے سے اجا کرتی ہیں۔ اس فرقے کی یہ سب صفات بیان کرنے کے بعد نواب صاحب لکھتے ہیں

فما هذا دين ان هذا الا فتنة في الارض و فساد كبير۔

”یہ کوئی دین نہیں ہے بلکہ یہ تو زمین میں ایک فتنہ اور فساد کبیر ہے۔“

(محفلہ ص ۱۵۲ ۱۵۵)

اسی جماعت اہل حدیث کے ایک اور عالم اور صحاح ستہ کے مترجم مولانا وحید الرحمن صاحب حیدر آبادی نے فکر و نظر کی اس بے راہ رومی کو محسوس کیا اور تقلید کے بندھن سے آزاد اور فکر و رائے کے اس انتشار کے نتائج سے آشنا ہونے کے بعد غم اور تاسف کے طے جلے جذبات سے یہ لکھا

”غیر مقلدین کا رواد جو اپنے تئیں اہل حدیث کہلاتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی پروا نہیں کرتے نہ سلف صالحین اور صحابہؓ اور تابعینؓ کی قرآن شریف کی تفسیر صرف لغت ہے۔ اپنی من مانی کر لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں مانتے۔“

(وحد اللغات و حیات و وحد الرمال ص ۱۰۲)

اس زمانہ کے ایک اور جید اہل حدیث عالم مولانا عبدالحامد غازی پورنی نے بھی اس

تحریک آزادی فکر کے نتائج کو محسوس کرتے ہوئے لکھا

”اس زمانہ کے جموں نے اہل حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقتاً جاہل بہ الرسول سے جا مل ہیں وہ اس صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے شیعہ اور روافض کے جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب و دبیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ اور زنادقہ کا تھے اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دبیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ مخالفین کے عینہ مثل اہل تشیع کے۔“

(کتاب التوحید والسنہ فی رد اهل الاحاد والبدعہ ص ۲۶۲)

اس بارہ میں کہیں تک لکھا جائے کیونکہ جب فکر و رائے اس قدر آزاد ہو جائے تو پھر نہ صرف سلف صالحین پر تاہز توڑ چلے ہوتے ہیں بلکہ پھر انہوں کی چھوٹی موٹی کوتاہیاں بھی برداشت نہیں ہوتیں اور ہر آدمی خواہ وہ عالم ہو یا غیر عالم اپنی رائے کے خلاف کوئی کام ہوتے دیکھتا ہے تو حد ادب کی تمام سرحدیں پھلانگ کر ہر شخص کی پگڑی اچھائی شروع کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر کسی کی عزت محفوظ نہیں رہتی۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ سلف صالحین کے دامن علم و عمل پر جو دست درازی ہوئی تو اب انہوں کے ساتھ بھی وہی معاملہ شروع ہوا اور ہر بلا کا دامن عزت و عظمت تار تار ہونے لگا۔ غزنوی خاندان نے حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے خلاف ”اربعین علی ان ثناء اللہ لیس علی مذہب ائمہ شیعہ“ لکھی جس میں یہ ثابت کیا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب مذہب شیعہ کے مذہب سے مٹ گئے ہیں بلکہ مولانا عبدالحامد غازی پورنی نے تو ”اظہار کفر ثناء اللہ جمیع اصول آمنت باللہ“ کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب لکھی۔ اول الذکر کتاب میں حضرت مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی کے علاوہ دوسرے بھی کئی علماء اہل حدیث نے تائیدی دستخط کیے جن کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔ علاوہ انہیں مولوی محمد جونا گڑھی نے مولانا عبد اللہ روپڑی کے بارہ میں ایک کتاب لکھی جس میں انہیں بدعتیہ، علم دین بلکہ دین سے ناواقف قرار دیا۔ حضرت مہاں ذہر حسین صاحب کے ایک شاگرد اور مولوی محمد جونا گڑھی کے استاذ مولانا عبدالباق ملتان کے خلاف بانوے اہل حدیث علماء نے دستخط کر کے کہا کہ یہ بدعتی امامت گمراہ ہے اور مسلک اہل حدیث سے خارج ہے۔ باہمی

مذہب کی رہی کسی سرسبز کھوٹ کے خیمہ محمد صادق نے اپنے استاد محترم جناب مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے خلاف "ایک مدعی امارت سے شرعی استفتاء" لکھ کر پوری کردی جس میں انہوں نے دنیا کی ہر برائی اپنے اس استاد محترم میں ثابت کر دی۔ اس قسم کا پمفلٹ مولانا میر کے کسی مخالف کو نکالنے کی بھی جرأت نہ ہوئی جو جرأت ان کے شاعر نے کی۔ قلم کو وہ تمام عیوب لکھنے کی بھی تاب نہیں جو ایک شاعر نے اپنے استاد میں نکالے۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی شیعہ کے رؤساء اور علماء میں سے تھے۔ ان کی زندگی ہر شخص کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں تھی اس پمفلٹ (ایک مدعی امارت سے شرعی استفتاء) سے ان کی شان میں تو کوئی کمی واقع نہ ہوئی لیکن خیمہ صادق کی اس گستاخانہ جرأت سے ہر شخص نے یہ اندازہ لگایا کہ نصف صدی پیشتر ترک تقلید اور فکر و نظر کی آزادی کے نام سے جو ختم ریزی کی گئی تھی یہ سب اسی کے برے و بار ہیں جس سے نہ صرف سلف صالحین کے دامانوں کو طعن و تشنیع کے تیروں سے خون آلود کیا گیا بلکہ اب ان کے اپنے بڑوں نے دامن بھی ان زہر آلود اعتراضات سے تار تار ہو گئے ہیں۔

تن ہم داغ داغ شد چہ کجا کجا خیم

اس تحریک آزادی فکر اور ترک تقلید نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بھلا دی کہ اب ہمیں حریت فکر کی ماوراء پر آزادی حاصل ہو گئی ہے لہذا اصحاب کرام، سلف صالحین اور خود اس تحریک کے داعی حضرات پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ آپ حیران ہو گئے ہوں گے کہ ایک شاعر نے جو بمنزلہ بیٹے کے ہوتا ہے اپنے استاد پر جو بمنزلہ باپ ہوتا ہے ایسے گستاخانہ الزامات لگائے جن کو کان سننے اور آنکھیں پڑھنے کے لیے تیار نہیں۔ لیکن یہ سب نتیجہ ہے ترک تقلید کا جو مولانا محمد اسماعیل صاحب سنی کے نزدیک تحریک آزادی فکر ہے۔ گویا تقلید مقلدین کو فکر و نظر کی پابندیوں میں جبرتی ہے جب کہ ترک تقلید اسلاف کی پابندیوں سے یک قلم آزاد کرتی ہے اور بزرگوں اور سلف صالحین کی عزتوں سے جو صیاد کیا وہ ترک تقلید کا ایک منطقی نتیجہ تھا۔

بات چچھی ہوئی جا رہی ہے اور میں اس کو زیادہ طویل نہیں دینا چاہتا لیکن صرف یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ امام اعظم ابو حنیفہ پر جو بعض حلقوں کی طرف سے حدیث رسوں سے تائیدی اور قلت حدیث کا جواز اہم کیا گیا تھا وہ بھی اسی ترک تقلید یا تحریک حریت فکر کا نتیجہ

تھا۔ اور یہ الزام لگا کر حضرت امام صاحب کی شخصیت کو چھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی لیکن جس کے علم و دور رس اور زہد و تقویٰ اور تقاہت و اجتہاد کی شہادت سلف کے علمی جبابذہ نے دی ہو موجودہ دور کے علمی بائیسے ان کی شخصیت کو کس طرح چھوٹا ثابت کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے حضرت مولانا محمد علی کاندھلوی کو انہوں نے "امام اعظم اور علم الہدیت" لکھ کر دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے یہ ثابت کر دیا کہ امام اعظم کا علم الہدیت میں ایک خاص مقام تھا اور اس مقام کا حصول دوسرے محدثین کے لیے ناممکن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی بیشتر آبادی امام ابو حنیفہ کی مقلد رہی ہے اور آج بھی ہے۔ بڑے بڑے محدثین نے آپ کے قول کے مطابق فتوے دیئے بلکہ امام ابو حنیفہ سے اپنی نسبت کو وہ باعث صد افتخار سمجھتے تھے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے کارمین کرام پر تاریخ کے کئی ایسے جہروں کے کلیں سے اور امام ابو حنیفہ کی شخصیت کے کئی ایسے واقعات ان کے علم میں آئیں گے جن سے وہ آج تک ہوا واقف و آشنا تھے۔ اور حضرت مولانا کاندھلوی کی تحقیق کی داد دیے بغیر وہ نہیں رہ سکیں گے۔

تھانج دما

حکیم محمود احمد ظفر

مبارک پورہ، سیالکوٹ

ایک نورانی صورت بزرگ ہستی پیدا ہواں میں جلوہ افروز ہے۔ میں نے ان سے مصافحہ کیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ ہیں۔ میں نے مؤدبانہ انداز میں دریافت کیا کہ آپ دارالعلوم اشہار بیہ میں کتنے عرصے سے قیام پذیر ہیں؟ جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھے غالباً اٹھارواں سال ہے۔

میں نے یہ جواب سن کر کچھ پریشان سا ہو گیا دو روز تک اسی پریشانی میں وقت گزرا۔ تیسرے دن میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا۔ اس خواب کے بعد میرے قلب میں امام اعظم کی محدثانہ شان اور علم حدیث میں ان کی عظمت کے موضوع پر کام کرنے کا اہمیت رونما ہوا اور اس داعیہ کا اپنے دوستوں میں اظہار بھی کر دیا۔ جب میں نے اپنے احباب کو یہ بات بتائی تو میرے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میں ایک ایسے کام کا اعلان کر رہا ہوں جو تیرہ برس تک التوا میں گزارا ہے گا۔ لیکن حالات و واقعات کچھ اس طرح بن گئے۔

ارمغان ایمان:

جیل سے باہر آتے ہی دوستوں کے اصرار سے ارمغان ایمان پر نظر ثانی کی۔ مکتبہ قاسمہ سیالکوٹ نے اس کی طاعت کا اہتمام کیا۔ اس سے فراغت ہوئی تو دارالعلوم کی انتظامیہ اور انتہائی مصروفیت سدرا ہو گئیں۔ نئے انداز پر نئے طرز کے اسکول کا آغاز کیا۔ پرائمری پھر مل۔

اسلام کا نظام اذکار:

اسکول کی انتظامیہ مصروفیات ہی میں اسلام کا نظام اذکار نامی کتاب کی طاعت کا مرحلہ بھی پیش آ گیا۔ اس کے لیے جب مکتبہ قاسمہ سیالکوٹ نے کمر بستہ باندھی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ پوری کتاب پر نظر ثانی کی جائے۔ اصل کتاب صرف ۸۷ صفحات پر مشتمل تھی۔ نظر ثانی میں کتاب کی ضخامت ساڑھے تین سو صفحات سے زائد ہو گئی۔

نقوش زنداں:

جیل کی زندگی میں کچھ وقت خود ہی تفریح طبع کے لیے مقرر کر رکھا تھا ورتق یہ ہوتی تھی کہ روزانہ قلم کی زبان سے کسی عزیز کسی دوست اور کسی بزرگ کو خط لکھ کرے جو چھ مئی میں آتا تھا لکھ دیتا۔ مختلف بزرگوں عزیزوں اور دوستوں کے نام لکھے ہوئے یہ خط میرے



باسمہ سبحانہ:-

۱۹۵۳ء میں جب مرزا نیوں کو اقلیت قرار دینے کی تحریک میں نظر بندی کے ایام سیالکوٹ جیل میں گزارا تھا۔ میرا جی چاہا کہ علم حدیث میں امام اعظم کی جلالت قدر اور اس میں ان کی عظمت کو شاہراہ عام پر لادوں اور یہ تمنا اس لیے ہوئی کہ جیل ہی کی زندگی میں ایک روز صبح کی نماز کے بعد اذکار مسنونہ میں مشغول تھا کہ اچانک میری جیل کی زندگی کے دو فیٹ میرے کمرے میں آئے۔ ان میں سے ایک کو میرے سے عقیدت اور دوسرے کو عقیدت نہیں مگر کمند کی نسبت حاصل تھی۔ بغیر کسی تمہید کے دونوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ دارالعلوم اشہار بیہ میں کس قدر عرصہ سے رہتے ہیں؟

میں نے جواب دیا کہ

۱۵ فروری ۱۹۳۷ء میں دارالعلوم اشہار بیہ سے وابستگی ہے اور اب ۱۹۵۳ء ہے حساب کر لو غالباً اٹھارواں سال ہے۔

اٹھارہ کا لفظ سنتے ہی دونوں کچھ چونک سے گئے اور باہم آنکھوں آنکھوں میں تپنے کرنے لگے میں نے حیرت سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔

ان میں سے ایک نے کہا کہ

میں نے آج رات خواب دیکھا ہے کہ میں دارالعلوم گیا ہوں۔ دارالعلوم کا کتب خانہ بڑا شاندار ہے۔ شیشہ لگی ہوئی خوبصورت اماںیاں ہیں۔ کتب خانے میں

مکس میں محفوظ تھے۔ میرا معمول تھا کہ جو کچھ بھی نکلتا تاریخی ترتیب کے ساتھ بکس میں رکھ دیتا۔ بیل سے آنے کے بعد کافی عرصہ یہ خطوط رکھے رہے۔ ایک روز میں نے یہ خطوط نکال کر مولوی محمد شریف قاسمی کو نقل کرنے کے لیے دیے۔ مولوی صاحب نے ان کو اس طرح نقل کیا کہ ان کا حسن و جمال دوبال ہو گیا۔ احباب نے پڑھے تو ان کی طبیعت کے لیے متقاضی ہو گئے۔ بلاخرتیب قاسمیہ سبکدوش نے اس کی طبیعت کا بھی انتظام کیا۔

ان کاموں سے فراغت ہوئی تو انجمن دارالعلوم اشباہیہ نے اپنی مگرانی میں مختلف ادارے کھول دیے۔ پرائمری اسکول، نڈل اسکول، شعبہ حفظ قرآن، شعبہ علوم اسلامی، شعبہ تبلیغ، شعبہ نشر و اشاعت اور دارالافتاء۔ انتظامی و اجتماعی مشغولیتیں اس قدر بڑھ گئیں کہ فرصت میرے لیے معدومات میں سے ہو گئی اور اس پر یہ سرکاری کراخراجات سے آہ کے وسائل ساتھ نہ دیتے تھے۔ یہ میرے لیے زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھی لیکن میں نے کوشش کی کہ اس میں پورا اثر ہو۔ انتظامی زندگی کی شورشیں اور علمی زندگی کی جمیختیں یک زندگی میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ امام اعظم پر کچھ بھٹن پر سکون زندگی کے بغیر ممکن نہ تھا اور زندگی کا سکون میرے لیے ملتا تھا۔ بار بار ایسا ہوا کہ کچھ سرمدیہ جمع کیا جو نئی ترتیب کے لیے تیار ہوتا تو انجمن دارالعلوم اشباہیہ کے مختلف اداروں کی پہلی ہوئی پریشانیوں سے طبیعت میں انقباض آ جاتا اور دوچار صغیر کھڑکھڑا دینا پڑتا۔

ستمبر ۱۹۵۵ء کی چھ تاریخ تھی کہ بھارتی حکمرانوں نے پاکستان پر ناپاک ارادوں سے حملہ کر دیا دارالعلوم کے تمام ادارے بند ہو گئے اور۔

حدو شرعے برائگیز کہ خیر ماداں باشد

کے مطابق میں جس سکون کی تلاش میں تھا الحمد للہ مل گیا۔ تہائی اور ہاکل تہائی۔ میں اور میری رفقاء کت کا کام دارالعلوم کے کتب خانے کی کتابیں کر رہی تھیں۔ الحمد للہ ۱۹۵۷ء کی شب و روز محنت سے بعد امام اعظم اور امام الہدیت کی ہستی وجود میں آ گئی ضروری ہے کہ امام اعظم و امام الہدیت کے متعلق چند امور کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔

کتاب کی ترتیب سے مقصود یہ تھا کہ امام اعظم کی محدثانہ شان کو خود محدثین کی زبانی شہدہ دیا جائے۔ لیکن محدثانہ شان کو بتانے سے یہ موعظ نے محسوس کیا کہ حدیث سے تاریخی تعارف کے بغیر یہ بحث اصولی حیثیت سے ناقص رہے گا۔ اس لیے

اولا علم حدیث کا تاریخی چہرہ پیش کیا گیا ہے۔

مقدمہ کے پیش نظر جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے

اول کوشش کی گئی ہے کہ حدیث میں امام اعظم کی علمی زندگی کا کوئی گوشہ بغیر اشارہ و تشبیح کے نہ رہ جائے اور جن جن مقامات کے لیے تفصیلی بحث کی ضرورت محسوس ہوئی ان پر مستقل مباحث لکھے گئے۔ یہ مباحث بعض مقامات پر قدرے طویل ہو گئے۔ مثلاً حدیث میں امام اعظم کے اساتذہ پر پورے موصلاط کا بحث ہے۔

جہول اور ضعیف دلوہوں سے روایت پر میں سطحوں میں تبصرہ ہے۔

تاریخ تدوین حدیث کا چونکہ امام اعظم سے خاص تعلق ہے اس لیے یہ بحث ۲۹۳ سے شروع ہو کر ۳۲۶ تک آ گئی ہے۔ تصانیف کی تاریخ کے تذکرے میں کتاب الآثار پر مختلف حیثیتوں سے صفحہ ۳۲۷ سے ۳۷۶ تک بحث کی گئی ہے اور اس کے ساتھ حدیث کی دوسری کتابوں مثلاً مؤلف جامع معمر جامع سفیان کے ساتھ اس دور کی تصانیف کا پورا تاریخی خاکہ صفحہ ۳۱۲ تک پیش کیا گیا ہے۔

علم حدیث میں مسانید کی حیثیت اور تاریخ لکھ کر مسند امام احمد اور مصنف عبد الرزاق کی تاریخی اور علمی حیثیت کی نشاندہی کی ہے۔ تیسری صدی میں صحاح کی تالیف پر ایک تفصیلی نوٹ ہے۔

الفرض تمام موضوعات میں تفصیل و تکرار کا بھی انداز رہا ہے۔ بلاشبہ یہ تصنیف تاریخی کے لیے بار خاطر ہوں گی۔ مگر مولف اپنی افتاد طبع سے کچھ مجبور ہے۔ زبان قلم پر بات آنے کے بعد روکن مولف کے بس کی بات نہیں ہے۔

کتاب میں جو علمی مواد فراہم کیا گیا ہے اس میں مولف نے حوالہ کا التزام کیا ہے اور کتاب کے آخر میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی فہرست بھی شامل ہے۔ کام کی علمی نوعیت کے پیش نظر کتابوں کی نمایاں مولف کے لیے پریشان کن رہی ہے۔ اس پریشانی میں جس گرامی قدر شخصیت کی علمی محنتوں سے میں نے استفادہ کیا ہے اور جن کے لیے میرے روئیں روئیں سے دعائیں نکل رہی ہیں وہ شیخ الہدیت حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی جامعہ اسلامیہ بہاولپور ہیں۔ موصوف کی تصانیف مانس چ

الی بیت امام ابن ماجہ اور علم حدیث تعلیقات و راست تعلیقات ذب و ذبات میری قدم قدم پر رہنمائی ہیں۔

مجھے اعتراض ہے کہ کتاب میں طبع انہماک کافی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب کھینے کے بعد طباعت کے وقت دارالعلوم کے قلمی ادارے کھل چکے تھے۔ نہ میں تصحیح کر سکا ہوں اور نہ پروف پڑھ سکا ہوں اور نہ اس پر سمجھنے میں نظر کافی کر سکا ہوں۔ حتیٰ کہ کتاب کی فہرستیں مرتب کرنے کا بھی میرے پاس وقت نہیں تھا۔

فہرستوں کی ترتیب کے لیے میں عزیز امین اللہ ویدائیم۔ اے پیکرِ بہاؤ و نور شی کے لیے خصوص قلب سے دعا گو ہوں۔ انہوں نے بڑی تندی اور عرق ریزی سے کتاب کی فہرستیں مرتب کیں۔

آخر میں میں اپنے ان احباب کا بھی صمیم قلب سے شکر گزار ہوں جنہوں نے میری سرف ایک آواز پر مصارفِ طباعت کے لیے مطلوب رقم پیش کر کے میری حوصلہ افزائی کی۔ جو اہم اللہ۔

معذرت :-

تمام خامیوں کے وجود وقت کی تنگی اور مدیم الفرضی قدم قدم پر میرے خیانت کو میری خواہش کے مطابق عمل جامہ پہنانے میں مانع رہی ہے۔

چونکہ ۱۹۶۶ء میں اس کتاب کو پیش کرنے کا اعلان ہو چکا تھا اس لیے کام کی رفتار تیز رکھنی پڑی سو دے کو میرے ایک عزیز مولوی محمد شریف قاسمی صاف کرتے تھے میں اس پر ایک سرسری نگاہ ڈالتا تھا اور کتاب کے حوالہ کرنے کو بہرہ دیتا۔ ظاہر ہے کہ اسکی حالت میں "مذہب کا استحصار رہن مشکل تھا۔ اس لیے عنوانات میں جس قدر ترتیب کا حسن قائم رہنا چاہیے تھا۔ قائم نہیں ہو سکا۔ اربابِ علم سے استدعا ہے کہ وہ اپنی منعفات علمی تنقید سے مطلع فرمائیں تاکہ طبع ثانی میں اس کا خیال رکھا جائے۔ اللہم تقبل منا امک انت السميع العليم۔

- -



الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى سب سے پہلے ایک ارشادِ بانی اور ایک حدیث سن لیجئے۔ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں:

قل هذه مبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعي وسبحان الله وما انا من المشركين۔ (۱)

”کہہ دو میری راہ تو یہ ہے کہ میں روشنی کی بنا پر اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور جن لوگوں نے میری پیروی کی وہ بھی اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ کی پاکی ہو میں مشرکوں سے نہیں ہوں۔“

ارشادِ بانی کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے۔ کہ اے ظہیر کہہ دو۔ کہ میری راہ تو یہ ہے کہ میں اسی روشنی کی بنا پر جو میرے سامنے ہے۔ اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور جن لوگوں نے میری پیروی کی ہے۔ وہ بھی اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ حافظ (۲) ابن کثیر فرماتے ہیں:

كل من اتبع يدعوا الى مادعاه صلى الله عليه وسلم۔ (۳)

”جو شخص بھی حضور کا پیروکار ہے اس کا کام اسی بات کی دعوت دینا ہے۔ جس کی حضور انورؐ نے دعوت دی ہے۔“

(۱) پارہ ۳ آیت ۱۰۸۔ (۲) ابواللہ اذکنت علامہ ابن القتب اسامی بن عمر بن کثیر نام ہے۔ سب قرشی وطن دمشق ہے۔ ولادت ۱۰۷۷ء میں بمقام کھل ہوئی حافظ جمال الدین الحزلی ۷۴۲ھ حافظ ابن تیمیہ ۷۲۸ھ حافظ شمس الدین ۷۲۸ھ کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا ہے۔ ابن امیر حبشی حافظ ابن حجر حافظ سیوطی حافظ ابن ترقی اور شیخ ابن ناصر نے ان کے مناقب لکھے ہیں۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں ۷۴۷ھ میں وفات ہوئی۔ مسلک کے لحاظ سے شافعی ہیں۔ (۳) تفسیر ابن کثیر ص ۲۳ ج ۳۔

اس آیت میں دعوت کو دونوں کا کام بتایا ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ جیسے آپ کی پیروی کرنے والے آپ کے ساتھ دعوت میں شریک ہیں۔ فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ دعوت دینا نبی کا کام اللہ کا نبی ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور مومن کا صرف اتنی ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ نبی کا قبیح اور پیرکار ہونے کی وجہ سے ہے۔ ایسے ہی اطاعت میں بھی دونوں شریک ہیں۔ لیکن نبی کی طاعت نبی ہونے اور اس کے معصوم ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور اتنی کی طاعت قبیح رسول اور مجتہد ہونے کی وجہ سے ہے۔ شاطبی نے الموائقات میں لافادی نے احکام میں اسے عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

اجتماع محبت کی نشانی ہے:

بات بڑی معنی خیز ہے۔ اور اس کی معنویت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب اس پر غور کیا جائے کہ نبوت کے اس کام میں نبوت کی اجتماع کرنے والے شریک ہیں۔ صرف ایمان لانے والے نہیں۔

اجتماع کے موضوع پر قرآن نے یہ بات کھول کر بتائی ہے کہ اللہ سبحانہ کی محبت کی نشانی نبوت کا اجتماع ہے۔ اور جو اس نشانی کو قائم کرنے میں پورا اترتے ہیں اللہ سبحانہ ان کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ سبحانہ ان کی گناہوں سے حفاظت فرماتے ہیں ارشاد ہے:

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم والله غفور رحيم۔

”کہہ دو تم اللہ سے پیار کرتے ہو تو میری پیروی کرو محبوب بنا لے گا اللہ تعالیٰ تم کو اور بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اللہ بڑا بخشنہار اور رحم کار ہے۔“ (۱)

(۱) اس آیت میں محبوب الہی کے دعویٰ کی جانچ کے لیے کیا اچھا معیار بتایا ہے۔ یعنی اتباع رسول۔ جو جتنا قبیح رسول ہوگا۔ اسی قدر اس کی محبت الہی کا دعویٰ زیادہ مجبور و مسلم ہوگا۔ اس کو اسی بنا پر آیت امتحان کہتے ہیں۔ ابوسلمان الدربنی کہتے ہیں جب لوگوں نے محبت کے بلند بانگ دعوے کیے تو اللہ سبحانہ نے ﴿باقی ص ۱۱۳﴾

جو بات یہاں شرط و جزا کے پیرائے میں کہی گئی ہے۔ قرآن میں دوسری جگہ اجتماع کی سرشاریاں دیکھ کر یہی بات مقام مدح میں بولی گئی ہے۔ بحبہم و بحسبہم اور تمہیں رحمتی اللہ عنہم و رضوانہ۔

آیت دعوت کا اجمال اور اس کی حدیث سے تشریح:

آیت دعوت نے یہ بات کھول دی ہے کہ نبوت کی پیروی کرنے والوں کا کام نبوت کے کام میں ہاتھ ملانا ہے۔ لیکن آیت ہاتھ ملانے کی نوعیت میں مجمل ہے اس اجمال کے چرے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقاب اٹھائی ہے۔

”حضرت ابوموسیٰ اشعری (۱) کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ہدایت اور دین اللہ سبحانہ نے مجھے دے کر روانہ فرمایا ہے۔ اس کی مثال بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی زمین کے ایک حصے نے جو بہت عمدہ تھا خوب پانی پیا گھاس اور سبزہ اچھا اگایا۔ اور ایک حصہ جو بخر تھا اس نے پانی کو سمیٹ لیا۔ اس کے ذریعے اللہ سبحانہ نے دوسروں کو قائم و پہنچایا خود پانی پیا دوسروں کو پلایا۔ لیکن زمین کا ایک حصہ جو چھیل تھا اس نے نہ پانی روکا۔ اور نہ گھاس اگایا۔

﴿بقیہ ص ۱۱۲﴾ آیت محبت مازل کی اس آیت میں دونوں باتیں جمع ہیں۔ دلیل محبت اور فائدہ محبت۔ محبت الہی کی علامت اگر اجتماع رسول کو قبول کیا۔ تو محبت کا فائدہ یہ بتایا کہ اللہ تم سے محبت کرے گا۔

(۱) امام عبد اللہ بن قیس کہتے ابوموسیٰ ہے۔ فتح خیبر کے زمانے میں مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے۔ حضور انورؐ نے ان کو حضرت معاذ کے ساتھ یمن کا گورنر مقرر فرمایا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں کوفہ کے گورنر ہے ہیں۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ۔ بصرہ کے شہریوں کے قرأت اور فقہ میں استاد ہیں۔ امام قسری فرماتے ہیں کہ علم کا ماحذ صحابہ میں چھ بزرگ ہیں۔ عمرؓ علیؓ ابی بن مسعودؓ زیدؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ۔ صفوان بن سلیم فرماتے ہیں کہ زمانہ نبوت میں یہ چار فتویٰ دیتے تھے۔ عمرؓ علیؓ معاذؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ۔ آوار اتنی اچھی تھی کہ قرآن پڑھتے تو سانس بند جاتا حضور انورؐ نے ایک دفعہ قرآن سنا تو فرمایا تقداتی حرا من حرا میرال داؤد سے ۳۳ ہادی الحجۃ کے مہینے میں انتقال ہوا۔ (تذکرۃ الخلفاء ص ۳۳ ق ۱)

یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے اللہ سبحانہ کے دین میں تغلق کیا اور اللہ سبحانہ نے اسے دین سے فائدہ دیا۔ اس نے خود سیکھا۔ اور دوسروں کو سکھایا۔ اور اس شخص کی مثال ہے۔ جس نے دھرم سرائے کر نہیں دیکھا اور ہدایت ہی کو قبول نہیں کیا جسے مجھے دے کر روانہ کیا گیا ہے۔"

اس حدیث کی مخریج امت اجابت یعنی مسلمان ہیں نہ کہ امت دعوت یعنی عام انسان اسی بنا پر حضرت امام بخاری نے کتاب العلم میں عالم بننے اور عالم بنانے کی فضیلت کا عنوان قائم کر کے بطور دلیل پیش کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عالم ہونے اور علم سکھانے کی فضیلت کا مقام ایمان سے پہلے نہیں بلکہ ایمان کے بعد ہے۔ اس میں بتایا ہے کہ حق و باطل کی آویزش میں حق کے بقا کا کیا قانون ہے۔ اور نبوت کی لائی ہوئی ہدایت کیسے جاتی رہ سکتی ہے۔ اس نازک اور دقیق حقیقت کے لیے ایسی صاف اور علامت الورد مثال پیش کی ہے۔ جس کے معنی سے کوئی انسانی نگاہ بھی محروم نہیں۔ فرمایا جب پانی برستا ہے۔ اور زمین کے لیے شادابی اور گل ریزی کا سامان مہیا ہونے لگتا ہے۔ تو تم دیکھتے ہو کہ زمین بارش کے پانی سے فائدہ اٹھانے میں تین حصوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔

(الف) پانی کو چس کر پیداوار کرنے والی زمین۔

(ب) پانی کا ذخیرہ رکھنے والی زمین۔

(ج) ناقابل کاشت اور ناقابل ذخیرہ۔

ٹھیک ایسے ہی علم و ہدایت کی بارش کے لیے انسانی قلوب کی زمین بھی تین حصوں میں منقسم ہے۔

(الف) وہ جو قرآن و سنت کا ذخیرہ رکھتے ہیں۔

(ب) وہ جو قرآن و سنت کے مسائل کا استخراج کرتے ہیں۔

(ج) وہ جو نہ ذخیرہ رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی استنباط و استخراج کرنے والوں میں سے ہیں۔

پانی کا ذخیرہ رکھنے والی زمین یعنی محدثین:

جو لوگ قرآن و سنت کا ذخیرہ رکھتے ہیں یہ زمین کی وہ قسم ہے۔ جسے زبان نبوت نے

کہتے ہیں احادیث فصلت الماء فصع الله به الناس فشر بوا وسقوا ودرعوا۔

"زمین کا ایک حصہ جو بخر تھا اس نے پانی کو روکا اللہ نے اس سے لوگوں کو فائدہ دیا

لوگوں نے پانی پیا اور زمین سیراب کی۔"

سے تعبیر کیا ہے۔ یہ قرآن و سنت کی بالذات نگرانی کرنے والے اور ان کے احاطہ

کو اس طرح سمیٹے ہوئے ہیں کہ ان میں بال برابر فرق نہیں آنے دیتے۔ یہ ہیں اصحاب

حدیث اور محدثین۔ علامہ سندھی فرماتے ہیں:

قسم يستمع بعين علمه دالك كاهل الحفظ والرواية۔ (۱)

"یہ وہ قسم ہے جس میں بالذات علم ہی سے فائدہ ہوتا ہے۔ جیسے محدثین اور اصحاب

روایت۔"

اس قسم کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

نضر الله امرأ سمع مقالتي فحفظها ووعاها وادها فرب حامل فقه الى

من هو الفقه منه۔ (رواہ الشافعی) (۲)

"خوش و خرم رکھے اللہ اس شخص کو جس نے میری بات سنی اسے محفوظ رکھا اور پوری

حفاظت سے آگے روانہ کیا۔ بہت سے سمجھ کی بات رکھنے والے بات کو اپنے سے

زیادہ سمجھدار تک پہنچاتے ہیں۔"

(۱) سندھی علی البخاری ص ۲۶ ج ۱

(۲) یہ حدیث ان لفظوں میں بحوالہ ابن مسعود پہنچی میں ہے۔ بود واد ودرعوا میں الفاظ یہ ہیں

نضر الله امرأ سمع ما شئنا كما سمع فرب مبلغ ادعى من سامع۔ یہی حدیث سند بزاز

میں بحوالہ ابوسعید خدری صحیح ابن کمال زید بن ثابتؓ کی ہے۔ نیز دوسرے صحابہ مثلاً معاذ بن جبلؓ

نعمان بن بشیرؓ جابر بن مطعمؓ اور ابوالدرداءؓ کے حوالے سے بھی یہی حدیث مختلف الفاظ میں مختلف کتابوں

میں آئی ہے۔ یہ حدیث بھی خود بخاری ہی ہے کہ علامہ دوحسم کے ہیں۔ حفاظ اور فقہاء ہر حافظ حدیث فقیر نہیں

ہوتا۔ چنانچہ امام شافعی نے اس حدیث پر یہ خاص نوٹ لکھا ہے ول علی امہ فله حمل لفظہ غیر لفظہ

یکون له حفظ ولا یکون له لفظہ۔ (الرسالہ ص ۵۵)

پانی سے پیداوار کرنے والی زمین یعنی مجتہدین۔

کچھ لوگ صرف پانی کی حفاظت ہی کا کام نہیں۔ بلکہ اس سے مسائل کے استخراج اور استنباط کا کام بھی کرتے ہیں اس کے ثمرات سے رائے عامہ کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ نتائج کو منظر عام پر لاتے ہیں۔ یہ تمثیل میں زمین کی دو قسم ہے جسے زمین نبوت نے۔

نفیة قلبت الماء فانبت الکلا والعشب الکثیر۔

”صاف زمین جس نے پانی کو چوس لیا۔ اور پانی کے ذریعے گھاس اور زیادہ سے زیادہ سبزہ اُگایا۔“

سے تعبیر کیا ہے۔ یہ لوگ قرآن و سنت کے پانی سے اپنی قوت اجتہاد کے ذریعے مسائل کے موتی نکالنے والے اور پانی کو نہیں بلکہ پانی کے نتائج کو شاہراہ عام پر لانے والے ہیں یہی ارباب اجتہاد و فقہاء کرام۔

علامہ سندھی فرماتے ہیں: (۱)

قسم یستفع بشمرات علمہ وتالیجہ کماہل الاجتہاد والا ستجراح۔ (۲)
”یہ وہ قسم ہے جس میں علم کے ثمرات اور نتائج سے فائدہ ہوتا ہے جیسے مجتہدین اور فقہاء۔“

اسی قسم کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من یرد اللہ بہ غیراً یفقهہ فی الدین۔ (۳)

”جس کے ساتھ اللہ سبحانہ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین میں فقاہت عطا فرماتے ہیں۔“

(۱) ہر امام اور محدث نور اللہ علیہ السلام میں مہذبہ دی ہے۔ سندھ میں مقام خضہ کے رہنے والے ہیں۔ یہی ثبوتی پانی قیام تسم میں حاصل کی حدیث منوجہ ہجرت کر گئے۔ خرم نبوی میں ان کا درس حدیث خاص شہرت رکھتا تھا۔ (۲) ۳۳۳ھ میں وفات پائی اور بیعت میں دفن ہوئے۔ حدیث کی چھ کتابوں پر ان کے حدیثے ہیں۔ (۳) سندھی علی شہری میں ۲۶۹ھ میں۔ (۴) ۳۳۳ھ میں۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے حضرت سعید بن مسعود سے روایت کیا ہے۔ ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ ثمان سے۔ ترمذی سے معاویہ بن قرق سے۔ ابوہریرہ سے۔ عمر بن الخطاب سے۔ روایت کیا ہے۔

کہتا یہ چاہتا ہوں کہ ارشاد نبوت کی روشنی میں ارشادات نبوت کا ذخیرہ رکھنے والے ہوں یعنی محدثین یا ارشادات نبوت اور قرآن سے مسائل نکالنے والے ہوں یعنی فقہاء دونوں اسلام کا سرمایہ علمی ہیں۔ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں:

ایک قسم وہ حفاظ ہیں۔ جن کا کام صرف روایات کو یاد رکھنا اور جیسی سنی ہیں۔ دوسری قسم آگے پہنچا دینا ہے۔ ان کا کام مسائل معلوم کرنا اور استنباط کرنا نہیں ہے۔ دوسری قسم ان علماء کی ہے جن کا کام محفوظ سرمایہ سے مسائل نکالنا اور احکام مستنبط کرنا ہے۔ پہلی قسم جیسے حافظ ابو زرعہ اور ابو حاتم۔ اور دوسری قسم جیسے امام مالک امام شافعی وغیرہ۔ خود سنی ہیں۔ میں بھی حفظ روایت اور استنباط مسائل کے لحاظ سے یہ تقسیم موجود تھی۔ خود فرمائیے عبد اللہ بن عباس حرمت اور قرآن کے ترجمان ہیں۔ مگر اس کے باوجود آپ کی ان حدیثوں کی تعداد میں سے زیادہ نہیں ہے۔ جن میں ذاتی سماع اور دید کی تصریح ہو۔ حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس کے صرف فتاویٰ ضخیم جلدوں میں جمع کیے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ بھی ان کے دریائے فقاہت کا ایک چلو ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ ان کے مقابلے میں ابوہریرہ ہیں۔ حفظ روایت میں علی الاطلاق حافظ امت تو ہیں۔ مگر حفظ اور استنباط میں ابن عباس کے پاسک بھی نہیں۔ حفظ روایت اور استنباط مسائل کے لحاظ سے یہی تقسیم امت کو صحابہ سے وراثت میں ملی ہے۔ (۱)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

الفخر بیج علی کلام الفقہاء ونصب لفظ الحدیث لکل مہمہا اصل
اصیل فی الدین۔ (۲)

”فقہاء کے انداز پر حدیث سے مسئلہ نکالنا اور الفاظ حدیث کا تتبع و تلاش دونوں کی دین میں بنیادی حیثیت ہے۔“

دونوں اس ارشاد نبوی کا منطوق ہیں۔ محدثین بھی اور فقہاء بھی۔ یہ الفاظ دیگر اصحاب روایت بھی اور اصحاب روایت بھی۔

ائمہ اجتہاد کی طاعت ضروری ہے:

اسی بنا پر حافظ ابن قیم جوزی نے اعلام میں دونوں کو الفاظ نبوت کو آگے پہنچانے والے ہوں یا الفاظ نبوت کو سمجھنے والے ہوں یہ کہہ کر کہ

حضور انور کی جانب سے تبلیغ دو طرح کی ہے الفاظ نبوت کی تبلیغ اور معانی کی تبلیغ۔ بتایا ہے کہ امت محمدیہ کے علماء دو قسموں میں منحصر ہیں۔ ایک حفاظ حدیث۔ یہ امت سے راہنما اور مخلوق کے پیشوا ہیں۔ جنہوں نے امت کے لیے دین کو محفوظ رکھا ہے۔ اور اس کی ہر قسم کے رد و بدل سے حفاظت فرمائی ہے۔ آگے فرماتے ہیں

دوسری قسم ان فقہائے اسلام کی ہے۔ جن کے مسائل نکالنے کی نعت اور رانی ہوئی اور جو حلال و حرام کے ضابطے بنانے کے لیے متوجہ ہوئے ان فقہاء کا مقام زمین میں ایسا ہے۔ جیسے ستارے آسمان میں۔ ان کے ذریعے ہی تاریکیوں میں سرگرداں راستہ معلوم کرتے ہیں لوگوں کو ان کی ضرورت کھانے اور پینے سے زیادہ ہے۔ اور ان کی طاعت والدین سے بھی زیادہ از روئے قرآن فرض ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن قیم نے قرآن کی یہ آیت لکھی ہے

يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم۔

”اے ایمان والو! تم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اولی الامر کا جو تم میں سے ہوں۔“ اور بتایا ہے کہ

اس آیت کی رو سے فقہاء اور مجتہدین کی اطاعت فرض ہے اور اس آیت میں عبداللہ بن عباسؓ، جابر بن عبداللہؓ، حسن بصریؓ، ابوالعلاء عطاء بن ابی رباحؓ، صلیک اور مجاہد کے خیال میں اول الامر سے حکام نہیں بلکہ فقہاء اسلام مراد ہیں۔ (۱)

صاف اور مستطابح زمین یعنی مقلدین:

جو لوگ نہ قرآن و سنت کا ذخیرہ رکھتے ہوں اور نہ قرآن و سنت سے مسائل نکالنے پر قدرت رکھتے ہوں اس ارشاد نبوت میں زمین کی وہ قسم ہیں جسے زبان نبوت نے اس تمثیل

میں انما ہی قلعان لاکم سک ماء ولا تبت کلاً سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی امت کا وہ طبقہ جو مسلمان ہونے کے باوجود علم نبوت سے بہرہ ور نہیں۔

۔۔۔ علماء قسطنطنیہ فرماتے ہیں: هو من دخل فی الدین ولم یسمع العلم۔ یعنی وہ مسلمان ہو دین سیکھنے کے لیے زندگی بھر کچھ وقت بھی دین سیکھنے پر صرف نہیں کرتے۔ اور کوئی موقع بھی دین کی طرف سر اٹھا کر دیکھنے کے لیے نہیں نکالتے۔ وہ من لم یرفع ید الک راساً کا مصداق ہیں۔ امت اسلامیہ میں ان کی اکثریت ہے اور ان کا کام اس کے سوا کچھ نہیں جو جانتے ہیں۔ ان سے پوچھ پوچھ کر گزارہ کریں۔ اسی کو تقلید کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ تقلید پر چونکیں اس لیے اس حقیقت کو آشکارا کرنا نہایت ضروری ہے۔ کہ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ علم صرف تحقیق کا نام ہے اور صدر اول میں صرف تحقیق تھی۔ تقلید کا نام وٹن نہ تھا۔ وہ سخت غلط فہمی میں ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے سنن ابن ماجہ کی حدیث انس بن مالکؓ

امتی علی خمس طبقات فاربعون سنة اهل برو۔

فقہی ثم الذہبی بلوہم الی عشرين و مائة سنة اهل نواحم و تواصل ثم الذہبی

بلوہم الی مئتين و مائة اهل قضا و تقاطع ثم الہرج الہرج النجا النجا۔

”سیری امت پانچ طبقات پر ہے۔ چالیس برس تک تو نیک اور پرہیزگار لوگ ہوں

گئے پھر ان کے بعد ایک سو بیس برس تک آپس میں رحم کرنے والے اور حق قربت

ادا کرنے والے ہوں گے۔ پھر ان کے بعد والے لوگ ایک سو ساٹھ تک باہم برک

صحبت اور قطع تعلقات کرنے والے ہوں گے۔ پھر (ان طبقات کے بعد) قتل ہی

قتل ہے (اس زمانے سے) نجات طلب کرو نجات طلب کرو۔“

میں آئے ہوئے پانچ طبقات کی تفصیل بتاتے ہوئے رکھا ہے۔ کہ صبیحہ کرامہ میں

تلف مراتب اور مدارج تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

وآں جماعہ سلیم الفطرت بر منزل شتی بوزہ اندھا اندھ خلوق بر استعدادے کہ شبیر
با استعداد انبیاء بود و نمونہ از نبوت در جوہر طبیعت ایشان مودع۔ ایشان سر دفتر امت
آندہ و شہادت دل آں داعیہ و آں علوم را تلقی نموده اند و پارہ از تحقیق نصیب ایشان
شد۔ و طائفہ استعداد تقلید تمام داشتند و قبول انوکاس آں داعیہ و آں علوم نمودند و
حصہ از سعادت یافتند و کلاً وعدہ اللہ الحسنی۔ (۱)

پھر یہ فطرت سلیمہ والے بھی مختلف مراتب پر تھے۔ جیسے تو ایسے استعداد کے ساتھ
خلوق ہوئے تھے۔ کہ وہ (استعداد) انبیاء کی استعداد سے مشابہ تھی۔ اور ان کے
جوہر طبیعت کے اندر نبوت کا نمونہ امانت رکھا گیا تھا۔ یہ لوگ امت کے سر دفتر
ہوئے ان لوگوں نے اپنے دل کی شہادت سے اس داعیہ کو اور ان علوم کو (آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے) لیا اور تحقیق کا ایک حصہ ان کو نصیب ہوا اور حصے تقلید کی
استعداد کامل رکھتے تھے۔ اور انہوں نے اس داعیہ اور ان علوم کے عکس کو قبول کیا اور
سعادت سے ایک حصہ پایا اور سب کے لیے اللہ نے نیکی کا وعدہ کیا ہے۔
یہاں سے یہ بات الم شرح ہو گئی کہ علم تحقیقی ہو یا تقلیدی دونوں علم ہیں۔ اور دونوں
امت کو صحابہ سے وراثت میں ملے ہیں۔ مولانا اسامیل شہید نے منصب امامت میں یہ بات
کھول کر سمجھائی ہے کہ:

علم با احکام شرعیہ بہ دو طریق حاصل میشود تقلید و تحقیق و علم انبیاء از جنس علم تقلیدی اصلاً
نیست بلکہ آنچہ ایشان را از میں علم بدست آمد ہمہ بطریق تحقیق حاصل شد و تحقیق را
دو طریق است اجتہاد بشرطیکہ معقول ذوی العقول باشد و الہام بشرطیکہ از مدخلت
نفسانی محفوظ باشد پس مشابہ بانبیاء در علم احکام یا مجتہدین مقبولین باشند یا مہتممین
محققین و از ہرکہ استناد احکام بسوئے کشف و الہام در اوائل امت معروف نہ
و پس مشابہ بانبیاء در میں فن مجتہدین مقبولین اند پس ایشان را از امر فن باید شمرہ

مثل امر اربعہ ہر چند مجتہدین بسیار از بسیار مذہبت اندھا مقبول در میان جمہور امت ہمیں
چند اشخاص اند جس کو یا کہ مشابہت تمامہ در میں فن نصیب ایشان گردید و بنا علیہ در میان
جماعہ اہل اسلام از خواص و عوام بقلب امام معروف گردیدند و بقوت اجتہاد موصوف۔ (۱)
علم بہ احکام شرعیہ دو طریق پر حاصل ہوتا ہے۔ تقلید اور تحقیق۔ اور علم انبیاء مجملہ علم
تقلیدی بالکل نہیں بلکہ جو چھن کو علم حاصل ہوا تمام بطریق تحقیق حاصل ہوا۔ اور
تحقیق کے دو طریق ہیں۔ اول اجتہاد بشرطیکہ معقول ذوی العقول ہو۔ دوم الہام
بشرطیکہ مداخلت سے محفوظ ہو۔ پس انبیاء علیہم السلام کے مشابہ علم احکام میں یا
مجتہدین مقبولین ہیں۔ یا مہتممین محققین اور چونکہ کشف و الہام کی طرف احکام کی
نسبت اوائل امت میں معروف و مشہور نہ تھی پس مشابہ بانبیاء اس فن میں مجتہدین
مقبولین ہیں۔ سو ان کو امر فن سے معلوم کرنا چاہیے۔ مثلاً امر اربعہ۔ ہر چند کہ
مجتہدین بہت کچھ گزرے ہیں۔ لیکن مقبول در میان جمہور امت میں چند اشخاص
ہیں۔ پس گویا کہ مشابہت تمامہ اس فن میں انہیں کے نصیب ہوئی۔ نظر براں تمام
اہل اسلام خواص و عوام میں بقلب امام معروف ہوئے اور بقوت اجتہاد موصوف۔
علامہ شاطبی نے الموافقات میں لکھا ہے کہ شریعت میں قابل اعتماد اور اعتبار وہ علم

ہے جس کے ذریعے انسان میں عمل پر آمادگی ہو۔ پھر فرماتے ہیں۔ کہ اہل علم تین قسم کے ہیں

● ایک وہ جن کا علم تقلیدی ہے۔ اور درجہ کمال حاصل نہیں ہے۔

● دوسرے وہ جن کا علم استدلالی ہے۔ اور اوائل و براہین سے واقف ہیں۔

● تیسرے وہ جن کا علم تحقیقی ہے۔ خود علم ان کے لیے حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔

اگر یہ واقعہ ہے کہ شریعت میں علم معتبر وہی ہے۔ جس کے ذریعے انسان عمل پر آمادہ

ہو جائے تو پھر علم تقلیدی کے علم نہ ہونے کی وجہ کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ مقدمہ اپنی عملی زندگی میں جن

کی تقلید کرتا ہے۔ صرف اس لیے کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ قرآن و سنت کے ترجمان ہیں۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ نے اہل سنت کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے اہل سنت کے تقلید کی موقوف کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

الساس لم یأخذوا قول مالك والشافعي واحمد وغيرهم الا لكونهم
يسندون اقوالهم الى ما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم فان هؤلاء
من اعلم الناس بما جاء به واتبعهم لئلا يضلوا واشد اجتهادا في معرفة
ذالك واتباع (۱)

”لوگوں نے امام مالک، شافعی اور احمد کی باتوں کو صرف اس لیے اتنی ریا ہے کہ یہ اکابر اپنی باتوں کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہوئی ہدایت کی خلاف نسبت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ امر تمام لوگوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کی ہوئی باتوں یعنی احادیث کے سب سے زیادہ عالم ہیں اور سب سے زیادہ احادیث کی پیروی کرنے والے اور احادیث کی معرفت اور اتباع میں سب سے اچھی قوت اجتہاد رکھنے والے ہیں۔“

اس بناء پر شہداء اللہ نے اصولیین کی بتائی ہوئی عام شاہراہ سے ہٹ کر تقلید کی یہ تعریف کی ہے۔ ان سب کو اتباع الروایۃ دلالة (۲) یعنی بات نبوت کی بنیاد اور الفاظ امام مجتہد کے ہوں اسے مان لینے کا نام تقلید ہے۔

الفرض ارشاد نبوت کی رو سے دونوں محدثین سوں یا فقہاء۔ اسلام کا پیش قیامت سرمایہ ہیں۔ منطوق میں محدثین سے خذ کرنا اور مفہوم میں فقہاء کی تقلید کرنا اسلاف کا مسلک اور اکابر کا مذہب ہے۔

یہی س تحریر کا منشا یہ ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ امام اعظم کی ذاتِ رائی صرف امام فقہانیت ہی نہیں بلکہ امام حدیث بھی ہے۔ چونکہ امام اعظم کی زیادہ شہرت فقہانیت میں ہوئی اس لیے چھ دو لوگوں کی نظروں سے امام اعظم کی محدثانہ شان و جلال سوغنی اور فقہانیت میں شہرت

کی وجہ میں جو کچھ سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ امام موصوف نے بطور فن جس چیز کو تمام علوم میں کمال پیدا کرنے کے بعد اپنا یادہ علم فقط تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص جس فن کو پنتا ہے۔ شہرت اسی میں ہوتی ہے امام بخاری اور مسلم فقہی مسائل میں صاحب رائے تھے۔ مگر ان کو محدثین سے نکال کر فقہاء میں کسی نے شہرت نہیں کیا کیونکہ فقہ کو انہوں نے بطور فن نہیں اپنایا تھا۔ تاریخ تو فن کے اپنانے کے لحاظ سے کسی شخص کا تعارف کراتی ہے۔ یہ بات ایک درجہ میں صحیح ہے کہ ایک شخص محدث ہو۔ مگر فقہ نہ ہو لیکن یہ ناممکن ہے۔ کہ ایک شخص فقہ اور مجتہد ہو مگر محدث نہ ہو۔ کیونکہ مجتہد ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اولاً اس کی نظر شریعت حق کے پورے کے پورے سسٹم قرآن حکیم اسوۂ نبوت اور اعمال صیہ پر ہو اور اس کی نظر سے شریعت کا کوئی گوشہ اور جمل نہ ہو۔ اور پھر ان سے مسائل نکالنے کا سلیقہ رکھتا ہو۔

چنانچہ شافعی لکھتے ہیں:

انما تحصل درجة الاجتهاد لمن اتصف بوضعتين احدهما فهم مفاصد
الشرعة على كما لها والثاني من الاستنباط (۱)

”درجہ اجتہاد صرف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے۔ جو دو صفتوں سے موصوف ہو۔ ایک یہ کہ پوری کی پوری شریعت کے مقاصد کو سمجھتا ہو دوسرے یہ کہ مسائل نکالنے کی قدرت رکھتا ہو۔“

یاد رہے کہ شریعت کے پورے سسٹم میں بصیرت ہونے اور اس سسٹم کے کسی ایک گوشے میں فنکار کی حیثیت سے نام آوری پیدا کرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔ محدثین نے ایک فنکار کی حیثیت سے حدیث میں نام پیدا کیا ہے۔ لیکن انکار ابو کی حیثیت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ان کا فن علم حدیث میں یہ نہیں کہ حدیث کس کس سند سے آئی ہے۔ بلکہ ان کا مقام علم حدیث میں وہ ہے۔ جو علامہ شافعی نے المواقف میں لکھا ہے

وان كان متكسفاً من الاطلاع على مقاصد ما كما قالوا في الشافعي
وابي حنيفة في علم الحديث (۲)

”اثر شریعت کے مقصد پر اظہار رکھتا ہو۔ جیسا کہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے متعلق علم الہدیت کے بارے میں سب کی رائے ہے۔“

اور اجتہاد میں بھی وہ اسوۂ ہے جو صحابہ نے چھوڑا تھا۔ الغرض میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ امام اعظم کی ذات گرامی صرف امام نقاہت نہیں بلکہ امام حدیث بھی ہے۔

حدیث کیا ہے

امام اعظم کی محدثانہ شان اور حدیث میں ان کی جلالت قدر کے تذکرے سے پہلے ضروری ہے کہ کچھ حدیث کے بارے میں بتایا جائے۔ اتنی بات تو کم و بیش سب ہی جانتے ہیں کہ قرآن میں اللہ پاک نے لوگوں کو صرف حضور انور کی نبوت و رسالت سے روشناس نہیں کیا۔ بلکہ نبوت ایک عہدہ اور منصب ہونے کی وجہ سے ایمانیات سے متعلق یعنی ماننے اور باور کرنے کی چیز ہے۔ مگر قرآن نے منصب کے ساتھ نبی کے مقام کا بھی ذکر کیا ہے۔

منصب تو یہی ہے کہ جناب سیدنا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب البہاشی الحکم فی الدینی نبی اور رسول ہیں جو قرآن کی صورت میں خدا کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ اور مقام یہ ہے کہ آپ رسول ہونے کے ساتھ اس پیغام الہی یعنی قرآن کے مبلغ، داعی، معلم اور مبین بھی ہیں۔ آپ حبیبات کے مکمل اور خباثت کے محرم ہیں۔ آپ کے ذریعے آپ باہمی تنازعات کے حکم، قاضی اور معاشرے کی اسلامی زندگی کے لیے اسوۂ حسنہ ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیے کہ نبی و رسول ہونے کی حیثیت میں امت سے آپ کے ماننے کا اور مقامات والی شخصیت ہونے کی وجہ سے امت سے آپ کی طاعت، اتباع، توقیر، تعظیم اور محبت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

منصب اور مقام دونوں کو سمجھ لینے کے بعد حضور کو نبی مانتے ہوئے آپ کے کاموں باتوں، عادتوں اور حالتوں کی قانونی حیثیت کو نہ ماننے کا مطلب آپ ہا سانی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ یہ منصب کو مان کر مقام نبوت کا انکار ہے۔ کیونکہ اگر نبی کی باتوں کاموں اور عادتوں کی قانونی حیثیت نہیں مانی جاتی تو پھر نبی کا نبی ہونا اور نہ ہونا برابر ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح نبی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

قرآن وقائع کے تحت نازل ہوا ہے

رسول کے مقامات ہی کو انسانیت میں اجاگر کرنے کے لیے قرآن کا نزول بتدریج اور آہستہ آہستہ ہوا۔ اگر یہ حقیقت ہے۔ اور حقیقت یہ ہونے کی وجہ ہی کیا ہے۔ جبکہ سب قرآن سے انہی ہوئی صدا بھی ہے۔

وَقَرَأْنَا لَهُمْ آيَاتٍ لَّعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (۱)
”اور پڑھنے کا دلیفہ کیا ہم نے جدا جدا کر کے پڑھے تو اس کو لوگوں پر غلبہ ظہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا۔“

گویا آہستہ آہستہ اس لیے نازل ہوا ہے کہ جیسے جیسے حالات پیش آئیں ان کے موافق ہدایات حاصل ہوتی رہیں۔ اور اس کے نتیجے میں وہ جماعت جسے آگے چل کر تمام دنیا کا معلم بننا ہے۔ قرآن کی ہر بات اور موقع و محل کو چھی طرح ذہن نشین کر کے یاد رکھ سکتے۔ اور آنے والی نسلوں کے لیے کبھی بھی قرآنی بات کے لیے بے موقع اور بے جا استعمال کی گنجائش نہ رہے۔ اس طرح ان چھیس سالہ نزول قرآن کے وقت میں پیش پا افتادہ حالات و وقائع کا نام یا صاحب قرآن کی تیس سالہ شب و روز میں قرآن ہی کی پہلی پراگش ہوئی عادتوں باتوں کاموں اور حالتوں کا نام لیتے ہیں۔ دراصل یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک قرآن۔ دوسرے وہ وقائع جن کے تحت قرآن اترتا ہے۔ ان دونوں میں وہ ہی تعلق ہے۔ جو نقش اور نقش میں۔ حکمت اور حکیم میں۔ پروردگاری میں۔ معمار اور عمارت میں۔ نظم اور ناظم میں ہوتا ہے۔ اگر آپ چراغ کی روشنی کو چراغ سے یا چراغ کو اس کی روشنی سے الگ نہیں کر سکتے۔ تو پھر اللہ کو قرآن سے یا قرآن کو اللہ سے کیسے جدا کر سکتے ہیں۔ قرآن کو چراغ اور اللہ کو اس کی روشنی یا اللہ کو چراغ اور قرآن کو اس کی روشنی کہہ دیجئے۔ قرآن میں دونوں تعبیریں موجود ہیں۔ ایک مقام پر قرآن میں نبوت کو روشنی کہا گیا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (۲)

”بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی۔“

اور دوسری جگہ خود قرآن کو روشنی قرار دیا ہے۔

قد جاءكم بهداه من ربكم وانزلنا اليكم نوراً مبيناً۔ (۱)

”تمہارے پاس پہنچی ہوئی تمہارے رب کی طرف سے سند اور اتاری ہوئی ہم نے تم پر روشنی واضح۔“

دونوں نور ہیں۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ وحی کے ذریعے آئی ہوئی ہدایات کا نام کتاب یا قرآن اور اسی وحی کی رہنمائی میں بنے ہوئے نقش عمل کا نام اسوۂ حسنہ یا الہ ہے۔

حدیث تاریخ سنت کا نام ہے

آخرچہ متاخرین نے اصطلاحی طور پر اپنے اپنے موضوع کے لحاظ سے لفظ السنۃ کو ایک سے زیادہ معانی کا جامہ پہنا دیا ہے۔ مثلاً

حضور انورؐ کے افعال و اقوال اور آپؐ کی موجودگی میں ہونے والے کاموں باتوں کو السنۃ کہا گیا ہے۔ بدعت کے مقابلے پر لفظ سنت استعمال ہوا ہے۔

حضورؐ کے کاموں باتوں عاداتوں اور حالتوں کو بھی سنت کہا گیا ہے۔

لیکن فقہاء اور اسلامی قانونی کے علماء کی زبان میں نبوت کے اس محسوس جادہ عمل کو سنت کہتے ہیں۔ جو ذات نبوت نے اسلامی معاشرے کی دینی زندگی کے لیے بطور پیمانہ عمل پیش کیا ہو اور جسے جماعت صحابہؓ نے دین بنا کر اختیار کیا ہو۔ چاہے یہ افعال اعمال ہوں یا اخلاق و معاملات اسی بنا پر صحابہؓ کے معمولات کو بھی سنت کہا گیا ہے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جیسے قرآن کے لیے قراء سبعہ کی روایات ہیں۔ ایسے ہی سنت کے لیے محدثین کی روایات ہیں۔ نہ تو قرآن کا قرآن ہونا قراء سبعہ (۲) کی روایات پر موقوف ہے۔

(۱) پارہ ۶ سورہ مائدہ

(۲) قراء سبعہ قرآن پاک کے وہ سات قاری جن کی قرأت کے مطابق ساری دنیا میں تلاوت قرآن کی جاتی ہے۔ حافظ عبدالقادر قرشی الجواہر المصنوع میں فرماتے ہیں۔ سات ماہتاب قرہ یہ ہیں (باقی صفحہ ۱۲۷ پر)

﴿بقیہ صفحہ ۱۲۶﴾

(۱) عبداللہ بن کثیر بن المطلب القرشی مولانا ابو عبدہ تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر

سے قرآن کا سماع کیا ہے۔ ۱۲۰ھ میں مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا۔ بعض نے ۱۲۴ھ بتایا ہے۔

(۲) تابع بن عبدالرحمن بن ابی نعیم السیسی مدنی۔ ان کے بزرگ اصنافان کے رہنے والے تھے۔ ابو رویم کہتے ہیں۔ ۱۱۰ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

(۳) ابن عامر یہ عبداللہ بن عامر بن یرید بن حمیر بن ربیعہ الجعفی دمشقی ہیں۔ دمشق کے قاضی تھے۔

کہار تابعین سے ہیں۔ ۱۱۰ھ کے آغاز میں وراثت ہوئی اور عاشوراء کے دن ۱۱۵ھ کو وفات پائی۔ کچھ کی رائے میں تاریخ وراثت ۱۱۰ھ ہے۔ اس لحاظ سے ان کی عمر ایک سو دس برس کی ہوتی ہے۔

(۴) ابو عمرو بن العلاء بن عمار بن عبداللہ المقرئ البصری۔ ان کا نام کسی نے ربیعہ کسی نے یحییٰ کسی نے عثمان کسی نے محبوب اور کسی نے کچھ اور بتایا ہے۔ ۱۵۳ھ میں کوفہ میں انتقال ہوا۔

(۵) عاصم بن ابی النضر ابو بکر الاسدی۔ ۱۲۰ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ چاند کی راے میں من وراثت ۱۲۸ھ ہے۔ امام سفیوں ثوری اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ بعد از ابو النضر کا نام ہے۔ اور محمد بن علی الفلاس کہتے ہیں کہ یہ ان کی ماں کا نام ہے۔ مگر ابو بکر ابن ابی داؤد نے اسے غلط کہا ہے۔

(۶) حمزہ بن حبیب بن حمزہ بن اسماعیل الزبیری النخعی مولانا ابو عبدہ الکوفی ابو عبدہ بن علقم طون ۱۵۸ھ میں وفات پائی

(۷) کسائی ابو الحسن علی بن حمزہ الاسدی مولانا ابو عبدہ الکوفی۔ ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے حمزہ اسدی کے پاس قرأت کی تھی ان ساتوں میں جواہرین عامر اور ابو عمرو کے کوئی عرب نہیں ہے۔

(الجواہر المصنوع ص ۳۲۲-۳۲۳ ج ۲)

اور نہ سنت کا سنت ہونا روایات محدثین پر موقوف ہے۔ اگر حدیث کے نام سے اسناد و روایت کا کوئی بھی سلسلہ موجود نہ ہوتا۔ تو پھر بھی سنت اپنی جگہ ایسے ہی موجود ہوتی۔ حدیث تو دراصل تاریخ سنت اور اس کی روایت کا نام ہے۔ اس تاریخی اور روایتی سلسلہ سے پہلے بھی حدیث موجود تھی۔ اور اس کے بعد بھی موجود ہے۔ قرآن ہو یا سنت دونوں روایتی اور تاریخی سلسلے سے لگ بھگ متواتر ہیں۔ قرآن چونکہ ایک فکری و عقلی شاہکار ہے اس لیے دو تباہی طور پر ہی متواتر ہے۔ اور سنت چونکہ ایک عملی چیز ہے۔ اس لیے وہ عملی ہی متواتر ہے۔ بلاشبہ اگر قرآن کا قرآن ہونا روایات قراء کا حق نہیں ہے تو سنت کا سنت ہونا بھی روایات محدثین کا محتاج نہیں ہے۔

اگر آپ یہ مانتے ہیں کہ قرآن کے لیے ائمہ قرأت کی روایات بعد میں منصفہ وجود پر تکی ہیں۔ تو پھر یہ کیوں نہیں مانتے کہ سنت کے لیے بھی ائمہ حدیث کی روایات بعد میں خاہر ہوئی ہیں۔ وہ تاریخ قرآن ہے۔ اور یہ تاریخ سنت ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے یہی بات کیسے لطیف انداز میں بیان فرمائی ہے۔

اسما قولنا رواہ البخاری كقولنا رواه الفراء السبعة والقول
بمقل الموثر۔ (۱)

”ہمارا یہ کہنا کہ اسے بخاری سے روایت کیا ہے۔ ایسا ہی ہے جیسا ہر کسی سے اسے ائمہ سہ قراء نے روایت کیا ہے۔ حالانکہ قرآن جو اثر مقبول ہے۔“
اور یہاں تک فرما گئے

لو لم يخلق البخاري و مسلم لم ينقص من الدين شئ۔ (۲)

”اگر بخاری اور مسلم پیدا نہ ہوتے تو دین میں کچھ بھی کمی نہ ہوتی۔“

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ دین میں جو چیز قرآن کے بعد حجت کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ

سنت ہے حدیث نہیں ہے۔ حدیث تو تاریخ سنت کا نام ہے۔

معاذ کے اس پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ

قرآن کی حفاظت کے لیے جیسے دو طریقے اختیار کیے گئے ہیں ایک سینہ دوسرے صحیفہ۔ ٹھیک ٹھیک اسی طرح سنت کی حفاظت بھی دو طرح سے ہوئی ہے۔ ایک سینہ دوسرے عمل کا محسوس پیمانہ۔

چونکہ قرآن نازل ہی علم بن کر ہوا تھا۔ اس لیے اس کی حفاظت بھی علم ہی کی طرح سینہ اور صحیفہ سے ہوئی۔ اور سنت چونکہ اسی علم کے پر تو عکس کا نام تھا۔ اس لیے اس کی حفاظت عمل کی طرح سینہ کے ساتھ صحیفہ سے نہیں بلکہ رائے عامہ کی محسوس عملی زندگی کے ذریعے ہوئی صرف نوعیت کا فرق ہوا نہ نفس حفاظت تو قرآن و سنت دونوں کی ہوئی۔ اور نوعیت کا یہ فرق بھی خود قرآن و سنت کے باہمی فرق کی وجہ سے ہوا۔ کیونکہ قرآن سراسر علم کا نام ہے۔ اور سنت سراسر عمل اور کردار کا نام ہے۔ سنت سن سے ہے۔ سن الطریقہ کے معنی راست چلنے کے ہیں۔ ال عرب بولتے ہیں۔ سن فلان طریقاً من المعبر ”فلاں نے نیکی کا کام کیا۔“ اسی سے غلط سنت طریقہ اور سیرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جب یہ انسانی اعمال کے لیے بولا جاتا ہے۔ تو اس کے معنی شاہراہ عمل طریق کار کے ہوتے ہیں۔ اسی سے ہے۔ مسواہم سنۃ اهل الکتاب۔ ”موسیوں سے ال کتاب کا میراث کرو۔“

تاریخ سنت کے لیے حدیث کا لفظ

اگرچہ لغت میں لفظ حدیث کا قریب قریب وہی مفہوم ہے۔ جو اردو میں بات کا ہے۔ مگر تاریخ سنت کے لیے یہ لفظ محدثین کا گھڑا ہوا نہیں بلکہ قرآن ہی سے لیا گیا ہے۔ انبیاء کے کاموں عادتوں باتوں اور حالتوں کے لیے قرآن میں اللہ پاک نے ایک سے زیادہ مقامات پر حدیث ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ سورہ ذاریات میں حضرت ابراہیم کے متعلق ایک واقعہ کا آغاز اس طرح ہوا ہے۔

هل الاك حديث حنیف ابراهيم المکرمین۔

کیا بچہ تھو کو بات ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے۔“

حضرت موسیٰ کے حالات میں ایک جگہ نہیں بلکہ دو جگہ فرمایا ہے۔

ہل الناک حدیث موسیٰ۔

”کیا پہلی ہے تمہ کو بات موسیٰ کی۔“

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے لیے بھی قرآن میں لفظ حدیث آیا ہے۔

واذا امرنا النبی الی بعض ازواجہ حدیثاً

اور جب چھپا کر کہی نے اپنی کسی عورت سے ایک بات

مزید براں یہ کہ اللہ پاک نے قرآن میں ایک مقام پر حضور انور کو حکم دیا۔

اما بنعمة ربک فحدث

جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ قرآن کی زبان میں دین کی نعمت کو پیش کرنے

کا نام حدیث ہے۔ اللہ اکبر! امت کی علمی دیانت کو کن لفظوں میں سراہا جائے۔ جس نے اپنے

رسول کی سنت کی تاریخی اور تعمیری زندگی کے وقائع کے لیے قرآن سے لگ ہو کر نام بھی تجویز

کرنا گوارا نہیں کیا۔

حدیث کا صحیح مقام

تشریحات بالا سے یہ امور واضح ہو گئے کہ:

❖ دین میں قرآن و سنت دونوں حجت ہیں۔ دونوں قطعی اور یقینی ہیں۔ دونوں کی حفاظت

ہوئی ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو علم اور دوسرے کو عمل کی صورت میں

امت کے پاس چھوڑا ہے۔ اور پورا پورا اطمینان کر لیا کہ دونوں محفوظ ہو چکے ہیں۔ حضور

انورؐ کے بعد خلفائے راشدین نے دونوں کی حفاظت کی اور دونوں کی نشر و اشاعت کو اپنا

اہم دینی فریضہ قرار دیا۔

❖ حدیث تاریخ سنت کا نام ہے اور سنت شنائی کا ذریعہ ہے۔ اس کے فنکاروں کو محدثین

کہتے ہیں اس سے آپؐ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ ان لوگوں کا مقام دین کی زندگی میں کیا ہے؟

جنہوں نے منصب رسالت کی عظمت و عزت کو گھٹانے اور نبی کی سنت سے امت کا رشتہ

توزنے اور سنت کی حیثیت کو لوگوں کی نگاہوں میں مشتبہ بنانے کے لیے یہ بات گہری

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف ایک ہی قسم کی وحی نازل ہوئی ہے۔ جو قرآن کی

صورت میں موجود ہے۔ اور اس سے الگ کسی قسم کی وحی کو ماننا یہودیت ہے۔ صرف یہی

نہیں بلکہ اسی بنیاد پر سنت کی تقدیس کو داغدار بنانے کے لیے یہ عمارت بھی بنائی ہے کہ

سنت چونکہ وحی نہیں ہے۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محض ایک اجتہادی رائے

ہے جسے قانونی لحاظ سے واجب الاتباع نہیں کہا جاسکتا۔ اس انداز فکر کی لغویت بالکل

واضح ہے۔ کیونکہ قرآن ہی سے ثابت ہے کہ وحی متلو کے علاوہ بھی بکثرت نہ صرف

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بلکہ خدا کے ہر پیغمبر پر وحی نازل ہوتی رہی ہے۔ جس

پر خود عمل کرنا اور جس کی تعمیل پوری امت سے کرنا انبیاء علیہم السلام کے مقصد بعثت میں

شامل تھا۔

قرآن اور سنت میں فرق

لیکن وحی ہونے کے لحاظ سے قرآن و سنت میں طء نے جو جوہری فرق بتایا ہے۔

وہ بھی گوش گزار فرما لیجئے۔ اور قرآن کی بیان کردہ وحی کی قسموں میں قرآن و سنت دونوں کا

مقام معلوم کر لیجئے۔

در اصل قرآن ہو یا سنت دونوں اللہ سبحانہ کی جانب سے نازل شدہ وحی ہیں۔ لیکن

چونکہ قرآن حکیم وحی ہونے کے ساتھ اپنے اندر شانِ اعجاز بھی رکھتا ہے۔ اس بناء پر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے اس کی کتابت کا اہتمام فرمایا۔ برخلاف اس کے سنت چونکہ

مجزہ نہ تھی۔ اس کے الفاظ نہیں بلکہ معانی و مطالب آپؐ پر نازل ہوئے تھے اور اس کو آپؐ

اپنے لفظوں میں ادا فرماتے تھے۔ اور یہ الفاظ بھی حسب ضرورت مختلف ہوتے تھے۔ کیونکہ

آپؐ کو مختلف طبائع اور مختلف مزاج کے لوگوں کو سمجھنا پڑتا تھا۔ اس لیے اس کے لفظوں کی بعینہ

تلاوت کا حکم نہ تھا۔ بلکہ دیکر قرآن و سنت میں وہی فرق ہے۔ جو دو زبان میں نامہ و پیام

میں ہوتا ہے۔

امام الحرمین کا نظریہ

یہ فرق حافظ جلال الدین السیوطی نے الاقان فی علوم القرآن میں امام الحرمین (۱) کے والد امام ابو محمد الجوبی سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

اللہ سبحانہ کی جانب سے نازل شدہ کلام دوم کا ہے ایک قسم یہ کہ اللہ سبحانہ حضرت جبریل سے فرمائیں کہ ہمارے رسول کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دو کہ اللہ سبحانہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں کام کرو۔ ایسے کرو۔ حضرت جبریل رب العزت کا پیغام سننے میں اور سمجھتے ہیں۔ بعد ازیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ قال له عاقل ربه ولم تكن العبادة تلك العبادة یعنی بات اللہ سبحانہ کی ہوتی ہے۔ اور عبادت حضرت جبریل کی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنے معتمد سے کہے کہ فلاں شخص سے کہو کہ بادشاہ کہتا ہے کام ٹھیک کیا کرو۔ فوج تیار رکھو۔ اس پیغام کو اگر قاصد اپنے الفاظ میں یوں پہنچا دے کہ ست مت ہو۔ محنت کرو اور فوجی نظام کو پامال نہ ہونے دو تو تعبیر کے اس اختلاف سے ادائے پیغام میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ اور اسے فرض رسالت کی ادائیگی میں کوئی کام نہیں دیا جائے گا۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ حضرت جبریل سے کہیں کہ یہ خط ہمارے رسول کو جا کر سناؤ اور اس کے سامنے پڑھو۔ حضرت جبریل تشریف لاتے ہیں۔ اور بلا تم دعا ست اور بغیر رد و بدل خط آ کر سنا دیتے ہیں اور ان کے سامنے پڑھ دیتے ہیں۔ (۲)

(۱)

(۲) حافظ عبد القادر قرشی فرماتے ہیں کہ امام الحرمین دو عظیم المرتبت شخصیتوں کا مقب ہے۔ ایک حنفی اور دوسرے شافعی۔ حنفی تو ابو المنظر يوسف القاضي بحر جہل۔ اور دوسرے شافعی حنفی ابو المعانی عبد الملک ابن الامام ابو محمد عبد اللہ بن الجوبی التونی ۳۷۸ھ میں چمکے آپ کا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں جگہ قیام رہا۔ اور آپ نے دونوں جگہ درس و افتاء کا کام کیا۔ اس لیے آپ کو امام الحرمین کہتے ہیں۔ امام غزالی خیشاپور میں تشریف لائے تو امام الحرمین ہی کے پاس رہے۔ اور ان کی ہی محنت سے امام قرآن ہر فن مومن بن گئے۔ اسی سے انداز لگائیے کہ جن کے غزالی شاعر ہوں خود ان کی جدالت مہی کا کیا حال ہوگا۔

حافظ جلال الدین السیوطی کی تائید

حافظ جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں کہ دوسری قسم قرآن اور پہلی قسم سنت ہے۔ اور امام جوینی کے نظریہ کی تائید میں لکھتے ہیں۔

وقد رایت من السلف ما یضد کلام الجوبی (۱)

”میں نے سلف سے ایسی چیز دیکھی ہے جس سے جوینی کے کلام کی تائید ہوتی ہے۔“

گویا قرآن یعنی نامہ اپنے الفاظ و معانی دونوں کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ سنت معجزہ نہیں ہے۔ قرآن میں ایک لفظ بلکہ ایک حرف کا بھی تغیر و تبدل جائز نہیں ہے۔ لیکن سنت یعنی پیام روایت ہمارے ہے۔ یعنی اصل مقصود مولیٰ سبحانہ کا ہے۔ اور الفاظ کا جاہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم ہے۔

حافظ جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں کہ چونکہ سنت کا آماری روایت بالمعنی سے ہوا ہے اس لیے اس میں روایت بالمعنی جائز ہے۔ اور قرآن پہلے ہی چونکہ روایت باللفظ میں وحی ہوا ہے۔ اس لیے اس میں روایت بالمعنی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ پیام میں امر بیانی آپ کا خطا اور مافی الضمیر صحیح طور پر مرسل الیہ تک پہنچا دیتا ہے تو پیام رسالتی کا مقصد حاصل ہو گیا خواہ پیغام رسالت اسے آپ کے الفاظ میں نہ پہنچائے بلکہ اکثر اوقات اس کے لیے الفاظ میں تبدل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن نامہ (۲) کی صورت اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں ان ہی الفاظ کو مکتوب الیہ تک پہنچانا ضروری ہے۔ اگر قاصد نے سچ میں خط کو جا کر کڑا اور اسی مضمون کا دوسرا خط تحریر کر دیا یا اس کا مطلب ہی بلا تم دعا ست زبانی جا کر بیان کر دیا تو وہ کسی طرح اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتا تاخیرات کا ملامت ہوا یا نئی کام تکب ظہر ہوا۔

(۱) الاقان فی علوم القرآن ص ۳۳۱

(۲) علماء نے حدیث میں سے یہ قول مراد نہیں لیا۔ بلکہ انہوں نے یہ قول صحیح ۳۳ پر لیا۔

سنت بھی اللہ سبحانہ کی وحی ہے

سنت بھی اللہ سبحانہ کی وحی ہے مگر اس کی نوعیت پہلی قسم کی ہے جس میں الفاظ کی جتنی ادائیگی ضروری نہیں ہے اور قرآن حکیم کی نوعیت دوسری قسم کی ہے۔ یہاں اصل لفظ ہیں جو روح القدس کے ذریعے حق تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور آپ کے ذریعے امت تک پہنچے۔ ان میں نہ روایت بالمعنی کی اجازت ہے نہ کسی قسم کے تغیر و تبدل کا اختیار۔ ہاں ترجمہ و تفسیر کی اجازت ہے لیکن اسے کلام الہی نہ کہا جائے گا۔ یہ بات بھی خود قرآن ہی کی بیان کردہ حقیقت ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْمِعُوا لَهٗ اَنْ يَّسْمِعَ لَكُمْ وَلَنْ يَّهْدِيَكُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

”جب ہم پڑھیں تو ساتھ رہ اس پر سننے کے بلاشبہ ہمارے ذمے ہے اس کا بیان۔“

یہاں دعویٰ یہ ہے کہ نزول قرآن کے بعد کا بیان بھی اللہ سبحانہ کے ذمے ہے۔ اگر قرآن کا یہ بیان خود قرآن سے کوئی علیحدہ چیز ہے اور یقیناً ہے کیونکہ اگر قرآن ہی کو قرآن کا بیان بتایا جائے تو پھر اس کے لیے بھی قرآن ہونے کی وجہ سے بیان کی ضرورت ہوگی اور یہ

﴿بقیہ صفحہ ۱۳۳﴾

درایہ میں ہے۔ ان القرآن اسم للفظ والمعنی جميعاً۔ ابو الحسن مرغینانی رقمطراز ہیں۔ اما امر ما يحفظ اللفظ والمعنی فانه دلالة على السبوة شرح اول میں علامہ عبدالحق بن عبادری لکھتے ہیں۔ القرآن اسم للفظ والمعنی جميعاً۔ ان تشریحات کا مقصد یہی بتانا ہے۔ کہ قرآن کی حیثیت نام کی ہے۔ نہ کہ پیام کی اسی بنا پر ترجمہ قرآن کو ہم نہیں کہہ سکتے۔ آدوی لکھتے ہیں۔ فلانک ان الترحمة ليست بالقرآن۔ نماز میں قرآن پڑھنے کا حکم ہے نہ کہ ترجمہ قرآن کا۔ فلفظه واما ليس من القرآن۔ اور قرآن نام ہے نظم و معنی دونوں کا۔

سلسلہ ایک غیر متناہی ہو جائے گا۔ ماننا پڑے گا کہ بین قرآن خود قرآن سے الگ ہے۔ جو قرآن نہیں ہے۔ اگر قرآن سے الگ ہے تو اللہ سبحانہ کی جانب سے ہے۔ اور بذریعہ وحی ہے۔ یہ وحی جس کے ذریعے قرآن کا بیان عمل میں آیا ہے۔ کون سی ہے؟ خود قرآن نے نزول وحی کی تین صورتیں بتائی ہیں۔

ماکان بشیر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً او من وراء حجاب او برسل رسولاً
فیوحی باذنه ما یشاء انہ علی حکیم۔

”کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارے سے یا پرہے سے یا پیچھے سے یا سبجے کوئی پیغام لانے والے پھر پہنچ دے اس کے حکم سے جو وہ چاہیے۔ تحقیق وہ سب سے اوپر ہے حکمتوں والا۔“

● وحی۔

● من وراء حجاب۔

● برسل رسولاً فیوحی باذنه ما یشاء۔

نزول قرآن کے لیے جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ تیسری ہے یعنی بواسطہ فرشتہ اللہ سبحانہ وحی فرمائیں مگر فرشتہ آنکھوں سے نظر نہ ملائے بلکہ براہ راست نبی کے قلب پر فرشتہ کا نزول ہو۔ یہی صورت ہے۔ جسے حدیث میں ہا نفیسی مثل صلصلة الجرس سے تعبیر فرمایا ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ تر وحی اس طرح آتی تھی۔ اسی صورت کو حافظ سیوطی نے اصوب الی لین بتایا ہے۔ علامہ طبری فرماتے ہیں۔ کہ نزول قرآن اس طرح ہوا ہے۔ کہ فرشتہ اللہ سبحانہ سے روحانی طور پر وحی حاصل کرتا ہے۔ پورا اسے لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا ہے۔ پھر آپ کو القاء کرتا ہے اس صورت میں یقیناً بیان قرآن کا نزول نہیں ہوا ہے۔ اسکی وہ صورت نہیں ہے جسے قرآن میں من وراء حجاب کہا ہے۔ نزول بیان کے لیے اگر کوئی صورت ہے تو تیسری ہے جسے قرآن وحیاً کہہ رہا ہے جس میں نفث فی الروح الہام اور روئے صادق سب داخل ہیں۔

حضرت امام شافعی التوفی ۲۰۴ھ نے ارسال (۱) میں اب نہیں بلکہ اب سے بارہ سو سال پہلے بتا دیا ہے کہ نہ صرف سنت قرآن کا بیان ہے۔ اور یہ بیان اللہ سبحانہ کی جانب سے بذریعہ وحی آیا ہے۔ بلکہ یہ بھی بتا دیا ہے کہ کلام الہی کی تین صورتوں میں سے جس صورت میں سنت آپ پر نازل ہوئی ہے۔ وہ وہی ہے جسے قرآن نے دہنایا ہے۔ اور جس میں سنت فی الودع یا اوائت وغیرہ داخل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اللقى فی روعہ کل ماس و مستہ الحکمة الذی القی فی روعہ من اللہ
فکان بما القی فی روعہ مستہ۔

”آپ کی تمام سنت آپ پر اللہ کی مکتی۔ سنت ہی وہ حکمت ہے۔ جو آپ پر القاء ہوئی لہذا سنت نبوی اللہ سبحانہ کی جانب سے القاء شدہ ہے۔“

۱۔ ارسال۔ یہ اصول فقہ میں امام شافعی نے بھی منوی ہے۔ شاہ ولی اللہ انصاف میں رقمطراز ہیں۔ مختلف نصوص میں مطابقت کرنے کے لیے قواعد تھے۔ اس لیے اجتہادی مسئلوں میں بڑا رخصہ پڑتا تھا۔ حضرت امام شافعی نے اس کے قواعد بنائے اور ان کو کتابی صورت میں مرتب کیا۔ وھذا اول فہمیں
کان فی اصول الفقہ۔ (ص: ۲۸)

در اصل یہ کتاب امام شافعی نے امام عبد الرحمن بن مہدی کی فرمائش پر لکھی ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے امام شافعی کے مشہور شاگرد ابو ثور کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ کہ امام عبد الرحمن بن مہدی نے امام شافعی کو ایک خط لکھا اور درخواست کی کہ اسکی کتاب لکھیں جس میں قرآن کے معانی و مطالب ہوں اور جس میں جہاد و احادیث کی قسم مجتہد جماع و کتاب و سنت کے مایع و منسوخ کا تذکرہ ہو۔ امام ابو ثور فرماتے ہیں۔ فضیحة۔ رسالۃ۔ میں درخواست کے مطابق امام شافعی نے ارسال لکھا۔ (ماریخ بغداد۔ ص: ۲۵ ج ۲)

خطبہ بن محمد قدسی قاری تیس میں اس خط کا خلاصہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے

کتب عبد الرحمن بن مہدی۔ اشاعت۔ وھو کتاب ان یصح لہ کما ھو وضع لہ کتاب
لرسالۃ۔ (ص: ۶۵)

قرآن میں حکمت سے مراد سنت ہے

یہ صرف امام شافعی کی رائے نہیں کہ حکمت سے مراد سنت ہے بلکہ قرآن کے مطاع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حکمت سے مراد سنت ہے۔ قرآن میں آپ کو کسی متعدد آیات میں کی جن سے معلوم ہوگا کہ حکمت بھی قرآن کی طرح اللہ سبحانہ کی جانب سے نازل ہوئی ہے۔ سورۃ نساء میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

وامر اللہ علیک الكتاب والحکمة وعلمک ما لم تکن تعلم۔
”اور اللہ نے اتاری تھہ پر کتاب اور حکمت اور تھہ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا۔“

سورۃ بقرہ میں ایک موقع پر فرمایا ہے۔
وادکرو النعمة اللہ علیکم وما انزل علیکم من الكتاب والحکمة
یعلّمکم بہ۔
”اور یاد کرو اللہ کا حساب تم پر ہے اور اس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ۔“

ان آیات میں اور اس طرح کی دوسری آیات میں کتاب سے قرآن اور حکمت سے سنت مراد ہے۔ کیونکہ حکمت کا ذکر قرآن کے ساتھ آیا ہے۔ چنانچہ امام شافعی نے اپنے ایک مناظرے میں اسے دلائل سے ثابت کیا ہے اور جب ان سے پوچھنے والے نے دریافت کیا کہ اس قسم کی آیات میں حکمت سے کیا مراد ہے آپ نے جواب فرمایا کہ:

حکمت سے مراد سنت ہے۔ سائل نے کہا کہ اس کا بھی امکان ہے کہ یعلّمکم الكتاب والحکمة کا یہ مطلب ہو کہ رسول کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ اور خصوصی طور پر حکمت سے مراد اللہ کے احکام ہوں۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا رسول اللہ کی جانب سے لوگوں کے سامنے ایسے ہی بیان کرتا ہے جیسا کہ اس سے ان کے سامنے تمام فرائض نماز روزہ زکوٰۃ اور حج وغیرہ کو پیش کیا ہے اور اس طرح کو یہ خود اللہ

نے کتاب کے ذریعے فرائض کو محکم بنا دیا ہے۔ اور اللہ نے خود ہی بیان کر دیا کہ یہ فرائض زبان نبوت پر کیسے ہیں؟ مخاطب نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ ایسا ہی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا اگر یہی مطلب ہے تو پھر اس کا پتہ بغیر خبر نبی کے کیسے ہو سکتا ہے اس صورت میں بھی ارشادات نبوت کی ضرورت ہوگی۔ سائل بول اُتر کتاب و حکمت دونوں سے مراد ایک چیز ہو اور کلام میں صرف تکرار ہی ہو۔ امام شافعی نے فرمایا یہ آپ ہی بتائیے کہ کون سی چیز پسندیدہ ہے کتاب و حکمت دونوں الگ ہوں یا دونوں کا مطلب ایک ہو۔ سائل نے جواب دیا دونوں کا احتمال ہے چاہے تو کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے سنت ہو جیسا کہ آپ کا خیال ہے اور چاہے دونوں سے ایک ہی مراد ہو۔ امام شافعی نے فرمایا زیادہ قرین عقل یہی صورت ہے کہ کتاب سے قرآن اور حکمت سے سنت مراد ہے۔ جیسا کہ میرا خیال ہے۔ اور اس پر قرآن میں شہادت ہے سائل نے پوچھا کہ قرآن میں کون سی شہادت ہے۔ امام شافعی نے جواب میں قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی

وَاذْكُرْ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (۱)

سورۃ احزاب کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں کی طرح بھی ایک انکی چیز ہے جس کی تلاوت ازواج مطہرات کے گھروں میں ہوتی تھی۔ اور تلاوت کا مطلب جیسا کہ امام شافعی نے بتایا ہے یہ ہے کہ:

انما معنى التلاوة ان ينطق بالسنة كما ينطق بالقرآن۔

”تلاوت کے معنی یہ ہیں کہ سنت کو بھی ویسے ہی بولا جاتا ہے۔ جیسے قرآن کو۔“

ذرا سوچنے کے ازواج مطہرات کے گھروں میں قرآن کی آیتوں کے علاوہ دوسری کیا چیز پڑھی جاتی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن کے سوا کیا سناتے تھے۔ اس کا حل اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ آپ کی سنت تھی اور چونکہ اس آیت میں حکمت کے تذکر کا حکم ہے۔ اس لیے اسی آیت سے سنت کے یاد کرنے اور یاد رکھنے کا وجوب بھی معلوم ہو گیا اور یہ

بات بھی بدیہی ہے کہ علم و ذکر خود مقصود بالذات نہیں بلکہ عمل کے لیے مقصود ہیں۔ اس لیے اسی آیت سے سنت پر عمل کا وجوب بھی معلوم ہو گیا۔ اور جب سنت کا دوسرا نام حکمت ہے۔ تو ان آیات سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ سنت بھی منزل من اللہ اور وحی خداوندی ہے۔

قرآن ہی کی ان تصریحات کی بنا پر تمام ائمہ اور علمائے سلف اس پر متفق ہیں۔ کہ بعلمهم الكتاب والحكمة اور اس طرح کی دوسری آیات میں جو حکمت کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد سنت ہی ہے۔ اور سنت بھی وحی الہی کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں۔ (۱) اللہ سبحانہ نے اپنے رسول پر دو قسم کی وحی نازل کی اور دونوں پر ایمان لانا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اس پر عمل کرنا واجب قرار دیا اور وہ دونوں قرآن و حکمت ہیں۔

اس کے بعد حافظ ابن قیم نے وہی آیات پیش فرمائی ہیں جن میں کتاب و حکمت کی تزییل و تعلیم کا ذکر ہے۔ ان آیات کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

کتاب تو قرآن ہے اور حکمت سے ہا جماع سلف سنت مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے پا کر جو خبر دی اور اللہ نے رسول کی زبان سے جو خبر دی دونوں واجب التصدیق ہونے میں یکساں ہیں۔ یہ اہل اسلام کا بنیادی اور اعتقادی مسئلہ ہے۔ اس کا انکار وحی کرے گا۔ جو ان میں سے نہیں ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے کتاب دی گئی اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی یعنی سنت۔ (۲)

پھر یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں اللہ سبحانہ نے قرآن کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا اور قرآن کے بیان کو اپنا بیان بتایا ہے۔ مگر قرآن میں دوسری جگہ قرآن کے پڑھنے اور قرآن کے بیان کو حضور کا کام بتایا ہے۔ لتقراہ علی الناس علی مکث یعنی تاکہ آپ پڑھیں لوگوں کے سامنے آہستہ آہستہ اور لتزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت تاکہ بیان کر دے تو لوگوں کے سامنے وہ چیز جو

اتاری گئی ہے۔ ان کی طرف اس آیت میں للہام اور ماحول الیہم ذکر کیا گیا ہے کہ کتاب سے ساتھ نبوت آنے کی ضرورت ہی اس سے پیش آتی کی نبوت کے بیان کے ذریعے کتاب الہی کا خلاصہ صاف اور واضح ہو کر آئے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر روانہ فرمایا تاکہ اس کو سب ادیان پر غالب کرے۔ ان پر وہ کتاب اتاری جو عمل کرنے والوں کے لیے سراسر نور و ہدایت ہے۔ اور اپنے نبی کو یہ حق دیا ہے۔ کہ وہ قرآن کے ظاہر باطن خاص عام اور ناخ منسوخ بتائیں۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کتاب اللہ کے مفہوم و معنی کے مبین تھے۔ اس کام کو صحابہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ جن کو اللہ نے اپنے نبی کی رفاقت کے لیے منتخب کیا تھا۔ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان اور توضیح نقل کی ہے اس مشاہدہ کی وجہ سے وہی سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے والے اور اس بات سے واقف تھے کہ قرآن کی آیت میں اللہ کی مراد کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن کی مراد بتانے والے صرف صحابہ کرام ہیں۔ (۱)

امام ابو حنیفہ کے بارے میں امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ:

جو حدیثیں صحیح ہوتی ہیں اور احادیث جن کو روایت کرتے ہیں۔ نیز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ اس کو پکارتے ہیں۔ (۲)

حافظ ذہبی نے امام یحییٰ بن معین کی سند سے امام اعظم کا جو رشتہ نقل کیا ہے اس سے بھی حدیث کے قرآن کا بیان ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں۔ اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی ان صحیح حدیثوں سے جو احادیث کے ذریعے مشہور ہوئی ہوں اور اگر یہاں بھی نہ ملے تو پھر صحابہ میں جس کا قول چاہتا ہوں لیتا ہوں۔ (۳)

(۱) حقیقات الخلفاء، ص ۳۲۵ (۲) الانتقاء، ص ۱۳۲ (۳) مناقب از حافظ ذہبی، ص ۲۰

صرف یہی نہیں بلکہ کئی دوسرے مواقع پر بھی انہوں نے فرمایا ہے۔ کہ فقہ اسلام اور قوانین اسلام تک پہنچنے کے لیے سنت ضروری ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ:

قرآن میں اللہ سبحانہ نے ایک سے زیادہ ارشادات میں اتباع رسول کا حکم دیا ہے اور حکم بھی اس بارے میں مطلق اور بے قید ہے۔ یعنی اتباع کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کسی خاص گوشے کی تعین نہیں کی۔ یہ ایک طرف اگر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ذات نبوت زندگی کے ہر گوشہ میں واجب الاتباع ہے تو دوسری طرف اس میں اس بات کی بھی رہنمائی ہے کہ وغیرہ اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں معصوم ہوتا ہے جیسے آپ کی زندگی میں آپ کی پیروی ضروری تھی۔ اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے ارشادات اخلاق اعمال اور احوال کی روشنی میں زندگی کا نقشہ تیار کرنا ضروری ہے۔ غرض سنت قرآن کا بیان ہے۔ اس کے مجمل کی تعبیر ہے۔ اس کے معنی کی توضیح و تائید کرتی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ:

اول قرآن کی حیثیت متن کی اور سنت کی شرح کی ہے۔ پھر یہ متن شرح میں اور شرح متن میں اس طرح درج ہے کہ ایک کا اقرار دالکا دوسرے کے اقرار دالکا کے مترادف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں قرآن کی طرح اس کا بیان بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک ماحول اللہ (جو کچھ اللہ نے اتارا) اور دوسرا ماحول اک اللہ (جو کچھ تم کو اللہ نے دکھایا) ہے۔ اس لیے ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قرآن کے مفسر تھے۔ آپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں پہنچ سکتا کہ وہ آیات قرآن کی تفسیر و تاویل کرے۔ اس لیے صرف سنت ہی قرآن کا بیان ہے اور یہ بیان سنت کے علاوہ کسی دوسری راہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

سوم یہ کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اثر مروی نہ ہو تو صحابہ تفسیر کا حق رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے قرآن اتر رہا ہے۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیات قرآنی کی تاویل سنی اور جو سنت سے بہت اچھی طرح واقف ہیں۔

بہر حال سنت بھی اللہ پاک کی وحی ہے مگر اس کی حیثیت پیام کی ہے اور قرآن بھی اللہ ہی نے وحی ہے اور اس کی حیثیت نامہ کی ہے۔ سنت میں روایت بالمعنی جائز ہے مگر قرآن میں روایت بالمعنی جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ میں اجاز کے ساتھ شان تعبد بھی ہے۔ چنانچہ حافظ جلال الدین (۱) السیوطی فرماتے ہیں:

والسر فی ذلک ان المقصود من التعبد الاعماریہ (۲)

”راز اس میں یہ ہے کہ قرآن سے مقصود تعبد اور اجاز ہے۔“

(۱) جلال الدین لقب ابو الفضل کنیت عبد الرحمن بن الکدیل نام ہے۔ اتوار کے دن یکم رجب ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے ۸ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا بعد ازاں علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی کاشغری نے طبقات میں خود ان کی زبانی نقل کیا ہے کہ تین سو اساتذہ سے علمی استفادہ کیا ہے۔ ۷۱ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون سے نہ صرف فارغ ہو چکے تھے بلکہ میدان تالیف میں بھی قدم رن ہو گئے تھے۔ عربی ادب اور حدیث میں علامہ تقی الدین شبلی خنی کے شاگرد ہیں۔ چوتھوں میں اجتہاد کی شان رکھتے تھے: تفسیر ۵ حدیث ۵ فقہ ۵ نحو ۵ معانی ۵ بیان۔

ان کی تصانیف کی تعداد تین سو سے زائد تھیں۔ اپنے تئیں اجتہاد سے مدعی تھے۔ مگر فرماتے تھے کہ اجتہاد دو قسم کا ہوتا ہے اجتہاد مطلق ۵ اجتہاد مقس۔

اجتہاد مطلق اندر اربعہ پر ختم ہے۔ اور دوم تاقی مت باقی ہے اور مجتہد منسوب ہونے کا ان کو دعویٰ تھا۔ ہمیشہ امام شافعی کے مذہب کے مطابق مسئلہ بتاتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ پوچھنے والا مذہب دریافت کرتا ہے میرا اجتہاد نہیں پوچھتا۔ اللہ اکبر اللہ کے دین میں کس قدر احتیاط ہے۔ تیسویں اسمعیل کے نام سے امام اعظم کے منقب پر کتاب لکھی ہے ۹۱۱ھ میں عمر ۸۱ سال دس ماہ تیار وہ دن وقت پائی۔ (اتحاف)

(۲) الاقان فی علوم القرآن: ج ۳ ص ۱۱

برخلاف سنت کے کہ اس کے الفاظ میں اجاز نہیں بلکہ اس کے معانی میں شان تعبد ہے۔ اور سنت معنی ہی کے لحاظ سے متواتر بھی ہے۔ چنانچہ علامہ الجزائری رقمطراز ہیں۔

المرجع انہ لیس فی السنۃ معوہر الا التواتر فی المعنی دون اللفظ۔ (۱)

”راخ یہی ہے کہ سنت میں تواتر لفظی نہیں بلکہ تواتر معنوی ہے۔“

صرف عمل کے لیے معنی ہی کے متواتر ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے الفاظ میں نہ تعبد ہے اور نہ اجاز۔ اسی بنا پر متواتر سے بحث کرنا محدثین کا کام نہیں ہے۔

ان المعانی لا یجوز عن المعوہر لا یجوز بالحوار عن احواد سندہ۔ (۲)

”محدثین کے یہاں متواتر سے کوئی بحث نہیں ہوتی کیونکہ تواتر کو سند کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔“

اس موقع پر حافظ ابن تیمیہؒ بڑے بڑے چنے کی بات لکھ گئے فرماتے ہیں۔ کہ اس مقام پر دو اصولی باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔

قرآن اپنے الفاظ اور معانی میں ایک ایسی امتیازی شان رکھتا ہے کہ اس میں کوئی کلام بھی کسی طرح اور کسی درجے میں قرآن کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ الفاظ میں اور نہ معنی میں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی غیر عربی میں قرأت ناجائز ہے۔ کیونکہ غیر عربی میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ ہے مگر قرآن ہرگز نہیں ہے۔ قرآن تو نظم اور معنی دونوں کا نام ہے۔ ترجمہ اگرچہ درست ہے مگر قرآن کی طرح اس کی قرأت و تلاوت ہرگز جائز نہیں۔

قرآن میں الفاظ کے ساتھ معنی کی بھی ایک ایسی نمایاں حیثیت ہے کہ کوئی کلام بھی اس سے مشابہت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے معنوی اجاز میں یادہ قوت ہے۔ قرآن کی اس آیت میں جو توحید کی گئی ہے وہ ہر قسم کے اجاز کے پیش نظر کی گئی ہے۔ قل لنن اجتماعت الانس والجن علی ان ہاتوا بمثل هذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضهم لبعض ظہیراً۔ (۳)

امام خطاب فرماتے ہیں:

کلام کی جان تین چیزیں ہیں۔ لفظ معنی اور نظم۔ قرآن ان تینوں میں بہت بلند اشرف اور افضل مقام رکھتا ہے۔ قرآن کے الفاظ سے زیادہ فصیح، مختصر اور شیریں الفاظ آپ کو کہیں نہیں ملیں گے۔ قرآن کا نظم اپنی مثال آپ ہے۔ حسن تالیف قرآن کی ذاتی خوبی ہے۔ معانی کے لحاظ سے عقلاء نے ہمیشہ قرآن کا سوا ہونا ہے۔ یہ تینوں خوبیاں الگ الگ تو ایک سے زیادہ مقامات پر موجود ہیں مگر یہ ساری خوبیاں یک جا قرآن کے سوا کہیں موجود نہیں ہیں۔ اس کا حال یہ ہے کہ الفاظ کی سطح موتیوں سے لدی ہوئی ہے جس کی نظم کی تہہ میں سوتیں بہہ رہی ہیں اور گہرائی سے معانی اُبل رہے ہیں۔ (۱)

اتباع وحی اور تلاوت وحی میں فرق

اسی بنیادی اور جوہری فرق کو بتانے کے لیے قرآن میں وحی کے متعلق دو قسم کی حکم ہیں کہیں وحی الہی کی اتباع پر زور دیا گیا ہے۔ اور کہیں وحی الہی کی تلاوت کا حکم ہے مگر قرآن نے ان دونوں میں ایک جوہری فرق قائم رکھا ہے۔ قرآن میں جہاں وحی کی تلاوت کا حکم ہے۔ وہاں ماواوحی کے ساتھ الکتاب کی قید ضرور لگائی ہے۔ مثلاً اتل ما ووحی الیک من کتاب ربک اور اتل ما ووحی الیک من الکتاب یا اسی قسم کے دوسرے مقامات لیکن جہاں وحی کی اتباع کا مطالبہ ہے وہاں لفظ کتاب کو ہٹا دیا گیا مثلاً اتبع ما ووحی الیک من ربک اور ان اتبع الا ما ووحی الیک واصر اور اتبع ما ووحی الیک من ربک اور ان اتبع الا ما ووحی الی من ربی اور لا اقول لکم عسی خوائس اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم اسی منک ان اتبع الا ما ووحی الی۔ یہ اور اس قسم کی دوسری آیات میں جہاں وحی کی اتباع کا تذکرہ کیا ہے۔ لفظ کتاب نہیں لایا گیا۔

اوروں کا پتہ نہیں مگر میں نے اپنے مطالعہ قرآنی میں یہی محسوس کیا ہے کہ قرآن یہ جتنا چاہتا ہے کہ وحی جو ذات نبوت پر آئی ہے۔ وہ کتاب تک محدود نہیں ہے بلکہ کتاب سے باہر بھی وحی ہے۔ کتابی وحی کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور اس کے لفظوں میں اعجاز کے ساتھ شان تعبد بھی ہے۔ غیر کتابی وحی کا اتباع کیا جاتا ہے۔ گویا تلاوت الفاظ میں تعبد کی وجہ سے کتابی وحی کی خصوصیت ہے۔ اور اتباع کا دائرہ کتابی اور غیر کتابی وحی کے لیے عام ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث ابی سعید کا منشاء

اس روشنی میں صحیح مسلم کی حدیث کا منشاء بھی واضح ہو جاتا ہے۔ جس میں حضرت ابوسعید خدری کی زبانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت منقول ہے:

لا تکتبوا عسی ومن کتب عسی غیر القرآن فلیمحہ وحدثوا عنی ولا حرج ومن کذب علی متعمد فلیتبعوا مقعده من النار۔

”مجھ سے نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا وہ اسے محو دے۔ مجھ سے حدیث بیان کیا کرے اس میں کوئی حرج نہیں اور جس شخص نے میرے متعلق ارادنا بھوت بولا اسے چاہیے کہ وہ اپنا لکھا نادرغ مٹالے۔“

اگرچہ امام بخاری اور دیگر محدثین کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں بلکہ معلول ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی (۱) فتح الباری میں لکھتے ہیں:

(۱) شہاب الدین لقب ابو الفضل کنیت احمد بن علی بن محمد بن علی الکاتبی عسقلانی ۴۴۵ھ۔ تاریخ بغداد ۳۱۷ھ ہے ابن حجر سے مشہور ہیں۔ سیوطی طبقات میں رقمطراز ہیں کہ حافظ عراقی سے وفات کے وقت دریافت کیا گیا کہ آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہے فرمایا کہ ابن حجر پھر ابو زرہ نے نعم اہلین فی ایمان الامایان میں ان کا تذکرہ اس طرح شروع کیا ہے۔ فربہد زمانہ حال لواء السہ دھبی ہذا المعصر بظاہرہ وجوہہ الذی ثبت بہ علی کثیر من الاعصار فصارہ امام ہذا الف للمنفذ من و مقدم عساکرا المسلمین و عملہ الوجود فی ہر من والنصح صحیح۔ (باقی صفحہ ۱۴۶ پر)

مسلم من اجل حدیث ابی سعید وقال الصواب وفعه علی ابی سعید
قاله البحاری۔

”کچھ لوگوں نے حدیث ابی سعید کو طوں قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ
موقوف ابی سعید ہے۔“

یعنی ان کی تحقیق میں یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں بلکہ خود ابوسعید
خدری کے ہیں۔ جن کو غلطی سے راوی نے مرفوعاً نقل کر دیا ہے لیکن بالفرض اگر اس روایت کو
موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہی تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ ممانعت وقتی اس لیے تھی کہ قرآن کے
الفاظ میں تعبد ہے قرآن سے الگ ہو کر کوئی وحی نہیں جس کے الفاظ میں تعبد ہو اور تعبدی طور پر
جس کی تلاوت کی جاتی ہو۔ خود اندازی بیان بول رہا ہے۔ کہ مقصود یہی ہے فرمایا ہے لا
تکثروا عسی غیر القرآن لفظ فیر عری اسالیب میں اپنا موصوف چاہتا ہے۔ اس لیے مہارت
یوں ہے۔ لا تکثروا عسی قرآن غیر القرآن۔ یعنی مجھ سے تلاوت کی چیز قرآن کے علاوہ
کچھ نہ لکھو۔ اس ارشاد میں قرآن کی شان تعبدی کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ اور اس کی تائید خود
حضرت ابوسعید خدری کے ان بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ جو حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان
العلم میں درج کیے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں

عن ابی بصیر قل قلت لابی سعید الخدری الا تكتب ما سمع منك
قال التريدون ان تجعلوها مصاحف۔

”ابونضرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعید سے دریافت کیا کہ کیا ہمیں آپ سے سنی
ہوئی احادیث کو لکھنے کی اجازت ہے فرمایا کیا تم ان کو مصاحف بنانا چاہتے ہو۔“

ذبیہ صفحہ ۱۳۵) حافظ زین العزاقی الشیخ سراج الدین ابوالفتحی الشیخ برہان الدین الدبائی علامہ
عزالدین بن جریر علامہ مجد الدین فیروز آبادی جیسے اسطین علم کے سامنے زانوئے ادب طے کیا ہے۔
ذیہ سو سے زائد تصانیف ہیں۔ ان کی تصانیف میں فتح الباری شرح صحیح بخاری بڑے محرک کی شرف
ہے۔ حافظ سیوطی نے طبقات کذا میں لکھا ہے کہ اولین و آخرین میں اس جیسی کتاب نہیں ہے۔

ابونضرہ ہی نے حضرت ابوسعید خدری کے حوالے سے اس سوال کے جواب میں کہ
ہمیں لکھنے کی اجازت دیجئے یہ بھی نقل کیا ہے۔

قال اريدتم ان تجعلوه انا لا لا (۱)

”فرمایا کیا تم نے اسے قرآن بنانے کا ارادہ کیا ہے نہیں نہیں۔“

یہاں ذاکر سبکی صالح استاذ ملائمت دمشق وندوشی کی رائے ہے۔ کہ ابوسعید
خدری کی روایت میں لکھنے کی جس ممانعت کا تذکرہ ہے۔ اس کا پس منظر زمانہ نزول وحی میں
وحی اور اس کی تشریح میں التباس کا اندیشہ ہے۔ (۲)

معالم السنن میں علامہ خطابی نے اس ممانعت کے عملی مصداق کی توضیح کرتے
ہوئے بتایا ہے کہ سنت کو قرآن کے ساتھ ایک ہی محیفہ میں لکھنے سے اس لیے منع فرمایا ہے۔ کہ
اختلاط نہ ہو اور پڑھنے والے کے لیے سامان اشتباہ نہ ہو۔ علامہ خطابی کے اپنے الفاظ یہ ہیں
اسما بھی ان يكتب الحديث مع القرآن في صحيفة واحدة لتلا يخلط
به وليشبهه على القاري (۳)

”ایک محیفہ میں قرآن کے ساتھ حدیث لکھنے سے اس لیے منع کیا تاکہ التباس نہ ہو
اور قاری پر مشتبہ نہ ہو۔“
رامبرہڑی نے الحدیث الفاضل میں حدیث ابی سعید خدری کا ذکر کر کے لکھا ہے
فاحسبه انه كان ممنوعاً في اول الهجرة وحسب كان لا يومس الاشتغال
به عن القرآن (۴)

”میرا خیال ہے کہ آغاز ہجرت میں ممنوع تھا۔ بالخصوص اس وقت جبکہ اس میں لگ
کر قرآن سے ہٹ جانے کا امکان تھا۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ممانعت آغاز ہجرت میں ہوئی ہے اور معلوم ہے کہ ابو
سعید خدری ۳ھ میں جنگ احد میں اتنے کم عمر تھے کہ فوج میں بھرتی ہونے کے شوق میں
آئے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس کر دیا۔

(۱) جامع بیان العلم ص ۶۳ ج ۱

(۲) علوم الحدیث ص ۸

(۳) تطبیق علوم الحدیث ص ۹

(۴) معالم السنن ص ۱۸۴ ج ۳

یہاں اگر حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور حدیث پیش نظر ہو تو راہ کی ساری مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت تشریف لائے جب ہم حضور انورؐ کی باتیں لکھ رہے تھے۔ فرمایا کیا لکھ رہے ہو؟ ہم نے کہا وہ باتیں جو ہم نے آپؐ سے سنی ہیں۔ فرمایا کیا تم کتاب اللہ کے سوا کوئی اور کتاب چاہتے ہو؟ تم سے پہلے امتوں کو اس کے سوا کسی چیز نے نہیں گمراہ کیا کہ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ دیگر کتابیں بھی لکھ ڈالیں۔ (۱)

ایک اور روایت اسی کے ہم معنی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کتاب اللہ کے ساتھ کوئی اور کتاب؟ کتاب اللہ کو خالص رکھو۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس مناسبتی حدیث سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان تمام روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیحہ یا اس کے بعد ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بہت ہی عجیب و غریب تقریر فرمائی ہے۔ یمن سے نو مسلموں کی ایک جماعت مدینے آئی ان میں کئی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان کو قرآن حکیم کی سورتیں یاد کرنے کے لئے دی گئیں کہ پڑھیں اور یاد کریں۔ جب ان لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تقریر سنی تو حسن عقیدت سے یہ تقریر بھی لکھ لی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نے قرآن کے ان ہی اوراق پر جو انہیں یاد کرنے کے لیے دیئے گئے تھے لکھ لی۔ (۲)

اس بنا پر حضور انورؐ نے فرمایا کیا کتاب اللہ کے ساتھ کوئی اور کتاب؟ کتاب اللہ کو خالص رکھو۔ اور اسی موقع پر یہ بات فرمادی گئی لا تكتبوا عسى غير القرآن من كتب عسى غير القرآن فليحفظہ۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے حضور انورؐ کا یہی ارشاد حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا تو اسے بطور ارشاد نبوت بیان فرمادیا۔ شاید اسی علت و قیود کے پیش نظر امام بخاریؒ نے اسے متوقف قرار دیا ہے۔ اس صورت میں علت و ممانعت صرف اختلاط اور قرآن و غیر قرآن کا التباس ہے۔ اس لیے یہ ان احادیث کے معارض نہیں ہے جن میں احادیث لکھنے کی صریح اجازت ہے۔ مثلاً جامع بیون العلم تھمید العلم اور الحدیث الفاضل میں حضور انورؐ کا یہ ارشاد ہے کہ

قلبوا العلم بالكتاب۔

”علم کو کتاب سے متقید کرو۔“

یا تدریب الراوی میں یہ واقعہ کہ

عن رافع بن خدیج انه قال قلت يا رسول الله انا نسمع منك اشياء افككتها قال اكتبوا ولا حرج۔ (۱)

”رافع کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپؐ سے کچھ سنتے رہے ہیں کیا میں لکھنے کی اجازت ہے؟ فرمایا لکھو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“

علامہ احمد محمد شاہؒ کا یہ کہن بالکل درست ہے کہ

اگر حدیث ابی سعید ان احادیث کے بعد میں ہوتی تو تمام صحابہؓ کو پتہ ہوتا۔ پوری امت کا اس پر مجتمع ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ فیصلہ یہی ہے اور اجماع تو از عمل سے ثابت ہے۔ (۲)

اور پھر جہاں تک حدیث کے بیان کرنے کی اجازت کا تعلق ہے۔ وہ اس میں صاف اور صریح موجود ہے کہ حدیثوا عسى مجھ سے حدیثیں بیان کیا کرو۔ ممانعت تو دراصل قرآن کے سوا کسی دوسری چیز کے لکھنے کی اس بناء پر کی گئی تھی کہ قرآن سے باہر کسی دوسری وحی میں نہ ایجاز ہے اور نہ شانِ تعبد۔ ورنہ نفس حدیث بیان کرنے کی اجازت تو خود ابو سعید خدریؓ کی یہ حدیث بھی دے رہی ہے اور کتاب ہی کے متعلق دوسری احادیث میں صاف اجازت آئی ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے

ایک انصاری صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بیٹھتے آپ کی باتیں سنتے اور بہت پسند کرتے مگر یاد نہ رہتیں۔ بلاآخر انہوں نے اپنی یادداشت کی خرابی کی شکایت آنحضرتؐ سے کی کہ یا رسول اللہ! میں آپ سے حدیثیں سنتا ہوں وہ مجھے اچھی لگتی ہیں۔ مگر میں انہیں یاد نہیں کر سکتا اس پر آپ نے فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو اور اپنے دست مبارک سے ان کو لکھنے کا اشارہ فرمایا۔ (۱)

سنن ابی داؤد (۲) اور مسند دارمی (۳) میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے

روایت ہے کہ

(۱) جامع ترمذی باب ما جاء فی الرخصة فی کتاب العلم

(۲) سلیمان بن الفضل بن سحاق بن بشر نام ابو داؤد کتبت۔ عرب کے مشہور قہیدار سے نسبی تعلق کی وجہ سے ازدی اور جہتان میں یودو باش کی وجہ سے جہتانی ہیں۔ جہتان دراصل مشہور مقام سیستان کی قریب ہے۔ تاریخ ولادت ۲۰۴ھ ہے۔ امام احمد و بعضی ابو الولید طبرسی مسلم بن ہاشم اور یحییٰ بن یحییٰ کے شاگرد ہیں۔ علامہ شیخ ابواسحاق اشیری نے طبقات میں ان کو ضعیف قرار دیا ہے ان پر فقہی ذوق بہ نسبت دوسرے محدثین کے زیادہ غالب تھا۔ اسی لیے ان کی کتاب میں صرف احادیث ہیں اور فقہی احادیث کا جتنا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں نہیں۔ چنانچہ حافظ ابو جعفر بن زبیر غریابی الترمذی ۵۸۱ھ قیصر طبرستان میں جو بات ابو داؤد کو حاصل ہے وہ دوسرے مصنفین صحاح کو نہیں۔ ان کی وفات جمعہ کے دن ۱۶ شوال المکرم ۲۵۵ھ میں ۳۳ سال ہوئی اور پھر وہیں دفن ہوئے۔

(۳) عبداللہ بن عبد الرحمن نام ابو محمد کتبت عرب کے قبیلہ دارم سے نسبی لگاؤ کی وجہ سے دارمی۔ سرقد میں رہائش کی وجہ سے سرقدی ہیں۔ ان کی تاریخ ولادت ۱۸۱ھ ہے۔ یزید بن ہارون (جو کہ امام اعظم کے شاگرد ہیں) جعفر بن عون وغیرہ کے شاگرد ہیں۔ امام مسلم ابو داؤد ترمذی اور محمد بن یحییٰ زہبی نے ان کے سامنے رانوائے ادب طے کیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ فراساں میں چار شخص حفظ حدیث ہیں۔ ابو داؤد، محمد بن اسماعیل بخاری، دارمی، حسن بن شجاع بخاری۔ عروذ والے دن جمعرات کو بمقام مرد

۵۵۵ھ میں وفات پائی۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا۔ حفظ کرنے کے لیے اس کو لکھ لیتا تھا۔ پھر قریش نے مجھ کو منع کیا اور کہنے لگے کہ تم جو بات سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں قصہ میں بھی کلام فرماتے ہیں۔ اور خوشی میں بھی۔ یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ اور آنحضرتؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اپنی آنکشت سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمانے لگے کہ تم لکھو۔ قسم ہے۔ اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اس سے بجز حق کے کچھ نہیں لکھتا۔ (۱)

یہ احادیث بتا رہی ہیں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں آمدہ ممانعت خاص تھی اور خصوصیت یہی تھی۔ کہ الفاظ کا قہید ملاوت کی حیثیت میں قرآن سے باہر کسی چیز میں نہیں ہے۔ اور قرآن و حدیث دونوں کی یہ حیثیتیں آج بھی قائم ہیں۔ اس لیے روایت ابی سعید ان روایات سے معارض نہیں جن میں کتابت کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اس کا حکم ہے۔ اگرچہ علماء نے یہ فرض کر کے ابوسعیدؓ کی روایت معارض ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی جوابات دیئے ہیں۔ مثلاً

● اول یہ کہ حدیث ابی سعید موقوف ہے۔

● دوم یہ کہ ممانعت خاص اس شخص کے لیے تھی جس کے مخالف پر پورا احادیث تھا۔

● سوم یہ کہ ابوسعیدؓ کی حدیث منسوخ ہے۔

علامہ احمد محمد شاہ کا اصرار ہے کہ آخری جواب درست ہے۔ اور دوسرے علماء نے بھی یہی راہ اختیار کی ہے۔ علامہ امیر ایمانی فرماتے ہیں

آغاز میں ممانعت اختلاف کے اندیشے کے پیش نظر تھی۔ کیونکہ لوگوں کے دلوں میں قرآن نے ابھی گہر نہیں کیا تھا اور حفاظ خال خال تھے۔ جب قرآن سے رائے عامہ میں بغلی پیدا ہو گئی اور قرآن کے اسالیب کمال باہت اور حسن قلم سے تعلق پیدا ہو کر ایسا امتیازی ٹکے پیدا ہو گیا کہ قرآن اور غیر قرآن میں امتیاز کرنے لگے اور التباس کا اندیشہ جاتا رہا تو ممانعت ختم ہو گئی۔ (۲)

لیکن حدیث ابی سعید کا جو کمل ہم نے بتایا ہے اس کو ماننے ہوئے تعارض کا سوال ہی درمیان سے ٹھک جاتا ہے۔ جن لوگوں نے اس سے کراہت کتابت پر استدلال کیا ہے۔ یہ ان کی رائے ہے۔ ارشاد نبوت کا یہ مصداق نہیں ہے۔ اس کی تائید ان واقعات سے بھی ہوتی ہے۔ جو خود کتابت حدیث کے سلسلے میں ایک سے زیادہ زمانہ نبوت میں پیش آئے ہیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ پورے دین کی حفاظت کے لیے وہی آسان طریقہ اختیار کیا گیا جو اس دور میں اہل عرب کا فطری اور رائج اوقت طریق تھا۔ قرآن حکیم جو دین کی تمام بنیادی اور اساسی تعلیمات پر مشتمل اور جملہ عقائد و احکام کے متعلق کلی ہدایت کا علم بردار ہے۔ اس کا لفظ غلط لوگوں نے نوک زبان کیا۔ مزید احتیاط کے لیے خود حضور اقدسؐ نے معتبر کتابوں سے اس کو نکھوایا حدیث جو شریعت اسلامی کی تمام اعتقادی اور عملی تفصیلات کا نام ہے۔ اس کا قوی حصہ صحابہ نے اپنی عادت کے موافق اس سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ اپنے حافظہ میں محفوظ رکھا کہ جس اہتمام کے ساتھ وہ اس سے پہلے اپنے خطیبوں کے خطبے شاعروں کے قصیدے اور حکما کے مقولے یاد رکھا کرتے تھے اور اس کے عملی حصے پر فوراً عملدرآمد شروع کر دیا گیا ظاہر ہے کہ اس وقت میں اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن بعد کو جب قرآن حکیم کا کافی حصہ نازل ہو چکا۔ اور مومنات و قرآنی ذوق سے آشنا ہو گئی۔ ادھر غزوہ بدر کے بعد مدینے میں بہت سے لوگوں نے لکھنا سیکھ لیا۔ تو پھر حدیث کے لکھنے کا سلسلہ بھی جستہ زمانہ نبوت ہی میں شروع ہو گیا جہاں تک ان واقعات کی تفصیل کا تعلق ہے۔ یہ ایک بڑی طویل داستان ہے۔ ہم یہاں اشارات کرتے ہیں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ کہ ارشادات نبوت کے لکھنے کا مسئلہ خود زمانہ نبوت ہی میں طے ہو گیا تھا۔

دور نبوت میں حدیث کا کتابی ذخیرہ

اسی کے نتیجے میں حدیث کی کتاب کے کام کا آغاز دور نبوت ہی میں ہو چکا تھا۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض و سنن کے ساتھ دیوانہ اور فوجداری ضوابط لکھا کر لوگوں کو دینے اور احکام و سنن کی یہ کتابیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے باہر کے

لوگوں کے لیے اسلامی شناسی کا ذریعہ بنیں۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البر (۱) جامع بیان العلم میں رقمطراز ہیں۔

كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم كتاب الصدقات والذبات والفرائض والسنن (۲)

”حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات، خون بہا، فرائض اور سنن پر مشتمل دستاویز لکھی۔“

احکام کی یہ تحریری دستاویزیں سرکار نبوت کی جانب سے مدینہ سے باہر جانے والے گھوڑوں کو ہاتھ دلتی تھیں۔

عمر و بن حزم صحابی کی تالیف:

حافظ مسقانی لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور صحابی عمر و بن حزم کو نجران کا کشتربنا کر روانہ فرمایا۔

سعمله النبي صلعم على نجران (۳) اور استیعاب میں ہے کہ وذلک سہ عشر۔ یہ واقعہ ۱۱ھ کا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ عمر اس وقت صرف سترہ (۴) سال تھی۔ روانگی کے وقت

(۱) یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عمر کنیت اور قرطبہ (اندلس) سے تعلق رکھنے کی وجہ سے قرطبی ہیں۔ مارہ ربیع الاول ۳۶۸ھ تاریخ ولادت ہے۔ اپنے وطن ہی میں اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا ہے۔ بہترین تصانیف ان کا علمی کارنامہ ہیں۔ خصوصاً استعید کے بارے میں حافظ ابن حزم کا فیصلہ ہے۔ کہ فقہ حدیث میں میرے علم میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔ الاساتذہ کا لہذا ہب علماء المصادر۔ الاستیعاب الاسماء الصبیح۔ ان کے علاوہ اور یہ شمار کرتے ہیں۔ امام، لک۔ امام شافعی اور امام اعظم کے فضائل و مناقب پر بھی انتقاء کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ جمعہ کے دن ربیع الثانی ۳۶۳ھ کو شہر شاطبہ میں وفات پائی۔

(۲) ابو داؤد باب کتاب العلم، مسند داری: ص ۶۷، جامع بیان العلم: ص ۱۷۱ ج ۱

(۳) اصحاب: ص ۲۹۳ ج ۳ (۴) الاستیعاب: ص ۳۳۷ ج ۲

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک دستاویز کتابی شکل میں قلمبند کرا کر دی۔ اس دستاویز میں دیوانی فوجداری ضوابط کے ساتھ فرائض و سنن کی بھی تفصیل تھی۔

چنانچہ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

وكتب له كتابا فيه الفرائض والسنن والصدقات والديات (۱)

”آپ نے ان کے لیے فرائض، سنن اور صدقات و دیات پر مشتمل کتاب لکھی۔“

حافظ عسقلانی نے تو نہیں مگر حافظ ابن عبدالبر نے یہ بھی انکشاف کیا ہے۔ کہ عمرو بن

حزم کو صرف عامل یعنی کسب اور انتقامی سربراہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ ان کو لیسقہم فی الدین و یعلم القرآن۔ معلم قرآن و فقہ بنا کر بھی روانہ فرمایا (۲) یعنی یہ کسب ہونے کے ساتھ دین کے مفتی اور قرآن کے معلم بھی تھے۔ اور تعلیم و افتاء ہی کے لیے اس دستاویز میں فرائض، السنن قلمبند کیے گئے تھے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ کتاب چمڑے میں تحریر تھی۔ اور عمرو بن حزم کے پوتے ابوبکر حزم کے پاس موجود تھی۔ ابوبکر خود یہ کتاب میرے پاس لے کر آئے تھے اور میں نے اس کو پڑھا ہے۔ (۳)

عمرو بن حزم نے اس جتنی دستاویز کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اکیس دیگر فرائض نبوی بھی فراہم کیے اور ان سب کی ایک کتاب تالیف کی؟ زمانہ نبوت کی سیاسی دستاویزوں اور سرکاری پروانوں کا اولین مجموعہ ہے۔

اس کی روایت مشہور محدث ابو جعفر الدیلمی نے لی ہے۔ چنانچہ اعلام السالکین عن کتب سید المرسلین کے نام سے ان طولوں نے جو کتاب لکھی ہے اور جو زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔ اس میں حضرت عمرو بن حزم کی یہ تالیف بطور ضمیمہ شامل اور محفوظ کر دی گئی ہے۔ آپ آئندہ پڑھیں گے کہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز نے ان ہی عمرو بن حزم کے پوتے قاضی ابوبکر کو تہذیب حدیث کے کام پر مامور کیا تھا۔ نیز امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ ہونے کے بعد جب صدقات کے بارے میں نبوی دستاویز کی تلاش ہوئی تو یہی دستاویز امیر عمر کو عمرو بن حزم کی اوراد کے پاس ملی تھی۔ چنانچہ حافظ دارقطنی فرماتے ہیں

ان عمرو بن عبدالعزیز حین استخلف ارسل الی المدینۃ یتلمس عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصدقات فوجدہ عند الی عمرو بن حزم کتاب الی صلی اللہ علیہ وسلم الی عمرو بن حزم فی الصدقات (۱)

”عمرو بن عبدالعزیز نے خلیفہ بننے کے بعد مدینہ اس مقصد کے لیے قاصد روانہ کیا کہ صدقات کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دستاویز تلاش کرے۔ یہ دستاویز عمرو بن حزم کی اوراد کے پاس ملی۔“

حافظ عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے مالک اور فوجداری حصہ کو ابو داؤد نسائی ابن حبان اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ امام زہری نے اس کو قاضی ابوبکر بن حزم سے روایت کیا ہے۔ چنانچہ امام ابو داؤد نے اپنے مراسل میں اسے درج کیا ہے۔ حافظ جمال الدین زطی نے مراسل ابی داؤد کے حوالے سے یہ دستاویز نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

نسخۃ کتاب عمرو بن حزم تلغاھا الاتمة الاربعة بالقبول وحی منوارۃ (۲)

”عمرو بن حزم کی کتاب کو چاروں اباسوں نے قبول کیا ہے۔ اور یہ حواش ہے۔“ بلکہ صاحب الروض الباسم نے بتایا ہے کہ حافظ ابن کثیر نے ارشاد میں اس کے سارے طریق پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ کتاب ائمہ اسلام میں زمانہ جدید و قدیم دونوں میں برتی جاتی رہی ہے۔ اور اس پر لوگوں کا اجماع درہا ہے۔

فہذا الكتاب معلق بين ائمة الاسلام قديماً وحديثاً يعملون عليه (۳) اور حافظ یعقوب بن سفیان یہاں تک فرما گئے۔ میرے علم میں عمرو بن حزم کی کتاب سے زیادہ کوئی کتاب صحیح نہیں ہے۔ صحابہ اور تابعین کا بھی یہ کتاب مسائل میں مرجع تھی۔

كان الصحابة والعامة يرجعون اليه ويدعون اراہم (۴)

(۱) دارقطنی ص ۲۱۰

(۲) نصب الراية للشافعية ص ۳۳۲ ج ۲

(۳) الروض الباسم ص ۳۳ ج ۱

(۴) الروض الباسم ص ۳۳ ج ۱

(۱) الاستیعاب: ص ۳۳۷ ج ۱ (۲) الاستیعاب: ص ۳۳۷ ج ۲ (۳) نسائی

حافظ محمد بن ابراہیم الوزير لکھتے ہیں کہ یہ امر واقعہ ہے کہ عمرو بن حزم کی کتاب کی مقبولیت پر صدر اول کا اجماع تھا۔

اجماع الصدور الاول علی قبول حدیث عمرو بن حزم (۱)

احادیث کی کتابوں میں اس کتاب کی جتنی حدیثیں منقول ہیں اور امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حافظ حدیث میں سلیمان بن داؤد الخورنی، امام احمد ابو حاتم ابو زرعہ داری اور ابن عری نے اسے خراج تحسین ادا کیا ہے (۲) اور تنقیح الاکار میں حافظ ابن کثیر کے حوالے سے لکھا ہے

اسی حدیث کو مسند ابی روایت کیا گیا ہے۔ اور مرسل بھی مسند ابن ابی شیبہ نے اس کو روایت کیا ہے وہ یہ ہیں۔ امام نسائی نے سنن میں امام احمد نے مسند میں امام ابو داؤد نے مراسل میں امام داری نے امام یعقوب بن یوسف بن سفیان امام ابو یعلیٰ نے اپنے مسند میں نیز حسن بن علی بن سفیان عثمان بن سعید عبد اللہ بن عبد العزیز بنوی نے ابو زرعہ دمشقی احمد بن الحسن ابن عبد الجبار صوفی حامد بن شعیب حافظ طبرانی اور ابن مہن نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے۔ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث موصول الاسناد ہے۔

اور اس حدیث کو جن لوگوں نے مرسل روایت کیا ہے۔ وہ ایک سے زیادہ ہیں۔ (۳)

کتاب الصدق:

اس تحریری دستاویز کے علاوہ دوسرا تحریری سرمایہ بھی خود نبوت علی کا ساختہ روایت صحابہ کے پاس موجود تھا۔ ابو داؤد اور ترمذی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدق تحریر فرمائی۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اس پر عمل کیا اور حضرت صدیق اکبر کے بعد حضرت فاروق اعظم کا بھی اسی پر عمل رہا۔ امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے اس نوشتہ کی حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔

(۲) دارقطنی: ص ۲۰۹

(۱) باروخ الہاس: ص ۲۵ ج ۱

(۳) تنقیح الاکار: ص ۲۵۰ ج ۲

اور امام ترمذی (۱) تو یہاں تک لکھ گئے۔

والعمل علی هذا الحدیث عند عامة اهل العلم۔ حضرت عمر کے بعد یہ دستاویز آپ کے خاندان میں ہی رہی۔ امام زہری کہتے ہیں کہ مجھے خود فاروق اعظم کے پوتے حضرت سالم نے یہ تحریر دکھائی ہے۔ میں نے اسے پڑھا ہے۔ اور اسے حرف بحرف زبانی یاد کیا ہے۔ قتال ابن شہاب المرابطہ سالم بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ (۲) اس کتاب کی بھی حضرت عمر بن عبد العزیز نے مدینہ میں گورنری کے زمانے میں حضرت سالم سے نقل لی تھی۔ اور زمانہ خلافت میں اسے اپنی قلمرو میں نافذ کیا تھا۔ (۳)

واضح رہے کہ حضرت سالم کو بھی عمر بن عبد العزیز نے مدینہ میں خن کے کام پر مامور فرمایا تھا۔ حافظ جمال الدین زطلی نے نصب الریثی میں مزید احادیث الہدیہ میں یہ پوری دستاویز نقل کی ہے۔ بہر حال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرسوات کا تحریری سرمایہ خود نبوت علی نے اپنے زمانے میں لوگوں کے لیے فراہم کیا تھا۔ اگرچہ محسوس و مرئی اسوۂ حسنہ کی موجودگی میں اس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اسی بنا پر جو دستاویزیں باہر زمانہ نہیں کی گئیں۔ ان میں صرف صدقات جیسی

(۱) محمد بن یحییٰ بن سوریہ نام ابو یحییٰ کیت: عرب کے قبیلہ سلیم سے کسی لگاؤ کی وجہ سے سلمیٰ اور ترمذی میں بود و باش کی وجہ سے ترمذی ہیں۔ سنن ترمذی: کتاب الاطعمی اور شمائل نبوی انکی مشہور تصانیف ہیں۔ حدیث کے مشہور اساتذہ کے سامنے رائے ادب طے کیا ہے۔ امام بخاری ان کے اساتذہ میں سے ہیں حاکم نے عمر بن خطاب کے حوالے سے بتایا ہے۔ کہ امام بخاری کی وفات کے بعد خراسان میں امام بخاری کا جانشین رہا و تقویٰ اور علم و حفظ میں ابو یحییٰ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ روئے روئے آنکھوں کی چٹائی سے محروم ہو گئے۔ اگرچہ امام ترمذی امام بخاری کے ارشد علامہ میں سے ہیں۔ مگر ان کو یہ شرف بھی حاصل ہے۔ کہ خود استاد نے ان سے حدیث کا سماع کیا ہے۔ بعض مواقع پر امام ترمذی نے اپنی جامع میں احادیث کی تصحیح کے سلسلہ میں امام بخاری اور مسلم سے اختلاف کیا ہے۔ تاریخ ولادت ۲۰۹ھ

اور وفات ۲۵۵ھ جب ۲۰۹ھ بمقام ترمذی ہوئی۔ (۲) دارقطنی: ص ۲۰۹

(۳) دارقطنی: ص ۲۰۹ (۴) تاریخ اھام (۵) نصب الریثی: ص ۳۳۸ ج ۲

چیز پیش پا افتادہ ضرورت کے لیے قید تحریر میں آئی تھی۔ باقی اسلام کے لیے خود اسوۂ حسنہ موجود تھا۔ لیکن جب مدینہ سے جانے والوں کے لیے دستاویزیں لکھی گئیں۔ تو اس میں صرف صدقات نہیں بلکہ الدیات، الفرائض اور السنن تک قلمبند کیے گئے۔ یہ چند نوشتوں کا حال ہے۔ ورنہ ان کے علاوہ مختلف قبائل کو تحریری ہدایات، خطوط کے جوابات، سلطانین وقت کے نام و دعوت نامے، معاہدات اور صلح نامے۔ اس قسم کا بہت سا تحریری سرمایہ حضور انورؐ نے چھوڑا ہے۔ علماء نے اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ مثلاً کتاب الاموال الامام ابو عبیدہ القاسم بن سلام التوفی ۳۳۳ھ اعلام السالکین حافظ ابن طوبون التوفی ۹۵۳ھ اور الوفاق لسیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

صحابہ کرام اور کتابت حدیث

حضور ہی کے زمانے میں حضور انورؐ کی اجازت سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مجموعے صحابہ کرام نے مرتب کیے۔ مثلاً:

صحیفہ صادق:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے حضورؐ کی اجازت سے آپ کے ارشادات لکھنے شروع کیے۔ کیوں کہ یہ تھے "خوفہ" فرماتے ہیں۔ کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کچھ سنتا تھا۔ حفظ کرنے کے ارادے سے قلمبند کرتا تھا۔ یہی لکھی ہوئی دستاویز ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب ہو گئی تھی۔ اسی کا نام انہوں نے صادق رکھا۔ فرماتے تھے۔ مجھے زندگی میں دو چیزیں مرغوب ہیں۔ (ربط و صادق) ربط وہ باغ جوان کے والد نے وقف کیا تھا۔ اور یہ اس کے متولی تھی۔ اور صادق کے متعلق فرماتے ہیں۔ (۱)

اما الصادقة فصحيحة كتبها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (۲)

"صادق یعنی دو صحیفہ جو میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھا ہے۔"

حافظ مستقانی فرماتے ہیں کہ یہی صحیفہ ان کی وفات پر ان کے پڑپوتے عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ و ملا تھا۔ (۳) حدیث کی کتابوں میں اس نام سے روایات کا جس قدر ذخیرہ ملتا ہے۔

(۱) جامع بیان العلم ص ۲ ج ۲ (۲) جامع بیان العلم ص ۲ ج ۲ (۳) تہذیب تہذیب تہذیب تہذیب

وہ اسی صحیفہ کا سرمایہ ہے۔ حافظ زبیلی نے اسے بھی عمرو بن حزم کی کتاب کی طرح متواتر قرار دیا ہے۔ امام ترمذی ایک دوسرے مقام پر قیصرانہ ہیں۔ اما اکثر اہل الحديث يمتنعون بحديث عمرو بن شعيب ويضعونه یعنی محدثین کی اکثریت عمرو بن شعیب کی احادیث کو صحیح اور قابل استدلال سمجھتی ہے (۱)۔ عبداللہ کے پڑپوتے یعنی عمرو بن شعیب کی ثقاہت میں کسی کو کوئی کلام نہیں اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ یہ صحیفہ حضرت عبداللہ ہی کا نوشتہ ہے۔ لیکن چونکہ ان کے والد کا انتقال اپنے والد کی زندگی ہی میں ہو گیا۔ اس لیے محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ شعیب نے دادا سے پڑھا ہے کہ نہیں؟ اگر پڑھا ہے تو سماع متصل ہے۔ اگر نہیں پڑھا تو سماع مرسل ہے۔ حافظ مستقانی سید الحافظ یحییٰ بن محسن سے نقل ہیں۔

وحد شعيب كتب عبدالله فكان يرويها عن جده هر سلا وهي صحيح
عن عبدالله بن عمرو غير انه لم يسمها۔

"شعیب نے عبداللہ کی کتابیں پائی ہیں اس لیے ان کتابوں کے ذریعے اپنے دادا سے ان کی روایات مرسل ہیں۔

یہ تو ایک محدثانہ عرف ہے ورنہ آج بھی ہم حدیثیں جن کتابوں سے نقل کرتے ہیں۔ تو ایک یکنے کے لیے نہیں سوچتے کہ خود بیان کرنے والے کا کتاب کے مؤلف سے استنادی رشتہ متصل ہے یا نہیں۔

در اصل محدثین کے یہاں بہ نسبت کتابوں کے حافظ پر زیادہ اہتمام کا اسی طرح رواج تھا۔ جیسے ہمارے عرف میں حافظ کے مقابلے میں کتابوں پر اعتماد کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس دور میں کتابت گویا اہل علم میں ایک بہت بڑی کمزوری سمجھی جاتی تھی۔ اور ان کا یہ طرز عمل صرف استنادی رشتہ کو متصل کرنے کے لیے ضروری تھا۔ لیکن آج کی دنیا میں بہ نسبت راوی کے خود مؤلف کی ذات پر اہتمام ہے۔ اس لیے اس نظریہ کا مقام محدثانہ اصطلاح سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ یہ نسخہ حضرت شعیب کو اپنے دادا سے وراثت میں ملا ہے خواہ شعیب نے دادا سے پڑھا یا نہیں

(۱) جامع ترمذی ص ۲۳۲ ج ۱

اور کتب حدیث میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے جس قدر احادیث کا ذخیرہ ہے۔ وہ سب اسی صحیفہ علمی کا سرمایہ ہے۔ ان کی روایات کی تعداد سات سو ہے۔ مسند امام احمد میں ان کی حدیثیں ۱۳۳ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ (۱)

(۱) مصنف کی حدیث میں اس استادی سلسلے کے ساتھ جو وہ عن ابیہ عن جدہ کر کے لاتے ہیں علماء کے مابین یہ اختلاف ہے کہ اس ذریعے سے آئی ہوئی مصنف کی روایات میں حجت و استدلال کی صلاحیت ہے یا نہیں۔ اگرچہ محدثین کی اکثریت حسب تصریح امام ترمذی اسے حجت سمجھتی ہے۔ مگر کچھ کی رائے میں ان کی یہ روایات قائل حجت نہیں ہیں۔ اس اختلاف کا باعث یہ ہے کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ میں جدہ کی ضمیر کا مرجع کون ہے۔ اگر ضمیر کا مرجع خود عمرو کی ذات ہے۔ تو اس صورت میں عمرو کے دادا محمد بن عبداللہ ہیں اور حاصل یہ ہے کہ روایت عمرو نے اپنے والد شعیب سے سنی ہے اور شعیب نے عمرو کے دادا محمد بن عبداللہ سے سنی ہے اور معلوم ہے کہ شعیب کے دادا صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں۔ اس لیے اصطلاحی محدثین میں یہ حدیث مرسل ہے۔ اور اگر جدہ کی ضمیر کا مرجع عمرو نہیں بلکہ شعیب ہے تو مطلب یہ ہے کہ عمرو نے روایت اپنے والد شعیب سے سنی اور شعیب نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو صحابی سے سنی ہے تو اس صورت میں یہ حدیث مرفوع متصل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع جن کے خیال میں شعیب ہے ان کی رائے میں عمرو کی روایات قائل حجت ہیں کیونکہ شعیب کی ملاقات عبداللہ بن عمرو سے ثابت ہے اور جو لوگ جدہ کی ضمیر کا مرجع عمرو بتاتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ روایات تاریخی طور پر صحیح نہیں ہیں۔ اسی بنا پر حافظ دارقطنی نے تصریح کی ہے کہ جن اسانید میں دادا کے نام کی تصریح آجائے وہ اصح الاسانید ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ۔ امام احمد امام علی ابن اللہ بنی امام اسحاق بن راہویہ امام ابو سعید اور ہمارے عام اصحاب کی رائے میں یہ سلسلہ سند قائل حجت ہے۔ امت میں سے کسی نے اسے رد نہیں کیا ہے۔ امام بخاری پوچھتے ہیں کہ ان ائمہ کے بعد اور کون ہے؟ بلکہ امام اسحاق نے تو اس سلسلہ سند کو ابوب منافع عن ابن عمر سے تشبیہ دی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ تشبیہ اس سلسلہ سند کی جلالت قدر کو آشکارا کرتی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے

ان الاحتجاج به هو الصحيح المختار الذي عليه المحققون من اهل الحديث وهم اهل هذا الفن وهم يروونه.

صحیفہ علی مرتضیٰ

یہ صحیفہ چڑے کے ایک قیلے میں تھا جس میں یہ صحیفہ بنام سمیت ۳۲ جات تھیں۔ اس کے متعلق خود حضرت علی کا بیان ہے۔ ما کتبنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لفران وما فی هذه الصحیفة۔ (۱) یعنی ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن اور اس کے صحیفہ کے سوا کچھ نہیں لکھا۔ یہ وہی صحیفہ ہے جس کے متعلق صحیح بخاری میں حضرت علی کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ سے منقول ہے کہ مجھے میرے والد نے بھیجا اور کہا کہ یہ کتاب لو اور حضرت عثمان بن عفان کے پاس لے جاؤ اس میں صدقہ کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام (۲) ہیں۔ نیز اس کتاب میں زکوٰۃ کے علاوہ خون بہا قیدیوں کی رہائی قصاص حرم مدینہ کے حدود وغیرہ کی طرف نسبت کا حکم نقل عہد غیر اللہ کے نام پر ذبح وغیرہ مسائل و احکام درج تھے۔

صحیفہ صدیقی

حضرت صدیق اکبر نے جب حضرت انس کو بحرین کا اپنی کشتی مقرر کیا تو حکومت کے واجبات کے بارے میں ایک یادداشت ان کو لکھ کر دی۔ اس دستاویز کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم هذه لفریضة انصافه التي فرض رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علی المسلمین والتي امر الله بها (۳) امام بخاری (۴) نے اس نوشتہ کی روایت کو کتاب الزکوٰۃ کے تحت مختلف ابواب میں درج کیا ہے اور امام ابو داؤد نے اس

(۱) صحیح بخاری (۲) صحیح بخاری (۳) جامع بیان العلم من ائمتنا (۴) کنیت ابو عبداللہ نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن الحارث بن عبدالمطلب کے صاحبزادے بیان بھی کے دست مبارک پر شرف بہ اسلام ہوئے اس لیے ان کو نسبت ولایت کی وجہ سے بھی کہتے ہیں۔ حافظ مستطانی لکھتے ہیں کہ امام بخاری کے دو ابراہیم بن مغیرہ کے حالات کا تاریخ سے ہمیں کوئی پتہ نہیں چلا لیکن امام بخاری کے والد محترم امام مالک امام حماد بن زید کے شاگرد اور عبداللہ بن المبارک کے صحبت یافتہ ہیں۔ اسماعیل اور امام ابو حفص کبیر رضی کے درمیان بہت خلعتانہ محبت تھی۔ اسماعیل کی وفات کے وقت امام (۵) باقی صفحہ ۱۶۲ پر

محیفہ کو حدیث کے مشہور امام حماد بن (۱) سلمہ سے روایت کیا ہے۔ جس میں حماد خود تصریح کرتے ہیں کہ میں نے خود ثمامہ سے اس نوشتہ کو حاصل کیا ہے (۲) امام حاکم نے یہ دستاویز نقل کی ہے (۳) حافظ ابو جعفر طحاوی نے بھی یہ دستاویز بحوالہ حماد بن سلمہ بتائی ہے۔ مگر اس میں حماد بن سلمہ کی یہ

﴿بقیہ صفحہ ۱۶۱﴾ ابو حفص کبیر موجود تھے۔ اس وقت ان سے اسامیل نے کہا تھا کہ میں اپنے مال میں ایک درہم بھی حرام یا شبہ کا نہیں پاتا (مقدمہ ص ۴۸) یہ تعلقات اسامیل کی وفات کے بعد بھی دونوں خاندانوں میں برابر استوار رہے۔ چنانچہ امام بخاری اور امام ابو حفص کبیر نے امام بخاری کو اس قدر مال تجارت دیا تھا۔ جس کو کچھ تاجروں نے پانچ ہزار کے نفع سے خرید لیا اور کچھ اس سے زائد نفع دے کر خریدنے کو آمادہ تھے۔ لیکن امام بخاری نے اپنے ارادے کو بدلنا پسند نہ کیا۔ (مقدمہ فتح) حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ابو حفص کبیر کو (جو امام ابو یوسف اور امام محمد کے شاگرد ہیں) امام بخاری کے ساتھ میں شمار کیا ہے۔ اور ان کے حق میں ابو حفص کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "اس کا شہرہ ہو گیا" امام بخاری جمعہ کے دن ۱۳ شوال ۱۹۳ھ میں پیدا ہوئے خود فرماتے ہیں کہ میرا وہ سال کی عمر میں نے امام اعظم کے دونوں شاگردوں امام کعب اور امام عبد بن مبارک کی کتابیں نوک زبان کر لی تھیں۔ انھارہ سال کی عمر میں آپ صاحب تصنیف ہو چکے تھے۔ آپ کی تصانیف اگرچہ کافی ہیں لیکن ان میں السنہ ابی معالج المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولسنہ وایامہ جو صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے۔ سب سے زیادہ معرکہ کی کتاب ہے یہ صرف حدیث ہی کی نہیں بلکہ علوم و احوال کا خلاصہ ہے۔ تاریخ وفات کیم شوال ۲۵۶ھ ہے۔

(۱) امام دہلوی نے ان کا تذکرہ امام ابو حفص شافعی کے پرشکوہ القاب سے کیا ہے۔ کنیت ابو سلمہ اور نام حماد بن سلمہ بصرے کے رہنے والے ہیں۔ حافظ عبد القادر قرطبی نے الجواہر المصنوعہ میں حافظ بزاز نے مناقب میں ان کو امام اعظم کے تذکرہ میں شمار کیا ہے۔ شہاب بن قیس کہتے ہیں کہ امام حماد کو ابدال میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ حافظ دہلوی نے انکشاف کیا ہے۔ کہ اسلام میں سعید بن عروبہ کے ساتھ پہلے مصنف ہیں۔ امام عبد الرحمن مہدی نے ان کی پارسائی کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے۔ اگر حماد سے کہا جائے کہ تو کوکل مراد ہے تو یہ عمل میں اضافہ نہیں کر سکتے یعنی پہلے سے ہی اس قدر ہمہ گیری ہے۔ معاف بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ عادت دیکھی لیکن ان سے زیادہ خیر قرأت قرآن اور عمل بوجہ اللہ پر میں نے سواہب کوئی نہیں دیکھا۔ اس ذی الحجہ بعد نماز صبح ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابوداؤد ص ۳۳۵ (۳) مستدرک حاکم ص ۳۹۰ ج ۱

تصریح بھی ہے کہ مجھے ثابت البتانی نے یہ دستاویز لینے ثمامہ بن عبد اللہ کے پاس بھیجا انہوں نے مجھے یہ دستاویز دی۔ میں نے دیکھا ہے کہ فاذا علیہ خاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر تھی۔ (۱)

محیفہ جابر:

حافظ ذہبی (۲) نے تذکرے میں حضرت قتادہ کے ترجمے میں لکھا ہے کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ بصرہ میں سب سے زیادہ حافظ تھے ان کے سامنے حضرت جابر کا محیفہ پڑھا گیا تو ان کو ازبر ہو گیا۔ قرات علیہ صحیفہ جابر مرة فحفظها حضرت جابر کا محیفہ ایک بار پڑھا گیا تو ان کو ازبر ہو گیا (۳) حافظ عسقلانی نے طلحہ بن مافع کے ترجمہ میں سفیان بن عیینہ اور امام شعبہ دونوں کا بیان لکھا ہے کہ حدیث ابی صعبان عن جابر اصحابی صحیفہ۔ ابوسفیان جو حضرت جابر کی حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ وہ محیفہ جابر ہی سے نقل کرتے ہیں۔ (۴)

(۱) شرح معانی الآثار ص ۳۱۶

(۲) کنیت ابو عبد اللہ نام محمد بن احمد بن عثمان الترکانی الاثقی الذہبی ہے۔ علامہ تاج الدین ابی نے محدث العصر خاتم الحفاظ امام احمد لکھا ہے۔ فقہ حدیث تاریخ تجوید رجال میں بے مثال تھے۔ ان مکتبہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ امام اعظم کی میرت پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ میں ایک مقام پر علم الحدیث اور طلب الحدیث پر ایک بڑا مفید نوٹ لکھا ہے۔ ۹۷۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اور تاریخ وفات ۲۵۶ھ ہے۔

(۳) تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۶ ج ۱

(۴) تہذیب ترجمہ طلحہ بن مافع

مصحف سرہ:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام حسن (۱) بصری کے ترجمے میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت سرہ بن جندب سے ایک بہت بڑا نسخہ روایت کیا ہے جس کی بیشتر حدیثیں سنن اربعہ میں موجود ہیں امام علی بن المدینی اور امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ اس نسخہ کی سب حدیثیں انہوں نے سنی ہیں۔ لیکن یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ یہ سب حدیثیں اسی نوشتہ کی ہیں۔ اسی نسخہ کو امام حسن بصری کے علاوہ خود حضرت سرہ کے صاحبزادے نے بھی ان سے روایت کیا ہے۔ چنانچہ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں۔ سلیمان روی عن ابیہ نسخة کبيرة (۲)

مصحف صحیحہ:

یہ اصل میں حضرت ابو ہریرہ کی تالیف ہے۔ جو انہوں نے اپنے شاعر ہمام بن منہب کے لیے ترتیب دی تھی۔ چونکہ حضرت ابو ہریرہ سے اس صحیفہ کے راوی ہمام ہیں۔ اس لیے صحیفہ ہمام کے نام سے مشہور ہو گیا۔ دراصل اس کا نام صحیفہ ابی ہریرہ ہمام بن منہب ہونا چاہیے۔

(۱) الحسن بن ابی الحسن نام۔ ابو سعید کنیت مدنیہ میں نشوونما پائی۔ شہادت عثمان کے وقت چودہ سال عمر تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ، عمران بن حصین، مغیرہ بن شعبہ اور ان کے علاوہ چند در چند صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ ان کی عادت تھی کہ مرسل حدیثیں پیش فرماتے یعنی تابعی ہونے کے باوجود ارشاد کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے اپنے اور حضور کے درمیان واسطہ کا ذکر نہ کرتے جیسا کہ عموماً سعید بن المسیب، کھول دمشقی، ابراہیم نخعی اور دیگر اکابر تابعین کا معمول تھا۔ امام محمد بن جریر فرماتے ہیں۔ ان الساس بأسرہم علی قبول المرسل فابین سارے کے سارے مرسل کے قبول کرنے پر متفق تھے۔ امام علی بن المدینی فرماتے ہیں۔ کہ امام حسن بصری کے مراسلات صحیح ہیں (خلاصہ) ان کے متعلق امام اعظم کی کتاب لا ہمار میں فرماتے ہیں کہ میں نے امام باقر سے سنا ہے کہ عراق میں حسن بصری جیسا کوئی نہیں۔ ص ۲۰۹ تاریخ وفات ۱۱۰ھ۔

(۲) تہذیب: ص ۹۳ ج ۲

آپ پہلے سن چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ صحابہ میں سے اگر کسی کی حدیث دانی کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتے تھے تو وہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص تھے۔ موصوف نے الصحیفۃ الصادقہ کے نام سے احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ شاید حضرت ابو ہریرہؓ نے ان ہی کی تقلید میں اپنی تالیف کا نام الصحیفۃ العجمیہ رکھا ہے۔ بہر حال یہ تالیف عبد صحابہ کی یادگار ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کو دمشق اور برلن میں اس کے دو قلمی نسخے ملے ہیں۔ بڑی تحقیق و جستجو کے بعد انہوں نے پہلی صدی ہجری کی اس گراں مایہ تالیف کو شائع کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مقابلہ کرنے پر نظر آتا ہے کہ بعد کے مولفوں نے مفہوم تو کیا کوئی لفظ تک نہیں بدلا۔ اس صحیفہ کی ہر حدیث نہ صرف صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے ملتی ہے بلکہ مسند احمد میں آج بھی یہ پورے کا پورا رسالہ بلا حذف و اضافہ موجود ہے۔ اس سے متعلق تفصیلات کے لیے صحیفہ ہمام بن منہب کا مقدمہ دیکھئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہم نے زمانہ صحابہ میں حدیث کی تدوین پر ان تالیفات کا تذکرہ لوگوں کی پھیلائی ہوئی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے کیا ہے کہ حدیث کی تدوین ایک سو سال بعد ہوئی ہے۔ یاد رکھئے یہ بہت بڑا سنگین مغالطہ ہے۔ حدیث کے موضوع پر تالیف و تصنیف کے اس قدر سرمایہ ہونے کے باوجود یہ سمجھنا تاریخ سے بہت بڑی بے انصافی ہے۔ اس موضوع پر ڈاکٹر محمد صالح نے علوم الحدیث میں تفصیلی بحث کی ہے۔

یہ صی پ کرام کے چند نوشتے ہیں جو بہت سی احادیث پر مشتمل ہیں یا جو مستقل کتاب یا صحیفہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ورنہ اگر صحابہ کی ان تمام تحریروں کو یک جا کیا جائے۔ جس میں انہوں نے کسی حدیث کا تذکرہ کیا ہے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ تدوین حدیث کے کام کا آغاز دور نبوت ہی میں ہو چکا تھا اور پھر دور صحابہ میں بھی یہ کام ہوتا رہا تحریری بھی تقریری بھی۔ لیکن زیادہ تر توجہ تقریری طور پر کام کرنے کی طرف مبذول تھی کیونکہ عرب والوں کی تاریخ اور ان کی معاشرت میں علمی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کا پہلے سے یہی طریقہ رائج تھا۔ وہ اپنے تمام شجرہ و بائے نسب اہم تاریخی واقعات

جنگی کارنامے بڑے بڑے خطبے لیے قصیدے اور نظمیں سب زبانی یاد رکھتے تھے۔ قرآن پاک نازل ہوا تو اس نے اپنے لیے اسی طریقے کو سراہا اور خود نبوت اور صحابہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔

ہل ہواہات ہینات فی صدور الذین اوتوا العلم۔

”بلکہ وہ آیتیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم ملا ہے۔“ (۱)

یہی طریقہ ارشاد نبوت کو محفوظ رکھنے کے لیے صحابہ نے اختیار کیا ہے اور خود ذات نبوت نے بھی ان کو ایسا ہی کرنے کو کہا تھا۔ چنانچہ وفد عبد القیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب حاضر ہوا تو آپ نے وفد کو زبانی ہدایات سے نوازا تو یہ خصوصی ہدایت بھی فرمائی کہ

احفظوہن ”ان کو زبانی یاد کرلو۔“ (۲)

حدیث کا بیان کرنے والے صحابہ کرام

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جن صحابہ کرام کے ذریعے احادیث کا ذخیرہ امت کو ملا ہے اور تاریخ احکام یا تاریخ سنت کی معلومات کا سرمایہ جن اکابر کی وساطت سے کتابوں میں آیا ہے ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے صرف چار ہزار مرد و زن ہیں۔

چنانچہ امام حاکم لکھتے ہیں:

(۱) یعنی جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے پڑھا نہیں ایسے یہ دین جو وہ لے کر آئے ہیں۔

ان کے صحابہ (جن کو اللہ کی جانب سے علم ملا ہے) کے ذریعے بن لکھے سید بسید جاری ہو گا اللہ کے فضل سے ان کے ہی سینے اس کے الفاظ و معانی کی حفاظت کریں گے الفاظ کی حفاظت کرنے والوں کو حفاظ و قراء اور معانی کی نگرانی کرنے والوں کو فقہاء مجتہدین کہتے ہیں صراط مستقیم یہی ہے کہ دین کے پہنچانے میں حفاظ و قراء پر اور دین کے بچنے میں فقہاء پر اعتماد رکھے دونوں میں سے کسی ایک میں بھی خود رائی کرنا خسارے کو مول لینا ہے۔ اور غالباً حدیث افتراق میں ما انا علیہ واصحابی سے بھی

یہی مآثرات تصود ہے۔ (۲) الخیرات الحسان: ص ۱۰

فہرستی عہ صلی اللہ علیہ وسلم من الصحابة لاربعة الاف رجل و امرأة (۱)
”صحابہ میں سے صرف چار ہزار مرد و زن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات بیان کی ہیں۔“

اتنی بڑی تعداد میں سے اس گلیل مددی کے ذریعے علوم نبوت ہم تک پہنچنے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ میں ہر شخص یہ کام نہ کرتا تھا۔ بلکہ خاص خاص وہ حضرات ہی کرتے تھے۔ جن کو اپنی قوت حافظہ پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اور یہ بھی بہت احتیاط کے ساتھ روایت کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے ازلة الخفا میں لکھا ہے:

قاروق اعظم عبد اللہ بن مسعود رابا جسے کوفہ فرستاد معتزل بن یسار و عبد اللہ بن معتزل و عمران بن حصین رابا بصرہ و عبادہ بن الصامت و ابو الدرداء رابا بصرہ و معاویہ بن ابی سفیان رابا کہ امیر شام بود قہ فن بلخ لوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند۔ (۲)

قاروق اعظم نے عبد اللہ بن مسعود کو ایک جماعت دے کر کوفہ روانہ کیا معتزل بن یسار و عبد اللہ بن معتزل اور عمران بن حصین کو بصرہ اور عبادہ ابن الصامت ابو الدرداء کو شام معاویہ ابن ابی سفیان کو جو کہ شام کے امیر تھے پوری تاکید فرمائی۔ کہ ان کی حدیث سے تجاوز نہ کریں۔

یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ صحابہ میں یہ کام ہر شخص نہیں کرتا تھا اور جو کرتے تھے ان میں بے حد فرق مراتب تھا۔ اس فرق مراتب کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ سب سے

زیادہ احادیث کی تعداد جن حضرات سے آئی ہے وہ صرف چار ہیں۔ مثلاً
حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت عائشہؓ
صدیقہؓ ان کے بعد اس سے کم تعداد والے تین ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت جابر بن عبد اللہؓ حضرت ابو سعید خدریؓ جن صحابہ کی روایات ہزار سے زیادہ نہیں وہ صرف دس ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت علی بن ابی طالبؓ
حضرت عمر الخطابؓ حضرت ام سلمہؓ حضرت ابوسوی اشعریؓ حضرت براء بن عازبؓ
حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت ابوامارہ باہلیؓ

دوسرے جن کی روایات سے زیادہ ہیں۔ وہ تعداد میں انہیں ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عثمان غنیؓ حضرت عمارہ بن الصامتؓ حضرت
عمران بن حصینؓ حضرت ابوالدرداءؓ حضرت ابو قتادہؓ حضرت بريدةؓ حضرت ابی بن
کعبؓ حضرت معاویہؓ حضرت ابویوب انصاریؓ حضرت مغیرہؓ حضرت ابوبکرؓ
حضرت نعمان بن بشیرؓ حضرت ابوسعید انصاریؓ حضرت جریر بن عبداللہؓ حضرت سہل
بن سعدؓ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت اسامہ بن زیدؓ حضرت ثوبانؓ

ان کے بعد پیغمبروں سے نیچے احادیث بیان کرنے والے صرف چوراسی ہیں۔

انہیں حدیثیں بیان کرنے والے صرف دو صحابی ہیں۔

انصار حدیثیں بیان کرنے والے صرف چھ صحابی ہیں۔

سترہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف تین صحابی ہیں۔

سولہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف تین صحابی ہیں۔

پندرہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف چار صحابی ہیں۔

چودہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف گیارہ صحابی ہیں۔

تیرہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف سات صحابی ہیں۔

سب سے زیادہ تعداد ایک ارشاد بیان کرنے والے صحابہ کی ہے۔ اس کے بعد پھر

تیس باقرہ تیب بنی ہاشم (۱)

اور جن صحابہ کے ذریعے امت کو اپنے پیغمبرت پر علم کی میراث ملی ہے۔ علماء نے ان
کی زندگیوں پر مفصل اور مبسوط کتابیں لکھی ہیں۔ سب سے قدیم کتاب اس موضوع پر اُمرچہ
سیوطی کے خیال میں امام بخاری کی تاریخ ہے۔ لیکن اس سے زیادہ قدیم کتاب اس موضوع پر

طبقات ابن سعد ہے صحابہ کے حالات میں اس سے پہلے اسی بڑی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔
یہ کتاب عرصہ سے مفقود تھی اب یورپ میں چھپ گئی ہے۔ اس کے بعد دوسری کتابیں منصف
وجود پر آئی ہیں۔ طبع شدہ کتابوں میں سب سے مبسوط حافظ ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ فی تمیز
الاصحاب ہے۔ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے۔ اس میں کل صحابہ ۱۲۴۷ کے تراجم آئے ہیں۔
ابن سعد نے طبقات میں تمام صحابہ کو پانچ طبقوں اور امام حاکم نے بارہ طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔
طبقات صحابہ یہ ہیں

• وہ لوگ جنہوں نے مکہ میں مسلمان ہونے میں پہل کی جیسے خلفاء راشدین۔

• وہ لوگ جو مشرکین مکہ کے دارالندوہ میں مشاوت سے پہلے مسلمان ہوئے۔

• مہاجرین حبشہ۔

• اصحاب عقبہ اولی۔

• اصحاب عقبہ ثانیہ۔

• وہ مہاجرین جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ جاتے ہوئے قبا میں ملے۔

• اصحاب بدر۔

• وہ صحابہ جنہوں نے بدر اور حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی ہے۔

• اصحاب بیعت الرضوان۔

• وہ صحابہ جو حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان مہاجر ہوئے۔

• وہ صحابہ جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے۔

• وہ بچے جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مکہ کے دن اور حجۃ الوداع میں

زیارت کی۔

صحابہ کرام میں حفاظ و فقہاء

پھر صحابہ کرام میں خدمت دین کا کام علمی طور پر دو حصوں میں تقسیم تھا۔

کچھ تو وہ تھے جن کا کام صرف محفوظ سرمایہ کے آگے پہنچانا تھا۔ یہ احادیث روایت

کرتے تھے۔ کچھ وہ تھے جن کا کام قرآن و حدیث کے محفوظ سرمائے سے مسائل کا استنباط اور ان میں تھقلہ اور تہ برتھا۔ اس سلسلے میں حدیث ابی موسیٰ اشعریٰ پر حافظ ابن القیم کی تصریحات آپ پڑھ چکے ہیں۔ ان دونوں طبقوں میں باہم علمی مسائل پر اپنے اپنے فن کے لحاظ سے گفتگو بھی ہوتی اور فقہاء کی جانب سے ان حفاظ پر فقہی اعتراض بھی ہوتے تھے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی پیش کیا۔

لوگو! اس چیز سے وضو کرو جسے آگ نے بدل دیا یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں تو گرم پانی سے وضو کرتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا میرے بھائی! جب تم حضور انور کا ارشاد گرامی سنو تو اس کے لیے مثالیں نہ تراش۔ مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ ابو حسان الاعرج کہتے ہیں کہ دو شخص حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے اور انہوں نے ان کو بتایا کہ حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کرتے ہیں کہ

انما الطيرة في المرأة والدابة والدار۔

”بے شک شگون عورت، سواری اور گھر میں ہے۔“

حضرت عائشہؓ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے قرآن ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ایسا نہیں ہے۔ حضور تو یوں فرماتے تھے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا کہنا یہ تھا۔ کہ شگون عورت، گھر اور گھوڑے میں ہے۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ما اصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتاب۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بات کا آخری حصہ سنا آغاز نہیں سنا جتنا سنا بیان کر دیا۔

مسند ابی داؤد طیلسی میں ہے کہ حضرت علقمہؓ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہؓ کے پاس تھے ابو ہریرہؓ آئے حضرت عائشہؓ نے کہا اے ابو ہریرہؓ کیا تم یہ حدیث بیان کرتے ہو کہ حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت کو ملی کے باندھنے کھانا چاہنا بند کرنے کی پاداش میں عذاب ہوا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ جی ہاں میں نے حضورؐ سے ایسا ہی سنا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ پتہ ہے کہ یہ عورت کون تھی؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ یہ عورت کافرہ تھی۔ خوب یاد رکھو اللہ سبحانہ کے نزدیک مومن کا اس سے کہیں زیادہ اکرام ہے کہ وہ اسے صرف ایک ملی کی وجہ سے عذاب دے۔

یاد رہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ پر حضرت عائشہؓ کے ان تعقیبات سے یہ شبہ ہرگز نہ کرنا چاہیے کہ اس سے حضرت ابو ہریرہؓ کی شان فقہیت پر کوئی حرف آتا ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کے تعقیبات صرف حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان کی جانب سے ایسے تعقیبات تو ان پر بھی ہیں جو فقہیت میں معروف اور کثیر القیادہ ہیں۔ مثلاً فاروق اعظمؓ، علی بن ابی طالبؓ۔

ابن سعد نے طبقات میں ابن القیم نے اعلام میں حضرت ابو ہریرہؓ کو ابن صحابہ میں شمار کیا ہے جو بیان قادی و مسائل میں درمیانے درجہ پر تھے۔ کسی صحابی کے کثیر الحدیث اور ضبط و حفظ میں شہرت پالینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ حدیث القیادہ ہے۔ اگر کثرت حدیث اور اسناد و روایت کی فن کاری کی وجہ سے ارباب طبقات نے امام احمد اور امام بخاری کو فقہاء میں شمار نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام احمد اور امام بخاری فقیہ نہ تھے۔ یقیناً تھے لیکن دوسرے ارباب فن کی طرح ان کا یہ فن نہ تھا۔ ایسے ہی حضرت ابو ہریرہؓ یقیناً فقیہ تھے مگر فاروق اعظمؓ، علی بن ابی طالبؓ اور ابن مسعودؓ کی طرح فنکار نہ تھے ان کی فنکاری تحدیث و روایت تھی۔ علامہ عبد العزیز بخاری نے کشف الاسرار میں حافظ ابن الہمام نے آخر میں حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المصیۃ میں یہ بات پوری قوت کے ساتھ واضح کی ہے۔ حافظ ابن الہمام لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ فقیہ ہیں۔ اور اسباب اجتہاد سے مالا مال تھا۔ (۱)

حافظ عبدالقدیر قرشی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ فقید تھے ان کو حافظ ابن حزم نے فقہاء صحابہ میں شمار کیا ہے۔ شیخ تقی الدین السبکی نے ان کے فتویٰ کتابی صورت میں جمع کیے ہیں۔ (۱)

یہ امر آخر ہے۔ کہ دوسرے صحابہ کے مقابلے میں ان کو فنی شہرت نہ ہو جیسا کہ ابوالصیب میں ابن القیم حافظ بن حزم کے حوالہ سے رقمطراز ہیں۔
ابن عباسؓ کے فتویٰ تفسیر اور مسائل کا حضرت ابو ہریرہؓ کے فتویٰ سے کیا مقابلہ اور کیا نسبت؟ بے شک حضرت ابو ہریرہؓ حفظ میں صاحب مقام ہیں بدلی الاطلاق پوری امت میں حفاظ ہیں۔ حدیث کو جیسا کہ آگے پیش کرتے ہیں۔ ان کی ساری توجہات کا مرکز حفظ حدیث و ان محفوظ حدیثوں کو آگے پہنچانا ہے۔ اور ابن عباسؓ کی توجہ کا مرکز فقہ اور استنباط مسائل ہے۔ لیجئے خود ان کے الفاظ پڑھ لیجئے۔

فكانت همته مصروفة الى الحفظ و تبليغ ما حفظ كما سمعه و همته

ابن عباس مصروفة الى التفقه و الاستنباط۔ (۲)

”ابو ہریرہؓ کی مسدود توجہ حدیثوں کے یاد کرنے اور یاد شدہ حدیثوں کے پہنچانے پر لگی تھی۔ ورنہ ابن عباسؓ کی ہمت و توجہ کا مرکز فقہ فتویٰ اور استنباط مسائل تھا۔“

اسی بنا پر اصول کی کتابوں میں یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ان صحابہ کی حدیثوں کو جو فقہ و اجتہاد میں معروف ہیں ترجیح دی جائے۔ برخلاف ان کے جو فقہ و اجتہاد میں نہیں بلکہ صرف عداوت، غنا میں ممتاز و مشہور ہیں۔ ان کی حدیث کو رائج نہیں قرار دیا جائے گا۔ فقہ و اجتہاد میں شہرت رکھنے والوں کی مثال میں خلفاء راشدین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابی بن حنیبلہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کا نام آیا ہے۔ اور حفظ و عداوت میں شہرت رکھنے والوں کی مثال میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ، مالکؓ، حضرت سہان فارسیؓ اور حضرت یاسرؓ کا نام لیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں

ان عرف بالفقہ و التقدم في الاجتهاد كالعلماء الراشدين كان حديثه حجة وان عرف بالعدالة و العبط دون الفقه كانس و ابي هريرة۔

”اگر فقہ اور اجتہاد میں مشہور ہو جیسے خلفاء راشدین تو اس کی حدیث حجت ہے اور اگر کوئی عدالت و ضبط و ضبط حدیث میں مشہور ہو۔ مگر فقہ میں شہرت نہ رکھتا ہو۔ جیسے ابو ہریرہؓ اور انسؓ۔“

اب سابقہ بیانات کی روشنی میں آپ ہی فیصلہ فرمائیے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت فاروقؓ کو کس چیز میں شہرت حاصل ہے۔ یقیناً حضرت ابو ہریرہؓ کو حفظ میں اور حضرت فاروقؓ کو فقہ و اجتہاد میں اس سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک حضرت ابو ہریرہؓ فقید نہیں ہیں۔ حاشا تم حاشا فقید ہیں۔ مگر حضرت ابن عباسؓ، حضرت فاروقؓ، امام اعظمؒ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرح فقہ میں معروف نہیں۔ اور کسی فن میں شہرت نہ ہونا کوئی عیب نہیں یہ تو فرق مراتب ہے۔

حافظ زرکشی نے حضرت عائشہؓ کے ایسے تعقیبات کو ایک رسالہ نامی ”الاجابہ فیما يستدرك عائشة على الصحابة“ میں جمع کر دیا ہے۔ یہ رسالہ مصر میں طبع ہو چکا ہے۔ حافظ سیوطی نے اپنی عادت کے مطابق اسی کی تلخیص ”معین الاجابہ فی استدراک عائشہ علی الصحابہ“ کے نام سے کی ہے۔ یہ طبع معارف اعظم گڑھ و مکتبہ دارالعلوم میں طبع ہوا ہے۔

الفرض بتانا یہ پڑتا ہوں کہ صحابہ میں اس لحاظ سے فرق مراتب تھا اور فرق مراتب کی یہی میراث تابعین اور تبع تابعین کو بھی صحابہ سے ملی ہے۔

اور یہاں سے یہ حقیقت بھی الم شرح ہو گئی کہ حضرت فاروقؓ اعظمؓ کے متعلق جو یہ تصریحات ملتی ہیں کہ

الفلو الرواية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرو۔“

یہ حضرت قرظؓ کا یہ کہنا کہ۔ نہ تھا عمرو (منع کیا ہم کو عمرؓ نے) اور یا حضرت ابو ہریرہؓ ابوسلمہ کے سوال پر یہ کہنا کہ

لو كنت احديث في زمان عمر مثلما احديثكم بصورتي بمحقة (۱)
 "اگر میں زمانہ عمر میں ایسے حدیث بیان کرتا جیسے تم سے کرتا ہوں تو مجھے وہ ورے لگاتے۔"

تو ان کا منہ وہ نہیں جو عموماً آج سمجھا گیا ہے۔ بلکہ اس کا پس منظر یہ ہے کہ فاروق اعظم نے حدیث اور اشاعت سنت کے لیے سرکاری طور پر شخصیتیں مقرر کی تھیں۔ ہر کس و نا کس کو یہ کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔ امام داری فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ منشا تھا کہ غزوات اور جنس سررمیوں کے واقعات رائے عامہ کے سامنے نہ بیان کیے جائیں۔ صرف فرائض و سنن سے ان کو روشناس کیا جائے اور عیسایہ امت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں جن کا تعلق عادات و اشکال سے ہے۔ وہ نہ بیان کی جائیں کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں۔ یہ وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ و ضبط کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ (۲) ان تاویلات کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کا موقف خود ان کے طرز عمل سے متعین ہو سکتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے تمام ممالک محروسہ میں معلمین مقرر کیے تھے۔ اور ہر جگہ تاکید کی احکام روانہ کیے تھے کہ ان معلمین سے فرائض اور سنن سیکھو جیسا کہ قرآن سیکھتے ہو۔ چنانچہ مسند داری میں ہے

تعلموا الفرائض والسنن لما تعلمون القرآن۔

"فرائض اور سنن کو سیکھو جیسے تم قرآن سیکھتے ہو۔"

اور قرآن کے ساتھ صحت الفاظ و اعراب بھی سیکھو۔ ان کے خاص الفاظ حسب

روایت ابن النجار یہ ہیں تعلموا اعراب القرآن كما تعلمون حفظه۔

"اعراب قرآن سیکھو جیسے اس کو یاد کرنا سیکھتے ہو۔"

مورخین نے چونکہ زمانہ فاروق اعظم میں تعلیمی نظم کے لیے کوئی خاص عنوان قائم نہیں کیا اس لیے ان معلموں کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی مگر جتنے تھے تھیں تھیں۔ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر شہر میں متعدد صحابہ اس کام پر مامور تھے۔ قرۃ العینین میں ہے کہ:

ور ہر شہرے مقررے و محدثے را فرستاد (۱)

"آپ نے ہر شہر میں ایک قاری اور ایک محدث بھیجا۔"

اور روحت الاحباب کے حوالے سے لکھا ہے کہ زمانہ فاروق اعظم میں ایک ہزار چھتیس شہر فتح ہوئے۔ اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ فاروق اعظم نے اپنے دور خلافت میں ایک ہزار چھتیس صحابہ کرام کی حدیث کو اشاعت کے لیے مقرر فرمایا۔ آپ چاہیں تو تذکرۃ الجہاد اسد الغابہ اور الاصابہ جیسی کتابوں سے ایسے صحابہ کی ایک فہرست مرتب کر سکتے ہیں۔ جن کو حضرت عمرؓ نے معلمین سنن اور محدثین کی حیثیت سے روانہ کیا۔ ایک بار مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے یہ بات واضح الفاظ میں فرمائی۔

فی اشہدکم علی امراء الامصار فی لم یعلموا الا بفہم الناس فی دیہم (۲)

"میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے امراء کو شہروں میں دین سکھانے کے لیے روانہ کیا ہے۔"

اسی واللہ ما بعث الیکم عمالی لیضربوا ابشارکم ولکن ابغیہم الیکم

لیعلموا دیہکم ومنہ لیکم (۳)

"میں قسم کرتا ہوں کہ میں نے امراء کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ تمہیں دین اور تمہارے دیہ کی سنت سکھائیں۔"

گویا فاروق اعظم کے زمانے میں ہر ملکی افسرانظامی سربراہی کے ساتھ محدث اور

معلم فقہ ہوتا تھا اور یہ التزام صرف انتظامیہ تک محدود نہ تھا۔ بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا

خاص لحاظ ہوتا تھا۔ قاضی ابویوسف رقمطراز ہیں۔

ان عصر بن الخطاب کان اذا اجتمع الیہ جنس من اهل الایمان بعث

علیہم رجلاً من اهل الفقه والعلم۔

"حضرت عمرؓ کے پاس مسلمان فوجی آئے۔ تو ان پر اہل فقہ اور علم کو امیر بناتے۔"

یاد رہے کہ صدر اول میں فقہ سے مراد سنت ہوتی تھی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

مسمین در زمان شیخین کے متفق بودند باخذ بہ سنت ظاہر کہ مبرہنہ است (۱)
 "مسمان شیخین کے زمانے میں سنت کو اپنانے پر متفق تھے جسے فقہ کہتے ہیں۔"
 اس تمام تفصیل سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ تاریخ کی اتنی بڑی شہادت ہوتے
 ہوئے روایت حدیث سے ممانعت کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ کام ہر کس و ناکس کے
 کرنے کا نہیں بلکہ سرکاری طور پر اس کے لیے خاص شخصیتیں مقرر تھیں۔

خلافت راشدہ اور تدوین حدیث

خلفائے راشدین کے سارے دور میں ارشادات پیغمبر کی عمومی حفاظت رائے عامہ
 نے اسی طرح کی اور اسی کام ان کی زبان میں اعلیٰ تھا۔ اور یہ علم کی نگرانی سابقہ رواج کے
 مطابق بطریق الروایت تھی۔

یہ بات کہ خلافت راشدہ میں باقاعدہ قانونی طور پر کتابی صورت میں حدیث کی
 تدوین کیوں نہیں کی۔ اس کے لیے ہم یہاں حافظ ابو بکر بن عقال کے بیان کا ایک اقتباس دہیہ
 ناظرین کرتے ہیں۔

ابو بکر بن عقال الصنفی بروایت ابن بشکوال رقمطراز ہیں کہ حدیث کا سارا ذخیرہ
 زمانہ نبوت کے بعد صحابہ کے سینوں میں الگ الگ تھا۔ یعنی کسی کو کچھ معلوم تھا۔ ساری زندگی
 ایک ہی شخص کو معلوم نہ تھی اور پھر جسے جو کچھ بھی معلوم تھا وہ بھی معانی کی حد تک۔ کیونکہ الفاظ
 کی حفاظت کا اس کے لیے کوئی قانونی اہتمام روز اول ہی سے نہیں کیا گیا تھا۔ برخلاف قرآن
 کے کہ اس کے الفاظ کی قانونی طور پر نگرانی کی گئی تھی۔

ایک مدت میں اگر صحابہ کرام زمانہ خلافت راشدہ میں قرآن ہی کی طرح احادیث
 کو بھی سنبھال کر لیتے اس میں ایک طرف یہ خوبی ضرور ہوتی۔ کہ ایک قابل اعتماد علمی سرمایہ کتاب
 کی صورت میں لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا مگر یہ قبح بھی یقینی طور پر پیش آتی کہ قرآن اپنے اعجاز
 کی وجہ سے متعینہ الفاظ میں محفوظ تھا۔ برخلاف سنت کے کہ اس کے معانی و مطالب مقرر تھے۔

مگر الفاظ کا اعجاز نہ ہونے کی وجہ سے قرآن جیسی حفاظت نہیں کی گئی۔ اس لیے حدیث کا جو
 ذخیرہ کتاب سے باہر رہتا وہ حدیث ہونے کے باوجود بے اعتبار ہو جاتا۔

ان وجوہ سے خلافت راشدہ نے حدیث کو دوسری سرکاری طور پر کتابی طرز پر جمع نہیں کیا
 بلکہ اس کو بعد میں آنے والوں پر چھوڑ دیا۔

(۱) نبوت محمدیہ علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام دوسرے انبیاء کی نبوتوں کے مقابلے میں ایک
 نمایاں حیثیت لے کر آئی ہے۔ دوسری نبوتوں سے اس کو ممتاز کرنے والی چیز یہ ہے کہ یہ نبوت
 اپنے ساتھ خلافت لے کر آئی ہے۔ حمۃ اللہ الباقیہ میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے نبوت کے اس
 امتیاز کو قرآن کا منطوق قرار دیا ہے۔ قرآن کی مشہور آیت فتح کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ما ننسخ من اية او ننسها مات بحبر مہا او مثلها فقولہ 'بحبر مہا فیما
 لکون النبوة مضمومة بالخلافة۔

"جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو لے آتے ہیں اس سے
 اچھی یا اس جیسی۔ اس سے اچھی اور بہتر کا مطلب یہ ہے کہ ہم وہ نبوت عطا کرتے
 ہیں جو خلافت سے وابستہ ہو۔"

حمۃ اللہ علی میں ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

اعظم الانبياء شاماً من له موع اخر من البعثة وذاك ان يكون مراد
 اللہ تعالیٰ فیہ ان يكون سبباً لحروح الناس من الظلمات الى النور وان
 يكون قومه خیرامة اخر جنت للناس فیکون بعثه ینال بعثاً اخر۔

"نبیوں میں بڑی شان کا نبی وہ ہے جو نبی ہونے کے ساتھ ایک اور بعثت بھی ساتھ
 لے کر آئے۔ یہ اس طرح کہ نبی کی نبوت کے ذریعے اللہ سبحانہ کا مقصد ایک تو
 لوگوں کو کفر کی ظلمت سے نکال کر ایمان کی روشنیوں میں لانا ہو اور دوسرا یہ کہ اس کی
 قوم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے روانہ کیا گیا ہو۔ اور یہ آپ کی قوم کی
 بعثت ہے۔"

(۲) اسلام میں خلافت راشدہ کی حد تک قول فیفہ کا مقدم حجت اور دلیل کا ہے۔ حکیم

الامت شہ ولی اللہ نے خلفاء کے ارشاد و کردار کی حیثیت پر (ازلۃ الخفاء ص ۴۳۰ ج ۱) پر تفصیلی بحث کی ہے اور اپنے دعویٰ کو قرآن و سنت کے دلائل سے ثابت کیا ہے۔ قرآن کی اس آیت کہ وَلَيُمَكِّنْ لَهُمْ دِينَهُمَ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ۔

پر لکھا ہے۔

دریں آیت افادہ سے فرمایہ آنچہ سبھی ایساں ممکن و شائع و مشہور سے شود دین مرتضیٰ است۔ (۱)

”اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ صحابہ کی کوشش سے اس کو جو قوت ملی اور دین کی جو اشاعت اور شہرت ہوئی وہ دین پسندیدہ ہے۔“

اور آیت

الَّذِينَ اِنْ مَكَاهُمْ فِى الْاَرْضِ هُمْ اَقَامُوا الصَّلَاةَ۔

پر لکھتے ہیں کہ

دریں آیت افادہ فرمودہ ہر نمازے و زکوٰۃ و امر معروف و نہی منکر سے کہ از ممکنات ظاہر شود محمود و مکمل رضا۔ (۲)

”یعنی خلافت راشدہ سے قول و فعل سے دین میں محبت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ پاک نے قرآن میں دین کو ان کی طرف نسبت کر کے اسے اپنا پسندیدہ و قرار دیا ہے۔ اس لیے ان کے تمام اعمال دین میں محمود و مکمل رضا ہیں۔“

(۳) اسلام میں جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واجب الاتباع ہے ایسے ہی خلفائے راشدین کی سنت بھی واجب الاتباع ہے یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معیار حق گردانتے ہوئے ہمیں ان کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عباس بن ساریہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فعلیکم بسنتی و سنت الخلفاء الراشدين المہدیین تمکسوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ (۱)

”میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت سے چٹ جاؤ اسے تمام لو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔“

اسی سنت کی تعریف یہ کی جاتی ہے

السنة هي الطريقة المملوكة فيشتمل ذالك التمسك بما كان عليه و خلفائه الراشدون من الاعطادات والاعمال والاقوال وهذه هي السنة الكاملة (۲)

”سنت طریقہ مسلوکہ کا نام ہے۔ یہ حضور انور کی سنت اور خلفائے راشدین کے تمام اعتقادات اعمال اور اقوال کو شامل ہے یہی سنت کاملہ ہے۔“

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں امت کے اختلاف و افتراق کا پتہ دیا ہے۔ وہاں امت کے لیے اختلاف کے اسی دلائل میں شاہراہ نجات کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے۔ صا اما علیہ واصحابی۔ (وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں) یہاں آپ نے اپنے ساتھ صحابہ کو طے کرنا نجات کی تسہیل فرمائی ہے۔

اسی بنا پر فرقہ ناجیہ کی یہ تعریف کی گئی ہے

الفريق الساحة هم الاخلاص في العفيدة والعمل جميعاً بما ظهر من الكتاب والسنة وجري عليه جمهور الصحابة والتابعين (۳)

”فرقہ ناجیہ وہی لوگ ہیں جو عقیدہ و عمل دونوں میں کتاب و سنت کے ظواہر اور جمہور صحابہ و تابعین کی شاہراہ پر ہوں۔“

(۱) ترمذی ص ۹۲ ج ۲۔ ابن ماجہ ص ۵۔ ابو داؤد ص ۲۷۹ ج ۲۔ مسند دارمی ص ۲۶۔ مسند

احمد ص ۲۷ ج ۳۔ مستدرک ص ۹۵ ج ۱ (۲) جامع العلوم والحکم ص ۱۹۱ ج ۱

(۳) حجة الله البالغة ص ۱۷۰ ج ۱

یعنی فرقہ ناجیہ مطہوم میں کتاب و سنت اور مصداق میں صحیح و تابعین سے استفادہ کرتا ہے اور اسی مطہوم و مصداق کی ہم آہنگی کو بتانے کے لیے اس فرقہ ناجیہ کا نام السنۃ والجماعۃ رکھا گیا ہے۔

اس تفصیل سے آپ یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ:

اسلام کا علمی، اخلاقی اور روحانی نظام نبوت اور خلافت سے مل کر بنا ہے یعنی قرآن کی ہدایات، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہی و علی تشریحات اور خلافت کی آئینی اور قانونی ترتیب کا نام مکمل اسلام ہے۔ اگر صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ میں سے کوئی بھی تدوین سنن کا یہ کام کرتا تو یقیناً یہ تدوین پورے اسلام کی آئینہ دار نہ ہوتی بلکہ خلفاء کے ادوار اربعہ میں سے ایک کے رو جانے سے بھی سنت کی تدوین ادھوری ہوتی۔ اس لیے ان اکابر میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا ہے۔

(۵) قرآن مجید میں اللہ ہی نہ نے مسلمان کا منجائے نظر صراط مستقیم قرار دیا ہے اور اسی کی طلب گاری کے لیے ہر نمازی نماز کی ہر رکعت میں درخواست کرتا ہے صراط مستقیم کے تعارف یا تعریف میں جو کئی گئی ہے وہ یہ نہیں کہ وہ صرف انبیاء کا راستہ ہے بلکہ بتایا یہ گیا ہے کہ وہ ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ پاک نے انعام فرمادیا ہے۔ صراط السبب المعصت علیہم (ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا ہے) اور ان انعام یافتگان کی قرآن ہی نے خود جوہن کی ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ فرمایا

اولئک الدہس اسم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء
والصالحین۔

”یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین۔“

یہ آیت قرآنی اس بات میں فیصد کن ہے کہ صرف انبیاء کی نہیں بلکہ انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین کی راہ قرآن کی زبان میں صراط مستقیم ہے۔

آیت اختلاف میں جہاں مخاطبوں سے مکہ کے ذریعے خلافت کا وعدہ کیا ہے۔ وہاں ان کی صلاحیت کا پہلے ذکر کیا ہے اور ایک دوسرے موقع پر کلمہ حصر لا کر صدیقیت اور شہادت کو صحابہ کا وصف خصوصی بتایا ہے۔

والدہس امنوا باللہ ورسلہ اولئک ہم الصدیقون والشہداء
رحمہم۔

”اور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی لوگ صدیق اور شہداء ہیں اپنے پروردگار کے حضور۔“

ایک اور موقع پر کلمہ خطاب کے ذریعے صحابہ کو کہا ہے

لتکونوا شہداء علی الناس۔ (تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ)

اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ قرآن کے نزدیک عقائد اعمال اخلاق اور آداب میں نبوت اور خلافت کے قائم کیے ہوئے تقاضے کا نام صراط مستقیم ہے۔

اسی بنا پر قرآن نے نبوت کے سارے کاموں کو اپنے مخاطبوں کے فرائض بتایا ہے مثلاً نبوت کا کام دعوت ہے قرآن نے مکہ کے خطاب زور سے اسے اپنے مخاطبوں کا فرض قرار دیا ہے۔

ولئک مکم امۃ یدعون الی الحیر۔

”چاہیے کہ تم میں سے ایک انہی جماعت ہو جو نیکی کی طرف بلائے۔“

نبوت کا مشن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے قرآن نے اسے امت کی خیریت کا منی قرار دیا ہے۔

کتبم خبر امۃ اخروحت للناس تاعرف بالمعروف ونہوں عن المنکر۔

”تم بہترین امت ہو لوگوں کے لیے پناہ کے گئے ہو نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔“

نبوت کا مقام شہادت علی الناس ہے قرآن نے اسی کو اپنے مخاطبوں کے نقطہ اعتدال پر ہونے کی حالت تا کہ خلافت کا فرض قرار دیا ہے۔

کذلک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس۔

”اسی بنا پر ہم نے تم کو درمیانی امت تا کہ تم ہو جاؤ گواہ لوگوں پر۔“

نبوت کا کام تبلیغ ہے مگر قرآن میں اسی کو خصوصی طور پر خلافت راشدہ کا فریضہ قرار

دیا ہے۔ فرائض کا یہ اشتراک بول رہا ہے کہ اسلام نبوت اور خلافت کے مجموعہ کا نام ہے۔

اس تمام تفصیل سے مجھے یہ بتانا مقصود ہے کہ چونکہ اسلام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت نبوت کا خلافت کے ساتھ بیوند ہے نبوت اگر انفرادی اسوہ ہے تو خلافت اسی کی اجتماعی تکمیل کا نام ہے اس لیے خلافت راشدہ کے اس دور میں جو اسلامی نقطہ نظر سے معیار حق اور حجت و دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سنن کو کتابی صورت میں مدون نہیں کیا گیا اگر ایسا کیا جاتا تو دور خلافت مدوین سے رہ جاتا اور ملت کی اجماعی تدوین ہوتی۔

خلافت راشدہ کے دور میں خدمت حدیث

دور خلافت راشدہ میں حدیث کی اشاعت میں سب سے زیادہ کوشش حضرت فاروق اعظم نے کی ہے اور صرف حدیث نہیں بلکہ روایت کے اصول کے موجد و حقیقت حضرت عمرؓ ہی ہیں جیسا کہ آپ آئندہ پڑھیں گے۔

حدیث کے سلسلے میں جو کام حضرت فاروق اعظم نے کیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ احادیث نبوت کو نقل کر کے دفناً دفناً گورنوں اور ضلعی حکام کے پاس روانہ کرتے۔ ان احادیث کا تعلق سنن و فرائض سے ہوتا۔

صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے امام تھے ان کو مختلف مراکز میں حدیث کی تعلیم کے لیے روانہ کیا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

فاروق اعظم عبد اللہ بن مسعودؓ را با جمع کچھ فرستاد و معتقل بن یسار و عبد اللہ بن معتقل و عمران بن حصینؓ را بہ بصرہ و عبادہ بن الصامتؓ و ابوالدرداءؓ را بہ شام و بمعادیہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قندغ بن بلغ نوشت کہ از حدیث ایشان تہذیب نہ کند (۱)

”فاروق اعظم نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ روانہ کیا اور معتقل بن یسار و عبد اللہ بن معتقل اور عمران بن حصینؓ کو بصرہ و عبادہ بن الصامتؓ، ابوالدرداءؓ کو شام روانہ کیا اور حضرت معادیہ کو بڑی تاکید سے لکھا کہ ان کی حدیثوں سے آگے نہ بڑھیں۔“

ایک شبہ کا ازالہ:

یہاں بادی النظر ذہنوں میں یہ خلش پیدا ہو سکتی ہے کہ فاروق اعظم نے اگر واقعی اشاعت حدیث کا اتنا اہتمام فرمایا ہے تو پھر حضرت عمرؓ سے دفتر حدیث میں احادیث کیوں کم مروی ہیں؟ یہ خلش ہذا بروزنی ہے لیکن دواصل یہاں ایک مبالغہ اور غلط فہمی ہے۔

محدثین کے یہاں یہ مانا ہوا اصول ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے کو دخل نہ ہو تو اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے مطلب یہی ہوگا کہ حدیث مرفوع ہے جیسا کہ حافظ محمد ابن ابی ایوب الزہری نے حافظ ابن عبد البر اور دوسرے محدثین سے نقل کیا ہے اور ہے بھی یہ ایک عقلی قانون۔ اس اصول کی روشنی میں حضرت فاروق اعظم کی تقریروں اور تحریری فرامین نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے جس قدر اصولی مسائل بیان ہوئے ہیں وہ سب احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہیں۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث نے یہ بات کھول کر بیان کی ہے۔

مضمون احادیث در خطبہ خود ارشاد فرماید تا اصل احادیث ہاں موقوف خلیفہ قوت یابد۔ یا رہنمائی بخورن ز سند اس را نمی نمند و نمی دانند کہ فاروق اعظم تمام علم حدیث را اجماعاً تقویت دادہ و اعلان نمود۔

”فاروق اعظم اپنی تقریروں میں حدیثوں کا حوالہ دیتے تاکہ حدیث کا ذخیرہ موقوف خلیفہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مستحکم ہو جائے جو لوگ غور و فکر سے کام نہیں لیتے وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ فاروق اعظم نے تمام علم حدیث کو اس طرح قوی سے قوی تر بنا دیا ہے۔ اور اس کو لوگوں تک پہنچایا ہے۔“

قرۃ العینین میں یہاں تک لکھا ہے کہ:

حضرت فاروق اعظم کی حدیثیں صرف اس قدر نہیں جو ان کے نام سے مسانید میں موجود ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر صحابہ سے جس قدر روایات مرفوعہ نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہیں وہ سب فاروق اعظم ہی کی روایات ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی سب سے زیادہ روایات کا وہ ذخیرہ ہے۔

جن کو ان بزرگوں نے فاروق اعظم سے من کر براہ راست حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ (۱)

خدمت حدیث کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں حضرت فاروق اعظم کا ایک کارنامہ یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی تمام تر توجہ ان احادیث کی اشاعت پر صرف کی جن سے عبادات، معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے۔

سنن بدلی اور سنن زوائد میں امتیاز:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی چند در چند اعمال و افعال کا مجموعہ تھی اور آپ رسول اللہ ہونے کے ساتھ عربی ہونے اور قریشی ہونے کی بھی حیثیت رکھتے تھے اس لیے فاروق اعظم نے ان سب حیثیتوں میں بھی ایک نمایاں امتیاز اور خط فاصل قائم کیا تاکہ سنن بدلی اور سنن زوائد میں اختلاط اور استباس نہ ہو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں

فاروق اعظم نظر دقیق و تفریق بین احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد از غیر آں معروف ساخت لہذا احادیث شاکل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و احادیث سنن زوائد در بابین و عادات کمتر روایت سے کرد بدو وجہ۔ یکے آنکہ انہما از علوم تکلیفیہ و تشرعیہ نیست تحمل کہ چون اہتمام تام بروایت آں بکار برند بعض اشیاء از سنن زوائد بہ سنن بدلی مشتہ گردد۔ (۲)

”فاروق اعظم نے وقت نظر سے دو قسم کی حدیثوں میں ایک جو بری فرق قائم کیا اور بتایا کہ وہ حدیثیں کون سی ہیں جن کا تعلق شرائع سے ہے اور وہ کون سی ہیں جو ان سے متعلق نہیں ہیں اسی سے حضرت عمرؓ وہ احادیث کم بیان کرتے جن کا تعلق سنن زوائد سے ہوتا اور اس میں دو وجہ پیش نظر تھیں ایک یہ کہ سنن زوائد کا تعلق تشریع سے نہیں ممکن ہے کہ اس کی روایت کا اہتمام لوگوں میں سنن زوائد اور سنن بدلی میں اشتباہ پیدا کر دے۔“

شاہ صاحب نے قرۃ العینین میں بالکل درست لکھا ہے کہ فاروق اعظم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صحابہ کو خاص اسی مشن پر تمام اطراف مملکت میں روانہ فرمایا اور ان کو روایت کا طریقہ سکھایا اور روایت حدیث کی ان کو زیادہ سے زیادہ تحریض فرمائی اور رائے عامہ کو ان حضرات سے احادیث سیکھنے کی ترغیب دی اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کی پوری نگرانی خود کی اور ان کی بیان کردہ حدیثوں کو جانچا اور پرکھا۔ اور اس کے ساتھ ان محدثین کو قرآن و حدیث میں باہم ربط قرآن میں آئی ہوئی عام بات کو سنت کے ذریعے تخصیص اور بحالات قرآن کے لیے سنت کے ذریعے بیان کے قوانین سکھائے۔

اللہ اکبر! ایسے شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو حدیث بیان کرنے سے روکتے تھے۔ بزرگوں کے منہ سے نکل ہوئی بات لوگ خود نہیں سمجھتے اور بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں۔

میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا ایسا نہ ہو کہ دامن مقصود ہاتھ سے نکل جائے میں بتا رہا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کا نام حدیث ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ اس فن میں امام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور کچھ بتانے سے پہلے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ امام اعظم کے بارے میں چند ضروری اور بنیادی باتیں ناظرین کے سامنے رکھوں۔

نام، کنیت اور لقب

نام نعمان، کنیت ابو حنیفہ اور لقب امام اعظم ہے۔ پیدائش کا سال ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ء ہے۔ ابن حجر مکی نے امام صاحب کو یہ کہہ کر اسم باسمنی قرار دیا ہے کہ نعمان لغت میں دراصل اس خون کو کہتے ہیں جس پر بدن کا سازاؤ جانچہ قائم ہے اور جس کے ذریعے جسم کی ساری مشینری حرکت کرتی ہے۔ اسی لیے روح کو بھی نعمان کہتے ہیں چونکہ امام اعظم (۱) کی ذات

(۱) ابو حنیفہ کو امام اعظم کہنے والے صرف احناف ہی نہیں بلکہ یگانے اور یگانے سب ہی ان کو اسی

لقب سے پکارتے ہیں۔ حنفیہ مذہبی نے تہذیب و تمدن کے لیے اسی کو پکارتے ہیں۔ حنفیہ مذہبی نے تہذیب و تمدن کے لیے اسی کو پکارتے ہیں۔

”رأی اسلام میں قانون سازی کے فن کے لیے محور اور اس کے مدارک و مشکلات کیلئے مرکز ہے اس لیے آپ کا نام نعمان ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ **فأبو حنیفة به قوام العقبة (۱)** (ابو حنیفہ فقہ کا آسرا ہیں) سرخ اور خوشبودار گھاس کو بھی نعمان کہتے ہیں۔ اور امام صاحب کی کہانی مہک اور لہک سے اسلامی زندگی کا ہر گوشہ متاثر ہے۔

طابت لعلہ وبلغ العایة کمالہ (۲)

”عادات میں پاکیزگی اور کمال انتہا کو پہنچ گیا۔“

ابن حجر (۳) انہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ نعمان فعلان کے وزن پر نعمت سے بنا ہے ام

بقیہ صفحہ ۱۸۵ الرضی الباسم میں اور ملک العلفہ عزالدین بن عبدالسلام نے قواعد الاحکام میں اسی لقب سے پکارا ہے اور کیوں نہ پکاریں جبکہ بقول حافظ محمد بن ابراہیم آپ کی علمی بزرگی عدالت تقویٰ اور امانت تواتر سے ثابت ہے اور آپ کا علمی مقام تمام عالم اسلامی میں شرفاً و غرباً ۱۵۱۵ء سے آج تک علماء میں مانا ہوا ہے۔

(۱) الخیرات الحسان: ص ۱۰ (۲) الخیرات الحسان

(۳) پیر امام احمد بن محمد بن علی بن حجر ہے۔ ان کو شیخ مصر عربی میں ایک شہر کے محلہ ابی البیہم میں بود و باش کی وجہ سے کہتے ہیں اور قبیلہ بن اسد سے نسب تعلق کی وجہ سے ان کو اسدی بولتے ہیں (الورد المسافر فی القرون العاشر) جب ۹۰۹ء میں ولادت ہوئی بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تیسری کا سارا وقت عارف باللہ شمس الدین بن ابی الحکامل اور امام شمس الدین اشتادی کی کفالت میں گذرا اشتادی ان کو ابی البیہم سے مقدم قطب الشریف میں لے گئے ابتدائی کتابیں اسی جگہ پڑھیں پھر جامع ازہر میں داخل ہو گئے اچھے اور مہربان استاد کی آغوش میں تفسیر حدیث فقہ کلام فلسفہ منطق اور عرفان میں خاص مہارت پیدا کی ۹۳۳ء کے آخری میں مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور حج کے بعد وہیں آگئے لیکن ۹۵۰ء میں گمبار سمیت مکہ معظمہ میں ڈیرا لگا لیا اور تا وفات ہیں درس و افتاء کا کام کیا ان کی تصانیف میں بڑی مفید کتابیں ہیں تاریخ وفات ۹۹۵ء ہے مناقب امام اعظم پر الخیرات الحسان کے نام سے کتاب لکھی ہے مسلک کے لحاظ سے شافعی ہیں۔

”رأی میں معنوی رعایت یہ ہے کہ آپ کی ذات ”رأی مخلوق خدا کے لیے ایک نعمت ہے اسی لیے آپ کا نام نامی نعمان ہے۔ فرماتے ہیں۔

فأبو حنیفة معمة الله علی علقہ (۱)

”ابو حنیفہ مخلوق کے لیے اللہ کی نعمت ہے۔“

آپ کی کنیت ابو حنیفہ ہے لغت میں حنیفہ ضیف کا مونث ہے ضیف اسے کہتے ہیں جو سب سے بہت کر اللہ کا ہو رہے۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو ضیف کہتے ہیں۔ امام اعظم نے یہ کنیت اپنے لیے کیوں تجویز فرمائی ہے؟ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں یہ صرف تداول کی وجہ سے اختیار کی گئی ہے جیسے مومن ابو الحسن ابو الحسنات ابو الکلام وغیرہ کنیتیں رکھی جاتی ہیں ورنہ اس نام کی آپ کی کوئی صاحبزادی نہیں ہے۔

ولا یعلم له ذکر ولا انثی غیر حماد۔ (۲)

”آپ کی کوئی لڑکی نہیں ہے اور نہ حماد کے سوا کوئی لڑکا۔“

اور یہ محض قیاس آرائی ہے کہ عراق زبان میں حنیفہ دوات کو کہتے ہیں اور آپ کا قلم دوات سے چونکہ گہرا لگاؤ رہا ہے اس لیے آپ کو ابو حنیفہ کہتے ہیں۔

در اصل جیسے اشخاص میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ضیف ہیں ایسے ہی ادیان میں ان کا دین ضیف اور محل میں ان کی ملت ضیف ہے۔ ضیف دراصل وہ شخص کہلاتا ہے جو سب سے کثرت کر مونی کا ہو رہے۔ اسی بنا پر غلط دین سے ہٹنے اور کثرت کر اسلام اختیار کرنے والے کو حنیفہ کہتے ہیں اسلام کو دین ضیف اور ملت ضیف کہتے ہیں حتیٰ کہ تحفہ مسلمان ہو جانے کے مترادف ہو گیا۔ زبختری نے اساس البلاغہ میں اس کے سارے مجازات جمع کر دیئے چونکہ امام اعظم میں دین ضیف اور ملت ضیف کی خدمت کا جذبہ و شوق شروع ہی سے تھا اور اسی جذبہ و شوق کی بنا پر آپ نے تمام فنون کی تکمیل کے بعد فن کاری کے لیے علم الشرائع کو اپنایا جس کے ذریعے پورے دین کی خدمت ہو سکے میری مراد علم فقہ ہے اس لیے آپ نے ان ہی

لطیف احساسات کے اظہار کی خاطر بتائے قدول اپنے کنیت ابو حنیفہ تجویز فرمائی۔ اصل میں ابو احمد الحنیفہ ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری نے رشتہ کی حوالہ سے لکھا ہے

وتدالله الارض بالاعلام المبہتہ کما وطلا الحبیۃ بعلوم ابی حنیفۃ
الانمۃ الحبلۃ الحبیۃ ارمۃ المملۃ الحبیۃ الجودود العلم حاتم
واحنفی والذین والعلم حنفی وحنفی۔

”اللہ تعالیٰ نے زمین کو بلند پہاڑوں سے جکڑ دیا اور دین حنیفہ کو علوم ابی حنیفہ کے ذریعے مضبوط بنا دیا۔ ائمہ احناف ہی ملت حنیفہ کی بائیس ہیں جیسے سخاوت حاجی اور علم حنفی ہے ایسے ہی دین حنفی اور علم حنفی ہے۔ (۱)“

امام اعظم کا نسب نامہ:

مشہور مورخ ابن (۲) خلکان نے امام اعظم کا سلسلہ نسب اس طرح لکھا ہے
ابو حنیفہ نعمان پسر ثابت زوطی پسر ہام (۳) لیکن امام صاحب کے پوتے اسماعیل نے امام صاحب کا جو شجرہ نصب خود بتایا ہے وہ اس طرح ہے۔ نعمان پسر ثابت پسر نعمان پسر مرزبان (۴)

(۱) الارض الباسم بن ۱۵۹ (۲) حنفی القندۃ حنفی الدین ابو العباس احمد بن ابراہیم بن ابی بکر بن خلکان۔ تاریخ پیداؤں ۱۶۸۸ھ ہے صحیح بخاری حافظ ابن کرم سے پڑھی ہے الملوک طوسی بھی ان کے استاد ہیں سے ہیں علم الفقہ موصل میں الکمال بھی یوسف سے اور شام میں ابن شداد سے پڑھا ہے بنی بصرہ جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا ہے شام میں پورے دس سال منصب قضا پر فائز رہے اور ایک عرصہ مصر میں گذرا۔ ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ مرکز کی کتاب دیات، عیان و انباء الباء، الزمان ہے لفظ خلکان کی صلیت اور اس نام سے شہرت کی علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں عبد القادر العیدروس نے اور الاسفر میں قطب الدین کی سے نقل کیا ہے کہ لفظ خلکان، دفعوں سے عرب ہے اول تخیل سے نقل اسرار و دیگروں سے کان فعل ماضی اور مطلق کسر از م ہے اور وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ خلکان کا تکیہ کلام یہ تھا کہ کسان والندی کھدا وکوں نے تک آ کر کہا کہ حمل کسان (کان کو چوز) ہیں میں سے خلکان نام پڑ گیا۔

”یافعی نے مرآۃ المناہج میں تاریخ وفات ۱۶۲ھ بتائی ہے۔ (۳) و (۴) ۱۱۴۱ ج ۱ ص ۵۶

دونوں درست ہیں فرق ہے تو صرف یہ کہ ابن خلکان نے جس شخص کو زوطی اور امام صاحب کے پوتے نے جسے نعمان قرار دیا ہے ایک ہی شخص کے دو نام ہیں کیونکہ جو شخص مسلمان ہونے سے پہلے زوطی ہے وہی مسلمان ہونے کے بعد نعمان ہے۔ اسی طرح جس شخص کا نام ہام ہے اسی کا لقب مرزبان ہے۔ کچھ بھی ہو آپ مجی اور قبیلہ تیم سے نسبت ولادہ کی وجہ سے تکی ہیں جس طرح امام بخاری کو اسی تعلق کی بنا پر حنفی اور امام ابن ماجہ کو ربی کہا جاتا ہے ایسے ہی امام صاحب کو تکی کہتے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

علامہ نووی (۱) نے تہذیب الاسماء القلث کے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ لفظ مولیٰ (۲) زیادہ تر دوستی کے عہد و بیان یعنی مولیٰ المولات کے معنے میں استعمال ہوتا ہے تاہم مولیٰ چونکہ غلام کو بھی کہتے ہیں اس لیے امام اعظم کے بارے میں بعض لوگوں کو دھوکا ہوا ہے اور وہ مولیٰ کے معنے غلام کے کچھ بیٹھے لیکن چونکہ خود امام صاحب کی اپنی تصریح موجود ہے کہ یہ نسبت دوستی کے عہد و بیان کی نسبت ہے اس لیے اب دوسرے احتمال کی گنجائش نہیں ہے چنانچہ امام طحاوی مشکل لاہار میں جو فن حدیث میں اپنے موضوع پر بے مثال کتاب ہے عقد موالات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں

(۱) ابو زکریا کنیت یحییٰ الدین لقب یحییٰ بن اشرف نام ہے تاریخ ولادت محرم الحرام ۲۳۳ھ ہے دمشق کے مضافات میں ”نوی“ نامی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ نووی اور نووی دونوں طرح بولا جاتا ہے ۲۳۳ھ میں دمشق تشریف لائے اور علامہ کمال الدین مغربی کے پاس رہے اور ان کے فیض صحبت سے اس وجہ سے کمال کے مالک ہو گئے کہ فنون میں محقق اور حافظ حدیث تھے ساری عمر بغیر شادی کے گذرادی ایک لڑکی بیکار نہ تھے شب و روز میں عین ہی کام تھے مطالعہ تصنیف اور ذکر الہی کا پانچویں گھنٹوں میں صرف ایک بار نوش فرماتے مدرسہ اشرفیہ میں شیخ الحدیث تھے آپ کی تصنیف میں شرح صحیح مسلم الارض شرح المہذب کتاب الاذکار اور ریاض الصالحین مشہور ہیں تاریخ وفات ۳۱۳ھ جب ۶۷۱ھ ہے۔ (۲) حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ مولیٰ صرف غلام ہی کو نہیں کہتے ہیں بلکہ ولادہ اسلام و ولادہ عقب اور ولادہ کرم کو بھی ولادہ کہتے ہیں اور ان تعلقات والوں کو مولیٰ کہا جاتا ہے امام بخاری کو ولادہ اسلام کی وجہ سے حنفی امام مالک کو ولادہ عقب کی وجہ سے تکی اور امام احمد کو حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس زیادہ رہنے کی وجہ سے مولیٰ ابن عباس کہتے ہیں۔

عبداللہ بن یزید کہتے ہیں میں امام ابوحنیفہ کے پاس گیا انہوں نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو میں نے عرض کیا کہ ایسا شخص جس پر اللہ نے اسلام کے ذریعے احسان کیا یعنی نو مسلم۔ امام صاحب نے فرمایا یوں نہ کہو بلکہ ان قبائل میں سے کسی سے تعلق پیدا کر لو پھر تمہاری نسبت بھی ان کی طرف ہوگی میں خود بھی ایسا ہی تھا۔ (۱)

یہ عبداللہ بن یزید امام اعظم کے شاگرد ہیں چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ مجمع میں اس عوں و ابی حنیفۃ یہ ابن عون اور ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں (۲) فن حدیث میں ان کا شمار امام بخاری کے اساتذہ میں ہے۔ (۳) خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا بتایا یہ رہا تھا کہ امام اعظم کو بھی خلائی کی وجہ سے نہیں بلکہ دوستی کے عہد و بیان کی وجہ سے کہتے ہیں۔ البصری (۴) نے مناقب میں اور الخطیب نے تاریخ بغداد میں امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد کا یہ بیان لکھا ہے کہ

میں اسماعیل پر حماد پر نعمان پر ثابت پر نعمان پر سرمرزبان انباء فارس سے ہوں اور ہم آزاد ہیں واللہ ہم پر غلامی کا دور کبھی بھی نہیں آیا ہے۔ (۵)

(۱) مشکل آثار ص ۵۳ ج ۴ (۲) (۳) تذکرۃ الحفاظ ص ۳۳۴ ج ۱، البصری میر و وزن حیدر ہے اور اس کی صمیمی نسبت ہے صمیمیہ شہ کا نام ہے پورا نام البصری بن علی بن محمد بن جعفر ہے ابو عبداللہ نسبت ہے صمیمی صرف پانچ واسطوں سے امام محمد کے شاگرد ہیں خطیب بغدادی ان کے تلامذہ میں سے ہیں خطیب نے امام صمیمی کی ربانی لکھا ہے کہ میں نے حافظ دارقطنی سے ان کی کتاب السنن کا سماع کیا ہے ان کی تاریخ وفات اتوار کا دن ۲۱ شوال ۲۳۶ھ اور وفات ۱۳۷ھ ہے خطیب نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے کہ صدوق وافر العقل جمیل الحاشیۃ عارف حقوق اہل العلم۔ حافظ عبدالقادر قرطبی فرماتے ہیں کہ بمقام مریع الکفرخ منصب قضا پر تا وفات فائز رہے ہیں امام ابوالعلاء ابی جعفر فرماتے ہیں کہ بغداد میں ان کو احناف کی اہمیت حاصل تھی اور لکھا ہے کان قاضیا عامنا خیر من موبنا عبدالحی نے الفوائد البسیہ میں بتایا ہے کہ صمیمی نے امام اعظم کے حالات پر ایک ضخیم کتاب خبر ابی حنیفہ کے نام سے لکھی ہے۔

(۴) الجواب المنفیہ ص ۱۴ ج ۱، انفرادہ البصری ص ۲۸ (۵) التعلیقات علی المناقب ۸

اس تاکید اور قسم والے بیان سے اس غلط شہرت کی تردید ہوتی ہے جو امام صاحب کے دادا کے بارے میں پیدا ہوگئی ہے کہ وہ نئی تیم کے آزاد کردہ غلام تھے اور اس غلط فہمی کا سرچشمہ ابو خازم (۱) عبدالحمید کا وہ بیان ہے جو حافظ ذہبی نے مناقب میں درج کیا ہے لیکن اس بیان کا محور و مرکز جسے قرار دیا گیا ہے وہ بے نام ہے اس لیے گناہ شخص کی بات پر فیصلے کی بنیاد رکھنا قرین انصاف نہیں ہے جب کہ خود امام صاحب اور ان کے پوتے کا بیان اس موضوع پر موجود ہے اور اس باب میں اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے جس مولات کا تاریخ میں تذکرہ ہے وہ دلاء محبت و مروت ہے دلاء عقاق نہیں ہے۔ اس زمانے کا دستور تھا کہ جب کوئی نو مسلم مشرف پہ اسلام ہوتا تو وہ جس قبیلہ کے کسی شخص سے عقد مولات یعنی دوستی و قرابت کا عہد و پیمان کرتا اسی قبیلہ کی طرف منسوب ہو جاتا اور اس کا حلیف و مولیٰ کہلاتا۔ بالخصوص تو یہ مظلوم نہ ہو سکا کہ یہ عقد مولات کس نے کیا تھا۔ امام صاحب کے والد کے بارے میں ملاحظی قاری فرماتے ہیں

وللہ ابوہ ثابت علی الاسلام (۲)

”ان کے والد ثابت مسلمان پیدا ہوئے۔“

اس لیے قیاس یہی چاہتا ہے کہ زوطی نے مسلمان ہونے کے بعد یہ تعلق قائم کیا ہوگا زوطی کا اسلامی نام نعمان ہے۔ حضرت امام صاحب کے پوتے اسماعیل بن حماد کا یہ بیان بھی ہے کہ ہمارے پردادا ثابت حضرت علیؑ کے پاس گئے حضرت علیؑ نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعا کی ہے (۳) ابن حجر عسقلانی نے خود اسماعیل کا اس دعاء کے بارے میں یہ تاثر لکھا ہے

(۱) پورا نام عبدالحمید بن قاضی عبدالعزیز ہے موصوف صرف ایک واسطہ سے امام محمد کے شاگرد ہیں اور حافظ ابو جعفر طوسی کے استاد ہیں ملاحظی قاری نے ان کی تاریخ وفات ۱۹۲ھ لکھی ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بہترین قاضی اور بلند پایہ فقیہ تھے امانت و دیانت میں بے مثال تھے ابن الجوزی نے اختصار میں ان کے آثار جلیلہ کے بڑے گمن گائے ہیں۔ الحاضر کتاب اب القاضی اور کتاب القرائن

ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ (۲) الجواب المنفیہ ص ۱۴ ج ۲ (۳) عمدة الوعایہ ص ۳۴

ہمیں امید ہے کہ اللہ سبحانہ نے ہمارے بارے میں حضرت علیؑ کی یہ دعا ضرور قبول فرمائی ہے۔ (۱)

بالفاظ دیگر امت کو حضرت امام اعظمؑ امیر المومنین علیؑ مرتضیٰ کی دعاؤں کے صدق میں ملے ہیں ملاطی قاری نے بھی مناقب امام میں اسماعیل بن حماد کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ (۲)

امام اعظمؑ کے متعلق نبوی پیش گوئی:

بہر حال امام اعظمؑ عجی ہیں۔ ماہ یا مرزبان آپ کے پروادا کا نام قاری ہے اس لیے آپ کا نسل قاری سے ہوتا یعنی ہے۔

قاری کے بارے میں صحیحین اور جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اسی صحبت میں سورہ جمعہ نازل ہوئی جب آپ نے یہ آیت پڑھی۔ واخبریں مسہم لعلما بلحقوا بہم حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ یہ دوسرے کون ہیں؟ جوابی تک ہم سے نہیں ملے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں خاموشی اختیار فرمائی پوچھنے والے نے یہی سوال دوبارہ کیا۔ بارہ کیا تب آپ نے حضرت سلمان قاریؓ کے کاندھے پر دست مبارک رکھ دیا اور فرمایا کہ

لو کان ایمان عند النبی لہ رجال من ہولاء۔

”اگر ایمان کبکشاں میں بھی ہوگا تو ان کے کچھ آدمی ضرور اسے پالیں گے۔“

مسند احمد میں ایک اور سند کے ساتھ یہ الفاظ آئے ہیں:

لو کان العلم بالنسب لہ ناس من ابناء فارس۔

”اگر علم نسب لایا میں ہو تو قاری لوگ اسے پالیں گے۔“

ابونعیم اصفہانی الشیرازی المطہرانی اور امام مسلم نے یہی حدیث باخفا نقل کی ہے (۱) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا ایک مصداق شارحین حدیث نے امام اعظمؑ و قاریؑ ہے حافظ سیوطی فرماتے ہیں۔ فلہذا اصل صحیح یحتمل علیہ فی البشارة (۲) (بشارت میں یہ قابل اعتماد اصل صحیح ہے) حافظ ابن حجر عسقلانی نے حدیث سیوطی کے بعض شارحوں (۳) کے حوالے سے لکھا ہے کہ

ہمارے استاد نے یقین کیا کہ اس حدیث سے امام ابو حنیفہؒ مراد ہیں کیونکہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ امام صاحبؒ کے زمانے میں اہل فارس میں سے کوئی بھی امام صاحبؒ کے علمی مقام کو نہیں پہنچ سکا اور آپ تو آپ بلد آپ کے تالیف کا بھی کوئی مقام نہ پاسکا۔ (۴)

(۱) حاکم ابو نعیم اصفہانی نے تاریخ اصفہان میں اس حدیث کے سارے طریق جمع کر دیئے ہیں امام بخاری کے الفاظ آپ پڑھ چکے امام مسلم نے رجال کی جگہ رجل من ابناء فارس نقل کیے ہیں امام احمد اور ترمذی نے ایمان اور دین کی جگہ العلم روایت کیا ہے۔ (۲) ترمذی مسند احمد: ص ۱

(۳) بعض شارحوں سے مراد سیرت شامیہ کے مصنف حافظ محمد بن یوسف شامی ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے مواہب کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ علامہ الشافعی تلمیذ ابی حنیفہ سیوطی۔ جناب علامہ نواب صدیق حسن خان نے احواف میں یہاں پر حافظ سیوطی اور حافظ محمد بن یوسف شامی پر سخت برہنہ کی کہ مظاہرہ کیا کہ انہوں نے اس حدیث کا مصدق خاص امام اعظمؑ کو کیوں قرار دیا ہے اور عمن ابی ہریرہؓ علیہ السلام بخاری میں اس پیش گوئی کو صرف زمرہ محدثین تک محدود رکھا ہے لیکن شاہ ولی اللہ نے محدثین کے ساتھ فقہاء کو بھی شامل کر لیا ہے اور شاہ صاحبؒ کے مشہور شارح دہلوی وقت قاضی شاہ شاہ پانی پتی مرحوم نے اس کو اور زیادہ عام کر کے فقہاء محدثین کے ساتھ مشائخ طریقت کو بھی اس کا مصداق بتایا ہے (مطہری ص ۴۵۸ ج ۳) اگرچہ ارشاد کے الفاظ رجال من ہولاء اس سے مانع نہیں ہیں مگر اس بشارت میں داخل ہونے کے لیے صرف وطن کافی نہیں ہے۔ بلکہ نسل قاری سے ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ حدیث میں بنام قاری کی صاف تصریح ہے اور معلوم ہوا کہ وطن سے نسل تبدیل نہیں ہوتی۔ (۴) ذخیرۃ الحسنات ص ۱۴

صرف حافظ جلال الدین السیوطی اور حافظ بن یوسف ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ دوسرے محققین نے بھی حدیث کا مصداق امام اعظم ہی کو قرار دیا ہے۔ علامہ حنفی فرماتے ہیں

حملة بعض المحققين على ابي حنيفة (۱)

”بعض محققین نے اسے امام ابوحنیفہ پر محمول کیا ہے۔“

اور علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ

على الامام الاعظم ابي حنيفة واصحابه (۲)

”اس کا مصداق امام اعظم اور ان کے اصحاب ہیں۔“

حکیم الامت شاہ ولی اللہ (۳) محدث اپنے کتبوبات میں لکھتے ہیں:

ایک روز اس حدیث پر ہم نے گفتگو کی میں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اس حکم میں داخل ہیں کیونکہ اللہ سبحانہ نے علم فقہ کی اشاعت ان کے ہاتھوں کرائی اور اہل اسلام کی اس کے ذریعے اصلاح فرمائی بالخصوص اس آخری دور میں کہ دولت بس یہی مذہب ہے سارے شہروں میں بادشاہ حنفی ہیں قاضی حنفی ہیں اور مدرسین حنفی ہیں۔ (۴)

(۱) (۲) اسے ابن کثیر ص ۲۱۸ ج ۳ (۳) احمد نامہ قطب لدین تاریخ بنی ہاشم ص ۱۱۳۲ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ۱۵۰ھ میں ہجرت فرمائی اور ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ (۴) امام ابوحنیفہ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے۔ حفظ قرآن کے بعد درسی کتابوں سے پندرہ سال کی عمر میں فراغت حاصل کر لی حدیث پڑھنے سے بندوستان میں شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے پڑھی ہے ۱۱۳۲ھ میں حج کو تشریف لے گئے وہاں شیخ طاہر مدنی سے صحیح بخاری کا سامع کیا موطا مسند داری اور امام محمد کی کتاب لا بار پڑھی شاہ صاحب کی تصانیف علماء کے لیے مشعل ہدایت میں ہیں شاہ صاحب اپنے دور کے مجتہد اور مسائل فرعیہ میں مقلد حنفی تھے اور صرف از خود ہی مقلد حنفی نہ تھے بلکہ ان کا کہنا ہے کہ ایسا ہی رہنے کی مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے فیوض الحرمین میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت لفظوں میں لکھی ہے ایسا کہ ان تصانیف القوم فی العرع۔ (۱) اپنی قوم کے فروغ میں اختلاف سے بچ کر رہو (۲) باقی صفحہ ۱۹۵ پر (۳) کتبوبات ص ۱۹۸

نواب صدیق حسن صاحب نے اتحاف العلماء المتعین میں بہت کچھ جنسین و چنان کے بعد لکھا ہے کہ

ہم امام دران داخل است وہم جملہ محدثین فرس (۱)

لیکن ”ہم جملہ محدثین“ سے کیا مراد ہے؟ یہ بھی ان ہی کی زبانی سننے فرماتے ہیں کہ

جہاں ہمدان محدثین مثل بخاری مسلم ترمذی ابو داؤد ابن ماجہ و امثال ایشان۔

کیوں؟ اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی ہے کہ

زیرا کہ ہم ایشان از عجم و سرزمین فارس بودند (۲)

”کیونکہ یہ تمام عجمی تھے اور زمین فارس سے تعلق رکھتے تھے۔“

حیرت ہے کہ نواب صاحب نے جملہ محدثین کو ارشاد نبوت کا مصداق بنانے کے شوق میں عجمی اور فارس بنادیا حالانکہ تاریخ سے امام بخاری اور ابن ماجہ کے سوا کسی کا عجمی ہونا ثابت نہیں ہے امام مسلم (۳) کے متعلق خود امام نووی کی تصریح ہے کہ عجمی ملیہ کیونکہ وہ نہایت قشیری ہیں خود نواب صاحب فرماتے ہیں

نسبة الى قشير مصغراً قبيلة معروفة من العرب۔

”عرب کے مشہور قبیلہ قشیر کی طرف اسم نسبت ہے۔“

اور امام ابو داؤد و عربی نژاد ہیں اور عرب کے مشہور قبیلے ازود سے تعلق کی وجہ سے ازودی ہیں ترمذی قبیلہ بنی سلیم کی طرف نسبت کی وجہ سے سلمی ہیں۔ محدث حاکم نسی اور امام داری

(۱) ج ۲ صفحہ ۱۹۳ علامہ نواب صدیق حسن مرحوم نے اخط میں ان کے طریق عمل پر ایک جامع تبصرہ کے بعد لکھا ہے کہ طریقہ کد حنفی اور صرف شاہ صاحب ہی نہیں بلکہ پورے خاندان کے بارے میں لکھا ہے کہ خاندان ادنیٰ بود۔ وہ مجدد تھے تاریخ و قات ”کوہ امام اعظم دین“ ۱۱۷۷ھ ہے۔

(۱) (۲) اتحاف العلماء المتعین ص ۲۲۳

(۳) ابو یوسف کنیت مساکر الدین لقب مسلم بن الحجاج نام ہے ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے (۴) باقی صفحہ ۱۹۶ پر

بنی درام کی طرف منسوب ہیں جو قبیہ تمیم کی مشہور شاخ ہے اور امام محمد شین مکتب بن انس خلاصہ عربی ہیں اور امام احمد الشیبانی الذہلی ہیں۔ امام ذہبی نے تاریخ الاسلام میں امام احمد (۱) کا پورا نسب ان کے صاحبزادے کی زبانی درج کیا ہے۔

انصاف فرمائیے کہ بعد محمد شین میں بخاری اور ابن ماجہ کے سوا کون سا محدث وہی النسل ہے؟ اگر ایسا ہی ہے اور ایسا نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تاریخ کی اصلی شہادت موجود ہے تو پھر واقعی کی روشنی میں اس ارشاد نبوت کا اولین مصداق امام اعظم کے سوا کون ہو سکتا ہے؟

امام اعظم اور اعجاز نبوی:

بہر حال اگر یہ حدیث صحیح ہے اور صحیح نہ ہونے کی وجہ یہی کیا ہے جبکہ صحیح میں موجود ہے تو پھر تائید والوں نے اسے بتایا ہے کہ امام اعظم اس نبوی پیش گوئی کا مصداق اولین ہونے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک اعجازی کارنامہ ہیں تو اس میں مبالغہ نہیں کیا ہے چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے:

ہذا من قبلہ ص ۱۹۵ اور ۵۵ سال کی عمر میں نہایت بڑا میں ۲۶۱ھ کو وفات پائی میں طلبکاروں کے سلسلہ میں ہزار عاق اور مصر آپ کی جو نگاہ ہے ہیں آپ کی تصانیف میں جلیل القدر تصنیف صحیح مسلم ہے آپ نے اس کتاب کا انتخاب تین اٹھ ایسی روایات سے کیا ہے جن کو انہوں نے براہ راست اپنے شیوخ سے سنا تھا جیسا کہ محدث حاتم نے خود امام مسلم سے نقل کیا ہے حافظ سلسلہ بن قاسم نے اپنی تاریخ میں صحیح مسلم کے متعلق لکھا ہے کہ اسلام میں کسی نے ایسی کتاب تصنیف نہیں کی (فتح الباری)

(۱) کنیت ابو عبد اللہ امام احمد امام بخاری نے آپ کو تاریخ میں الشیبانی الذہلی لکھا ہے حافظ ذہبی نے تاریخ میں آپ کا پورا حال لکھا ہے اور بتایا ہے کہ آپ مازن بن شیبان بن دعلج کی اولاد سے ہونے کی وجہ سے عربی نژاد ہیں اس لیے آپ ذہلی بھی ہیں اور شیبانی بھی۔ سکونت کے لحاظ سے مروزی اور بغدادی ہیں آپ کے اساتذہ کی فہرست بڑی طویل ہے۔

فہ معمرة طاهرة للنس صلی اللہ علیہ وسلم اخبر بما صیقع (۱)
”اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا مجروح ہے آپ نے ہونے والی بات کا پتہ دیا ہے۔“

کہنا یہ چاہت ہوں کہ امام اعظم کی برتری کے لیے یہ شرف کافی ہے کہ وہ نبوت کا مجروح ہیں اور اس سے بڑا شرف ہی کیا ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی مکاتیب میں سے ہر کتب فکر نے امام اعظم کے مناقب کو اپنے لیے راہروا بنانے کی کوشش کی ہے۔ شوافع میں حافظ جلال الدین السیوطی حافظ ابن حجر مکی حافظ ذہبی ابن صلیان الیافعی علامہ نووی امام غزالی اور حافظ ابن حجر عسقلانی ممالک میں سے حافظ ابن عبد البر اور متاخرین میں سے علامہ یوسف بن عبد اللہ۔ المعروض اس بارۃ اللہ ہر کی بے ہمتائیوں کا یہ حال تھا کہ محدثین اور فقہاء میں سے کوئی نہیں جس کی زبان ان کے مفاخر اور مآثر کے گیت نہ گاری ہو۔

الانتماء فی فضائل الثلاث ائمام۔ المتعمد اور مناقب ذہبی سے اگر اس دور کے صرف ایسے علماء کی ایک فہرست تیار کی جائے جنہوں نے امام صاحب کے کمال علم و عمل کو سراہا ہے تو ان کی تعداد سو سے متجاوز ہوگی۔ مسر بن کدام ایوب استخیمانی سلیمان بن مہران شہد بن الکجج سفیان ثوری سفیان بن عیینہ حماد بن زید ابن ابی عروبہ ابن شہر بن یحییٰ بن سعید القطان۔ ان خوبان زمانہ کے حسن و جمال پر کون نام دھر سکتا ہے۔ لیکن وہ سب یک زبان ہیں کہ امام اعظم جیسا جمال ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔

امام اعظم کی محبت سنی ہونے کی علامت ہے:

پکانے اور بیکانے سب ہی متفق ہیں حتیٰ کہ کہنے والوں نے اس ذات شامی کو معیار سفید بنا دیا اور بر ملا لہ دیا کہ

من احب ابا حنیفة فهو سنی ومن ابغضه فهو مبتدع (۲)

”جو ابو حنیفہ سے پیار کرتا ہوں وہ سنی ہے جو آپ سے بغض رکھتا ہے وہ بدعتی ہے۔“

اور ان ہی کی زبانی مسلمانوں کو یہ پیغام ملا ہے کہ:

ہمارے اور لوگوں کے درمیان ابو حنیفہ ہیں جو ان سے محبت و تعلق رکھتا ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ اہل السنۃ ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے ہم یقین سے کہتے ہیں کہ وہ بدعتی ہے۔ (۱)

معظم ہے کہ یہ کہنے والے کون ہیں اور کسی وقت کہہ رہے ہیں؟ یہ حافظ عبدالعزیز بن میمون ہیں حضرت نافعؒ حضرت عکرمہؒ اور حضرت سالمؒ کے سامنے ان کو زانوئے تہمت کرنے کا شرف حاصل ہے اور ان کے تلامذہ میں یحییٰ القطانؒ عبداللہ بن المبارکؒ عبدالرزاقؒ اور وکیع بن الجراح جیسے اساطین حدیث ہیں۔ ان کی وفات ۱۵۹ھ میں ہوئی ہے۔ یہ امام اعظمؒ کے ایک معاصر کی شہادت ہے اور معاصر کی شہادت ہی سب سے بڑی شہادت ہوتی ہے اسی بناء پر بڑے بڑے جلیل القدر ائمہ حدیث مسائل میں امام اعظمؒ کا لوہا مانتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم و فضلہ میں امام علی بن المدینی اور ملک الحافظ یحییٰ بن معین کے استاد امام وکیع بن الجراح کے متعلق لکھا ہے۔ کماں بعضی ہر ائی ابی حنیفہ۔ حافظ ابن کثیر اور امام ذہبی نے یحییٰ بن سعید القطان کے بارے میں بتایا ہے۔ کماں یحییٰ بن سعید یعتاد قولہ فی الفتویٰ (۲) کچھ دار آدی کے لیے اس میں یہ بات سوچنے کی ہے کہ یحییٰ القطان کی وفات ۱۹۵ھ میں ہوئی ہے تو امام ابو حنیفہ کی تقلید ۱۹۵ھ سے پہلے شروع ہو چکی تھی عوام تو عوام یحییٰ جیسے شخص اخوام ان کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر اور حافظ ابن کثیر نے تصریح کی ہے کہ امام یحییٰ القطان نے جامع صغیر باقاعدہ قاضی ابو یوسف سے سبقا پڑھی ہے۔ یحییٰ امام عبدالرحمن بن مہدی اور امام احمد کے اساد ہدیث ہیں اور حدیث میں ان کی جلالہ قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ امام علی بن المدینی کہتے ہیں کہ علم رجال میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ عباس دوری نے سید الحافظ یحییٰ بن معین کے حوالہ سے بتایا ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔

کتاب الجامع الصغیر عن محمد بن الحسن

”میں نے جامع صغیر امام محمد سے لکھی ہے۔“

یحییٰ بن معین کے امام بخاریؒ مسلمؒ ابو داؤدؒ ابو زریرہؒ اور ابو یعلیٰ شامیؒ ہیں۔

ربخ انور اور سراپائے امامت:

سن آئے ہو کہ امام اعظمؒ کی ولادت ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ھ بمقام کوفہ ہوئی حافظ مزی نے تہذیب الکمال میں اور ابن خلکان نے تاریخ میں اسے راجع قرار دیا ہے۔ لیکن ایک روایت میں حافظ سمعانی اور ان کے ساتھ حافظ ابن حبان نے کتاب الجرح والتعديل میں اور ابو القاسم سنائی نے روضۃ الصفا میں ۱۵۹ھ کو راجع بتایا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری کی رائے میں یہی صحیح ہے ان کا دعویٰ ہے کہ آپ معین میں سے ہیں۔

حاویر السعین فی العصر (۱) ”عمر نوے سے زیادہ ہے۔“

حافظ ذہبی نے مشہور محدث ابو نعیم الفضل بن دکین سے نقل کیا ہے کہ امام اعظمؒ خوش روز خوش پوش خوش مجلس کریم النفس خوشبو پسند اور اپنے رفقاء کے بڑے ہی اہم و تھے۔ (۲) امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قد میانہ تھا نہ بہت لالہ تھے اور نہ کوتاہ نہایت شیریں زبان بڑے دلکش اور قادر الکلام تھے۔ (۳)

امام اعظمؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ کسی قدر دراز قد تھے آپ کے رنگ پر گندم کوئی غالب تھی اچھا لباس پہنتے عام زندگی میں اچھی حالت میں رہتے خوشبو کا اتنا استعمال کرتے تھے کہ آپ کی نقل و حرکت کا اندازہ خوشبو کی مہک سے ہوتا تھا۔ (۴)

امام اعظمؒ تابعی ہیں:

اللہ سبحانہ کی مخلوقات میں سب سے بڑا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(۱) اروض الباسم ص ۱۹۲ ج ۱

(۲) الناقب: ص ۸ ج ۳

(۳) صدر الانس کی

(۴) الخیرات الحسان: ص ۸۰

(۱) الجواب المسبب ص ۱۸۲ ج ۱ (۲) البدایہ ص ۱۵۷ ج ۱ تذکرہ الحفاظ ص ۱۸۴ ج ۱

تابعین کی بزرگی:

صحابہ کرام کے بعد تابعین بھی اسلام میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ چند ارشادات نبوت بدیع ناظرین ہیں۔ حضرت عبداللہ (۱) بن مسعود فرماتے ہیں

عس السی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الناس قرنی ثم الذین یلوہم ثم الذین یلوہم ثم یحیی اھوام تسبق شہادۃ اھلہم بمیہ و بمیہ شہادۃ۔
 ”حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہترین لوگ میرے زمانہ کے ہیں بعد ازیں جو ان کے بعد آئیں گے پھر جو ان کے بعد آئیں گے اس کے بعد ایسی قومیں رونما ہوں گی جن کی شہادت قسم سے آگے اور قسم شہادت سے پیش پیش ہوگی۔“

حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

سأل رجل السی صلی اللہ علیہ وسلم ای الناس خیر قال القرون الذی املہ ثم الثانی ثم الثالث۔

۱۔ بقیہ صفحہ ۲۰۱ پر۔ عدالت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دامن کسبائے سے اور صفائے پر اصرار سے پاک ہو اور ان چیزوں سے محتاط ہو جو وقار کے منافی ہوں۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں عادل وہ ہے جس میں ایسا ملک ہو جو اس کو ملازم تقویٰ و عروت بنادے۔ علامہ جزائری رقمطراز ہیں کہ عدالت کے بھی مراتب ہیں۔ (۱) عبداللہ نام اور ابو عبدالرحمن کنیت ہے والد کا نام مسعود اور بذیل قبیلہ سے نسبی تعلق رکھتے ہیں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے خادم خاص اور بدین میں سے ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کو تذکرۃ الحفاظ میں الامام اربانی الفقیہ اور مقرئ کے باب رکعت القاب سے پکارا ہے روایت حدیث میں حدیث محتاط تھے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اسلام لانے والوں میں ان کا چمن نمبر تھا کہ میں سب سے پہلے با واز بلند قرآن خوانی کرنے والے تھے ان کو دونوں جہتوں جسد اور مدینہ کی سعادت حاصل ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا کوفہ میں دینی تعلیم کی اساس حضرت عبداللہ بن مسعود ہی ہیں حکیم الامت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم نے فقہ کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود کے فتاویٰ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان فیصلوں پر ہے جن کو علامہ ابن مسعود مانتے ہوں اور جانتے ہوں۔ (بحوالہ) (مجمع بخاری ص ۳۶۲ ج ۱)

”ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ فرمایا میرے زمانے کے پھر دوسرے کے پھر تیسرے کے۔“ (۱)
 حضرت امام نجی الدین ابو زکریا النووی خیبر القرون کی حدیث پر نوٹ لکھتے ہیں درست یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دور صحابہ کا زمانہ ہے دوسرا تابعین کا تیسرا اتباع تابعین کا۔ (۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ مراد ہے۔ (۳)
 جناب علامہ مولانا صدیق حسن خاں فرماتے ہیں

یہی صدر اول اور سلف صالح ہیں ان ہی کو ہر موضوع پر بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے ان ہی پر دین کی زندگی پر اعتماد ہے۔ دینی زندگی کے سارے احوال اعمال اخلاق اور احکام میں یہی سند ہیں۔ (۴)

ان تینوں دوروں میں دور اول یعنی زمانہ صحابہ (جو ۱۰ھ تک ہے) کمال علم کمال ایمان کے لحاظ سے دوسرے اور تیسرے دور سے افضل ہے۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں

قرن اولی کمال علم اور کمال ایمان میں یسے مقام پر تھا کہ قرن ثانی اور قرن ثالث کی وہاں تک رسائی نہیں ہوئی۔ (۵)

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں

ان تینوں دوروں میں بہترین دور ان لوگوں کا ہے جن کی نگاہوں نے جہاں جہاں آرا کا بحالت ایمان مشاہدہ کیا ہے یہی حق و باطل میں فرق کو سب سے زیادہ جاننے والے حق کے سب سے زیادہ ماننے والے حق کے سب سے زیادہ فریقہ باطل کے پیروی اور حق کی خاطر سب سے زیادہ جان بھانپنے والے ہیں۔ بعد میں

(۱) مجمع مسلم ص ۱۳۰ ج ۱ (۲) شرح صحیح مسلم ص ۳۰۹ ج ۲ (۳) فتح الباری ص ۳۳ ج ۱

(۴) لفظ ص ۳۳ (۵) شرح البقیۃ ص ۱۳۷ ج ۱

سنے والوں کے مقابلے میں علم و دیانت، سرفروشی و حق آشنائی، حق پذیری اور حق کی خاطر مصائب کے استقبال میں سب سے پیش پیش ہیں۔ (۱)

(۱) الاموات ص ۹۵۔ یاد رہے کہ جمہور کا تو یہی خیال ہے کہ قرون اول سے زمانہ سنی قرون ثانی سے زمانہ تابعین اور قرون ثالثہ سے زمانہ تابعین اور اب تک راتہ راتہ میں حکیم امت سے حد یہ تحقیق فرمائی ہے کہ "قرون اول زمانہ خلافت و قرون ثانی زمانہ شیعین و قرون ثالثہ زمانہ فاسقین" ایک اور زمانہ ہے "وقتہ پر فرماتے ہیں کہ "قرن اول زمانہ ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم است تا زمان وفات و سے و قرون ثانی از ابتدائے خلافت صدیق تا وفات فاروق و قرون ثالثہ قرون حضرت عثمان۔" شاہ صاحب نے مسطور سے لے کر پہلے اس امر سے کی قویہ یہ بتائی ہے کہ قرون ثانی میں ان دونوں کو کہتے ہیں جو عمر میں قریب قریب سونے اور عرف میں ان دونوں کو بھی کہتے ہیں جو ریاست و خلافت میں قریب قریب ہوں۔ جب حلیف و امراء اور دربار و درباری اور افواج و سپاہی و شہرانی بھی اور ہوں تو قرون ثانی میں جاتا ہے۔ (ارکان الخلفاء ج ۱ ص ۲۸۷) یہ تو وقت و عرف نے لی گاتے قرون کی توجہ ہے۔ اس کے علاوہ جو محدثان تحقیق فرمائی ہے وہ بھی گوش گد فرما دیجئے فرماتے ہیں "جب ہم اس تمام روایات کو جو مہارت میں مختلف اور مقصود میں متحد ہیں دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ قرون ثلاثہ سے اسی حدت کی تفصیل کی ہے اور اس حدت کو قرون میں تقسیم کر کے ان کی تعریف صرف اس سے کی ہے کہ ان قرون کے مدبر اور صاحبان حکومت ہے حدت حال کو پہنچے ہوئے تھے وراثت و خبر کی اشاعت اور خلیفہ اسلام کے بارے میں اللہ سبحانہ کا وعدہ ان قرون پر پورے چڑھا (ارکان الخلفاء ج ۱ ص ۳۶۶) شاہ صاحب کی یہ تحقیق اگر روئے وقت باطل نہیں تھی ہے اور اس تحقیق کی رو سے جن حدیثوں میں زمانہ سنی و تابعین میں فتوں کی خبر آئی ہے ان میں سے کسی حدیث کی ضرورت نہیں رہتی ہے اور چونکہ جمہور علماء نے ان قرونوں سے وہی وقت و مہم و مہم ہے جسے ہم نے کتاب میں غرض کیا ہے اس لیے ان تمام حدیثوں میں تاویل کی راہ اختیار فرمائی ہے۔ ہاں یہ تمام حدیثوں سے لیے مطالب کے تحت لکھے جاتے ہیں جن میں سنی و تابعین کے زمانے میں فتوں کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

حضرت امام اعظم کی پیدائش دو روایت ہیں: ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ھ میں ہوئی ہے۔ آخری صحابی کی وفات کے وقت بھی ۸۰ھ میں آپ کی عمر تیس سال ہے اور اگر حافظ سمعانی حافظ ابن سہب، حافظ محمد ابن ابراہیم، ابوزیر کی پیش فرمودہ تاریخ و امارت ۸۰ھ پر اکتفا کیا جائے تو آپ کی عمر ۱۵ سال ہو چکی ہے۔ اگر ۸۰ھ ہی کو مان لیا جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ عمر تیس سال یا تیس کہنے کے باوجود آپ نے کسی صحابی کی زیارت نہیں کی جب کہ ابوالفضل جناب احمد و اس کے پیروانوں نے آنحضرت کے زمانہ نبوت پر کوفہ میں قیام کیا حضرت علیؑ کے ساتھ تمام مشہد میں شریک رہے اور حافظ ذہبی کی تصریح کے مطابق ۸۰ھ میں وفات ہوئی۔ حافظ ابن حجر بھی امام ذہبی کے قریب میں ہوا ہیں۔

مات سنة عشر ومائة (۱) "۸۰ھ میں وفات پائی۔"

اس وقت حضرت امام اعظم کی عمر تیس سال تھی اگر یہ صحیح ہے۔ ابوالفضل شریعت میں مرتضیٰ نے بعد کے شریف لے گئے اور وہیں انتقال ہوا تو حضرت امام اعظم سولہ سال کی عمر میں فوت ہوئے شریف لے گئے وہاں ابوالفضل موجود تھے زیارت نہ ہونا ایک حیرت والی بات ہے اور اگر یہ درست ہے کہ ابوالفضل نے کوفہ ہی میں باقی زندگی گزاری تو کون کہہ سکتا ہے کہ ایک شخص ایک شہر میں پورے تیس سال گزارے اور اس شہر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی موجود ہوں مگر زیارت نہ ہو۔

محمد شین کی زبان میں تابعی:

سب مانتے ہیں کہ امام اعظم نے زمانہ سنی پایا ہے اور حافظ ذہبی، حافظ مسقطانی، حافظ ارقصی، ابن الجوزی، خطیب بغدادی، ابن سعد، قاضی ابن خلکان، امام شافعی، شیخ ابن حجر مکی، شیخ جریری اور حافظ ترمذی کی شہادتوں سے ثابت ہے کہ امام اعظم نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت انس بن مالک کو دیکھا ہے اور جیسا صحابی ہونے کے لیے بحالت ایمان ذات نبوت کا یہ ارکانی ہے ایسا ہی تابعی ہونے کے لیے صرف صحابی کا دیکھ لینا کافی ہے۔

روایت نہ تابعی ہونے کے لیے شرط ہے اور نہ صحابی ہونے کے لیے۔ خود امام بخاری نے صحیح میں صحابی کی یہ تعریف کی ہے کہ:

من صحبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اذ من المسلمین فہو من اصحابہ (۱)

”جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت یا دید کا شرف بحالت ایمان حاصل ہو وہ صحابی ہے۔“

اور یہ تعریف ارشادات نبوت سے لی گئی ہے۔ ترمذی میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کسی ایسے مسلمان کو آگ نہ لگے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔ (۲)

صحیح مسلم میں ایک حدیث حضرت جابر نے بحوالہ حضرت ابوسعید خدری بیان کی

ہے

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں پر ایک رحمت ہے۔ گا کہ ان میں سے شکر روانہ کیا جائے گا وہ کہیں گے دیکھو یہ تم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہے۔ کوئی ہے اگر ہو گا تو اس کی برکت سے ان کو فتح ہوگی۔ پھر دوسرا شکر روانہ کیا جائے گا وہ کہیں گے ہل فیہم من رای اصحاب النبی کیا ان میں کوئی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہے کو دیکھنے والا ہے۔ پس ان کی فتح ہوگی۔ پھر تیسرا شکر روانہ کیا جائے گا کہا جائے گا یہ تم میں کوئی ایسا شخص موجود ہے جس نے اصحاب نبوت کی زیارت کرنے والوں کو دیکھا ہو۔ (۳)

اس ارشاد نبوت سے صحابی اور تابعی کی تعریف واضح ہو کر سامنے آگئی کہ نبوت کی دید کا جسے بہت ایمان شرف حاصل ہو وہ صحابی ہے اور اس میں تمام محدثین یک زبان ہیں

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۸۷ (۲) ترمذی ص ۲۳۸ (۳) صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۳

اس موضوع پر محدثین میں کبھی بھی دو رائے نہیں ہوئی ہیں۔ ایسے ہی جن آنکھوں نے صحابہ کو مسلمان ہونے کی حالت میں دیکھا ہو وہ تابعی (۱) ہے۔

یہ بات کہ امام اعظم کو شرف و وجہ حاصل ہے ایک بے غبار حقیقت ہے اور اسی بنا پر ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ محدثین کا فیصلہ ہے کہ امام اعظم تابعی ہیں۔ ان اکابر کے نام آپ سن چکے ہیں جنہوں نے صحابہ کی دید کی تصریح کی ہے۔ ان کے اسمائے گرامی سن لیجئے جنہوں

(۱) بعض لوگوں کو کتابوں میں تابعی کی یہ تعریف پڑھ کر من لقی الصحابی الخ غلط فہمی ہو گئی ہے اور انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ دیکھنے والا تابعی نہیں بلکہ ملاقات کرنے والا تابعی ہے لیکن وہ اگر لقاء کے سنی بھی محدث ہیں ہی سے چھ لیتے تو پھر اس غلط فہمی کا علاج نہ ہوتے۔ حافظ ابن حجر نے شرح تہذیب میں لقاء کے معنی جو بتائے ہیں اس میں بیضا ساتھ چلا ایک دوسرے سے بغیر گفتگو ملنا اور ایک دوسرے کو دیکھنا سب داخل ہے چنانچہ وہ صریحاً لکھتے ہیں

وبعد حل فیہا رویۃ احمد ہما الآخر اس لیے من لقی الصحابی کے معنی یہ ہیں کہ تابعی وہ شخص ہے جو صحابی سے ملا ہو یعنی اس کے پاس بیٹھا ہو اس کے ساتھ چلا ہو بغیر گفتگو کے ملا ہو ایک دوسرے کو باہم دیکھا ہو۔ شرح تہذیب میں حافظ عسقلانی نے صحابی اور تابعی کی جو تعریف کی ہے اسے بھی سن لیجئے ہو من لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مومنا بہ ومات علی الاسلام جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت ایمان ملاقات کی ہو اور ایمان ہی پر اس کی موت ہوئی ہو وہ صحابی ہے۔ اب تابعی کی تعریف بھی پڑھ لیجئے ہو من لقی الصحابی کذا لک اور ملاقات کا مطلب آپ سن چکے ہیں۔ اسی تعریف کو علامہ نووی نے تعریف میں اظہر بتایا ہے۔ اسی کو علامہ محمد بن اسماعیل ایمانی نے توضیح الافکار میں اختیار کیا ہے۔ یہی امام حاکم کا مسلک ہے حافظ ابن الصلاح نے اسی کو اقرب اور حافظ عراقی نے اسی پر محدثین کی اکثریت کا عمل بتلایا ہے۔ امام اعظم کے بارے میں اگرچہ ترمذی کی تصریح یہ ہے کہ انہوں نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی مگر اس کے باوجود صرف شرف دید کی وجہ سے امام مسلم اور امام ابن حبان نے امام اعظم کو طبقہ تابعین میں شمار کیا ہے امام عراقی فرماتے ہیں کہ حضور انور نے اس ارشاد میں کہ طوبی من رای وامن ہی و طوبی لمن رای من رای صحابی اور تابعی کی تعریف کر دی اور تابعی اور صحابی ہونے کا ہر دید کو قرار دے دیا۔ (تدریب ص ۴۱۶)

نے امام صاحب کے تابعی ہونے کا واضح لفظوں میں اقرار کیا ہے۔ امام ابوالبرکات عبداللہ نسلی ○ حافظ بدرالدین عینی ○ حافظ ابن الباہہ ○ حافظ ولی الدین العراقي ○ شیخ ابن حجر مکی ○ علامہ قسطلانی ○ شیخ عبدالحق دہلوی ○ امام بزاز کردری ○ علامہ القاری ○ حافظ عبدالقدور قرشی وغیرہ وغیرہ ہم نے تصریح کر دی ہے کہ امام اعظم تابعی ہیں۔ سب کا استقصاء تو مشکل ہے لیکن گلے از گلزار چند تصریحات ہدیہ ناظرین ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے:

حافظ ابن حجر عسقلانی سے کسی نے دریافت کیا کہ امام اعظم تابعی ہیں یا نہیں؟ حافظ صاحب نے اس کا جو جواب دیا ہے حافظ ابن حجر مکی نے الخیرات الحسان ص ۲۱ پر ملاحظہ قاری نے شرح مسند امام اعظم ص ۲۸۴ پر اور حافظ جلال الدین السیوطی نے تبویط الصغیرہ ص ۵۰۴ پر نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

امام اعظم نے صحابہ کی ایک جماعت کو پایا ہے کیونکہ آپ کی تاریخ ولادت ۸۰ھ کو فہم میں ہے۔ کوفہ میں اس وقت حضرت عبداللہ بن ابی اوفی موجود تھے کیونکہ ان کی وفات بالتحقیق بعد میں ہوئی۔ پھر میں حضرت انس بن مالک تھے ان کی وفات ۹۰ھ کے بعد ہوئی۔ ابن سعد نے ایک بے غبار سند سے یہ بیان درج کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا ہے ان دو کے علاوہ اور بھی صحابہ بقید حیات تھے بعض اکابر نے صحابی سے امام صاحب کی روایت کے موضوع پر کچھ رسائل بھی لکھے ہیں ان کی سندیں ضعیف ہیں۔ غالباً نہیں ہیں۔ بہر حال اتنی بات مستند اور طے شدہ ہے کہ آپ نے زمانہ صحابہ پایا ہے اور ابن سعد کی تصریح کے مطابق یہ بھی امر واقعہ ہے کہ کچھ صحابہ کرام کی زیارت کا امام ابوحنیفہ کو شرف حاصل ہے اس لحاظ سے امام صاحب کا شمار طبقہ تابعین میں ہے اور یہ شرف امام صاحب کے سوا امام صاحب کے ہم عصروں میں کسی کو نصیب نہیں ہے۔ نہ امام اوزاعی کو شام میں نہ حماد بن زید اور حماد بن سلمہ کو بصرہ میں نہ سفیان ثوری کو کوفہ میں نہ امام مالک کو مدینہ میں نہ امام مسلم بن خالد کو ک

میں اور یوسف بن سعد کو مصر میں۔ (۱)

اسی قسم کا ایک اور سوال حافظ ولی الدین (۲) عراقی کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا اور پوچھا گیا کہ امام اعظم تابعی ہیں؟ حافظ عراقی نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ حافظ سیوطی نے تبویط الصغیرہ میں نقل کیا ہے اس میں حافظ عراقی نے صاف اقرار کیا ہے کہ اگر صحابی کے دیکھنے کا نام تابیت ہے تو امام ابوحنیفہ کا شمار بلارعب تابعین میں ہے اور کوئی نہیں جو اس بنیاد کو مان کر امام اعظم کی تابیت کا انکار کر سکے۔

(۱) یہ جو فرمایا کہ ان کی سند ضعیف سے خالی نہیں تو اس سے ملاحظہ نہ ہو جائے ضعیف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ضعیف الاستناد ہے یہ نہیں ہے کہ ثابت نہیں ہے تو رعب میں حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ اگر بہر ضعیف ہو تو ہم اسے ضعیف الاستناد تو کہہ سکتے ہیں مگر اس کے ہونے کا انکار نہیں کر سکتے اگر اس کے خلاف کوئی شہادت نہ ہو تو وہ قابل پذیرائی ہے حافظ ابن القیم نے اعلام میں لکھا ہے کہ الاصل المربع الاخذ بالمرسل والحدیث الضعیف الخلف یکن فی الباب فی ہکذا۔ میں اس بارے دفتر حدیث درجہ میں ایسی کوئی شہادت نہیں جس میں کوئی امام کے حلقہ پر تائید کر آپ نے صحابہ کو نہیں دیکھا ہے بلکہ بتانے والوں نے بتایا ہے کہ اصحابہ المشہورہ بالامتداد الصحاح والاحسان اور اصولائے راجع ہے۔

(۲) پورا نام احمد بن عبدالمجید بن الحسین ہے ولی اللہ بن لقب ابوذر کہتے ہیں اپنے والد زین الدین عراقی کے ہاتھ پر وہاں چڑھے ہیں ۶۲ھ میں ولادت ہوئی ۲ سال کی عمر میں ان کو ان کے والد دمشق لے گئے۔ جوان ہوئے مصر آ گئے یہاں کے مشائخ سے استفادہ کیا دو بارہ دمشق گئے اور وہاں کے مشائخ سے فیض یاب ہوئے ان کو یہ شرف ہے کہ ان کی جملہ روایات اور مصنفات کا ان سے ان کے اکابر اور بزرگوں نے سماع کیا۔ فقہ اصولی معانی و بیان ادب عربی میں کمال حاصل تھا تو جوانی ہی میں مسند تدریس پر بیٹھ گئے تھے ان کی تصانیف میں کافی کتابیں ہیں ان کا بیسویں ترجمہ ابن فہر نے لفظ الافاظ ص ۲۸۴ تا ۲۹۰ لکھا ہے ان کی وفات محاشیہ ۸۲۶ھ کو ہوئی۔

حافظ زین الدین عراقی کا تبصرہ:

علامہ محی الدین نووی نے تقریب میں موع الحساوی والا رسعوں میں روایت الاکابر عن الاصاغر پر تبصرہ کرتے ہوئے بڑوں کا چھوٹوں سے استفادہ کی ایک قسم یہ بتائی ہے کہ ایک شخص تابعی ہو کر کسی ایسے شخص سے روایت لے جو تابعی نہیں ہے جیسے عمرو بن شعیب کہ یہ تابعی نہیں ہیں۔ لیکن تابعین نے ان سے روایات لی ہیں۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے باوجود تابعی ہونے کے عمرو بن شعیب سے استفادہ کیا ہے ان کی تعداد حافظ عراقی نے پچاس سے زائد بتائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

وعدہم الحفاظ العراقي ابو الفضل بغدادی حمسین (۱)

"حافظ عراقی نے ان کو پچاس سے زیادہ شمار کیا ہے۔"

اس کے بعد حافظ عراقی کے بیان کردہ تابعین کے ناموں کی یہ فہرست دی ہے ابوہریرہ بن مسرہ، ابوب اسحاق، بکر بن الاشج، ثابت بن عجلان، ثابت البنانی، جریر بن حارم، جابر بن عطیہ، حبیب ابن ابی موسیٰ، جریر بن عثمان، احکم بن قتب، حمید الطویل، داؤد بن قیس، داؤد بن ابی بند، الزبیر بن عدی، سعید بن ابی ہلال، سلمہ ابن دینار، سلمان الشیبانی، سلیمان بن اعمش، عاصم الاحول، عبداللہ بن عبدالرحمن، الطاکم عبداللہ بن عون

(۱) پورا نام عبدالرحیم بن حسین بن عبدالرحمن المروزی ارازی ہائی ہے۔ حافظ ابن فہد نے لفظ الحافظ میں اور حافظ سیوطی نے ذیل طبقات الحفاظ میں ان کا مبسوط ترجمہ لکھا ہے۔ عزالدین بن جماع فرماتے تھے کہ مصر میں اس کے سوا جو بھی حدیث دہلی کا دعویٰ کرتا ہے وہ صرف مدعی ہے علامہ سبکی العطالی اور ابن کثیر نے ان کی بے حد تعریف کی ہے ان کی تصانیف میں المفید اس کی شرح، تخریج احیاء مغلہ شرح الترمذی وغیرہ ہیں۔ ابن فہد کہتے ہیں کہ تین سال کی عمر میں سایہ پردی سے محروم ہو گئے تھے۔ ۸ سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا حدیث انبیوں نے شیخ علاؤ الدین ابن الزہلی انھی سے حاصل کیا اور ان سے ہی حدیث کی دستار فضیلت لی۔ تحصیل علم کے لیے سفر کی سوتیلی برداشت کیں۔ بہت خوبصورت لفظوں اور بزرگوں کا سرمایہ تھے۔ بدھ کے دن ۸ شعبان ۶۰۶ھ میں بمقام قاہرہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ لعنہ اللہ برحمہ۔

عبداللہ بن ابی ملیک، عبدالرحمن بن حرمہ، عبدالعزیز بن رفیع، عبدالملک بن جریج، عبداللہ العمري، عطاء ابن ابی رباح، عطاء ابن السائب، عطاء الخراسانی، العلاء بن الی رث علی بن الحکم، عمرو بن دینار، ابو اخطب السیمی، قتادہ، محمد بن اعث، محمد بن مجاہد، محمد مجلان، ابو الزبیر، زہری، سمر الوراق، کھول، موسیٰ ابن ابی عائشہ، ابو حنیفہ اہمان بن ثابت، ہشام بن عروہ، ہشام بن الغاز، وہب بن منبہ، یحییٰ ابن ابی کثیر، یزید بن ابی حبیب نے عمرو بن شعیب سے روایت کی ہے ان تابعین میں امام اعظم کا بھی اسم گرامی موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم حافظ عراقی کے نزدیک تابعی ہیں۔ یاد رہے کہ حافظ عراقی فن حدیث میں بڑے پائے کی شخصیت ہیں۔

علامہ قسطلانی کی رائے:

علامہ قسطلانی نے امام اعظم کو تابعین کے زمرے میں شمار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

هذا مذهب الجمهور من الصحابة كابن عباس وعلي ومعاوية و انس بن مالك و خالد و ابي هريره و عائشه و ام هانئ و من التابعين الحسن البصري و ابن سيرين و الشعبي و ابن المسيب و عطاء و ابو حنیفہ و من الفقهاء ابو يوسف و محمد و الشافعي و مالك و احمد (۱)

یہ تمام صحابہ تابعین اور فقہاء کا مذہب ہے صحابہ جیسے ابن عباس، علی، معاویہ، انس، خالد، ابو ہریرہ، عائشہ، ام ہانی، جیسے حسن بصری، ابن سیرین، شعبی، ابن المسیب، عطاء اور ابو حنیفہ اور فقہاء میں جیسے ابو یوسف، محمد، شافعی، مالک اور احمد۔ اس میں امام اعظم کا تابعین کے زمرے میں صاف تذکرہ موجود ہے۔

محمد ثنین میں سے حافظ ابو عمرو بن عبدالبر کی شخصیت سے کون ناواقف ہے موصوف نے حضرت انس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابی عبداللہ بن الی رث بن بڑ کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے

اما اباحیفہ وای انس بن مالک و عبد اللہ ابن الحارث بن جرء۔

”امام ابو حنیفہ کو حضرت انس بن مالک اور حضرت عبد اللہ کی دید کا شرف ہے۔“ (۱)

عبد اللہ بن حارث کی حدیث پر تفصیلی کلام انشاء اللہ آئندہ آئے گا۔ یہاں صرف یہ بتادینا ضروری ہے کہ حافظ ابو بکر الجعفی نے اپنی بیش بہا تصنیف الانصار میں لکھا ہے کہ

ما ت عبد اللہ بن الحارث بن جزء سنة سبع و تسعين (۲)

یاد رہے کہ حافظ ابو بکر الجعفی اپنے وقت میں علل حدیث اور تاریخ رجال کے بہت بڑے امام گذرے ہیں۔ مشہور محدث دارقطنی ان کے شاگرد ہیں ابو علی خیشا پوری کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا۔ ان کو چار لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کے درس حدیث میں اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ گھر گلی شاہراہوں پر انسان ہی انسان ہو جاتے تھے ابو الفضل القطان کہتے ہیں کہ میں نے خود امام ابو بکر الجعفی کی زبانی سنا ہے کہ میں جب رتہ پہنچا وہاں میرے پاس حدیث کی کتابوں کا گٹھا تھا۔ ایک روز ملازم فہمکن صورت بنائے ہوئے آیا۔ بول آپ کی ساری کتابیں ضائع ہو گئیں۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں ان میں صرف دو لاکھ حدیثیں تھیں۔ وہ سب مجھے زبانی یاد ہیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ علل رجال کے امام تھے۔

یہ امام اعظم کے بارے میں دید کی شہادت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ایک مثبت دعویٰ ہے اس کے مقابلے میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ ایک منقہ چیز ہے۔ اصولی طور پر مثبت کو منقہ پر مقدم ہونا چاہیے امام بخاری نے جزء رفع یدین میں بڑے پتے کی بات لکھی ہے کہ ایک بات کے بیان کرنے والے دو شخص ہوں ایک کہے میں نے کرتے دیکھا ہے دوسرا کہے میں نے نہیں دیکھا ہے اس میں مثبت شاہد ہے نافی شاہد نہیں ہے کیونکہ اسے کوئی چیز بھی نہیں ہے عبد اللہ بن زہیر کہتے ہیں دو شاہدوں نے گواہی دی ایک نے کہا۔ حمید نے اقرار کیا ہے کہ اس کے ذمہ ایک ہزار روپیہ ہے دوسرا کہتا ہے کوئی اقرار نہیں کیا جو شخص مثبت کا اظہار کر رہا ہے وہ شاہد ہے اسی کو

اپنایا جائے گا یا مثلاً بلال کہتے ہیں کہ میں نے حضور الوری صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اور فضل بن عباس کہتے ہیں کہ آپ نے نماز نہیں پڑھی بلال کی بات کو قبول کیا جائے گا کیونکہ یہ شہادت ہے اور نافی کی بات ناقابل التفات ہے۔ (۱)

لیجئے اسی ترازو میں امام اعظم کی تابیت کے معاملے کو تول کر دیکھ لیجئے۔ ایک طرف حافظ ذہبی اور ابن سعد سیف ابن جابر کی زبانی یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ امام اعظم نے انس بن مالک کو دیکھا ہے اور دوسری طرف یہ کہنے والا کوئی نہیں کہ ”میں نے دیکھا“ اگر بالفرض ایسی کوئی بات ہوتی بھی تو پھر بھی کہا جاسکتا تھا کہ مثبت شاہد ہے اسی ترازو میں روایت کے مسئلہ کو بھی تول لیجئے۔ ایک طرف کہنے والے کہہ رہے ہیں کہ امام اعظم نے صحابہ سے روایت کی ہے اس کے مقابلے میں دارقطنی صدیاں گزرنے پر کہتے ہیں کہ امام اعظم نے روایت نہیں کی فرمائیے امام بخاری کے بیش کردہ ضابطہ کے مطابق شاہد کون ہے؟ وہ جو وجود کا پتہ دے رہا ہے یا وہ جو نہیں نہیں کر رہا ہے آپ ہی انصاف فرمائیے۔

الفرض امام اعظم کا زمانہ صحابہ میں ہونا اور حضرت انس کا دیکھنا محدثین کے یہاں اختاقی ہے۔ اس لیے وہ یقیناً تابعی ہیں اور تابعی ہونے کی وجہ سے اللہ سبحانہ کے اس ارشاد کا مصداق ہیں۔ والساہقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعواہم باحسان۔ کیونکہ اس آیت میں مهاجرین و انصار سے جمیع صحابہ مراد ہیں چنانچہ حمید بن زیاد کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے محمد بن کعب قرظی سے صحابہ کی بخشش کا اعلان کیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کہاں؟ فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔ قرآن میں ہے۔ والساہقون اولون اس آیت نے تمام صحابہ کرام کو بخشش کا شوقیث دیا ہے۔ البتہ تابعین کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ احسان کے ساتھ صحابہ کے پیروکار ہوں۔ اس لیے اس آیت نے مسلمانوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک صحابہ دوسرے وہ جو احسان کے ساتھ صحابہ کے تابعین ہوں اور دونوں کے لیے اس آیت میں چار ہتم بالشان وعدے کیے گئے ہیں۔

• اول یہ کہ اللہ سبحانہ ان سے راضی ہو گیا۔

• دوم یہ کہ صحابی اور تابعین اللہ سے راضی ہو گئے۔

• سوم یہ کہ وہ جنتی ہیں۔

• چہارم یہ کہ وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

امام اعظم تابعی ہونے کی وجہ سے ان تمام وعدوں کے مصداق ہیں اور یہ تہرہ آپ کے سوا اللہ اور بعد میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر نے امام اعظم کو دوسرے اماموں پر مقدم کرنے کی وجہ یہ لکھی ہے:

لأنه أدرك عصر الصحابة وروى عن انس بن مالك (۱)

امام اعظم کا زمانہ طلب علم۔

امام اعظم نے بچپن کا زمانہ علوم کے لیے نہیں بلکہ فنون کے لیے باغ و بہار کا زمانہ تھا۔ آپ کی عمر چھوڑا کی ہوئی تو ۱۹۵ھ مطابق ۸۱۰ء میں ولید بن عبدالملک سریر رائے حکومت ہوا بنو امیہ کا آفتاب اقبال اس وقت نطف النہار پر تھا۔ مہد ولید خلافت اموی کے اوج شباب کا زمانہ ہے اور یہ واقعہ ہے کہ فتوحات ملکی اور رفاہ عامہ کے کاموں کی جو سرپرستی ولید نے اپنے دور حکومت میں کی ہے۔ بنو امیہ میں سے کسی نے کم ہی کی ہوگی۔ ولید کی حکومت کا دائرہ مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں حجاز و عراق سے افریقہ، شام، ایٹلیا کو چھ ترکستان ایران، افغانستان اور پاکستان میں شہر ملتان تک پھیل چکا تھا۔ جس اتفاق سے ولید کو قین کار آمد اور مفید سپہ سالار مل گئے تھے۔ قتیبہ بن مسلم، ابی حنیفہ کے ذریعے ایشیا کے قلب تک اسلامی فتوحات پہنچیں۔ موسیٰ بن نصیر جس کے ذریعے اندلس میں جبرائیل تک اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ اور محمد بن قاسم جس کے ذریعے پاکستان میں ملتان تک اسلامی فتوحات کا پھر براہ راست غرض ایک ہی وقت میں مسلمانوں کی فوجیں مشرق، مغرب، شمال، جنوب میں فتح و نصرت کے پرچم اٹھ رہی تھیں اس کے بعد مسلمانوں کو ایسا کامیاب دور دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔

ولید کا زمانہ حکومت ۸۶ء سے ۹۹ء تک ہے اور یہی دور امام اعظم کے جمہنیے اور تزکیہ کا دور ہے یہ سارا زمانہ امام اعظم نے کوفہ میں گزارا ہے۔

کوفہ کی مرکزی حیثیت:

کوفہ کی مٹی حیثیت کیا ہے؟ اس پر تفصیلی بحث تو امام اعظم کے اساتذہ حدیث کے حسد میں آئے گی مگر اتنی بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ ولید و جملہ اور فرات کا جنوبی حصہ جسے علاقے جغرافیہ عراق کہتے ہیں ایک خوشگوار سرسبز و شاداب علاقہ اور تین ہزار سالہ دہنیت و تہذیب کا علمی گہوارہ ہے بابلویں آشوریوں کلدانیوں فارسیوں اور یونانیوں کی جولا نگاہ رہا ہے۔ زمانہ خلافت فاروقی میں اس پر پرچم اسلام لہرایا تو مسلمانوں نے اپنے عہد تمدن میں دو نئے شہر بسائے، کچھ تو اس لیے کہ ان دار الخلافہ کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئی (۱) اور کچھ اس لیے کہ ممالک محروسہ کا تعلق مدینہ طیبہ سے انتظامی طور پر حمل و نقل کے وسائل نہ ہونے کی وجہ سے مشکل رہتا۔ حضرت فاروق اعظم نے شہر بسانے کے لیے ایک کمیٹی فرمائی اس کمیٹی کے حسب ذیل ارکان تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ۔ ان حضرات نے شہر کے لیے دریائے فرات کا کنارہ تجویز کیا۔ رپورٹ مرکزی حکومت کو پیش ہونے پر شہر بسانے کی اجازت ملی۔ حکمرانی ہو جانے پر محرم الحرام ۳۸ھ جنوری ۶۳۸ء کو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو مشرہ ہشرہ میں سے ہیں ان پھوڑ کر کوفہ آئے اور آپ کے ساتھ چالیس ہزار نفوس کوفہ میں آباد ہوئے۔

عندہم اربعون الفاً (۲) "ان کی تعداد چالیس ہزار ہے۔"

اولین رہائش کے لیے غیہ اور چھپر اختیار کیے گئے۔ لیکن غیہوں اور چھپروں کے یہ گھر دہنے آئے دن آگ کی تباہ کاریوں کا شکار رہتے تھے اس لیے کچھ عرصہ بعد حضرت فاروق اعظم نے پختہ عمارت کی اجازت دے دی۔ اجازت ملنے پر عراق تمدن کے مطابق حضرت ابو الیمانؓ ۱۱۰۰ سدی کو پورے شہر کا سروے کرتے پر مقرر کیا گیا۔ آپ نے بڑی محنت سے شاہراہوں

کوچوں گھر نمٹ ہاؤس اور جامع مسجد کے لیے پلاٹ مقرر کیے نقشہ اس طرح ترتیب دیا کہ شہر کے مرکزی مقام پر جامع مسجد ہو جامع مسجد سے چاروں طرف چوڑی چوڑی سڑکیں ہوں۔ حافظ ابن کثیر نے سڑکیوں کی چوڑائی چالیس ہاتھ یعنی ساٹھ فٹ اور گلیوں کی گیارہ فٹ لکھی ہے (۱) اور جامع مسجد کے بڑے صحن کے سامنے کافی فاصلہ پر گھر نمٹ ہاؤس بنایا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایسی عظیم الشان ترقی کی کہ حائے کے خزانے باطل و بصرہ کا تمدن اور عربی تہذیب یہاں امنڈ کر آ گئی۔ حتیٰ کہ لفظ عراق کا مفہوم ہی کوفہ بن گیا (۲) اور صرف یہی نہیں بلکہ اطرمی نے لکھا ہے کہ کوفہ کے تمدن جدید اور قبول کی داستانیں سن کر تمام عرب میں یہاں آباد کاری کے لیے ایک دلولہ پیدا ہوا۔ حضرت عتبہ نے انس بن حذافہ کو حضرت فاروق اعظم کے پاس روانہ کیا۔ حضرت فاروق نے ان سے پوچھا کہ کوفہ میں مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ اس کا جواب جو انہوں نے دیا وہ سننے کے لائق ہے فرمایا کہ

انتقلت عليهم الدنيا فهم يهلون الذهب والفضة۔

”ان پر دنیا بے پڑی اس لیے وہ سنا اور چاندی بھار رہے ہیں۔“ (۳)

یہ تو آپ سن چکے ہیں کہ کوفہ میں آباد کاری کے وقت حضرت سعد بن ابی وقاص کے ساتھ چالیس ہزار حضرات تھے۔ ان میں صحابہ کس قدر تھے۔ تصریح تو نہیں ملتی ہے مگر حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں مدائن چھوڑنے کے اسباب بتاتے ہوئے جو یہ فقرہ لکھ دیا ہے کہ

ان الصحابة استوحوا المدائن۔ ”صحابہ کو مدائن کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔“

تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری تعداد ہی صحابہ کرام پر مشتمل تھی لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اس پوری تعداد نے کوفہ کو وطن بنالیا ہو۔ اگرچہ کوفہ کے تمدن اور قبول کو دیکھ کر زیادہ قریب قیاس یہی ہے کہ صحابہ کا یہ جم غفیر اسی جگہ آباد ہوا ہو۔ لیکن اس کا بھی احتمال ہے کہ ان میں سے کچھ حضرات واپس ہو گئے ہوں مگر حافظ قتادی کے بیان سے پہلے احتمال کی تائید ہوتی ہے۔ وہ حافظ ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۷۵ (۲) تاریخ الاسلام سیاسی ج ۱ ص ۲۷۰ فجر الاسلام ص ۱۸۰

(۳) تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۳۶

کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عمار بن یاسر حضرت علی ابن ابی طالب جیسے حضرات نیز صحابہ کرام کی ایک خلقت یہاں آ کر اتری۔ (۱)

اس موضوع پر ان بزرگوں نے یہ اپنے علم کی حد تک بتا دیا ہے اور اسی لیے خیالات مختلف ہیں۔

چنانچہ امام حاکم نے اپنی مشہور کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں ان مشاہیر کے نام لکھے ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ طیبہ سے دوسرے اسلامی شہروں میں منتقل ہو گئے۔ اس سلسلے میں انہوں نے سب سے پہلے کوفہ سے ابتداء کی ہے اور سب سے زیادہ اسی جگہ آنے والوں کی تعداد بتائی ہے۔ حافظ ابو بشر دولابی نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص اور پچاس وہ بزرگ کہ جو غزوہ بدر میں آپ کے ہرکاب تھے کوفہ میں فروکش ہوئے۔ (۲)

امام ابوالحسن احمد بن عبداللہ نے اپنی تاریخ میں اس سے زیادہ تعداد بتائی ہے۔ چنانچہ فرماتے وہ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ذیضہ ہزار صحابہ آ کر آباد ہوئے۔ (۳)

حافظ ذہبی حافظ ابن کثیر حافظ ابو بشر دولابی اور امام ابوالحسن عجمی کے بیانات میں کوئی تضاد نہیں ہے صحابہ کی تعداد تو زیادہ ہی ہے مگر تیس ہزار شخص نے اپنے علم کے مطابق کی ہے۔ خود صحابہ کی تعداد کے بارے میں علماء کا ایسا ہی اختلاف ہے۔ حافظ ابو زرہ نے ایک لکھ چودہ ہزار بتائی ہے۔ حافظ ابن حزم نے ایک لاکھ تیس ہزار لکھی ہے۔ اور شاہ ولی اللہ نے جتہ اللہ الباقہ میں جو تعداد بتائی ہے وہ بھی سن لیجئے۔

لم يخرج النبی السحیح و حصر معه نحو من مائۃ الف و اربعۃ و عشرین الفاً۔ (۴)

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہر شخص نے اپنے علم کے مطابق تعداد لکھی ہے

(۱) الاطیان بالفتح ص ۹۲

(۲) کتاب الکفی والاشیاء ص ۱۷۲ ج ۱

(۳) فتح القدیر ج ۱ ص ۳۳

(۴) جہ اللہ الباقہ ج ۲ ص ۲۰

صحابہ کی اس کثرت کے ساتھ احمد امین نے کوفہ کا علمی نسب نامہ جو لکھ دیا ہے۔ وہ ان کی زبانی سن نیچے کوفہ میں بے حد و حساب صحابہ کرام کا دور ہوا۔ علم میں ان میں زیادہ مشہور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔ حضرت علی کو علمی نشر و اشاعت کے لیے سیاسی جمعیوں کی وجہ سے وہ فراغت نہیں ہوئی جو حضرت عبداللہ بن مسعود کو نصیب ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی شخصیت صحابہ میں سب سے بڑی علمی اور اثری شخصیت تھی، مسلمان ہونے میں ان کا چھٹا نمبر تھا۔ مہاجرین حبشہ کے ساتھ حبشہ بھی ہجرت کی اور بعد ازیں مدینہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ملازم صحبت تھے۔ آپ کو حضور میں جانے کی اجازت تھی۔ قرآن خدائی اور قرآن الہی سے بے حد شغف تھا۔ سلامی حکیم تفسیر قرآن میں امتیازی مقام کی وجہ سے آپ کا شمار صحابہ میں شاعر تھا۔ حضرت فاروق اعظم نے ان کو کوفہ کے شہریوں کا معلم بن کر بھیجا تھا۔ ان کو کوفہ نے ان سے علم حاصل کیا اور ان کے سامنے زونے شام و دیوبند کی۔

اور صرف عمر ہی نہیں بلکہ اخلاق و ادب بھی ان سے ہی لیے۔ ان کے شاگردوں کے بارے میں سعید ابن جبیر کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ ہی اس شہر کے چشم و چراغ ہیں آپ لوگوں کو قرآن بھی پڑھاتے تفسیر بھی سمجھاتے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی بیان کرتے اور پیش پا افتادہ حالات میں فتویٰ بھی کتاب و سنت سے یا پھر اپنے اجتہاد سے دیتے۔ آپ کے مدرسہ کے چھ شاگرد مشہور ہیں۔ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ، عہدہ، عاصی اور عمرو بن شہیل یہ حضرات کوفہ میں قیام، افتاء میں حضرت عبداللہ کے جانشین ہیں لیکن سب علماء کوفہ کا علمی مرکز صرف حضرت عبداللہ ہی کی شخصیت تھی بلکہ ان میں سے بہتوں نے مدینہ جا کر حضرت فاروق اعظم حضرت علی مرتضیٰ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت معاذ بن جبل اور دوسرے صحابہ سے علمی استفادہ کیا ہے اس کے نتیجے میں کوفہ کو ایک علمی گہرائی کی حیثیت بھی حاصل ہوئی۔ کوفہ کے علماء میں شریک، شعی، نخی اور سعید بن جبیر بہت مشہور ہیں۔ اس بستی میں علمی ترقی ہوئی رہی تا آنکہ علم کا یہی تاج امام اعظم کے سر رکھا گیا۔ (۱)

فی الواقع صحابہ کی اس کثرت کے باوجود علماء کوفہ نے صرف حضرت عبداللہ ہی پر علمی استفادہ میں قناعت نہیں کی بلکہ ان کے شوق طلب کا عالم یہ تھا کہ وہ اس کی خاطر مدینے کا سفر کرتے تھے۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

ابو عبد الرحمن السلسلی اور دیگر علماء کوفہ جیسے علقمہ اسود عاصی ذر بن جیش کہ جن کے پاس عاصم بن ابی النجود نے قرآن پاک کی قرأت کی ہے۔ ان سب لوگوں نے حضرت ابن مسعود سے قرآن سیکھا۔ نیز یہی حضرات مدینہ جاتے اور کوفہ کے قاضی شریح نے فقہ کی تعلیم یمن میں حضرت معاذ بن جبل سے لی تھی۔ (۱)

اور پھر چند اوراق کے بعد لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ حضرت عمر علی اور ابوالدرداء سے علم حاصل کرتے تھے۔ اس پر تفصیلی تبصرہ آئندہ اوراق میں آ رہا ہے یہاں مجھے صرف یہ دکھانا ہے کہ امام اعظم کی یہ بستی علمی بستی ہے۔ خلاصہ کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ فن قرأت و تجوید کے اُمرسات امام ہیں جن کو قرآن وسعد کہتے ہیں تو ان میں سے تین عاصم، حمزہ اور کسائی کوئی ہیں۔ علم التفسیر میں خود عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں کو اہل الناس بالتفسیر بتایا ہے (۲) حضرت سعید بن جبیر جن کو حضرت قتادہ تفسیر کا سب سے بڑا عالم مانتے ہیں وہ کوفہ ہی کے رہنے والے ہیں۔ عربیت اور نحو کی تدوین بھی کوفہ اور بصرہ ان دو شہروں میں ہوئی چنانچہ لغت اور نحو کی کتابوں میں ان دو شہروں کے سوا کسی شہر کے علماء کا اختلاف ذکر نہیں کیا جاتا ہے ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے کیسی اچھی بات لکھی ہے

علم نحو نے کوفہ و بصرہ کے ان دو شہروں میں نشوونما پائی ہے جو پہلی صدی ہجری میں اسلام ثقافت کا سب سے اہم مرکز تھے۔ جہاں علم کلام اور علم فقہ کی اساس رکھی گئی ہے اور جہاں ادب اور فنون کے مدرسے قائم ہوئے (۳)۔

(۱) مشہاج الت: ص ۱۵۶ ج ۳ (۲) الاقنان فی علوم القرآن: ج ۲ ص ۱۸۹

(۳) تاریخ اسلام سیاسی: ج ۲ ص ۳۹۱

الفرض امام اعظم نے جس ہستی میں آنکھ کھولی اور جس میں بچپن اور لڑکپن گزارا ہے وہ صرف تمدن و تمدن ہی کا گہوارہ نہیں بلکہ علوم و فنون کی عمری ہے۔

امام اعظم کی علمی طلب گاریوں کا زمانہ:

اگرچہ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ امام کی علمی طلب گاریوں کی عمر علامۃ النبیین امام فہمی کی ذات گرامی ہے اور اس سے بچنے والوں نے یہی سمجھا ہے کہ امام صاحب نے طلب علم کا سلسلہ بچپن میں نہیں بلکہ بڑے ہو کر شروع کیا ہے لیکن یہ محض اندازہ اور خیال ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ علمی طلب گاریوں کا آغاز تو بچپن ہی میں ہو گیا تھا مگر امام فہمی کی ذات گرامی نے امام اعظم کو علم الشرائع کی طرف مائل کیا ہے چونکہ امام اعظم کو دوسرے فنون کے ساتھ علم الکلامی سے خاصی دلچسپی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ علم کلام میں اصول دین سے بحث ہوتی ہے اس لیے یہ علم تمام علوم سے برتر ہے (۱)۔ اس علم میں تکمیل کی اور صرف تکمیل ہی نہیں بلکہ اس درجہ امامت اور مہارت پیدا کر لی کہ

بلغ فيه مبلغاً يشار اليه بالاصابع (۲)

”اس مقام پر پہنچ گئے کہ انگلیاں ان ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔“

اور اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جو صدرالائمہ نے نجی ابن بکیر کے حوالہ سے

امام اعظم کی زبانی لکھا کہ:

میں ایک روز بازار جاتے ہوئے امام فہمی کے پاس سے گذرا امام فہمی نے مجھے بلایا اور دریافت کیا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ بازار آپ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ علمی مشغلہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں علماء کے پاس کم جاتا ہوں فرمایا کہ اس بارے میں غفلت کو راہ نہ دو۔ مطالعہ اور اہل علم کی صحبت کو اپنے لیے ضروری کرلو۔ مجھے تم میں ہونہاری اور بیداری نظر آرہی ہے۔ (۳)

(۱) مناقب للنفی ج ۱ ص ۶۳ (۲) مناقب کردی ج ۱ ص ۶۳ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۳۲

(۳) مناقب للنفی ج ۱ ص ۶۳

یہ واقعہ خود کہہ رہا ہے کہ یہ آغاز طلب کا مشورہ نہیں بلکہ نظر فی العلم اور عیاست علماء کا مشورہ دے رہے ہیں۔ آپ خود ہی سوچنے کہ ایک شخص جو علم کی راہ سے واقف نہیں ہے علماء سے رہا و ضبط نہیں رکھتا ہے صرف دوکاندار ہے۔ اس میں ایک اجنبی شخص کے لیے کون سی کشش ہے جو اسے یہ کہنے پر مجبور کر رہی ہے کہ تم میں مجھے علمی بیداری نظر آتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام فہمی کو امام اعظم کی کلامی مسائل میں ہونہاری اور بیداری کی داستان معلوم تھی۔ اس بنا پر انہوں نے امام اعظم کو الشرائع کی طرف توجہ کا مشورہ دیا۔ اس کے نتیجے میں خود امام صاحب فرماتے ہیں کہ:

امام فہمی کی بات دل میں گہر کر گئی اور بازار چھوڑ کر بس علم ہی کا ہو رہا۔

گویا علم ہی کے ہو رہنے کا معاملہ اب پیش آیا اور نہ طلب علم کا آغاز تو اب سے بہت پہلے ہو چکا ہے خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو ایک غلطی کے ازالہ کی خاطر لکھنا پڑا۔ کہتا یہ چاہتا ہوں کہ امام اعظم کے طلب علم کی داستان میں علم کلام کو بہت بڑی خصوصیت حاصل ہے۔

امام اعظم اور فنون عصریہ:

قرآن حکیم کی تعلیم سے فراغت کے بعد امام اعظم ان فنون عصریہ کی طرف پہلے توجہ ہوئے جو اس زمانے میں رائج تھے۔ اس کی تائید اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو صدرالائمہ نے امام صاحب کی زبانی لکھا ہے اس میں خود امام صاحب نے ان علوم و فنون کو نام نظام بتایا ہے جن میں امام صاحب نے کمال پیدا کیا تھا۔

جب میں نے علم سیکھنے کا ارادہ کیا تو میں نے تمام علوم و فنون کو پیش نظر رکھا۔ اور پھر ان میں سے ایک ایک فن کو پڑھا ہے۔ (۱)

اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ علم الشرائع کو اپنانے سے پہلے امام صاحب نے اسی ہستی میں جسے خود امام صاحب نے معدن العلم والفہم کا نام دیا ہے۔ علم ادب، علم الشہد، العقاید اور علم الترقاۃ اور علم الکلام میں سے ایک فن کو باقاعدہ پڑھ لیا تھا اور علم الکلام میں اس درجہ مہارت پیدا

(۱) مناقب صدرالائمہ ج ۱ ص ۶۱

کر لی تھی کہ خود فرماتے ہیں کہ اس میں میری طرف ہی لوگوں کی انگلیاں اٹھتی ہیں۔ اسی سلسلے میں صدر الانار اور خطیب بغدادی کی بیان کردہ داستان بھی گوش گزار کر لیجئے جو یحییٰ ابن شبیان کے حوالہ سے ہم تک پہنچی ہے۔

مجھے علم کلام میں کافی دسترس تھی ایک عرصہ اسی میں بیت گیا لوگوں سے مناظرے کرتا۔ اسی فن کی حمایت اور مدافعت میرا مشغلہ تھا بصرہ مختلف مدارس فکر کا گڑھ تھا میں بیس بار سے زیادہ بصرہ گیا ہوں۔ سال بھر یا اس سے زیادہ قیام رہتا تھا۔ اس زمانے میں میری خارجیوں کے فرقوں سے مذہب پھیر ہوئی۔ میں علم کلام کو افضل ترین علم سمجھتا۔ اور کہا کرتا تھا کہ یہی دین کی بنیاد کی مگرانی ہے۔ عرصہ گزرنے پر میں نے خود اپنے تئیں غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ صحابہ اور تابعین کبار نہ صرف یہ کہ ان چیزوں سے بے بہرہ نہ تھے بلکہ ہم سے زیادہ ان کے علم میں گہرائی تھی۔ حقائق سے واقف تھے مگر اس کے باوجود ان کی زندگیاں مجاہدانہ شورشوں سے یکسر خالی ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ان کا مشغلہ نہ تھا بلکہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے ان کے غور و فکر کی جولانگاہ علم الشرائع اور ایجاب فقہ تھے یہی ان کا موضوع تھا یہی ان کی مجلسی زندگی کی رونق تھی اسی کی لوگوں کو تعلیم دیتے اور اسی کے سیکھنے کی ترغیب دیتے صدر اول ایسے ہی گذرا ہے تابعین بھی ان کے نقش قدم پر تھے اس موقف پر پہنچی کر میں نے علم کلام کو خیر باد کہہ دیا۔ صرف فنی معرفت باقی تھی۔ اور زندگی میں بطور فنی سلف کے علوم کو اپنا لیا۔ وہی کام شروع کیا جو وہ کرتے تھے اور اس کے فن کاروں سے رابطہ پیدا کر لیا اور ان کی ہی مجلسوں کو اپنا پایا اور اپنی جگہ یہ یقین ہو گیا کہ متکلمین کا کردہ اسلاف کے نقش قدم سے ہٹا ہوا اور صالحین کے مقام سے دور ہے ان کے دلوں میں قساوت ہی قساوت ہے کتاب و سنت کی مخالفت سے بے پرواہ بے روح اور تقویٰ سے دور طبقہ ہے۔ (۱)

اس سے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ علمی خدمات کا سلسلہ بچپن میں شروع ہوا ہے۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ امام حماد کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا ہے اور یہ بھی تاریخ بغداد میں ہے کہ امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں امام حماد کی خدمت میں پورے اٹھارہ سال رہا ہوں اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ امام اعظم ایک تمیز علم الشرائع کی حیثیت سے تمام علوم میں تکمیل کے بعد امام حماد کی خدمت میں ۱۰۳ھ میں تشریف لے گئے جب کہ امام اعظم کی عمر ۲۳ سال تھی اور یہ بات خود امام اعظم کے بیانیوں کی روشنی میں بے غبار ہے کہ امام حماد کی خدمت میں تشریف آوری علم الشرائع کی خاطر تمام علوم و فنون کے پڑھنے کے بعد ہوئی ہے۔ امام اعظم کے زمانے میں علم چار حصوں میں تقسیم تھا۔

(الف) ادبی فنون کے درجے۔

(ب) علوم عقلیہ کے حلقے۔

(ج) مذاکرہ حدیث کی جماعتیں۔

(د) استنباط مسائل کے مراکز۔

اگر ترتیب یوں قائم کی جائے کہ امام اعظم نے

اولاً:- قرأت عامہ کے مطابق قرآن حفظ کیا۔

ثانیاً:- آپ نے نحو ادب اور شعر پر وقت صرف کیا۔

ثالثاً:- آپ نے علم کلام اور علوم عقلیہ میں مہارت پیدا کی۔

رابعاً:- آپ نے مذاکرہ حدیث کے حلقوں میں شرکت کی۔

خامساً:- آپ نے استنباط و استخراج مسائل اور فقہ و اجتہاد کے لیے حماد کے سامنے

زالوئے ادب لے کیا۔

تو صاف پتہ لگ جاتا ہے کہ امام موصوف نے تعلیم کا آغاز بچپن میں کیا ہے اور ابھی

بچپن سے گذر کر لڑکپن ہی تھا کہ آپ نے نحو قرأت ادب و شعر اور علوم عصریہ کی تکمیل فرمائی

تھی۔ اس کی وضاحت امام صاحب کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو امام مرغینانی نے نصیم بن

عمرہ کی زبانی نقل کیا ہے کہتے ہیں:

میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا ہے فرماتے ہیں کہ میں زمانہ حجاز میں ٹرکین کی عمر میں بازار جاتا تھا۔ اور لوگوں سے علم کلام کے ذریعے عقائد پر باتیں کرتا تھا ایک روز مجھ سے ایک شخص نے دینی فرائض کے بارے میں ایک مسئلہ پوچھ لیا مجھے کوئی جواب نہ آیا اس شخص نے مجھ سے کہا کہ ایسے مسائل میں لپ کشتی کرتے ہو جو بال سے بھی زیادہ ہار یک ہیں اور نظر بظاہر ہو بھی ہوش مند۔ مگر تمہیں ایک دینی فریضہ کا پتہ نہیں ہے۔ میں یہ سن کر شرمندہ ہو گیا۔ (۱)

حجاز کی وفات جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ۹۵ھ میں ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے بھی ۹۴ھ میں امام اعظم کی عمر صرف چودہ سال کی ہوتی ہے اور اسی عمر کے شخص کو عربی زبان میں غلام کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چودہ سال کی عمر میں امام اعظم علم کلام اور علوم عقلیہ کی تکمیل کر چکے تھے۔

امام اعظم اور علوم عقلیہ

قرآن حکیم اور فتون ادب کے بعد امام اعظم نے اپنی پوری توجہ علوم عقلیہ پر مرکوز کر دی تھی اور علوم عقلیہ میں نہایت کا یہ مشغول ہیں سال کی عمر تک قائم رہا۔ امام زہری نے امام ابو عبد اللہ بن ابی حفص کی زبانی جو واقعہ لکھا ہے کہ:

امام اعظم کوفہ میں پیدا ہوئے اور علم الکلام کی تلاش کرتے رہے اور لوگوں سے اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے تا آنکہ اس میں ماہر ہو گئے۔

تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ علمی طلبکاریوں میں مرکزی مقام علوم عقلیہ کو حاصل تھا اور یہ بھی سمجھنے والوں نے لکھا ہے کہ ایک عرصہ تک اس فن کے دور سے مختلف مدارس کا مقابلہ کیا دوائے عامہ کے دوائی سکون کے لیے دلائل کا سامان فراہم کیا۔

آپ کی کلامی اور عقلی علوم کی جوں جوں صرف کوفہ ہی نہ تھا بلکہ آپ کی اس فن میں اس درجہ شہرت ہو چکی تھی کہ جیمسٹ اور ارجاء کے استیصال کی خاطر کوفہ سے باہر بھی جانا پڑا۔

شیعہ اور خوارج کے ساتھ امام اعظم نے علوم عقلیہ میں اپنی خداداد علمی صلاحیتوں سے جن جن فرقوں کو ان کے غلط عقائد پر خبردار کیا یہ ہیں۔ جمہ اور مرجہ۔ ان فرقوں کے ظہور سے ایسے مسائل منسوخ ہوئے جن کا براہ راست اسلامی عقائد سے تعلق تھا ان مسائل میں جو مسئلے خاص طور پر توجہ علمی کے مستحق رہے ہیں یہ ہیں۔ ایمان، تقدیر، صفات الہی، ان میں سب سے اہم ایمان ہے اور یہ بے حد افسوس اور صدمہ والی بات ہے کہ جو چیز اسلام میں سب سے اہم ہے امت میں سب سے پہلے اختلاف اسی میں رونما ہوا۔ حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

یہ مسائل یعنی اسلام، ایمان، کفر و نفاق وہ بنیادی مسائل ہیں جن پر شہادت و سعادت اور جنتی و داری ہونے کا دار و مدار ہے مگر امت ان ہی میں سب سے زیادہ اختلاف کا نشانہ بنی ہے۔ (۱)

اس اختلاف کی نزاکت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی بنیاد پر امام اعظم ہی کے زمانے میں ایک سے زیادہ مدارس پیدا ہو گئے تھے۔

حافظ ابن تیمیہ شرح العقیدہ الاصبہانیہ میں فرماتے ہیں کہ جم بن صفوان کی رائے میں ایمان صرف معرفت کا نام ہے۔ حافظ ابن حزم نے الفصل فی السبل والاہواء والاعمال میں لکھا ہے کہ اس کے نزدیک اگر ایک شخص زبان سے بھی انکار کرے بتوں کی پوجا بھی کرے فلاں یہودیت ڈال لے مگر اسے معرفت قلبی حاصل ہو تو مومن کامل ہے۔

خوارج کا خیال ہے کہ ایمان دل کی تصدیق، زبانی اقرار اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے ان کے نزدیک سنا، کبیرہ کا مرتکب مومن نہیں ہے کیونکہ عمل ایمان کا رکن ہے۔

ان مدارس کے سامنے امام اعظم نے بھی اس مسئلہ پر گفتگو فرمائی اولاً اس لیے کہ ایمان اسلامی زندگی کی بنیادی اینٹ ہے اگر یہی غلط ہو تو اس پر انھی ہوئی ساری عمارت غلط ہو کر رہ جائے گی۔ دوسرے اس لیے بھی کہ یہی اسلامی شہریت کے لیے فیصلہ کن چیز ہے۔ اس کا فیصلہ ہونے پر اسلام کا مالیاتی نظام اقتصادی اور اجتماعی نظام قائم ہو سکتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر امام اعظم کے لیے ناگزیر اور بے حد ناگزیر تھا کہ یہ واضح کریں کہ ایمان کیا ہے اور مسلمان کسے کہتے ہیں؟

مسئلہ ایمان اور امام اعظم:

افراط و تفریط کی ان دونوں صورتوں میں کہ ایک فرقہ صرف قلبی معرفت کو ایمان کہتا ہے اور دوسرا اس کے مقابلے میں عمل کو بھی ایمان قرار دیتا ہے۔ امام اعظم نے جو راہ اختیار کی ہے وہ ایک طرف قرآن و سنت کی تصریحات کے مطابق ہے تو دوسری طرف عقل کو بھی اپیل کرتی ہے اور خود انسانی وجدان بھی اسے باور کرنے میں پس و پیش نہیں کرتا ہے۔ امام اعظم نے بتایا ہے کہ ایمان نام ہے ان تمام باتوں کو جو نبوت محمدیہؐ لے کر آئی ہے باور کر لینے اور ماننے اور اس کے اقرار کرنے کا۔ بتانا یہ چاہیے کہ دراصل یہاں تین چیزیں ہیں۔ دل کی تصدیق زبان کا اقرار اور اعمال۔ تصدیق ایمان کا رکن ہے۔ اقرار شرط اور اعمال کی حیثیت مکمل اور متمم کی ہے۔ اگرچہ قرآن و سنت میں ان گنت مقام پر ایمان کا تذکرہ ہے لیکن چونکہ قرآن کا اور نبوت کا طریق تعلیم اور اسلوب بیان دونوں فطری ہوتے ہیں اس لیے وہاں ہر بات فنی اصطلاحات سے باہر ہو کر سادہ طور پر سامنے آتی ہے۔ اسی ایمان کو دیکھ لیجئے جس میں دل کی تصدیق زبان کا اقرار اور اعمال سب ہی داخل ہیں لیکن ان میں ہر ایک کا مقام الگ ہے۔ دل کی تصدیق اور اعمال میں باہمی ربط۔ اقرار کی حیثیت اور پھر اعمال میں باہم مراتب کا فرق سمجھنا کس قدر مشکل ہے مگر ذات نبوت نے ان سب کو نہایت سادہ طریق پر سمجھا دیا ہے ارشاد ہے کہ مسی الاسلام علی خمس۔ ۱۔ اسلام کا مکمل پانچ ستونوں پر قائم ہے مکمل میں چھت ہوتی ہے ستون ہوتے ہیں دو دیوار ہوتے ہیں اور ان سب کے مجموعے کا نام مکمل ہے پھر اس مکان کی کوئی بنیاد بھی ہے جس پر یہ پوری عمارت کھڑی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اتنا بڑا مکان تو آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ لیکن بنیاد جس پر مکمل کی عمارت قائم ہے آنکھوں سے اوجھل رہتی ہے۔ وہ زمین نیچے ہوتی ہے اسی طرح اسلام بھی ایک مجموعہ کا نام ہے اس کے بھی اجزاء ہیں اس کی بھی ایک بنیاد ہے اس کے اجزاء میں ایسا ہی فرق ہے۔ جیسے مکان کے اجزاء میں ظاہر ہے کہ مکان کی بقاء کے لیے جس قدر ستونوں کی حاجت ہے اتنی طاق اور روشندان کی نہیں۔ اسی طرح یہاں ارکان خمسہ اقرار شہادتین نماز روزہ زکوٰۃ اور حج اسلام کے ستون ہیں اور یہ پانچوں ستون تصدیق قلبی کی بنیاد پر کھڑے ہیں۔ جس طرح مکان کی بنیاد زمین میں مدفون ہوتی ہے ایسے ہی تصدیق بھی دل میں پوشیدہ ہوتی ہے ایک موٹی سی مثال

سے صاحب نبوت نے جادو اہل حق کیسے واضح فرما دیا اور تصدیق و عمل کے باہمی ربط اور پھر اعمال کے باہم فرق مراتب کو کس عمدگی سے سمجھا دیا ہے اسی بات کو امام اعظم نے علوم ربیہ سے شیعہ یوں کے سامنے رکن شرط اور مکمل کا نام سے کر پیش کیا ہے۔ چونکہ تصدیق کا حمد دل سے متعلق ہے اور دل کے حالات کے جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لیے رکان خمسہ میں سے زبان کے اقرار کو قرآن و سنت میں ضروری بتایا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں

اسلام کے ثبوت کا دار و مدار کسی ایسی چیز پر ہونا چاہیے جس کا ہم یہاں طور پر سب کو ہو سکے اس لیے توحید کا ربانی اقرار ہی مسلمان ہونے کا معیار قرار دیا گیا اور سی ایک کلمہ کو جنگ کے آغاز و خاتمہ کا دار و مدار بنادیا گیا۔ (۱)

جب تک اقرار نہ ہو ہمارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس کے دل میں تصدیق موجود ہے یا نہیں۔ لہذا اگر ایک شخص اقرار نہیں کرتا تو ہم سمجھیں گے کہ اس کو تصدیق قلبی حاصل نہیں ہے۔ اس لیے اقرار کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ (۲)

اسی لیے امام اعظم ایمان میں دل کی تصدیق کے ساتھ زبان کے اقرار کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں اگرچہ بعد میں آنے والے فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ اقرار کی حیثیت کیا ہے ایک جماعت رکن بتاتی ہے اور دوسری جماعت شرط قرار دیتی ہے۔ شرط ہو یا رکن صرف تصدیق کا نام ایمان نہیں ہے اس کی چوری وضاحت امام اعظم کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ابو عمرو بن عبد البر نے ابو متاعل کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ ایمان تصدیق و معرفت کے ساتھ اسلام کے ربانی اقرار کا نام ہے۔ لوگ تصدیق میں تین قسم کے ہیں کچھ زبان و دل دونوں سے مانتے ہیں کچھ زبان سے مانتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتے۔ پہلا طبقہ تو اللہ اور لوگوں کے نزدیک مومن ہے۔ دوسرا طبقہ عند اللہ تو مومن نہیں مگر لوگوں میں مومن ہے کیونکہ لوگوں کو دل کا حال معلوم نہیں اقرار کی بناء پر ان کے ذمہ ان کو مومن ہی کہنا ہے۔ تیسرا طبقہ عند اللہ کے یہاں مومن ہے مگر عند الناس کافر ہے۔ (۳)

یہاں تصدیق کے ساتھ اقرار ہی پر زور دیا ہے اور اسلامی زندگی میں اس کی اہمیت بتائی ہے اقرار کو ایمان میں کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ کچھ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو صدر الاسلام کی نے لکھا ہے:

جہم بن صفوان آپ کے پاس آیا اور ایمان کے موضوع پر گفتگو کی بولا کہ میں آپ سے ایمان کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں امام صاحب نے فرمایا کہ تا حال تمہیں ایمان کا پتہ نہیں ہے بولا کہ پتہ تو ہے مگر کچھ شک ہے فرمایا کہ ایمان میں شک کا نام کفر ہے۔ بولا ذرا میری بات تو سن لیجئے فرمایا کہ بولا یہ بتائیے کہ ایک شخص جسے اللہ کی ذات کی معرفت حاصل ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتا ہے۔ کیا وہ مومن ہے یا کافر؟ فرمایا کہ جب تک زبان سے اقرار نہ کرے کافر ہے۔ بولا کافر کیونکر ہو سکتا ہے اسے معرفت حاصل ہے امام صاحب نے فرمایا کہ اگر تم قرآن کو خدا کی کتاب مانتے ہو اور اسے حجت بھی سمجھتے ہو تو دلائل قرآن سے دوں ورنہ غیروں کے انداز پر گفتگو کروں۔ جہم بن صفوان نے کہا کہ میں قرآن کو اللہ کی کتاب مانتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ قرآن میں اللہ سبحانہ کا ارشاد گرامی ہے۔ **وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَغِيظُ مِنَ اللَّعْنِ مَا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ سَا إِلَهِي فَاثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا** اس آیت میں اللہ سبحانہ نے عرفوا کے ساتھ بقولوں (کہتے ہیں) اور قالوا (انہوں نے کہا) لاکر بتا دیا کہ ایمان قلب و زبان دونوں سے مطلوب ہے ایک ارشاد ہے **قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ**۔ ایک اور ارشاد ہے **وَالسَّمِيعُ كَلِمَةُ الْتَقْوَى**۔ یہاں بھی کلمۃ التقویٰ سے اقرار شہدائین مراد ہے۔ ایک اور مقام پر ہے **هُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ**۔ یہاں الطیب من القول سے توحید و رسالت کا اقرار ہی مقصود ہے۔ نیز فرمایا **إِلَهِهُ بِصَعْدِ الْكَلِمِ الطَّيِّبِ**۔ اور **يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ**۔ ان آیات میں بھی الکلم الطیب اور القول الثابت سے مراد زبان ہی کا اقرار ہے۔ یہ تو قرآن ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سلسلے میں فرمایا ہے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** **تَفْلَحُوا**۔ اس میں **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہنے پر فلاں کو موقوف قرار دیا ہے۔ قرآن وحدیث کے بعد خود حدیث بھی یہی کہتی ہے کہ اگر ایمان صرف دس کی معرفت کا نام ہوتا اور اقرار کی ضرورت نہ ہوتی تو پھر ہر منکر قلبی معرفت کے بعد مومن ہوتا اور ابلیس کا مومنوں میں شمار ہوتا کیونکہ اسے یہ معرفت تو اللہ ہی اس کا خالق، مالک، مجی اور معیت ہے حاصل ہے اور تمام کافر بھی مومن ہونے چاہیں کیونکہ قرآن میں ان کی معرفت کا اقرار ہے اس کے بعد متعدد قرآنی آیات پیش فرمائی ہیں۔ (۱)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام اعظم اقرار کو ایمان میں رکنیت کا درجہ دیتے ہیں کیونکہ اقرار بھی ایک قسم کی تصدیق کا نام ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ ماننا دل کی اور اقرار زبان کی تصدیق ہے۔ امام اعظم کے نزدیک ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام نہیں ہے بلکہ اقرار اور التزام طاعت بھی اس کا اہم جز ہے اگر ایک شخص صرف تصدیق رکھتا ہے مگر عہد و وفاداری نہیں کرتا تو وہ مومن نہیں کہلا سکتا۔ ابو مقافل نے امام اعظم سے جو ایمان کی تعریف نقل کی ہے اس میں اقرار کا متعلق اسلام کو قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

الایمان هو المعرفة والتصديق والافراز بالاسلام۔ (۲)

”ایمان معرفت، تصدیق اور اطاعت کے اقرار کا نام ہے۔“

لفظ الاکبر میں اسلام کی حقیقت خود امام اعظم نے جو بتائی ہے یہ ہے

الاسلام هو التسليم والانقياد لوامر الله۔ (۳)

”اسلام ماننے اور احکام الہی کی سراپا بیوی کا نام ہے۔“

اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں بلکہ انقیاد اور التزام طاعت بھی اس کا اہم رکن ہے جیسے تصدیق رکھ کر التزام طاعت کا عہد نہ کرنا اسلام نہیں ہے ایسے ہی صرف فرمانبرداری کا التزام رکھ کر قلب و زبان سے تصدیق کے لیے آمادہ نہ ہونا ایمان نہیں ہے۔

ایمان صرف اس صورت کا نام ہے کہ زبان و دل تصدیق سے مزین ہوں اور اسامی دستور حیات کو پھانے کا عزم مصمم ہو آخر کا لفظ ایمان میں بے معنی اور بے جان نہیں ہے۔

امام اعظم کے ایمان میں اس قانونی موقف نے کہ ایمان نام ہے اقرار و تصدیق دونوں کا۔ دونوں فرقوں کی تردید کردی جمیع کی بھی اور مرجع کی بھی۔

ایمان کی اسی حقیقت کو امام احمد بن حنبل نے اس طرح پیش فرمایا ہے

اہل السنۃ والجماعۃ مومن کی تعریف یہ ہے کہ اس کی شہادت دے کہ اللہ سجدہ کے سوا عبادت کے مائق کوئی نہیں دیکھتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور شہادت دے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے اور رسول ہیں۔ نیز دوسرے مختصر جو کچھ لائے ہیں ان باتوں کا زبان سے اقرار کرے اور جو کچھ اس کی زبان کہے دل اس کا ساتھ دے ایسے آدمی کے ایمان میں کوئی شک نہیں۔ (۱)

امام اعظم کی علم کلام میں تصانیف:

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اسی زمانے میں امام اعظم نے علم الکلام کے موضوع پر متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں ان فرقوں کے مقابلے میں اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کو واضح فرمایا ہے۔ یہ بات کہ اس موضوع پر امام اعظم کی کوئی کتاب نہیں ہے معتزلہ کی اڑائی ہوئی ہے۔ چنانچہ حافظ عبد القادر قرشی فرماتے ہیں:

هذا كلام المعتزلة ودعواهم انه ليس له في علم الكلام له نصيف (۲)
”یہ معتزلہ کی بات ہے وہ ان کا دعویٰ ہے کہ امام اعظم کی علم کلام میں کوئی تصنیف نہیں ہے۔“

اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس قسم کی افواہوں سے معتزلہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ امام اعظم کو اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے استعمال کر سکیں۔

علامہ بیاضی نے اشارات الہام میں علم الکلام کے موضوع پر امام اعظم کی جن تصانیف

کی نشاندہی کی ہے وہ یہ ہیں۔ الفقہ الکبیر، الرسالۃ، الفقہ البسيط، کتاب العالم والمتعلم، اور الوصیۃ۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان کتابوں کی تالیف بھی اس زمانے کے رواج کے مطابق اعلائی طرز پر ہوئی ہے۔

املاھا علی اصحابہ من الفقہ الاکبر والرسالۃ والفقہ البسيط و کتاب العالم والمتعلم والوصیۃ (۱)

علامہ طاش کبریٰ زادہ نے پوری قوت سے یہ بات بتائی ہے کہ:

امام اعظم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ الفقہ الکبیر اور اس علم جمعی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ یہ کہنا کہ یہ کتابیں امام اعظم کی نہیں معتزلہ کی اڑائی ہوئی باتیں ہیں۔ (۲)
علامہ بزاز نے تصریح کی ہے کہ:

یہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ علم کلام میں امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ الفقہ الکبیر اور العالم والمتعلم میں نے خود علامہ شمس الدین کی ارقام فرمودہ ۱۰۰ بھی ہیں ان پر لکھا ہوا تھا کہ یہ امام اعظم کی تصانیف ہیں۔ (۳)

صدر الاسلام ابو الیسر بزدوی نے اپنی مشہور کتاب اصول دین میں جو حالی ہی میں مصر میں ڈاکٹر بانس پتیرنس کی تحقیق سے زیر طباعت سے آراستہ ہو کر آئی ہے اس میں امام اعظم کے بارے میں تصریح کی ہے کہ:

قد صنف فیہا کتاباً وفع بعضها الیہا (۴)

”آپ نے علم کلام میں کچھ کتابیں لکھی ہیں جن میں سے کچھ ہمیں ملی ہیں۔“

یہ ابو الیسر فروع و اصول میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور لکھتے تھے کہ ان امام الانبیا علی الاطلاق۔ صرف پانچ واسطوں سے امام محمد کے شاگرد ہیں چنانچہ ان کی سند یہ ہے

عن اسمعيل بن عبد الصادق عن حنبلہ ابی الیسر عبد الکریم عن ابی المصور
العاتریدی عن ابی بکر المحور حنبلہ عن ابی سلیمان عن محمد (۵)

(۱) اشارات الہام: ص ۲۱ (۲) مطابح السعادة ج ۲ ص ۲۹

(۳) مناقب کردی ج ۱ ص ۱۰۸ (۴) مسون بزدوی ص ۳ (۵) الفوائد المہیہ ص ۷۳

(۲) اجواب المصیہ ج ۲ ص ۲۶۱

(۱) مناقب محمد بن حنبلہ

علامہ بیاضی نے امام اعظم کی ان کتابوں کی تاریخی اور دینی حیثیت کو شرح و بسط سے لکھا ہے وہ فرماتے ہیں:

الفقه الاکبر الرسالة الفقه الاوسط العلم والمعتل اور الوصیۃ کی امام اعظم سے روایت میں مرکزی حیثیت حماد بن ابی حنیفہ قاضی ابویوسف ابو مطیع الحکم بن عبد اللہ اور ابو مقاتل حفص بن مسلم کی ہے۔ ان ائمہ سے ان کتابوں کو اسماعیل بن حماد محمد بن مقاتل محمد بن سماعہ نصیر بن یحییٰ اور شداد بن حکیم نے روایت کیا ہے۔ (۱)

آخر میں لکھتے ہیں کہ ان کتابوں کو نصیر بن یحییٰ اور محمد بن مقاتل سے امام ابو منصور ماتریدی نے روایت کیا ہے۔ علامہ ذہب کوثری رقمطراز ہیں:

علم کلام میں امام اعظم کا یہ علمی سرمایہ امت کو وراثت میں ملا ہے۔ الفقه الاکبر اس کی سند یہ ہے۔ علی بن احمد الفادی عن نصیر بن یحییٰ عن ابی مقاتل عن عصام بن یوسف عن حماد بن ابی حنیفہ عن ابی حنیفہ۔ الفقه الاوسط۔ اس کی سند یہ ہے ابو زکریا یحییٰ بن مطرف عن نصیر بن یحییٰ عن ابی مطیع البلخی عن ابی حنیفہ۔ العالم والمعتل۔ اس کی سند یہ ہے۔ ابی فضا احمد بن علی حاتم بن عقیل عن النخعی بن ابی عوانہ و محمد بن یزید عن الحسن بن صالح عن ابی مقاتل عن ابی حنیفہ۔ الرسالة۔ نصیر بن یحییٰ عن محمد بن سماعہ بن ابی یوسف عن ابی حنیفہ کی سند سے مروی ہے اور اسی سلسلہ سند سے الوصیہ۔ بھی مروی ہے۔ (۲)

تاریخ و روایت کی یہ شہادتیں بتاتی ہیں کہ علم کلام میں امام اعظم نے جو علمی سرمایہ چھوڑا ہے وہ امام اعظم ہی کا ساختہ و پرداخت ہے۔ اس پر تفصیلی مباحث انشاء اللہ ہماری کتاب ”امام اعظم اور علم الکلام“ میں آئیں گی۔

علم کلام اور اس کا علم

علم کلام کے موضوع پر امام اعظم کے بیانات پڑھ کر شاید آپ یہ خلش محسوس کریں

کہ امام صاحب علم الکلام کی تعلیم و تعلم کی اشاعت کو امت میں پسند نہ کرتے تھے لیکن ایسا نہیں ہے صدر الاسلام ابوالسیر یزدوی نے اپنی کتاب اصول دین میں اس کی وضاحت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

علم کلام دراصل ان مسائل کا نام ہے جن کی حیثیت اسلام میں اصول دین کی ہے اور جن کا سیکھنا فرض عین ہے امام ابو حنیفہ نے یہ علم حاصل کیا ہے اور اس کے ذریعے معتزلہ اور قائل بدعت کے مناظرہ کیا ہے آغاز میں آپ اپنے اصحاب کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے اور اس علم میں آپ نے کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے کچھ تک ہماری رسائی ہوئی ہے اور کچھ کو مل بدعت نے خورد برد کر دیا۔ جو کتابیں امام اعظم کی ہم وطنی ہیں ان میں العلم والمعتل اور الفقه الاکبر ہے۔ العالم والمعتل میں امام اعظم نے یہ بات کھول کر سمجھائی ہے کہ علم کلام پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے چنانچہ اسی کتاب میں ہے کہ ”علم کلام کہتا ہے کہ کچھ دُک کہتے ہیں کہ علم کلام نہ پڑھنا چاہیے کیونکہ صحابہ کرام نے یہ علم نہیں پڑھا ہے۔ عام کہتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ ہاں ٹھیک ہے ہمیں بھی علم کلام نہ پڑھنا چاہیے جیسے صحابہ نے نہیں پڑھا لیکن تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہمارے اور صحابہ کے معاشرے میں کیا فرق ہے؟ جن حالات سے ہمیں دین کی زندگی میں دوچار ہونا پڑ رہا ہے ان سے صحابہ دوچار نہیں تھے ہمارا ایسے معاشرے سے سابقہ پڑا ہے جن کی رہائش مسک حق کے خلاف چھوٹ اور بے لگام ہیں۔ جن کے یہاں ہمارا خون روا ہے کیا اس ذہن کے مرد و پیش میں ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ راست روا اور غلط کار میں ایک حد فاصل اور خط تمیز قائم کریں۔ یوں سمجھو کہ صحابہ ایسے خوش آئند ماحول میں تھے جہاں جنگ کا نام دشمن نہ تھا امن و سکون کی زندگی تھی۔ یقیناً ایسے ماحول میں سامان جنگ اور جنگی تیاری کی ضرورت نہیں ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ایک جنگجو طبقہ نے حملہ کر کے ایمان و اعتقاد کی زندگی کا امن و سکون تہ و بالہ کر دیا ہے۔ اس لیے ہمیں ان سے نمٹنے کے لیے سامان جنگ کی ضرورت ہے اور فوجی تربیت کی

بھی۔ ہمارا اکثر فقہاء نے لوگوں کو علم کلام سیکھنے سے روک دیا ہے لیکن جو امام ابو حنیفہ کے پیروکار ہیں وہ اس کی تعمیر و تعلیم کے جواز کے قائل ہیں البتہ انہوں نے علم کے آخری حصہ میں اس میں مناظرے سے روک دیا تھا۔ (۱)

گویا امام اعظم کی نظر میں علم کلام کو ایمان کے لیے ایک دفاعی سرمایہ کی حیثیت میں اپنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ علامہ بیاضی نے اشارات انوار میں بھی امام صاحب کے اس بیان کی وضاحت فرمائی ہے۔ جو بات روز اول علم کلام کے بارے میں امام اعظم نے فرمائی ہے کہ اس کی حیثیت ایک دفاعی سرمایہ کی ہے وہی بات اس علم کے بڑے بڑے شہسواروں نے آخر میں کہی ہے۔ چنانچہ امام ابو محمد جوینی نصیحت مسیین میں فرماتے ہیں:

قرآن کے دلائل غذا کے درجے میں ہیں نہ انسان ان سے فائدہ اٹھ سکتا ہے۔ کھائی ہوئی کھانوں کو اس کی حیثیت میں ہیں چھوٹے سے سود مند مگر بہتوں کو اس کے استعمال سے نقصان ہو رہا ہے۔ قرآنی تصریحات پانی کی طرح ہیں دودھ پیتا بچہ بھی پی سکتا ہے لیکن کھائی ہوئی روٹی کے روٹی کھانے صرف طاقتور ہی کھا سکتے ہیں اور وہ بھی زیادہ سے گدا گدا بیمار ہو جاتے ہیں۔

امام غزالی جیسے کلامی محقق نے اپنی زندگی کی آخری تالیف میں اقرار کیا ہے کہ:

انما المقصود منه حفظ عقيدة اهل السنة وحرارتها عن تشويش اهل البدعة (۲)

”علم کلام سے مقصود صرف بدعتوں سے اہل السنہ کے عقیدہ کی حفاظت اور گمراہی ہے۔“

ان اقراؤں سے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ جو بات اولاً امام صاحب کی زبان پر آئی بلا آخر دسی وقت کا آوارہ بن گیا۔ امام اعظم نے یہی تو بتایا ہے کہ علم کلام کا اسی مقصد اسلامی سوسائٹی کے لیے عقائد کی فراہمی کا کسی خاص عقلی بیج پر سبسٹیس تیار کرنا نہیں ہے بلکہ اس

کی غایت یہ اور صرف یہ ہے کہ جن لوگوں نے خود فریبی سے شک وارتیاب کی گود میں رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ اپنے اس فیصلے پر جتھے ہوئے اسلام پر حملہ آور ہو رہے تھے اور اس حملے کے لیے یونانی فلسفے کے میگزین سے ہتھیار مانگ کر لائے تھے اور چاہتے تھے کہ اس طرح وہ اسلام کی عمارت کو گرا دیں گے اصول جنگ کے مطابق یہ تو سب ہی کرتے ہیں کہ اپنے ہتھیاروں سے دوسروں کا مقابلہ کریں۔ اپنی قوت دوسروں کے مقابلے پر صرف کریں لیکن یہ تو انتہائی فراست اور زیرکی کہنے یا وقت کی سیاسی مہارت کہ گھر سے مقابلہ کے ارادے سے نکلے ہیں اور خالی ہاتھ ہیں۔ ارادہ ہے کہ اپنی دولت اور سرمائے کو آٹھ نہ آئے اور میدان بھی ہاتھ آ جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا قرآنی دلائل اپنی جگہ رہے سنت کی پکار اپنے مقام پر ان ہی کے میگزین سے دلائل کا اسلحہ لے کر ان سے مقابلہ کیا اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے امام غزالی نے لکھا ہے

لكنهم اعتمدوا على فالك على ما تعلموها من خصومهم۔

”لیکن متکلمین نے اس معاملے میں اپنے مقابل کے مسلک کا ہی سہارا لیا ہے۔“

اور:

وكان اكثر نحو صهم في استعراض مافضات الحصوص ومواجلتهم للوازم مسلماتهم۔

”ان کی فکری توجہ صرف یہ تھی کہ مقابل کا توڑ کیا جائے اور ان کے مسلمات کے لوازم سے ان کی گرفت کی جائے۔“

اس سے مقصود یہی بتانا ہے کہ علم الکلام کا مقصد اصلی انہوں کو مطمئن کرنا نہیں بلکہ دوسروں کو چپ کرانا ہے۔

الغرض امام اعظم کے بارے میں یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ امام موصوف علم کلام کو کسی درجے میں اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ امام اعظم کے موقف کو اس روشنی میں سمجھنا چاہیے کہ علم کی دنیا نے علم الکلام میں امام اعظم کو حکم اول کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ امام عبدالقادر بغدادی شافعی نے بتایا ہے کہ علم کلام کے موضوع پر اہل بیت کا شرف امام اعظم کو حاصل ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

اول متکلمیہم من الفقہاء وارباب المذاهب ابو حنیفۃ والشافعی فان اباحنیفۃ لہ کتاب فی الرد علی القدیریۃ سمیۃ الفقه الاکبر ولہ رسالۃ املاہافی نصرۃ قول اہل السنۃ ان الاستطاعۃ مع الفعل (۱)

”فقہاء میں سب سے پہلے حکم ابو حنیفہ اور شافعی ہیں ابو حنیفہ نے تدریہ کے رد میں فقہ اکبر نامی کتاب تصنیف کی ہے موضوع استطاعت پر اہل السنۃ کے موقف کی نصرت میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔“

علامہ ابو المظفر اسفرائینی نے امام اعظم کی کئی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے (۲) ابن النذیم نے بھی ان کتابوں کا پتہ دیا ہے اور آخر میں آپ کی وسعت علمی کے بارہ میں لکھا ہے العلم بحرًا ویاہرًا وخرقًا وحرہا وحرہا (۳)

”دور نزدیک‘ مشرق‘ مغرب اور خشکی و تری میں آپ ہی کا علم ہے۔“

تاریخ الاسلام السیاسی کے مؤلف حسن ابراہیم حسن نے بھی ابن النذیم کی بیعت نامی کی ہے۔ الفرض میں بتایا رہا تھا کہ امام اعظم کی طلب علم کی داستان میں علوم عقلیہ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اتنی اہمیت کہ اس میں ناموری اور شہرت کے پیش نظر امام شععی نے امام اعظم کو ۹۳ھ میں علم الشرائع کے لیے مطالعہ علمی اور بحیثیت علامہ کا مشورہ دیا۔ علم الشرائع کے طالب علم کی حیثیت سے امام اعظم اپنے استاد حماد کے پاس ۱۰۴ھ میں یعنی چوبیس سال کی عمر میں گئے اور پورے اٹھارہ سال کے بعد علم الشرائع کی تعلیم و تمرین سے فراغت کے بعد مجتہد کی حیثیت سے ۱۲۰ھ میں لوگوں میں رونما ہوئے۔ ۹۵ھ سے ۱۰۴ھ تک کا پورا وقت امام اعظم نے علم حدیث پر صرف کیا ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے آپ کو ذرا انتظار کی رحمت گوارا کرنی ہو گی۔ سردست تو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پندرہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ اور فنون عصریہ میں اتنی مہارت ہو جانا کہ اسی کوفن کی حیثیت سے اپنا لینا اور اسی پر مختلف مدارس فکر سے مقابلہ کرنا

امام صاحب کا ایک ممتاز کارنامہ ہے۔ حجم سے مقابلہ کی داستان آپ سن چکے ہیں۔ اس کے علاوہ کلامی مسائل میں امام صاحب کے دوسرے فرقوں سے بھی مناظرے ہوئے ہیں مگر ہم ان کو یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ مسائل بہت طویل الذیل ہیں اندیشہ ہے کہ اپنے موضوع سے دور نہ ہو جائیں۔

امام اعظم طالب علم کی حیثیت سے:

۹۱ھ میں امام اعظم نے پہنچا ج کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن عبد البر اور خوارزمی نے تصریح کی ہے اور اسی حج میں تفتہ فی الدین کے موضوع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن الحارث کی زبان مبارک سے یہ ارشاد ہوا ہے یہ کوا علم حدیث ن ابجد ہوئی ہے۔

من نفقه فی دین اللہ کما اللہ ہمہ ووزلہ من حیث لا یحسب۔

”جس نے اللہ کے دین میں فقہت پیدا کر لیا اللہ اس کے رنج و غم میں کافی ہے اور اس کو ایسے مقام سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گناہ بھی نہ ہوگا۔“ (۱)

امام شععی کے کہنے سے دل پیسے ی مائل ہو چکا تھا۔ اس ارشاد نبوت سے زخمی ہو گئے اور ۹۶ھ سے ہی علم الشرائع کی طرف رخ کر دیا۔ اور زندگی کے اس موڑ پر آپ نے تمام علوم کا باہم موازنہ یہ مگر الشرائع کے لیے چونکہ علم الحدیث ناگزیر تھا اس لیے آغاز یہیں سے کیا اور ۹۸ھ سے علم حدیث کے طالب علم کی حیثیت اختیار کر لی اور ۹۸ھ سے شروع ہو کر ۱۰۴ھ تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ اگرچہ کام کا آغاز تو علم حدیث میں ۸۹ھ میں ہو چکا تھا مگر پوری باقاعدگی کے ساتھ پورا کا پورا وقت ۱۰۴ھ سے لگایا ہے۔ ۱۰۴ھ تک یہ سلسلہ قائم رہا اور سب سے پہلے اپنے شہر کے مشہور محدث علامۃ الدین یعنی سے استفادہ کیا۔ امام شععی کی حدیث میں جلالت شان کا اندازہ کرنا ہو تو امام زہری کا حسب ذیل بیان پڑھیے۔

علماء چار ہیں سعید مدینے میں شععی کوفہ میں حسن بصرہ میں اور کحول شام میں۔ (۲)

(۲) التعمیر: ص ۱۱۳

(۱) اصول الدین ابن عبد البر بغدادی: ص ۳۰۸

(۳) التعمیر ص ۱۱۵

فن حدیث میں یہ امام اعظم کے اکابر شیوخ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی نے جہاں امام شععی کے علاوہ میں امام اعظم کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی تصریح کر دی ہے..... وہو اکبر شیخ لابی حنیفة (۱)

اور معلوم ہے کہ امام شععی حکم نہ تھے۔ ان سے امام اعظم کا تلمذ صرف ان کے فن ہی میں ہو سکتا ہے اور ان کا فن علم حدیث کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

امام عبد اللہ بن عون البصری (۱۵۰ھ) جو امام شععی کے بھی شاگرد ہیں اور جن کے بارے میں امام عبد الرحمن بن مہدی فرماتے ہیں۔ ساکنان بالعراق اعلم بالسنۃ (عراق میں ان سے زیادہ حدیث کا عالم کوئی نہ تھا۔) ان کا امام شععی کے بارے میں بیان ہے

اذا وقعت الفتوى انقبض الشعبي۔

”جب کوئی فتویٰ آجاتا تو امام شععی کو کھنکھن ہوتی تھی۔“ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ بھی امام شععی کا فن نہ تھا بلکہ ان کا فن خود ان کے اعتراف کے مطابق حدیث اور صرف حدیث تھا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

انا لسنا با لفقہاء ولکننا سمعنا الحدیث فروینا الفقہاء۔

”ہم فقہاء نہیں ہیں ہم تو احادیث سن کر فقہاء کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔“ (۳)

امام شععی کا اپنا فن حدیث تھا اور اس میں اس قدر جامعیت تھی کہ مشہور محدث عامم الاحول جو امام البخاری شعبہ بن الحجاج امام محمد شین یزید بن ہارون امیر المؤمنین فی الحدیث عبد اللہ بن مبارک کے استاد ہیں فرماتے ہیں:

ما رأیت احدا اعلم بحدیث اهل الکوفة والبصرة والحجاز من الشعبي۔

”میں نے کوئیوں بصریوں اور حجازیوں کی حدیث کا امام شععی سے زیادہ عالم کوئی نہیں دیکھا۔“ (۴)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۵ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۹ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۹

اس تمام تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ ناظرین اوراق کے سامنے امام اعظم کی داستان طلب علم حدیث واضح اور صاف ہو کر آجائے۔

آپ چاہیں تو ان تاریخی حقائق کی روشنی میں اس داستان کو اس طرح سمیٹ سکتے ہیں

● حفظ قرآن بقرأت عامم ۸۹ھ تا ۸۹ھ ۲ سال ۸ برس سال

● نحو و ادب ۸۸ھ تا ۸۸ھ ۲ سال ۱۰ برس سال

● علم الکلام ۹۰ھ تا ۹۳ھ ۵ سال ۱۳ برس سال

● مناظرہ ۹۵ھ تا ۹۹ھ ۳ سال ۱۸ برس سال

● علم الحدیث ۹۹ھ تا ۱۰۳ھ ۵ سال ۲۳ برس سال

● فقہ و علم الشرائع ۱۰۳ھ تا ۱۲۰ھ ۱۷ سال ۴ برس سال

گویا چالیس سال کی عمر میں امام اعظم اپنے استاد کی جگہ پر بحیثیت ایک متقن مجتہد فقہ محدث اور مفسر کے تشریف فرما ہوئے۔

بیس سال کی عمر میں علم حدیث پڑھنے کی وجہ:

اس عمر میں حدیث کا طالب علم بنے میں کوفہ کے اس رواج کو بہت بڑا دخل ہے جس کی پختہ بندی محدث خطیب بغدادی نے کی ہے۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ کوفہ میں یہ رواج ہی یہ چل پڑا تھا کہ طلب حدیث کی طرف بیس سال کی عمر میں قدم بڑھایا جائے۔ چنانچہ خطیب رمس درج ہے

ان اهل الکوفة لم یسک الواحد یسمع الحدیث الا بعد استكمالہ عشرين سنة۔

”کوفہ والوں میں سے کوئی شخص بیس سال کی عمر سے پہلے حدیث کا طالب علم نہ بنتا تھا۔“ (۱)

امام الحسن بن عبد الرحمن راہب مزی کہتے ہیں کہ میرے سے ایک سے زیادہ مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ محدث موسیٰ بن اسحاق سے جب دریافت کیا گیا کہ تم نے ابو نعیم سے حدیث کیوں نہیں لی؟ تو انہوں نے جواب دیا

(۱) الکلاہ فی علم الروایہ: ص ۵۵

اہل کوفہ اپنے بچوں کو بچپن میں علم حدیث کا طالب علم نہ بناتے تھے بلکہ بیس سال کی عمر میں اس کے لیے روانہ کرتے تھے۔ (۱)

موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں کہ بھرہ میں حدیث پڑھنے کے لیے دس سال کوفہ میں بیس سال اور شام میں تیس سال کا طریقہ رائج تھا۔

اوروں کا پتہ نہیں ہے مگر میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ امام اعظمؒ کے اس عمر میں طلب حدیث کے عزم میں کوفہ کے اس رواج کو بہت بڑا دخل ہے۔ ان فرض بیس سال کی عمر میں ۹۹ھ میں امام اعظمؒ نے سب سے پہلے اپنے شہر کے جلیل القدر محدث امام شععی کے سامنے زانوئے شاگردی تمہ کیا جیسا کہ ملا علی قاری نے حافظ ابوسعید اسمعیلی کے حوالے سے خود امام صاحب کی زبانی لکھا ہے کہ:

میں دینی علوم میں لوگوں سے منتقل کرتا تھا ایک بار مجھ سے ایک فریضہ کے بارے میں پوچھا گیا مجھے جواب نہ آیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ دین و عقائد میں موشگافوں کرتے ہو اور فرائض کا پتہ بھی نہیں ہے۔ میں شرمندہ ہو گیا بعد ازیں میں امام شععی کی خدمت گرامی میں حاضر ہوا۔ (۲)

امام شععی کی خدمت میں جیسا کہ بتا چکا ہوں صرف حدیث کے لیے آئے تھے اور آنے کی وجہ انگریزی نے خود امام صاحبؒ کی زبانی یہ بتائی ہے۔

كان الشعبي من اعلم الناس (۳)

علم حدیث میں زمانہ طالب علمی میں امام اعظمؒ کی سبقت۔

بہر حال ۱۰۰ھ میں امام اعظمؒ نے بیس سال کی عمر میں علم حدیث حاصل کرنا شروع کیا اور جس محنت و کوشش سے انہوں نے اس علم کو حاصل کیا ہے ان کے ہم عصروں میں سے بہت ہی کم نے اس محنت سے حاصل کیا ہوگا۔

حافظ اسمعیلی لکھتے ہیں:

اشتغل بطلب العلم و بالغ فيه حتى حصل له مالیه بمحصل لغیرہ۔
”وہ طلب علم میں مشغول ہوئے تو اس درجہ ہوئے کہ جس قدر دن کو حاصل ہوا دوسروں کو نہ ہو سکا۔“ (۱)

حافظ ذہبیؒ امام ابی نفع مسعر بن کدام سے جو زمانہ طالب علمی میں کوفہ کے اندر امام صاحبؒ کے رفیق ہیں نقل کرتے ہیں:

میں امام اعظمؒ کا رفیق مدرس تھا وہ علم حدیث کے طالب علم بنے تو حدیث میں ہم سے آگے نکل گئے یہی حال زہرہ تقویٰ میں ہوا اور فقہ کا معاملہ تو تمہارے سامنے ہے۔ (۲)

کوفہ ہی میں رہتے ہوئے امام اعظمؒ کا علم حدیث میں مسعر بن کدام اور ان کے ساتھیوں سے آگے نکل جانا اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ سب سے پہلے امام اعظمؒ نے کوفہ میں جس قدر علم حدیث تھا اس کی تحصیل کی کیونکہ مسعر بن کدام کی علمی رفاقت امام اعظمؒ کو کوفہ ہی میں حاصل ہوئی ہے۔ علم کی خاطر مسعر بن کدام کا کوفہ سے باہر جانا ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبیؒ نے تصریح کی ہے کہ

امام مسعر بن کدام نے حدیث کی خاطر کبھی کوفہ سے باہر کا سفر نہیں کیا۔ (۳)

امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں مسعر بن کدام کا مفصل اور مبسوط چہرہ لکھ دیا ہے۔ علم حدیث میں ان کا پایہ معلوم کرنا ہو تو حافظ ابو محمد رابعہ مزی کا یہ بیان پڑھئے کہ امام شعبہ اور سفیان ثوری میں جب کسی حدیث میں اختلاف ہوتا تو دونوں کہا کرتے تھے

ہم دونوں کو مسعر کے پاس لے چلو جو اس علم حدیث کی ترازو ہیں۔ (۴)

امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ کہتے ہیں کہ ہم نے بہت زیادہ تقدس کی وجہ سے ان کا نام ہی صحیفہ رکھا ہوا تھا۔

غور فرمائیے کہ امام شعبہ اور سفیان ثوری امیر المومنین فی الہدیت ہیں۔ ان کا علم جس شخص کے بارے میں یہ فیصلہ دے کہ وہ علم حدیث کی ترازو ہے علم حدیث میں اس کی جلالت قدر کا کیا حال ہوگا؟ اور پھر خود یہ میزان علم حدیث جس شخص کے بارے میں یہ انکشاف کرے کہ وہ علم حدیث میں مجھ سے بھی آگے ہے تو پھر اس کا علم حدیث میں کیا مقام ہوگا۔ اس کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ کوفہ ہی میں جس قدر علم حدیث پھیلا ہوا تھا اسے امام اعظم نے سمیٹ لیا تھا۔ اسی بنا پر امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ بخدا امام اعظم اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کے اس دنیا میں سب سے بڑے عالم تھے۔ (۱)

اور جس کی طبیعت کا نہیں بلکہ اعلیت کا یحییٰ دعویٰ کریں علم حدیث میں اس کی جلالت قدر کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ یاد رہے کہ خطیب نے بحوالہ یحییٰ بن معین تصریح کی ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان فتویٰ میں امام اعظم کے قول کو اچانتے تھے اور اہل کوفہ میں سے امام صاحب ہی کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ کبھی فرماتے کہ ابو حنیفہ نے بے شمار باتیں بہترین فرمائی ہیں اور کبھی کہتے کہ بخدا ہم نے ابو حنیفہ سے زیادہ بہتر رائے والا کوئی نہیں سنا ہے ہم ان کے اکثر و بیشتر باتوں کو اچانتے ہیں۔ (۲)

امام اعظم کے حدیث میں اساتذہ:

امام اعظم کے اساتذہ حدیث میں صحابہ تابعین اور اتباع تینوں میں ان سے باہر کوئی نہیں ہے۔ یعنی سب اساتذہ اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جس کی خیریت کی زبان نبوت سے شہادت دی ہے۔ حافظ ابو الحجاج المزنی نے تہذیب الکمال میں اگرچہ اساتذہ کا شمار صرف ۷۷ بتایا ہے جن کی تفصیل حافظ سیوطی نے تہذیب المسنید میں پوری درج کر دی۔ لیکن حافظ ذہبی نے عدد تکبیر من التابعین کہہ کر مشہور محدث ملا علی القاری کے دہان قلم سے نکل ہوئی اس بات کو سچا کر دیا جو انہوں نے شرح مسند امام میں لکھی ہے کہ

امام اعظم کے اساتذہ صحابہ تابعین اور اتباع تابعین میں سے بہت ہیں جن کی مجموعی تعداد چار ہزار ہے۔ (۱)
اور اس کی حافظ ابن حجر کی نے بھی یہ لکھ کر تصدیق کی ہے کہ:
ابو حفص کبیر نے ان میں سے چار ہزار اساتذہ حدیث ذکر کیے ہیں۔
حافظ ابو بکر البیہقی نے اپنی کتاب الانتصار میں ان مشائخ کا مبسوط ترجمہ لکھا ہے اور ان سے صدر الامم نے مناقب میں نقل کیا ہے۔

امام اعظم کے اساتذہ حدیث کی عظمت:

امام اعظم کو اساتذہ کے معاملے میں سب ائمہ حدیث سے ممتاز کرنے والی چیز صحابہ کرام کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنا ہے۔ یہ اساتذہ ہی کی عظمت ہے جس کا اظہار خود امام اعظم نے سربراہ حکومت عباسیہ ابو جعفر منصور دوانیقی کے سامنے برسر در بار کیا ہے۔

ربیع بن یونس کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ امیر المومنین ابو جعفر منصور کے پاس آئے اس وقت دربار میں امیر کی خدمت میں یحییٰ بن موسیٰ بھی موجود تھے یحییٰ نے امیر المومنین کو مخاطب کر کے کہا اے امیر المومنین هذا عالم الدنيا اليوم۔ (یہ آج تمام دنیا کے عالم ہیں) ابو جعفر منصور نے امام اعظم سے دریافت کیا کہ اے نعمان اتم نے کن لوگوں کا علم حاصل کیا ہے امام صاحب نے فرمایا کہ امیر المومنین امیں نے قاروق اعظم، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس کا علم حاصل کیا ہے ابو جعفر نے کہا کہ آپ تو علم کی ایک مضبوط چٹان پر کھڑے ہیں۔ (۲)

اساتذہ کی عظمت کا اندازہ ان کے اساتذہ کی عظمت سے ہوتا ہے۔ اسی بناء پر حافظ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ میں امام بخاری کے اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے اولین طبقہ تابعین کو قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

الطبقة الاولى من حدثه عن التابعين۔

اور پھر ان تابعین کے یہ نام بتائے ہیں۔ مکی بن ابراہیم ابو عالم النیل، عبید اللہ بن موسیٰ، ابوعبید الفضل بن دکین اور خلاد بن یحییٰ۔ مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ جن اساتذہ پر امام بخاری کے لیے طبقہ اولیٰ ہونے پر حافظ ابن حجر عسقلانی کو فخر ہے وہ خلاد بن یحییٰ کو چھوڑ کر سب کے سب امام اعظم کے شاگرد ہیں۔ (۱)

صدر الاسماء کی شمس الاسماء زرخیزی سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حفص صغیر کے زمانے میں ایک بار احناف و شوافع میں بحث چمڑ گئی کہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ میں افضل کون ہے؟ امام ابو حفص صغیر نے فرمایا کہ دونوں کے اساتذہ شمار کرو۔ چنانچہ امام شافعی کے اساتذہ گنے گنے تو اسی ہوئے۔ پھر امام اعظم کے مشائخ کا حساب لگایا گیا تو چار ہزار نکلے۔ امام ابو حفص نے فرمایا کہ هذا ادمی من فضائل ابی حنیفہ (یہ امام اعظم کی برتری کی ادنیٰ شہادت ہے) (۲)

امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں عبد اللہ بن المبارک کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ عباس بن مصعب نے تاریخ مرو میں امام عبد اللہ بن المبارک کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں نے چار ہزار اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا ہے اور پھر ایک ہزار سے روایت کی۔ عباس کہتے ہیں کہ ان میں سے آٹھ سو کہ روایات مجھے بھی ملی ہیں۔ حافظ کبیر ابوداؤد طیولی ۳۰۳ھ کا بیان ہے کہ میں نے ایک ہزار اساتذہ سے احادیث لکھی ہیں۔ (۳) امام بخاری فرماتے ہیں

میں نے ایک ہزار اسی حضرات سے حدیث لکھی ان میں ہر ایک محدث تھا۔ (۴)
حافظ ابویوسف یعقوب بن سفیان کا بیان ہے کہ میں نے پورے تیس سال رحلت میں ہر کیے اور ایک ہزار سے زائد اساتذہ سے حدیثیں سنی ہیں جو سب کے سب ثقاہت کی ترازو میں پورے تھے مگر سوچنے کی بات ہے کہ امام بخاری امام ابوداؤد اور امام یعقوب کے اساتذہ کی یہ تعداد کوئی قابل تعجب نہیں ہے کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ محدثین اطراف و آفاق عالم اسلامی میں پھیل چکے تھے اور جا بجا اسناد و روایت کے دفاتر کھلے ہوئے تھے۔ اجتماع تابعین میں سے ایک ایک شخص کے ہزار ہا شاگرد اور پھر ہر شاگرد کے ہزار ہا شاگرد تھے۔ تمام بلاد اسلامیہ

میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں درسا ہیں قائم تھے اور بڑے زور شور سے درس حدیث ہو رہا تھا۔ اس زمانے کی شہری زندگی میں علم حدیث اس قدر رائج تھا کہ ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں ہزار ہا طلبہ کی شرکت ایک معمولی بات تھی۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں مسند عراق امام علی بن عاصم واسطی امام اعظم کے مشہور شاگرد کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے حلقہ درس میں تیس ہزار سے زیادہ طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا۔ (۱) اور ان ہی کے صاحبزادے امام ابوالحسن عاصم بن علی ۲۴۰ھ میں جو امام بخاری کے بھی استاد ہیں اور جن سے انہوں نے اپنی صحیح میں روایات بھی لی ہیں ان کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے بغداد آئے ان کے اٹھائی درس میں لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابوالحسن بن المبارک کا بیان ہے کہ ان کی مجلس درس میں طلبہ کا اندازہ ایک لاکھ انسانوں سے اوپر لگایا جاتا تھا۔ (۲) عمر بن حفص کہتے ہیں کہ معتمد باللہ نے ایک بار اپنے کارندوں کو رجعت النخل میں صرف اس مقصد کی خاطر روانہ کیا تھا کہ اندازہ لگائیں کہ امام عاصم کے درس حدیث میں کتنی تعداد ہے؟ امام عاصم صحت پر بیٹھ کر لوگوں کو سناتے تھے۔ میں نے ایک روز سنا ہے کہ فرما رہے تھے حدثنا اللیث بن سعد۔ ہجوم اتنا تھا کہ آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی آپ نے اسی روز ایک کلمہ چودہ بار کہا اس مجلس کے شرکاء کا اندازہ لگایا گیا تو ایک لاکھ بیس ہزار تھے۔ (۳) امام اعظم ہی کے ایک اور شاگرد خاص ہیں یزید بن ہارون۔ جو فن حدیث میں مشہور امام ہیں ان کے متعلق یحییٰ بن طالب کا بیان ہے کہ ان کی مجلس میں ستر ہزار کی حاضری ہوتی تھی۔ (۴) بلکہ امام محمد کے بارے میں حضرت امام شافعی کا بیان ہے کہ امام محمد جب کوفہ میں موطا کا درس دیتے تو ان کی فرد گاہ پر لوگوں کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ جگہ تنگ ہو جاتی اسی زمانے میں امام شافعی تحصیل علم کی خاطر کوفہ کو تشریف لائے تھے کیونکہ یہ بتانے سے پہلے امام شافعی نے امام محمد کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے کہ امام محمد فرماتے ہیں کہ میں امام مالک کی خدمت میں تین سال رہا ہوں اور اس عرصہ میں میں نے ان

سے سات سو حدیثیں سنی ہیں۔ (۱) اور یہ ساری داستان امام مالک کی وفات کے بعد کی ہے اس کی پوری تفصیل اسد بن فرات نے اس طرح بتائی ہے کہ:

ہم ایک روز امام محمد کے حلقہ درس میں موجود تھے دفعتاً ایک شخص گردن میں پھانسی لگا کر ہوا امام محمد کے پاس آیا اور ہم نے امام محمد کی زبان سے یہ الفاظ سنے انا لله وانا اليه راجعون مصیبة ما اعظمها مات مالک بن انس امیر المومنین فی الحدیث۔ ان نہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث امام مالک کی وفات ہو گئی ہے۔ امام محمد جب اس کے بعد امام مالک سے حدیثیں بیان کرتے تو لوگ امام مالک کی حدیثوں کے شوق میں اس کثرت سے آپ کی خدمت میں آتے کہ آپ کے یہاں آنے کے راستے بند ہو جاتے اور جب امام مالک کے سوا کسی اور کی حدیثیں بیان کرتے تو خواص ہی خواص آتے۔ (۲)

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اس دور میں جب گھر گھر حدیث کا چرچا تھا محدثین کے لیے اساتذہ کی یہ تعداد حیرت انگیز نہیں ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس وقت امام اعظم کے لیے اساتذہ کی یہ تعداد کیسے پیدا ہو گئی جبکہ علم حدیث کی ابھی صبح صادق ہی طلوع ہوئی ہے۔ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے اس دور میں سرکاری حکم جاری کیا گیا کہ احادیث جمع کی جائیں جیسا کہ آپ انشاء اللہ آئندہ اوراق میں اس کی تفصیل پڑھیں گے۔ اس سرکاری حکم کے بارے میں حافظ ابوالفتح نے بتایا ہے کہ یہ آفاق یعنی اطراف مملکت میں روانہ کیا گیا۔ اس آفاق سے مراد مکہ مدینہ کوفہ بصرہ اور دمشق ہیں۔ کیونکہ اس زمانے میں یہی وہ مقامات تھے جہاں سے علم نبوی کے چشمے اہل اہل کرم سارے عالم میں رواں ہوئے چنانچہ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں

یہ پانچ شہر مکہ مدینہ کوفہ بصرہ اور شام ہی میں جن سے علوم نبوت یعنی ایمانی قرآنی اور شرعی علوم نکلے ہیں۔ (۳)

دور نہ علم حدیث کی تدوین فن روایت و اسناد کے لحاظ سے دور تابعین کے آخر میں وجود پزیر ہوئی ہے۔ چنانچہ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں:

زمانہ تابعین کے آخر میں تدوین آثار کا کام رونما ہوا ہے۔ (۱) الغرض اس دور میں جبکہ روایت و اسناد کی فنی طور پر بھی ابھی صبح صادق ہی طلوع ہوئی ہے اساتذہ کی یہ تعداد کثیر اس بات کی شہادت ہے کہ امام اعظم نے علم حدیث کرنے میں بہت بڑی محنت، عرق ریزی اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔ الغرض امام اعظم نے علم حدیث میں اس درجہ کمال پیدا کر لیا تھا اور ایسی محنت کی کہ امام علی بن عاصم جیسا نامور محدث امام اعظم کے بارے میں یہ اقرار چھوڑ گیا۔

اگر ابو حنیفہ کے علم کو دوسروں کے علم کے مقابلے میں تو لا جائے تو ابو حنیفہ کا پڑا ہماری ہو جائے گا۔ (۲)

امام اعظم کے اساتذہ میں پہلا طبقہ:

امام اعظم کے ان اساتذہ میں سب سے پہلا طبقہ صحابہ کرام کا ہے محدثین کے ایک طبقہ نے مثلاً حافظ ولی الدین عراقی، حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ سخاوی نے خاص اسناد دی اور روایتی نقطہ نظر سے امام اعظم کے صحابہ کے تلمذ پر قسم تصحیح و ایضاً روایت صحیح نہیں ہے لکھ دیا ہے۔ اس سے بہتوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ امام اعظم کو صحابہ سے شرف تلمذ ثابت نہیں بلکہ اس کا عدم ثابت ہے اور صحابہ کے نام سے امام کی روایات موضوع ہیں حالانکہ اصول محدثین کی رو سے ایسا سمجھنا خطرناک غلطی ہے بلکہ فن روایت کے مسلمہ اصول و قواعد سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں کہ:

محدثین بسا اوقات لا بصح اور لا یثبت کا لفظ بولتے ہیں نادان اس کا مطلب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ حدیث محدثین کے یہاں موضوع یا ضعیف ہے۔ ایسا سوچنا ان کی اصطلاح سے جہالت اور ان کی تصریحات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ (۳)

مشہور محدث ملا علی قاری نے تذکرۃ الموضوعات میں لکھا ہے کہ ”صحیح نہیں ہے“ کا مطلب جہل نہیں ہے کہ بات گھڑی ہوئی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حسن یا ضعیف ہے۔ علامہ

نور الدین "جواب المسئدین فی فضل الشافعی" میں فرماتے ہیں کہ امام احمد کے حدیث عاشوراء پر لا یمسح کے رد میں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ باطل ہے۔ ممکن ہے کہ صحیح تو نہ ہو لیکن قائل استدلال ہو کیونکہ صحیح اور ضعیف کا درمیانی درجہ حسن ہی ہے۔ امام ربیع ثکلی ابن الصلاح میں فرماتے ہیں کہ محدثین کی دونوں تعبیروں موضوع اور لا یمسح میں بہت بڑا فرق ہے موضوع کہنے کا مطلب یہ ہے کہ روای کا جھوٹ اور بات کا ٹکڑی ہوئی ہونا ثابت ہو گیا ہے اور لا یمسح میں صرف صحیح نہ ہونے کی خبر ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا عدم بھی ثابت ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی "القول المسد فی الذب عن مسند احمد" میں لکھتے ہیں کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔ علامہ محمد بن عبدالباقی شرح مواہب اللہ فیہ میں حدیث

یطلع الله ليلة النصف من شعبان فيمطر لجميع خلقه الا المشرك او المشاقق۔

پر ابن دبیہ کا کلام لم یصح فی ليلة نصف شعبان شنی نقل کر کے رقمطراز ہیں

کہ

شاید ابن دبیہ کی مراد اصطلاحی صحت ہے کیونکہ یہ حدیث حسن ہے اگرچہ درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ (۱)

مولانا عبدالحی فرماتے ہیں

کسی حدیث پر محدثین کا عدم ثبوت اور عدم صحت کا حکم لگانا عرف محدثین کے مطابق حدیث کے ضعیف اور موضوع ہونے کو لازم نہیں بلکہ ممکن ہے کہ حدیث حسن لذات یا ظہر ہو؟

اسی بنا پر امام ربیع اپنی جامع میں ایک حدیث لاتے ہیں اور خود اس کی تضعیف بھی کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ والعمل علی هذا عند اهل العلم۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اسنادی اور روایتی طور پر صحیح نہ ہونے سے اصل بات کا نہ ہونا

ثابت نہیں ہوتا۔ دراصل یہاں حدیث ضعیف بھی دو قسم کی ہیں ایک وہ جس میں شرائط صحت میں سے کوئی شرط نہ ہو۔ اور دوسری وہ جس میں شرائط قبول میں سے کوئی شرط نہ ہو۔ اس لیے امام اعظم کے صحابہ سے تلمذ کے موقع پر محدثین کے یہاں لا یمسح دیکھ کر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جانا کہ ان اکابر کے نزدیک یہ داستان گویا عبادی ہے بہت بڑی جرأت اور بے باکی ہے۔ مشہور حدیث افتراق امت کے متعلق محمد الدین فیروز آبادی نے سفر السعادة کے خاتمہ میں یہ لکھا ہے کہ لم یثبت فیہ شیء۔ (اس موضوع پر کوئی بھی حدیث ثابت نہیں ہے) حالانکہ چند در چند طرق سے آنے کی وجہ سے درجہ صحت کے قریب قریب ہے جیسا کہ امام حاکم لکھتے ہیں کہ ایک سے زیادہ طرق سے اس حدیث کا آنا اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں کہ:

صاحب قاموس علامہ محمد الدین نے سفر السعادة میں آیہ سے زیادہ احادیث کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہیں اس سے ہمارے زمانے کے نادانوں کو دھوکا ہو گیا ہے اور انہوں نے احادیث ثابتہ پر موضوع ضعیف اور ناقابل اعتبار ہونے کا فتویٰ لگا دیا۔ (۱)

صحابہ سے روایت کا شرف:

ذرا اس پر بھی تو غور فرمائیے کہ امام اعظم کی صحابہ سے روایت کی حیثیت واقعات کی دنیا اور قانون کی نظر میں کیا ہے؟ یہی ناکہ امام اعظم کے لیے ایک جزوی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہ فضل و بزرگی ہے جس میں ائمہ میں سے امام اعظم کا شریک کوئی نہیں ہے۔ اگر صرف اتنی بات ہے تو اس میں روایتی و اسنادی کمزوریوں سے صرف نظر تو خود محدثین کی طے کر دہ پالیسی ہے۔ طلال و حرام میں اسنادی کمزوریوں کو تلاش کرنا محدثین نے ناگزیر بتایا ہے لیکن جہاں تک فضائل اور سیر کا میدان ہے اس میں وہ ضعیف روایات کو بھی شرف قبول عطا کر دیتے ہیں۔ مشہور محدث علی اکملی "انسان البیون فی سیرۃ الامم والماضی"

میں رقمطراز ہیں کہ سیرت میں صحیح، ضعیف، موضوع، مرسل، منقطع اور معطل سب اسی قسم کی روایات ہوتی ہیں۔ امام احمد نے فرمایا ہے کہ جب ہم حلال و حرام کو موضوع بحث بناتے ہیں تو ہم متفقہ ہوتے ہیں اور فضائل میں ہم تسامع ہوتے ہیں۔ خطیب بغدادی نے اس موضوع پر الکفایہ میں ایک مستقل عنوان قائم کر کے ائمہ کی تصریحات جمع کر دی ہیں۔

علامہ ابن سید الناس نے "عیون الاثر فی فہم المغازی والمسیر" میں مشہور مؤرخ محمد بن اسحاق کی توثیق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے۔

لکن سے زیادہ تر روایات انساب ایام عرب اور لوگوں کے احوال سے متعلق ہیں اس موضوع پر علم و چشم پوشی سے کام لیتے ہیں ان لوگوں سے بھی روایات لے لیتے ہیں جن کی احکام میں احادیث معتبر نہیں ہوتی ہیں۔ اس میں رخصت ہے اور یہ رخصت امام احمد سے منقول ہے۔ (۱)

ملاطی قاری نے مشہور رسالہ "الخط الاذفر فی الحج الاکبر" میں اس حدیث پر کہ الفضل الایام یوم عرفة ادا والحق یوم الجمعة فهو الفضل من سبعین حجۃ۔ یہ نوٹ لکھا ہے:

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث ضعیف فضائل میں تمام علماء کے نزدیک قابل اعتبار ہے۔ (۲)

حافظ سیوطی نے بھی یہ بات طلوع الطریا، التعلیم والہدٰی اور المقامات السندیہ میں لکھی ہے۔ حافظ عراقی نے شرح المفہیم میں امام نووی نے تقریب میں اور سیوطی نے اس کی شرح تقریب میں اس بات کو بار بار صاف کیا ہے۔ اگر صورت حال یہی ہے تو پھر امام اعظم کی اس جزوی فضیلت کے موضوع پر یہ رد و کد کچھ بے معنی کی بات ہے۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے سب سے پہلے دارقطنی نے صدیاں گزرنے پر یہ بات لوگوں کو بتائی ہے کہ

امام ابو حنیفہ نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی البتہ انہوں نے حضرت انس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مگر ان سے کوئی بات نہیں سنی۔

دارقطنی کے بعد خطیب بغدادی نے بھی تاریخ بغداد میں یہی بات دہرائی ہے چنانچہ سعید بن ابی سعید نیشاپوری کے ترجمہ میں امام اعظم کی ایک حدیث کو بواسطہ امام ابو یوسف بائیں نقل کرنے کے بعد کہ جس میں حضرت انس سے امام اعظم کے سماع کی تصریح موجود ہے لکھتے ہیں

امام ابو حنیفہ کا حضرت انس سے سماع صحیح نہیں ہے۔ (۱)

اور امام ابو حنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا ہے۔ (۲)

اس کے بعد شوافع میں زید الدین عراقی اور ابن حجر عسقلانی بھی ان کے ہی ہم زبان ہو گئے ورنہ اس سے پہلے اس موضوع پر متقدمین میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا اسی بنا پر ملاطی قاری شرح مسند امام میں فرماتے ہیں

والمعتمد لہو لہا۔

"پانچ بار بات یہی ہے کہ امام اعظم کا صحابہ سے تلمذ ثابت ہے۔"

امام اعظم کا حضرت انس بن مالک سے تلمذ:

صحابہ میں جن اکابر کے سامنے امام اعظم نے رانوے ادب تہ کیا ہے۔ ان میں حضرت انس بن مالک کا مقام سب سے اونچا ہے ان کی کنیت ابو حمزہ ہے انصار مدینہ میں نبی نجار سے تعلق کی وجہ سے نبوی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام ملیکہ بنت مہکان اور کنیت ام حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص ہیں خود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے میری عمر دس سال تھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرمائے دار ہقا ہوئے تو میں بیس سال کا تھا ان کو ان کی والدہ ہی خدمت اقدس میں لائی تھیں اور عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! خدمت کے لیے خادم لائی ہوں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف قبول عطا فرمایا۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار دعا کی درخواست کی آپ نے دعا فرمائی اللھم اکثر مالہ وولده۔ فرماتے ہیں کہ مال کی اتنی فراوانی

ہوئی کہ میرے نختستان اور تاکستان میں سال بھر میں دوبارہ پھل آتا۔ اول کا حال یہ ہے کہ میری اولاد اور اولاد کی اولاد کو ان کے وقت شمار کیا جائے تو ایک سو سے قریب ہیں۔ حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے ہاتھوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھو یا ہے؟ فرمایا کہ ہاں حضرت ثابت نے فرمایا ذرا ہاتھ دیجئے میں اس کو بوسہ دوں۔ مسند امام احمد میں ہے حضرت انس کہتے ہیں کہ حضرت انس نے روز قیامت کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کی حضور انور نے وعدہ فرمایا حضرت انس نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ سے قیامت کے روز کہاں ہوں؟ فرمایا اول صراط پر دین و ہاں نہ ہوں تو میزان عمل پر دیکھ وہاں بھی نہ ہوں تو حوض کوثر پر مٹا۔ (۱)

حافظ ابن کثیر نے ابو بکر بن میشل کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت انس نے عبدالملک بن مروان کے پاس حجاج بن یوسف ثقفی کو زحار کے متعلق ایک شکایتی خط بھیج دیا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو سرکشی اپنے نبی کا خام مل جائے تو وہ اس کا حد درجہ آرام کریں۔ میں نے پورے دس سال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارے ہیں اور آپ کی خدمت کی ہے۔ لکھا ہے کہ عبدالملک نے حجاج کو خط لکھا۔ خط میں یہ درج تھا۔

جب میرا خط تم کو ملے تو ابو حمزہ کے پاس جاؤ ان کو راضی کرو ان کے ہاتھ اور پاؤں چومو ورنہ تم کو میری جانب سے ایسی سزا ملے گی جس کے تم مستحق ہو۔ (۲)

خط پہنچتے ہی حجاج نے حضرت انس کے پاس جائے کار ارادہ کیا لیکن حجاج بن یوسف کے ایک دوست نے صلح کرا دی۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کراچی میں عرصہ دراز تک رہے آپ بے شمار احادیث کے امین تھے عمر طویل پائی ہے۔ آپ بصرہ میں دنیا سے روانہ ہونے والے صحابی ہیں آخری صحابی تھے۔ امام بخاری سے ان سے اسی حدیثیں لی ہیں۔ (۳)

(۱) ابویہ و نہیہ ج ۹ ص ۹۷

(۲) ابویہ و نہیہ ج ۹ ص ۹۷

(۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۲

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ۹۳ھ میں بصرے میں آپ کا انتقال ہوا۔ بڑا بولشہور و علیہ الجہور۔ اس وقت امام اعظم کی عمر تیرہ سو تھی۔ علامہ خوارزمی نے جامع السانید میں صدرالعدنی کے منقبت میں حافظ جلال الدین السیوطی نے تحفہ الصغیرہ میں حضرت انس کی یہ حدیث بحوالہ امام اعظم درج کی ہے۔

ابو حنیفہ عن انس بن مالک قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم يقول طلب العلم فريضة على كل مسلم۔ (۱)

جیسا کہ امام اعظم کی داستان علم میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ امام اعظم کا زمانہ طلب علم بچپن اور بچپن ہے اور آپ کی علمی گاریوں کا آغاز علم کلام سے ہوا ہے بصرہ اس زمانے میں علم کلام کی منڈی تھی۔ علم کلام کی تحصیل کے لیے امام اعظم کا کوفہ سے بصرہ جانا اور بصرہ میں قیام کرنا مشہور ہے امام صاحب خود فرماتے ہیں کہ میں بصرہ میں یس سے زیادہ بار گیا ہوں۔ اسی زمانے میں آپ کو حضرت انس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حافظ ابو نعیم نے بالتصريح لکھا ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس کو دیکھا ہے اور ان سے حدیثیں سنی ہیں۔

(۱) یہ حدیث حافظ خندو نے بحوالہ قاضی ابویوسف عن ابی حنیفہ عن متصل سندوں سے اور قاضی ابوبکر محمد بن الباقی نے اپنے مسند میں دو متصل سندوں سے بیان کی ہے حافظ جلال الدین السیوطی حافظ ابو نعیم سے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ میری رائے میں یہ حدیث صحیح کے ہم پد ہے کیونکہ بصرے میں یہ حدیث پچاس طرق سے مروی ہے (تحفہ الصغیرہ ص ۶) حافظ طحاوی فرماتے ہیں کہ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے کچھ طرق کی بعض ائمہ نے تصحیح فرمائی ہے حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ کا اعتراف کیا ہے کہ کثرت طرق کی وجہ سے یہ حدیث حسن کے درجے میں ہے اس موضوع پر ان اکابر سے احادیث آئی ہیں۔ ابی، جابر، حذیفہ، الحسین بن علی، سلمان، سمرہ، ابن عباس، ابن عمر، ابن مسعود، علی، معاویہ، جابر، ابوسیدہ، ابو ہریرہ، عائشہ، ام ہانی وغیرہ وغیرہ۔

امام اعظم کا حضرت عبد اللہ بن الحارث سے تلمذ

یہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ان کی بود و باش معاشرہ میں تھی، ارشادات پیغمبر کے مین تھے۔ اہل مصر نے ان سے ارشادات کو نقل کیا ہے۔ (۱)

حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں بسند متصل خود امام اعظم کی زبانی نقل کیا ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں سور سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ کے ارد گرد لوگوں کا ہجوم ہے میں نے والد محترم سے دریافت کیا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ والد صاحب نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ان کا نام نامی عبد اللہ بن الحارث ہے میں نے والد صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنا رہے ہیں میں نے والد صاحب سے درخواست کی کہ مجھے بھی آگے لے چلے تاکہ میں بھی ان کی زبان مبارک سے ارشادِ رومی سنوں۔ والد محترم کو کوئی چیز تے پھر نے آگے آگے ہو گئے تا آنکہ میں حضرت عبد اللہ کے پاس پہنچ گیا میں نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے دین میں فدا ہوتے ہوئے پہنچائی اللہ اس کو اس کے غم میں کافی ہوگا اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچانے کا جہاں کا اس کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ (۲)

سبط الجوری نے انتصار والہ جمع میں حافظ ابو نعیم اصفہانی کے حوالے سے جن صحابہ کرام کے بارے میں امام اعظم کی دید و شنید کو مایا ہے ان میں حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جزی بھی ہیں نیز اس روایت کو ابی فہرہ حارثی، ابی فہرہ عبد اللہ الحسین بن محمد اور حافظ ابو بکر محمد بن ابی بکر

نے اپنے مسانید میں باسانید متصل درج کیا ہے۔ تاج الاسلام حافظ عبد المکریم صغانی فرماتے ہیں کہ حافظ ابو بکر الجعابی نے اپنی کتاب الانتصار میں بسند متصل اس کی تخریج کی ہے۔ (۱)

حافظ ابن عبد البر جو خطیب بغدادی کے معاصر بھی ہیں جامع بیان العلم میں حضرت عبد اللہ کی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد جس میں امام اعظم نے اپنے سماع کی تصریح کی ہے سماع کے ثبوت میں لکھا ہے کہ ابن سعد کا بیان ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس بن مالک اور حضرت عبد اللہ بن الحارث کو دیکھا ہے۔ اگرچہ حضرت عبد اللہ کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہی ہے جو حافظ ذہبی نے اپنی تاریخ کبیر کے مقدمہ میں بتائی ہے کہ حنفیہ میں نے ضبط تاریخاً تجھے وفات کا کوئی خاص اہتہ نہیں کیا اس سلسلے میں انہوں نے صرف حافظ پر ہی بھروسہ کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے صحابہ کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی اور یہی صورت حال زمانہ شافعی تک تابعین کے بارے میں رہی۔ (۲) لیکن حضرت عبد اللہ کی اسی حدیث کو حافظ ابو بکر الجعابی نے نقل کرنے کے بعد تصریح کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن الحارث کی تاریخ وفات صحیحہ ہے۔ واضح رہے کہ حافظ ابو بکر الجعابی ملل حدیث

(۱) یہ حدیث اگرچہ متعدد سندوں سے آئی ہے لیکن ہم نے جو روایت نقل کی ہے اس کی تخریج حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں بطریق یوسف ابن احمد اسکی ازبانی جعفر العقلمی والی علی الرازی و محمد بن احمد ازبانی ابی یوسف امام اعظم سے کی ہے حافظ یوحنا بن علی بن محمد اللہانی نے اس کو ابوالعباس احمد بن الصلت بن الحسن و ابی روایت کا متابع قرار دیا ہے اباش احمد بن الصلت پر محدثین کی ایک جماعت نے کچھ کلام کیا ہے مگر حافظ ابو زمرہ حافظ ابو حاتم جیسے ائمہ فن رجال نے ان کی صداقت اور ثقاہت کو سراہا ہے واصل بعد میں آنے والوں کی برہمی کا باعث یہ ہے کہ احمد نے ایک ضخیم کتاب امام اعظم کے مناقب پر کیوں لکھی یہ کتاب بعض مباحث غلوہر کے لئے ان کے خلاف برہمی کا باعث ہو گئی حتیٰ کہ دارقطنی کو تو ان پر اس قدر غصہ آیا کہ ان کی اس کتاب ہی کو مسموع قرار دے دیا لیکن حافظ کو جو امام اعظم سے سوء عقیدت ہے اس کی موجودگی میں ان سے کچھ اور توقع ہی بیکار ہے۔ (۲) الاطمان لتوقع ص ۱۶۹

اور تاریخ رجال میں بہت بڑے امام گذرے ہیں۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی، حافظ ابو عبد اللہ الی کم اور حافظ دارقطنی نے فن حدیث میں ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا ہے چار لاکھ حدیثوں کو نوک زبان کیے ہوئے تھے حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

كان بارعاً في معرفة العلل ولفات الرجال ولو اربعمهم (۱)

”حدیثوں کی عقل شناسی رجال اور ان کی تاریخ میں بڑے ہی ماہر تھے۔“

تذکرۃ الحفاظ میں ان کے چہرے کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے۔ الحافظ البارع فرجہ زمانہ اگرچہ حافظ ابو بکر الجعفی نے اپنی کتاب الاختصار میں صرف ان دو صحابہ ہی کا تذکرہ کیا ہے مگر امام ابو محضر عبد الکریم نے ان دو کے ساتھ چار کے اور نام بھی بتائے ہیں۔ صدر الامر کی بھی ان کے ہم نوا ہیں۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی نے جن کے آگے فن حدیث میں خطیب بغدادی نے بھی زانوئے شاگردی تہہ کیا ہے لکھا ہے کہ امام اعظم نے صحابہ میں سے حسب ذیل حضرات کو دیکھا اور ان سے حدیثیں سنی ہیں۔ حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن الحارث اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ۔ ملک الحفاظ یحییٰ بن معین جو فن جرح و تعدیل میں مسلم الثبوت امام اور علم حدیث کے ایک رکن خیال کیے جاتے ہیں اپنی تاریخ میں رقمطراز ہیں

ان ابا حنیفة صاحب الراى سمع عائشة بنت عمر و يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم اكثر جند الله في الارض الجواد لا اكله ولا احرمه (۲)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے امام اعظم کا تلمذ:

ان کی کنیت کچھ کی رائے میں ابو معاویہ اور کچھ کہتے ہیں کہ ابو ابراہیم ہے۔ حافظ مستقلانی نے لکھا ہے کہ ۸۷ھ میں کوفہ تشریف لائے اور حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ کوفہ کو رہنے والے صحابہ میں یہ آخری صحابی ہیں اور امام بخاری کے حوالے سے ان کی تاریخ وفات ۸۹ھ بتائی ہے۔ اگر ان کی تاریخ فی الواقع ۸۹ھ ہے تو اس وقت امام اعظم کی عمر نو سال ہے۔

اس عمر میں نہ دیکھ سکتے تھے اور نہ سننا۔ اور جب کہ امام اعظم کے خاندان میں اس کا مزید اہتمام بھی تھا کہ بچوں کو صحابہ کی خدمت میں لے جاتے تھے چنانچہ آپ کے والد ماجد ثابت بھی بچپن میں حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعا بھی فرمائی تھی۔ اسی صورت میں اگر امام اعظم نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی نو سال کی عمر میں زیارت کی اور حدیثیں سنی ہیں تو اس میں انکار کی کیا بات ہے۔ اس عمر میں جہاں تک روایت سننے کا معاملہ ہے وہ محدثین کے یہاں اتفاق ہے۔

تحمل روایت کی عمر اور محدثین:

تحمل روایت کے لیے نو سال تو بڑی عمر ہے امام بخاری نے کتاب العلم میں متی صحیح سماع الصغیر کا عنوان قائم کر کے محمود بن ابریح کی زبانی ایک واقعہ نقل کیا ہے اس واقعہ میں خود ان صحابی کا بیان ہے کہ میری عمر پانچ سال تھی اور اخطیب نے بھی لکھا ہے کہ محمود کی عمر حضور انور کی وفات کے وقت پانچ سال تھی (۱)۔ حافظ ابن عبد البر نے اس عمر میں روایت لینے پر محدثین کا اتفاق نقل کیا ہے اور حافظ ابن الصلاح نے مقدمہ میں محمود کی اس روایت کی وجہ سے پانچ سال پر محدثین کا عمل بتایا ہے۔

وهو الذي استقر عليه اهل الحديث (۲) ”اسی پر محدثین کا عمل ہے۔“

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ امام اعظم کی عمر حضرت عبداللہ بن اوفیٰ کے دنیا سے رحلت فرمائے دار بقا ہونے کے وقت نو سال تھی اور یہ محدثین کی قائم کردہ اس تحدید سے کہیں زیادہ ہے جو انہوں نے تحمل روایت کے لیے ضروری قرار دی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن الصلاح نے کاغذی حیاض کے حوالے سے بتایا ہے۔

محدثین نے اس میں ضابطہ بھی بتایا ہے کہ تحمل روایت کی کم از کم عمر محمود کی ہے۔ اس لیے اس کی پنے برائے ہر شک و شبہ سے قطعی طور پر بالا ہے۔

فاذن لا ينكر سماع الامام من عبدالله بن ابي اوفى (۳)

اس لیے امام اعظم کا سامع حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے ناقابل انکار ہے۔
حافظ ابو معشر عبدالکریم نے اپنے رسالہ میں ان کے حوالے سے امام اعظم کی یہ
روایت نقل کی ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے سنا ہے وہ کہہ
رہے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے مسجد بنائی
خود وہ جیل کے آشیانے جتنی ہو اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

ان مذکورہ صحابہ کے علاوہ حضرت سبل بن سعد الساعدی ۹۱ھ اور ابو الطفیل عامر بن
وہب ۱۰۰ھ میں بقید حیات تھے۔ محدثین نے ان سے بھی امام اعظم کی دید و شنید بتائی ہے۔
امام اعظم نے ان سے بھی کچھ حدیثیں سنی ہیں اور ان کے سامنے بھی چھپنے میں زانوئے
دست نہ کیا ہو تو اس میں انکار کی کیا بات ہے؟

اتصال روایت کی شرط:

اتصال روایت کی حد تک امام بخاری تو اگرچہ ایک بار ملاقات کو ضروری بتاتے ہیں
لیکن امام مسلم کے خیال میں اتصال کے لیے ملاقات ضروری نہیں دو تو صرف ہم عصر ہونا ہی
کافی سمجھتے ہیں۔ ہم عصری ثابت ہو جانے کے بعد روایت کو بلاغ میں پیش کرنا درست ہے بلکہ
امام مسلم تو معاشرت کے ساتھ ملاقات کی شرط کو من گھڑت اور من مانی بات قرار دیتے ہیں۔
چنانچہ فرماتے ہیں۔

ان اشترائط الفاء قول مختوع لم يسبق فائله اليه۔

ملاقات کی شرط ایک من گھڑت بات ہے اس سے پہلے اس کا کوئی بھی قائل نہیں
ہے۔

اور پھر امام مسلم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دعوے کے پیچھے اجماع کی طاقت ہے۔ یاد
رہے کہ امام مسلم کا یہ اختلاف صرف حدیث معصن میں ہے۔ بہر حال ایسی حالت میں امام
اعظم کی احادیث معصنہ کو جو شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں دراصل وہ فن کا منہ چراتے ہیں
کیونکہ اگر یہ روایات پایہ ثبوت کو نہ پہنچیں تو امام یحییٰ بن محسن، حافظ ابو نعیم شافعی، حافظ ابن

عبدالبرہان کی جو حدیث و روایت کے اراکین خیال کیے جاتے ہیں ہرگز اس بات کی تصریح نہ
کرتے کہ امام اعظم نے صحابہ سے حدیثیں سنی ہیں۔

الغرض میں اس داستان کو ہمیں ختم کرنا ہوں اور بتانا یہ چاہتا ہوں کہ امام اعظم نے
علم حدیث کے طالب علم کی حیثیت سے سب سے پہلے اپنے شہر کوفہ کے اساتذہ سے علم حدیث
حاصل کیا۔

۲۔ اپنے پہلے سرور ہے کچھ کوفہ میں علم حدیث کا حال سن بیٹے

کوفہ میں علم حدیث:

فتوح البدان میں امام احمد بن یحییٰ بغدادی نے بحوالہ نافع بن مزیر بن مطعم حضرت
مرزا کوفہ کے بارے میں یہ تاثر لکھا ہے بالکوفۃ وحوہ الناس (کوفہ میں بڑے لوگ ہیں)
ظاہر ہے کہ حضرت فاروق اعظم یہاں جس وجاہت کا مدعا فرما رہے ہیں وہ دینی اور
علمی وجاہت کے سوا کچھ نہیں۔ اس کی تائید خود حضرت فاروق اعظم کے اس خط سے ہوتی ہے۔ جو
انہوں نے کوفہ والوں کے نام لکھا ہے اور جسے حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔

میں نے تمہارے پاس عمار بن یاسر کو بحیثیت امیر اور عبداللہ بن مسعود کو بحیثیت معلم
اور وزیر روانہ کیا ہے۔ یہ دونوں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں منتخب اور
برگزیدہ ہستیاں ہیں صرف صحابی نہیں بلکہ شرکائے بدر میں سے ہیں تم ان کی اقتداء
کرو دیکھو عبداللہ کے معاملے میں میں نے تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔ (۱)

اس خالص علمی وجاہت کی وجہ سے حضرت فاروق اعظم نے امام ربانی حضرت
عبداللہ بن مسعود کو ایک بار کھڑا دیکھ کر فرمایا تھا

کیف علی علما۔

(علم سے بھرا ہوا برتن ہے) (۲)

اور اسی علمی وجاہت اور جلالت قدر کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی وفات

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل سے جب ان کے صاحبزادے عبد اللہ نے دریافت کیا کہ آپ کی رائے میں طالب علم کو کیا کرنا چاہیے آیا ایک ہی استاد کی خدمت میں برابر حاضر رہ کر اسی سے حدیثیں نکھارتا رہے یا ان مقامات کا رخ کرے جہاں علم کا چرچا ہے وہاں جا کر علماء سے استفادہ کرے۔ قرآن نے جواب میں فرمایا کہ اسے سفر کرنا چاہیے اور دوسرے مقامات کے علماء سے حدیثیں لکھنی چاہئیں اور ان علماء میں سب سے پہلے امام احمد نے کوفہ میں ہی کا ذکر کیا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

یروحل ویکتب من الکوفیین والصربیین واهل المدینہ ومکة (۱)

”سفر کرے اور کوفیوں، بصریوں اور مدینہ اور مکہ والوں سے احادیث سے لکھے۔“

امام بخاری نے طلب حدیث میں بخارا سے لے کر مصر تک تمام اسلامی شہروں کا سفر کیا تھا دو دفعہ جزیرہ مکے چار بار بصرہ جانا ہوا چھ سال تک حجاز میں مقیم رہے مگر اس کے باوجود مکہ و بغداد کو اتنی اہمیت تھی کہ فرماتے ہیں:

”بقیہ صفحہ ۲۶۱“ امام بخاری بن معین کہتے ہیں کہ محدثین پانچ ہیں مالک ابن جریر، ثوری اور عفان (تذکرۃ اصحابنا ص ۳۳۵) امام احمد فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں عبد الرحمن بن مہدی سے زیادہ رسول کے مالک ہیں (کتاب الجرح والتعدیل ص ۳ ص ۳۰) ابن ابی حاتم نے ان کے استاد سے حماد بن زید۔ حماد بن سلمہ اور امام شعبہ کو شمار کیا ہے اور حافظ ابن عبد البر نے الاثقاء میں حماد بن زید کے بارے میں انکشاف کیا ہے۔ روی حماد زید عن ابی حبیہ احادیث کثیرہ۔ (ص ۱۳۰) حافظ ابی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مامون الرشید کی جانب سے ان کو سرکاری وظیفہ ملا تھا۔ خلق قرآن کے مسائل میں یہ بھی امام احمد کے ہموا تھے۔ سرکار مامون نے ان کو اہانے کی کوشش کی اسی سلسلے میں ان کا سرکاری وظیفہ بند کرنے کی دھمکی دی گئی تو فرمایا وحی السماء رد فکم الخ۔ خلیفہ نے وظیفہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کماں العامون بحری علی عفان حمسمانة درہم کل شہر۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ان کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی بخاری ابو داؤد کی بھی یہی رائے ہے۔

(۱) تدریب الراوی ص ۱۷۷

میں شمار نہیں کر سکتا کہ محدثین کی ہر کابی میں کوفہ اور بغداد کتنی بار مجھے جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ (۱)

آج بھی اگر آپ رجال کی کتابیں کھول کر بینیں تو بغدادیوں روی آپ کو کوفہ کے نظر آئیں گے جن کی روایات سے صحیحین اور غیر صحیحین بھری پڑی ہیں۔ صرف بخاری شریف کو اٹھا لیجئے اور اس میں جس قدر صحیحہ سے احادیث منقول ہو کر آئی ہیں ان پر ایک سرسری نظر ڈالیے حافظ ابن حجر عسقلانی نے ترتیب ترویج میں مقدمہ فتح الباری میں تو مصنف کو تمام نام لکھ دیا ہے۔ ان صحابہ میں سے جو خاص کوفہ میں آ کر جائزین ہوئے ذرا ان کے نام یاد کیجئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ امام بخاری کے ان گنت بار کوفہ جانے کا کیا باعث تھا اور پتہ تک جائے کہ کوفہ کا حدیث میں کیا مقام ہے۔

- ۱- حضرت اشعث بن قیس الکندی ○ ۲- حضرت عذی بن حاتم ○ ۳- حضرت ابان بن اوس السلمی ○ ۴- حضرت عقبہ بن عمرو ○ ۵- حضرت بریدہ بن حبیب ○ ۶- حضرت علی بن ابی طالب ○ ۷- حضرت جابر بن سمرہ ○ ۸- حضرت عمران بن حصین ○ ۹- حضرت جریر بن عبد اللہ ○ ۱۰- حضرت عمرو بن حریث ○ ۱۱- حضرت جندب بن عبد اللہ ○ ۱۲- حضرت مرداس بن مالک ○ ۱۳- حضرت عمار بن وہب ○ ۱۴- حضرت مسیب بن حزن ○ ۱۵- حضرت حذیفہ بن الیمان ○ ۱۶- حضرت معن بن یزید ○ ۱۷- حضرت حباب بن الارت ○ ۱۸- حضرت مغیرہ بن شعبہ ○ ۱۹- حضرت زید بن ارقم ○ ۲۰- حضرت نعمان بن بشیر ○ ۲۱- حضرت سلیمان بن مرز ○ ۲۲- حضرت نعمان بن مقرن ○ ۲۳- حضرت سرو بن خباد ○ ۲۴- حضرت أنسج بن الی رث ○ ۲۵- حضرت سنن ابو جید ○ ۲۶- حضرت وہب بن عبد اللہ ○ ۲۷- حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی ○ ۲۸- حضرت عبد اللہ بن یزید ○ ۲۹- حضرت عبد الرحمن بن ابی ریح

یہ ان کوئی صحابہ کے اسمائے گرامی ہیں جن کے حوالے سے امام بخاری نے صحیح میں ارشادات نبوی لیے ہیں اسی پر تمام صحاح ستہ کو قیاس کر لیجئے۔

ذرا ایک قدم اور آگے بڑھائیے اور بخاری شریف ہی کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ اس کے راویوں میں سب سے زیادہ تعداد جس شہر کے راویوں کی ہے وہ کوفہ ہی ہے۔ راقم الحروف نے اس ارادے سے بخاری شریف کے راویوں کا جائزہ لیا تو صرف شہر کوفہ کے راویوں کی تعداد صحیح بخاری میں تین سو سے زائد ملی ہے۔ اگر کتاب کی ضخامت کے زائد ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ان کے نام ہدیہ ناظرین کرتے۔

علمائے محدثین نے حفاظ حدیث کے حالات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو اپنے وقت میں حفاظ حدیث تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور کتاب تذکرۃ الحفاظ ہے۔ یہ حافظ شمس الدین الذہبی (۷۴۸ھ) کی تصنیف ہے حافظ موصوف نے اس کتاب میں کسی ایسے شخص کا تذکرہ نہیں لکھا ہے جس کا شمار حفاظ حدیث میں نہ ہو۔ چنانچہ علامہ ابن حجر کے متعلق لکھتے ہیں:

ابن حجر علم کا خزانہ ہیں لیکن حدیث میں ان کا کام تھوڑا ہے اس لیے میں نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ (۱)

اور خارجہ بن زید اگرچہ فقہائے سہد میں سے ہیں مگر ان کے بارے میں صاف تصریح کر دی ہے کہ

چونکہ وہ قلیل الحدیث تھے اس لیے میں نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار نہیں کیا۔

ایسے ہی اس کتاب میں ان لوگوں کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے جو حفاظ حدیث تو ہیں مگر محدثین کے یہاں پایہ اعتبار سے ساقط ہیں چنانچہ امام ذہبی نے والدی اور ہشام

کلبی کو اسی لیے حفاظ حدیث میں شمار نہیں کیا۔ (۲)

اس کتاب میں سے صرف ۲۵۶ تک کے ان محدثین کا تذکرہ پڑھ لیجئے جن کو

امام ذہبی نے کوئی کہا ہے۔ ہم یہاں صرف ان محدثین کا ذکر کریں گے جن کے یہ امام ذہبی نے کتاب میں مستقل عنوان قائم کیا ہے۔

- ۱۔ علقمہ بن قیس الامام ۲۶ھ ۲۔ مسروق البہدانی ۶۳ھ ۳۔ ۳۰۰ھ بن یزید
- القمی ۷۲ھ ۴۔ عبیدہ بن المسلمانی ۷۵ھ ۵۔ سوید بن غفلہ الکوفی ۸۱ھ ۶۔ رزین
- بیش ابو مریم الاسدی ۸۲ھ ۷۔ ربیع بن خثیم ابو یزید الثوری ۶۳ھ ۸۔ عبد الرحمن بن ابی
- لیلیٰ ۷۳ھ ۹۔ ابو عبد الرحمن السہمی ۷۳ھ ۱۰۔ ابوامیہ شریک بن حرث ۸۸ھ ۱۱۔
- ابومقام شریک المذحجی ۸۸ھ ۱۲۔ ابوداؤد شقیق بن سلمہ ۸۲ھ ۱۳۔ قیس بن ابی حازم
- ۹۷ھ ۱۴۔ عمرو بن میمون ابو عبد اللہ ۷۵ھ ۱۵۔ زید بن وہب ابوسلمان ۸۳ھ ۱۶۔
- معمر بن سوید ابوامیہ الاسدی ۱۴۰ھ ۱۷۔ ابو عمرو سعید بن ابی اسامیہ الشیبانی ۹۸ھ ۱۸۔ ربیع
- بن حراش ۱۰۱ھ ۱۹۔ ابراہیم بن یزید القمی ۹۲ھ ۲۰۔ ابراہیم بن یزید ابو عمران ۹۵ھ
- ۲۱۔ سعید بن جبیر ۹۵ھ ۲۲۔ عامر بن شرایس البہدانی ۱۰۳ھ ۲۳۔ عمرو بن عبد اللہ ابو
- اسحاق ۱۱۴ھ ۲۴۔ حبیب بن ابی ثابت ۱۱۹ھ ۲۵۔ الحکم بن عتیبہ ابو عمرو الکندی ۱۱۵ھ
- ۲۶۔ عمرو بن مروہ ابو عبد اللہ ۱۱۶ھ ۲۷۔ القاسم بن حمید ابو عمرو ۱۱۷ھ ۲۸۔ عبد الملک بن
- عمیر ۱۳۶ھ ۲۹۔ منصور بن المعتمر ۱۳۲ھ ۳۰۔ مغیرہ بن مقسم ۱۴۶ھ ۳۱۔ حصین بن
- عبد الرحمن ۱۴۳ھ ۳۲۔ سلیمان بن فیروز ۱۴۸ھ ۳۳۔ اسمعیل بن ابی خالد ۱۴۵ھ
- ۳۴۔ سلیمان بن مہران العمشی ۱۴۷ھ ۳۵۔ عبد الملک بن سلیمان ۱۴۷ھ ۳۶۔ نعمان
- بن ثابت ۱۵۵ھ ۳۷۔ محمد بن عبد الرحمن بن ابی بکر ۱۴۷ھ ۳۸۔ حجاج بن ارطاة ۱۴۹ھ
- ۳۹۔ مسعر بن کدام البہدانی ۱۵۷ھ ۴۰۔ عبد الرحمن بن عبد اللہ السودی ۱۶۰ھ ۴۱۔
- سفیان بن الثوری ۱۶۱ھ ۴۲۔ اسیر کل بن یونس السبیعی ۱۶۴ھ ۴۳۔ زائدہ بن قدامہ
- ۱۶۱ھ ۴۴۔ الحسن بن صالح ۱۶۷ھ ۴۵۔ شیبان بن عبد الرحمن ۱۶۳ھ ۴۶۔ قیس بن
- الریح ابو محمد ۱۶۷ھ ۴۷۔ ارقاء بن عمر ۱۶۰ھ ۴۸۔ شریک بن عبد اللہ القاضی ۱۷۷ھ
- ۴۹۔ زید بن معاویہ ابو خثیمہ ۱۷۷ھ ۵۰۔ القاسم بن معن ۱۷۵ھ ۵۱۔ ابو اسود
- سلام بن سیرم ۱۹۷ھ ۵۲۔ بشر بن القاسم ۱۷۸ھ ۵۳۔ سفیان بن عیینہ ابو محمد ۱۹۹ھ
- ۵۴۔ ابوبکر بن عیاش ۱۹۳ھ ۵۵۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی نضر ۱۹۲ھ ۵۶۔ عبد السلام بن
- حزب ۱۹۷ھ ۵۷۔ جریر بن عبد اللہ ۱۹۸ھ ۵۸۔ سلیمان بن حسان ۱۹۸ھ

۵۹- برانیم بن محمد انصاری ۱۸۵ھ - ۶۰- یحییٰ بن یونس اسمعی ۱۸۵ھ - ۶۱- عبد اللہ بن اورس ۱۹۲ھ - ۶۲- یحییٰ بن یحییٰ ابو زکریا ۱۸۹ھ - ۶۳- حمید بن عبد الرحمن ابو عوف ۱۹۰ھ - ۶۴- علی بن مسہر ابو الحسن ۱۸۶ھ - ۶۵- عبد الرحیم بن سیمان ۱۹۵ھ - ۶۶- یعقوب بن ابراہیم الانصاری ۲۰۸ھ - ۶۷- ابو مودیع محمد بن خازم ۱۹۵ھ - ۶۸- مروان بن معاویہ ۱۹۳ھ - ۶۹- حفص بن غیاث النخعی ۱۹۳ھ - ۷۰- دکیق بن الجراح ۱۹۵ھ - ۷۱- عبید بن حمید ۱۹۰ھ - ۷۲- عبید اللہ بن یحییٰ ۱۸۲ھ - ۷۳- عبد بن سیمان ۱۸۸ھ - ۷۴- عبد الرحمن بن محمد ۱۹۵ھ - ۷۵- محمد بن فضیل ۱۹۵ھ - ۷۶- حماد بن اسامہ ۲۰۳ھ - ۷۷- محمد بن بشر ۲۰۳ھ - ۷۸- یحییٰ بن سعید القطرانی ۱۹۳ھ - ۷۹- یونس بن کبیر ۱۹۹ھ - ۸۰- عبد بن نسیہ ۱۹۹ھ - ۸۱- شجاع ابو لید ابو بدر ۲۰۳ھ - ۸۲- محمد بن عبید الیادی ۲۰۴ھ - ۸۳- عبد اللہ بن داود ۲۰۹ھ - ۸۴- الحسن بن علی ابو علی ۲۱۳ھ - ۸۵- زید بن الخباب ۲۰۳ھ - ۸۶- عبید اللہ بن موسیٰ ۲۱۳ھ - ۸۷- اسحاق بن سلیمان ۲۰۰ھ - ۸۸- محمد بن عبد اللہ ۲۰۳ھ - ۸۹- یحییٰ بن آدم ۲۰۳ھ - ۹۰- واؤد بن یحییٰ ۲۰۳ھ - ۹۱- عبد اللہ بن یزید ۲۱۳ھ - ۹۲- ابونعیم الفضل بن دکن ۲۱۸ھ - ۹۳- قہید بن عقبہ ابو عامر ۲۱۵ھ - ۹۴- موسیٰ بن داؤد ۲۱۵ھ - ۹۵- خلف بن نعیم ۲۰۶ھ - ۹۶- یحییٰ بن ابی کبیر ۲۰۳ھ - ۹۷- عبید اللہ ۲۰۳ھ - ۹۸- زکریا بن عدی ۲۱۳ھ - ۹۹- محمد بن عبد اللہ ۲۱۵ھ - ۱۰۰- مالک بن سعید ۲۱۵ھ - ۱۰۱- خالد بن محمد ۲۱۳ھ - ۱۰۲- یحییٰ بن عبد الحمید ۲۲۵ھ - ۱۰۳- عبد اللہ بن محمد ابو بکر ۲۳۳ھ - ۱۰۴- محمد بن عبد اللہ بن نمیر ۲۳۳ھ - ۱۰۵- عثمان بن ابی شیبہ ۲۳۹ھ - ۱۰۶- علی بن محمد بن اسحاق ۲۴۳ھ - ۱۰۷- احمد بن حمید ابو الحسن ۲۴۰ھ - ۱۰۸- الحسن بن اریق ۲۴۱ھ - ۱۰۹- محمد بن العلاء ۲۳۸ھ - ۱۱۰- نہاد بن السری ۲۳۳ھ

ان حفاظ کے علاوہ دوسرے بھی کوفہ کے ائمہ اہل حدیث ہیں لیکن ہم نے صرف تذکرۃ الحفاظ سے ان حفاظ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ جو ۲۳۸ھ تک ہوئے ہیں۔

تقریباً صرف یہ چوتھوں کہ جس ہستی میں سب سے پہلے امام اعظم نے طلب حدیث کے میدان میں قدم روضہ ہستی حدیث کی نعمت سے ماہر تھے اور اس وقت اس میں دنیا

علم حدیث کے وہ آفتاب و ماہتاب تھے جو اپنی تابانوں سے دنیا کو محو حیرت کر رہے تھے اور جو امام اعظم کے علم حدیث میں اساتذہ ہیں۔ یہاں سب کا استقصاء تو از بس دشوار ہے مگر گلے از گلہ چہ گرامی قدر ہستیاں پیش کرتا ہوں۔

علامۃ التبیین امام فہمی سے تلمذ:

خطیب بغدادی نے امام علی بن المدینی سے نقل کیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کاظم تھے پر ختم ہے۔ عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس اور زید بن ثابت۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے سارے علوم چھ حضرات کی طرف منتقل ہوئے ہیں۔ مقرر اسوۂ عبیدہ الحارث، مسروق، عمرو۔ اور ان اکابر کی بھی میراث صرف دو کو ملی ہے ابراہیم نخعی اور امام فہمی۔

(تلفیح مہوم اہل الآثار: ص ۲۳۶)

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بعد لوگوں میں محدث کی حیثیت سے صرف

دو ہیں امام فہمی اور سفیان ثوری۔ (۱)

حافظ ذہبی نے خود امام فہمی کی زبانی یہ انکشاف فرمایا ہے کہ

اخرجت عن مسماۃ من الصحابة (۲)

”میں نے پانچ صحابہ سے لاقات کی ہے۔“

ان کی علییت کا اندازہ کرنا ہو تو عبد الملک بن عمیر کا وہ بیان پڑھئے جو حافظ ذہبی

نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔

ایک بار امام فہمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات بیان فرما رہے تھے

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ پاس سے گزرے سن کر فرمایا کہ میں خود ان غزوات میں

شریک ہوا ہوں لیکن فہمی کو غزوات زیادہ محفوظ ہیں اور مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔ (۳)

امام فہمی کا دور حدیث کی زبانی یادداشت کا زمانہ ہے اس عہد میں حدیثوں کو سن کر

زبانی یاد کرنے کا ایسا ہی رواج تھا جیسا کہ اس گئے گزرے آج کے زمانے میں مسلمانوں میں قرآن کو یاد کرنے کا معمول ہے اس دور کے لوگوں کا فیشن ہی یہ تھا کہ سب کچھ زبانی یاد ہو کتابت کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ امام شعبی بھی کتابت حدیث کے قائل نہ تھے۔ خود فرماتے ہیں۔

ماکتبت سوا ذلک فی بیضاء الی یومی هذا۔ (۱)

”میں نے کبھی بھی روشنائی اور کاغذ سے کام نہیں لیا۔“

تو حافظ اس قدر غضب کی تھی کہ جو کچھ بھی سنتے فوراً یاد ہو جاتا۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ روایات شعری مجھے کم یاد ہیں مگر کم یاد ہونے کے باوجود حال یہ ہے۔

ان حلت لا نسلکم شہراً ولا اھدا (۲)

”اگر میں چاہوں تو ایک ماہ تک اشعار پڑھتا رہوں اور نکرار نہ ہو۔“

ابن شبرمہ کی زبانی منقول ہے کہ امام شعبی فرماتے ہیں:

اے شباب میں تم سے دوبارہ حدیث بیان کر رہا ہوں حالانکہ میں نے کبھی کسی سے حدیث سن کر تکرار کی درخواست نہیں کی۔

لا احببت ان یعبدہ علی۔ (مجھے تکرار پسند نہیں ہے)۔ (۳)

علم حدیث میں اس قدر اونچا مقام رکھتے تھے۔ عاصم اہول فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ کوفہ اور حجاز والوں کی حدیث کا امام شعبی سے زیادہ عالم کوئی نہیں دیکھا ہے۔ (۴)

خلیب نے لکھا ہے کہ حدیث کے مشہور امام ذہری کا کہنا ہے۔

علمہ چار ہیں۔ یعنی میں سعید بن المسیب کوفہ میں شعبی بصرہ میں حسن بصرہ اور شام میں کحول۔ (۵)

(۱) تذکرۃ الخطاط ج ۱ ص ۹۵

(۲، ۳، ۴) تذکرۃ الخطاط ج ۱ ص ۷۶

(۵) تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۲۲

امام اعظم نے شعبی کے سامنے زانوئے ادب نہ کیا ہے جیسا کہ پیچھے پڑھ آئے ہو کہ امام اعظم ۳۰ سال میں ہمر میں سال امام شعبی کے عقد تلمذ میں داخل ہوئے ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرے میں امام شعبی کے تلامذہ میں امام اعظم کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور صرف نام ہی نہیں لیا بلکہ یہ بتایا ہے کہ

هو اکبر شیخ لا یبی حیثہ (۱)

اور تو اور دور جدید کے بہت بڑے محقق ڈاکٹر فلف حتی نے بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب تاریخ العرب میں اس کا اقرار کیا ہے کہ

کان من انہور اللہین نحر جوا علی الشعبی الامام ابو حیثہ المشہور (۲)

”امام شعبی کے بلند پایہ تلامذہ میں سے مشہور امام ابو حیثہ ہیں۔“

عبد اللہ بن داؤد الخرمی کہتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے دریافت کیا ہے کہ کبراء تابعین میں سے آپ نے کس کس سے استفادہ کیا ہے؟ فرمایا

قاسم بن محمد طاؤس عکرمہ عبد اللہ بن دینار حسن بصری عمرو بن دینار ابو الزبیر عطاء

بن ابی ربیع قتادہ ابراہیم شعبی اور امام تافع اور ان جیسوں سے ملا ہوں۔ (۳)

مسند امام میں خود ان کے حوالہ سے احادیث آئی ہیں۔ چنانچہ خوارزمی نے جامع المسانید کے نام سے جو مجموعہ ترتیب دیا ہے اس میں بحوالہ امام شعبی ایک سے زیادہ حدیثیں موجود ہیں اور علامہ صفحی نے اس مسند میں امام شعبی کے حوالہ سے روایات درج کی ہیں جس کی شرح ملا علی قاری نے لکھی ہے۔

ابو حیثہ عن الشعبی عن المعبرۃ من شعبۃ قال رأیت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الحفین۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم موزوں پر مسح فرماتے ہیں۔

(۱) تذکرۃ الخطاط ج ۱ ص ۷۵

(۲) تاریخ العرب طول ج ۱ ص ۳۱۱

(۳) شرح مسند ص ۵۶

اس روایت کی تخریج بحوالہ امام اعظم علی بن ابی حمزہ الثمالی کے علاوہ حافظ ابو محمد بخاری، حافظ طبرانی، محمد بن محمد، حافظ ابوبکر بن عبدالباقی اور خود امام محمد نے کتاب الاثار میں کی ہے۔ ویسے تو جیسا کہ حافظ بزار فرماتے ہیں اس حدیث کو روایت کرنے والے حضرات کی تعداد ساٹھ ہے مگر اسی روایت کو جو امام بخاری نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

انه خرج لحاجته فاتبعه المهرقة بادوة فيها ماء فصب عليه حين فروع من حاجبه لشوشا ومسح على الخطين (۱)

”آپ ضرورت سے گئے مغیرہ پانی کا برتن پیچھے سے لے کر آئے پانی آپ نے ضرورت سے فراغت کے بعد استعمال کیا۔ وضو فرمایا اور خطن پر مسح فرمایا۔“

اسی روایت کو امام مسلم نے بھی اپنے مخصوص انداز میں کئی طریقوں سے بیان کیا ہے ان میں سے ایک طریق جس میں حضرت امام شععی نے بھی حدیث بحوالہ عروہ بن مغیرہ اپنے شاگرد عمر بن زائدہ سے بیان کی اس طرح ہے۔

عن ابيه انه وضأ السی صلی اللہ علیہ وسلم فتوصاء ومسح علی الخطين فقال له: الی او عنتهما طاهرین (۲)

”حضرت مغیرہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ آپ نے وضو فرمایا، خطن پر مسح کیا اور فرمایا کہ میں نے سوزے بحالت طہارت پہنے تھے۔“

واضح رہے کہ حافظ ذہبی نے امام شععی کو حفاظ حدیث کے طبقہ ثالث میں شمار کیا ہے اس طبقے میں کم و بیش تیس حفاظ حدیث ہیں۔ امام ذہبی کی تصریح کے مطابق امام اعظم حضرت شععی کے شاگرد ہیں اور یہ بھی ذہبی نے ہی لکھا ہے کہ کعب بن الجراح، امام یزید بن ہارون، امام ابو عاصم النبیل، امام عبدالرزاق، امام عبید اللہ بن موسیٰ، امام ابو نعیم فضل بن وکیع اور امام ابو عبد الرحمن المقرئ جیسے ائمہ حدیث نے امام ابو حنیفہ کے سامنے زانوئے ادب کیا ہے۔ شجرہ علم حدیث کے تمام برگ و بار ان ہی اکابر سے نکلے ہوئے ہیں۔ امام عبدالرزاق، امام عبید اللہ

بن موسیٰ، امام ابو نعیم اور امام ابو عبد الرحمن المقرئ کے تلامذہ میں آپ کو امام احمد اور امام بخاری میں کے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے جہاں امام مقرئ کے ترجمہ میں یہ بتایا ہے کہ

سمع من ابن عون وابی حنیفة (۱)

وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ روی عنه البخاری و احمد۔ امام مقرئ بخاری اور احمد

کے استاد ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ جیسے مسلم اور ابو داؤد امام احمد کے شاگرد ہیں ایسے ہی ترمذی اور ابن خزیمہ حضرت امام بخاری کے شاگرد ہیں۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ امام شععی کی ذات گرامی بواسطہ امام اعظم علم حدیث میں ایک مرتزی حیثیت رکھتی ہے۔

امام حماد بن سلیمان سے تلمذ:

والد کا نام مسلم اور کنیت ابو سلیمان ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حماد حدیث میں حضرت انس بن مالک، زید بن وہب، سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، مکرمہ موسیٰ ابن عباس، ابو وائل، ابراہیم نخعی، عبد اللہ بن بریدہ اور عبد الرحمن بن سعد کے شاگرد ہیں۔ اور مشہور محدث عاصم الماحول، امام شعبہ، امام سفیان ثوری، امام حماد بن سلمہ، امام مسعر بن کداح، امام ابو حنیفہ اور سلیمان بن مہران کے استاد ہیں۔ امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اپنی کتابوں میں ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حافظ عسقلانی اور حافظ ذہبی دونوں اس پر متفق ہیں۔ کہ حماد ابراہیم نخعی کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔

ابو الشیخ نے تاریخ اصنفان میں لکھا ہے کہ ایک روز ان کو ان کے استاد ابراہیم نخعی نے ایک درہم کا گوشت لانے کے لیے روانہ کیا۔ ذہبی ان کے ہاتھ میں تھی اور ان کے والد کہیں سے گھوڑے پر سوار آ رہے تھے۔ صورت حال دیکھ کر ان کو ڈانٹا اور زنبیل سے بچنے کی تلقین دی۔ جب ابراہیم نخعی کی وفات ہو گئی تو حدیث کے طالب علم ان کے گھر آئے دستک دی ان کے والد چراغ لے کر باہر آئے دیکھ کر کہا کہ ہمیں آپ کی نہیں بلکہ آپ کے صاحبزادے کی ضرورت ہے یہ شرمندہ ہو کر اندر تشریف لے آئے اور حماد سے کہا کہ جاؤ باہر جاؤ۔ اب مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ مقدم تمہیں ابراہیم کی زنبیل کے صدق میں ملا ہے۔ (۲)

علامہ خوارزمی نے امام بخاری کے حوالہ سے سند متصل نقل کیا ہے کہ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ

لقد سألني هذا يعني حماد مثل ما سألني جميع الناس (۱)
حافظ عبد اللہ بن وہب وینوری کہتے ہیں کہ

ایک بار حافظ بوزرعی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ ایک فراسانی ان کے سامنے موضوع حدیثیں بیان کر رہا ہے اور یہ ان روایات کو غلط بتا رہے ہیں۔ وہ شخص ان کی باتوں پر ہنس رہا ہے کہ واہ کیا خوب؟ جو روایت تم کو یہ نہیں اس کو غلط بتا رہے ہو اس پر میں نے اس شخص سے پوچھا ما اسد ابو حبیبة عن حماد؟ بتاوا امام ابو حنیفہ کی بواسطہ حماد کیا روایات ہیں؟ پچا رو چپ ہو گیا پھر میں نے حافظ ابو زرعی سے دریافت کیا ما سألني لا ہی حبیبة؟ آپ کو حماد کی سند سے امام ابو حنیفہ کی کتنی حدیثیں یاد ہیں؟ آپ پر حافظ ابو زرعی نے حدیثوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ (۲)

یاد رہے کہ امام حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ امام اعظم چار ہزار حدیثیں روایت کرتے تھے جن میں دو ہزار حماد کی تھیں۔ چنانچہ امام حافظ زکریا بیضاوی کی سند متصل امام موصوف سے تامل ہیں۔

امام ابو حنیفہ کی کل روایات چار ہزار تھیں ان میں دو ہزار حماد کی اور دو ہزار تمام اساتذہ کی ہیں۔ (۳)

نقد و رجال کے امام حضرت شعبہ امام حماد کی صداقت کا لوہا مانتے ہیں اور سید الحفاظ یحییٰ بن محبین ان کی ثقاہت کو سراہتے ہیں۔ امام ابو عبد اللہ کی کم نے معرفۃ علوم الحدیث میں جہاں ان امرہ حدیث کا تذکرہ کیا ہے جن کی علم حدیث میں امامت مسلم ہے اور جن کی ثقاہت پر فن حدیث پر اعتماد ہے۔ امرہ حدیث کا اس فہرست میں حماد بن ابی سیہان کا بھی ان میں تذکرہ کیا ہے۔ (۴)

(۱) جامع المسانید: ج ۲ ص ۵۲۵

(۲) معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۱۷

(۳) مناقب الموفق ج ۱ ص ۹۶

حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اور حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں ارباب فتویٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت حماد کا بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا تذکرہ باوجود عدالت صداقت اور ثقاہت کے اس محذرت کے ساتھ کیا ہے۔

لولا ذکر ابن عدي في الكامل لما اوردته (۱)

”اگر ابن عدی ذکر نہ کرتا تو میں میزان میں ان کا ترجمہ نہ لکھتا۔“

در اصل بتانا یہ چاہتے ہیں کہ امام حماد اپنی جلالت قدر کی وجہ سے اس قدر اونچے مقام پر ہیں کہ ان کا ذکر میزان میں نہ آنا چاہیے۔ کیونکہ یہ امام ذہبی کی اس پالیسی کے خلاف ہے جس کا تذکرہ خود امام ذہبی نے کتاب کے دیباچے میں کیا ہے۔

میزان الاعتدال میں ائمہ متبوعین کا ذکر:

میرا اشارہ اس وعدے کی طرف ہے جو امام موصوف نے میزان کے مقدمہ میں کیا ہے کہ

لا ادكر في كتابي من الانبة المصنوعين في الفروع احدا لجلاليتهم في الاسلام وعظمتهم في النفوس مثل ابن حبيبة والشافعي۔ (۲)

”میں اپنی کتاب میں ان اماموں کا ذکر نہ کروں گا جن کی فروع میں تقلید کی جاتی ہے کیونکہ اسلام میں ان کی جلالت اور لوگوں میں ان کی عظمت موجود ہے جیسے ابو حنیفہ اور شافعی۔“

ظاہر ہے کہ امام حماد صرف امام نہیں بلکہ امام الائمہ ہیں پھر ان کا میزان میں تذکرہ اس وعدے کی خلاف ورزی ہے۔ امام ذہبی نے اسی سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ میں نے میزان میں ان کا تذکرہ ان کی ثقاہت صداقت اور عدالت کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ صرف اس لیے کیا ہے کہ امام عدی نے اکامل میں ان کا ذکر کیا ہے۔

(۱) میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۷۹

(۲) میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۷۹

تاریخ کا المناک حادثہ:

شاید آپ غفلت محسوس کریں کہ خیر امام حماد کی حدیث کی تو یہ بات درست ہے لیکن اس سے زیادہ حجت کی بات یہ ہے کہ جن کا نام لے کر کہا جا رہا ہے کہ ان جیسوں کا میزان میں ذکر نہ ہو گا خود اس کا بھی میزان میں ذکر ہے اور ذکر بھی کوئی طویل نہیں بلکہ صرف ایک سطر ہے۔

یہ تاریخ سحیفہ کا بڑا ہی المناک اور دردناک حادثہ ہے دراصل میزان الاعتدال اور جب ہندوستان میں چھپی تو امام صاحب کا تذکرہ تھلج فون کتاب کے اندر نہیں بلکہ کتاب کے حاشیہ پر پریس والوں نے چھاپ دیا اور خود پریس والوں نے ایسا کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ میزان کے کئی نسخوں میں سے ایک کے حاشیہ پر چونکہ ایسا ہی درج تھا اس لیے اس کو اصل کتاب میں جگہ نہیں دی گئی اس کے بعد مصر کے پریس سے جو میزان چھپ کر آئی تو بار لوگوں نے کتاب کے اندر داخل کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ میزان میں امام اعظم کا کوئی ذکر نہ تھا غالباً کسی نے مطالعہ میں اپنی یادداشت حاشیہ میں درج کر دی تھی اور بعد کو مطابع والوں نے اسے اصل کتاب ہی میں داخل کر دیا۔

مولانا عبدالحی صاحب غیث انعام میں فرماتے ہیں کہ میزان کے جن نسخوں کا میں نے مطالعہ کیا ہے ان میں اس عبارت کا نام نہیں ہے اور نہ ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حافظ عراقی شرح الغیہ میں فرماتے ہیں کہ ابن عدی نے کامل میں ان سب حضرات کا تذکرہ کیا ہے جن پر کسی نہ کسی درجے کا نام ہے چاہے وہ ثقہ ہی ہوں لیکن امام ذہبی نے میزان اس التزام کے ساتھ لکھی ہے کہ اس میں کسی صحابی اور ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کا ذکر نہ ہو گا۔ حافظ سخاوی نے شرح الغیہ میں بھی یہ بات لکھی ہے کہ امام ذہبی نے ائمہ متبوعین کے ذکر نہ کرنے کا التزام کیا ہے اور حافظ سیوطی نے بھی تدریب الراوی میں میزان کی اسی خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔ ان اکابر کی یہ تصریحات کھلے بندوں کہہ رہی ہے کہ میزان میں امام اعظم کا ترجمہ نہیں ہے۔ مشہور محدث علامہ محمد بن اسماعیل الیسانی تو صبح الافکار میں رقمطراز ہیں کہ امام ذہبی نے میزان میں امام اعظم کا ترجمہ نہیں لکھا ہے لیکن امام نووی نے تہذیب الاسماء میں امام صاحب کا تذکرہ لکھا ہے اور اس سے زیادہ یہ کہ خود حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لسان المیزان میں امام

اعظم کا کوئی ترجمہ نہیں لکھا حالانکہ لسان المیزان الاعتدال کا چرچہ ہے۔ یہ اس بات کی صریح شہادت ہے کہ میزان میں امام اعظم کا ترجمہ نہ تھا۔ خیر یہ ایک ضمنی بات تھی۔ بتایا رہا تھا کہ امام حماد کی ذات گرامی اپنی ثقاہت کی وجہ سے بہت اونچے مقام پر ہے۔ قلم کو روانہ نہ پڑتا ہوں مگر یہ کروں رکتا نہیں ہے۔ ہر رگان دین کی عداوت و ثقاہت تو اپنی جگہ ہے اسوں کو اس پر تہمت ہے کہ لوگ اکابر کے منہ سے نکل ہوئی بات کا غٹ خود نہیں سمجھتے اور بات کا خواہ مخواہ تھپڑ بٹا دیتے ہیں۔ اس اللہ فالی اللہ المشتکی۔ ذرا غور فرمائیے کہ ایک بار امام حماد حج کر کے کوفہ واپس آئے لوگ ملاقات کی خاطر حاضر ہوئے آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے کوفہ والو! تم اللہ سبحانہ کا شکر ادا کرو میں عطاء بن ابی رباح اور مجاہد سے ملے ہوں لیکن تمہارے بچے اور بچوں کے بچے بھی علم میں ان سے آگے ہیں اس میں کون سی توجہ کی بات ہے یہ تو کوفہ میں علم کی بہتات پر تحدیثِ نعمت ہے۔

امام حماد پر ارجاء کی تہمت:

قلم باز! نے قلم یہ کہ ان کے متعلق رجال کی کتابوں میں یہ فقرہ بھی لکھا دیا گیا ہے۔
تکلم فیہ للارجاء۔

حالانکہ امام حماد کا دامن اسی تہمت سے بالکل پاک ہے صرف امام حماد نہیں ہندوان طرح بخاری اور مسلم کے کتنے ہی راویان حدیث ہیں جن کی ثقاہت اور عدالت مسلمہ ہے مگر ان پر صرف فکری اختلاف کی وجہ سے ارجاء کی تہمت جزائی ہے۔ خدا بعد کرے الشہرستانی کا کہ انہوں نے رجال امرجہ کے عنوان سے مختلف اکابر مثلاً الحسن بن محمد سعید بن جبیر طلق بن حبیب بخاری بن وثار حماد بن ابی سینان امام اعظم قاضی ابویوسف امام محمد وغیرہ وغیرہ کا نام لکھ کر یہ بات لکھ دی ہے کہ

هؤلاء كلهم الامة الحديث (۱)

حافظ سیوطی نے تدریب الراوی میں جہاں بخاری و مسلم کے ان راویوں کی فہرست

دی ہے جن کو کہنے والے مرحہ کہہ گئے ہیں وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ ان کی طرف جس ارجاء کی نسبت کی گئی ہے اس سے مقصود مرحہ کا دوا رجاہ نہیں ہے جو اہل السنۃ کی اپوزیشن ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے۔

ناخیر القول فی الحکم علی مرتکب الکبائر (۱)

اگر ارجاء یہی ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہے لیکن اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے خواہ بخش دے خواہ سزا دے۔ تو سب اہل السنۃ ہی ارجاء کے شکار ہیں سب یہی کہتے ہیں۔
مرجی امرہ و مفوض مصیرہ الی ربہ ان شاء عقبہ وان شاء عذابہ (۲)

امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد سب کا یہی مسلک ہے۔ ابن الجوزی نے مناقب میں امام احمد کی بھی رائے لکھی ہے کہ

اہل توحید میں سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا چاہے اس نے کبائر ہی کا ارتکاب کیوں نہ کیا ہو (۳)

خود امام بخاری نے صحیح میں یہ عنوان قائم کر کے کہ

المعاصی من امر الجاہلیۃ لا یکفر صاحبها بارئکا بها الا بالشک (۴)
یہی بتایا ہے کہ شرک کے سوا گناہ خواہ کیسا ہی سنگین ہو مگر گنہگار کافر نہیں ہوتا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ حافظ بدرالدین عینی نے امام بخاری کے دعویٰ اور دلائل کی توجیح کے بعد لکھا ہے۔

هذا هو مذهب اهل السنة والجماعة (۵)

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ مرحہ جو کہتے ہیں کہ گناہ سے کچھ نہیں ہوتا اور خوارج جو کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے اور معتزلہ کی رائے میں مرتکب کبیرہ کی ہرگز بخشش نہ

(۱) تدریب الروای: ص ۲۱۹ (۲) تدریب الروای: ص ۱۱۲

(۳) مناقب ابن الجوزی ج ۱ ص ۸۰ (۴) صحیح بخاری ج ۱ ص ۷ (۵) عمدۃ القاری ج ۱ ص ۸۰

ہوگی ان میں سلامتی کی راہ وہی ہے جو اہل السنۃ نے اختیار کی ہے اور جس کی قانونی تعبیر یہ ہے کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی اور اقرار زبانی کا جس طرح ایک تندرست آدمی بیمار ہو سکتا ہے اسی طرح ایک مسلمان سے بھی گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔

اگر اسی کا نام ارجاء ہے جو آپ حافظ سیوطی کی زبانی سن آئے ہیں تو پھر مرحہ ہونے کی بھیمتی کیوں ہے؟ اور زبان و قلم کے یہ سارے ہنگامے کیوں ہیں؟ غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ قصہ صرف اس پر ہے کہ ایمان کے بارے میں قانونی تعبیر فقہاء محدثین نے الگ کیوں اختیار کی ہے۔ اور فقہاء نے اس موضوع پر وہی زبان کیوں اختیار کی جو بعد میں محدثین کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے فقہاء کو مرحہ کہا ہے اس نے عقائد کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف ان الفاظ کی وجہ سے کہا ہے جن سے مرحہ کی موافقت کی جاتی ہے۔ (۱)
یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ آئندہ اوراق میں آئے گی۔ بتانا صرف یہ چاہتا ہوں کہ امام حماد حضرت امام اعظم کے استاد فقہ ہونے کے ساتھ استاد حدیث بھی ہیں۔

قاضی ابویوسف کی کتاب لا ۲۱۸ میں امام حماد کے حوالہ سے امام ابو حنیفہ کی روایات موجود ہیں۔

عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم انہ قال لم یجتمع اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی شئی کما اجتمعوا علی التوبۃ بالفجر والتکبیر بالمغرب ولم یثابروا علی شئی من التطوع کما یثابروا علی اربع قبل الطہور و رکعتی الفجر (۲)

”ابراہیم کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا کسی کام پر اتنا ایک نہیں ہوا جتنی صبح کی نماز کو چاندنا کر کے پڑھنے اور مغرب کی نماز کو سویرے پڑھنے پر ہوا ہے اور کسی بھی نفل پر اتنی یکجہلی نہیں کی جتنی ظہر سے پہلے چار سنتوں اور صبح کی نماز سے پہلے دو سنتوں پر کی ہے۔“

(۲) کتاب لا ۲۱۸ ص ۵۹

(۱) کتاب الایمان: ص ۱۶۱

امام محمد نے مؤلف میں امام مالک کے ساتھ کچھ امام اعظم کی روایات بھی درج کی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

محمد اخبرنا ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم ان ابن مسعود سئل عن

الوضوء من مس الذکر فقال ان کان فافطعه (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے دریافت کیا گیا کہ پیشاب گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو کا حکم کیا ہے؟ فرمایا اگر ناپاک ہے تو کاٹ دو۔

امام محمد نے کتاب الآثار میں بھی بحوالہ امام اعظم ازس و بے شمار روایات درج کی ہیں۔

محمد عن اسی حنیفہ عن حماد عن ابراہیم قال ثلاثہ یوحی فیہن المبت بعد موتہ ولد بد عولہ بعد موتہ فہو یوحی فی دعائہ ورحل علم علماً بعمل بہ وعلماً الناس فہو یوحی علی ما عمل و علم ورجل ترک صدقہ۔

(۱) مؤلف امام محمد ص ۵۴ نوٹ۔ آج مؤلف امام مالک کے وہی نسخے متداول ہیں ایک امام یحییٰ بن یحییٰ میں ہے۔ اور امام محمد کا جس کے متعلق امام یحییٰ نے کہا ہے کہ اس میں بحور العلم و الفقه قوماً فی مالک۔ (مسند۔) علم اور فقہ کے مسندت تھے اور امام مالک سے آدھ بیانات میں ہے۔ ساری حدیثوں کو امام مالک کی زبان سے ثابت ہے۔ درندہ موطور پر امام مالک کے شاعر پڑھتے اور وہ سنتے ہیں جب سے کہ امام محمد کو امام مالک سے موطا سننے میں پورے تین سال لگے تھے جتنے لوگوں نے امام مالک سے موطا کی روایت کی ہے ان میں کوئی بھی حدیث امام محمد کا بسم نہیں ہے۔ ہاں امام شافعی موطا کے راویوں میں ہیں لیکن قطع نظر اس بات کے کہ ان سے موطا کا کوئی نسخہ مروی نہیں ہے ان کو امام محمد سے وہی نسبت ہے جو امام مالک سے ہے کیونکہ امام شافعی نے انوں مابین سے یکساں استفادہ کیا ہے اور انہوں نے امام محمد سے حدیث کا علم بھی بہت دیر قبل حاصل کیا ہے جیسا کہ حدیث ابن ابی شیبہ میں ہے۔ امام شافعی ص ۱۸۵ بحوالہ ابن مسعود ص ۱۵۵ (۲) باقی صفحہ ۲۷۹ پر ہے۔

تین چیزوں سے مرنے کے بعد مرنے والا فائدہ اٹھاتا ہے۔ بیجا جومرنے کے بعد اس کے لیے دعا مانگے عالم جس نے علم حاصل کیا عمل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی لوگوں کے علم و عمل کا میت کو بھی فائدہ ہوتا ہے تیسرے دو زمین جسے خیراتی کاموں کے لیے صدقہ بنا کر چھوڑ دیا گیا۔

اپنے ہی حافظ ابو محمد حارثی نے اپنے مسند میں بحوالہ امام اعظم کی بہت سی روایات درج کی ہیں۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ بن مسعود قال لم یقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العصر الا شہراً حاراً حیا من المشرکین فقتلہ (۱)

”حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں صرف ایک ماہ قنوت کی جبکہ مشرکین کے ایک قبیلہ سے جنگ تھی۔“

امام اعظم ہی کا جو مسند بروایت موجود ہے اس میں حضرت حماد کے حوالہ سے روایات موجود ہیں۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ والا سود عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یرفع یدہ الا عند الفتح الصلوۃ ولا یعود لبشی من ذالک (۲)

(بقیہ صفحہ ۲۷۸) لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ فقہ میں وہ خاص طور پر امام محمد ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ ان کی تقلید کرتے تھے۔ خلیف بغدادی اپنی تاریخ میں امام شافعی سے نقل ہیں۔ اصل الناس علی فی الفقه محمد بن الحسن اور حافظ سعدانی نے روشنی کی زبانی امام شافعی کے یہ الفاظ کہے ہیں۔ اعانتی اللہ برحلیس مابین عیسیٰ فی الحديث و محمد فی الفقه (ملوغ الامالی: ص ۲۳) (ص ۲ کتاب الآثار امام محمد: ص ۱۸)

(۱) مسند خواری ج ۳ ص ۳۱ (۲) مسند حارثی قادری ص ۸۰ نوٹ۔ یہ حدیث ۵۰۰۰ قریب ۵۰۰۰

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف عجیبہ تحریر کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

(بقیہ صفحہ ۲۷۹) مختلف الفاظ میں دوسرے محدثین ابو داؤد ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کی ہے ابو داؤد کی روایت میں اس حدیث کو بیان کرنے والے چھ راوی ہیں۔ عثمان بن کعب سفیان ثوری عبدالرحمن اور علقمہ اور اسی سند کے ساتھ یہ حدیث ترمذی میں موجود ہے مگر اس میں ہنادی جگہ محمود بن قیلان ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو ان روایات کے ساتھ سے بیان کیا ہے کعب سفیان عامر عبدالرحمن اور علقمہ۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں۔ ہم ہشت حدیث اس مسعود۔ دراصل یہ ایک عجیبہ مخالفت ہے حدیثیں دو ہیں اور دونوں ابن مسعود کی ہیں ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار کے علاوہ نماز میں رفع یدین نہیں کیا۔ دوسری یہ کہ عبداللہ کہتے ہیں کہ کیا میں تم کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز نہ پڑھاؤں۔ عبداللہ نے نماز پڑھائی اور عجیبہ تحریر کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ دونوں میں فرق ہے پہلی حدیث میں حضور کے بارے میں ہے کہ آپ نے نہیں کیا اور دوسری میں آپ کے عمل کا نہیں بلکہ خود عبداللہ کے عمل کا ذکر ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں پہلی مرفوع ہے اور دوسری موقوف ہے کچھ راویوں نے دونوں کو مخلوط کر دیا تھا عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں کہ روایتی حیثیت سے پہلی بات ثابت نہیں ہے اور ثابت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس اسناد سے پہلی روایت عبداللہ بن المبارک کو پہنچی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ثابت نہ ہونے سے مطلقاً نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف اس اسناد کی صحت کی نفی ہے۔ علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ ابن المبارک کے نزدیک کسی حدیث کا ثابت نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اور بھی کسی کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ مشہور محدث نجی القطان اسے صحیح کہتے ہیں حافظ ابن حزم کی رائے میں صحیح ہے اور امام ترمذی نے اس کی حمین کی ہے۔ یہ موضوع ذرا تفصیل طلب ہے صرف اتنی بات یاد رکھیے کہ حدیثیں دونوں طرح آئی ہیں رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کی۔ امام اعظم نے عجیبہ تحریر کے علاوہ نماز میں رفع یدین نہ کرنے کی سنت کو لوہی اور افضل قرار دیا ہے کیونکہ صحابہ کی زیادہ تعداد اسی پر عمل کرتی تھی اور محدثین کا بتایا ہوا ضابطہ ہے کہ ادا تسارع الحیران عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل علیہ اصحابہ (ابو داؤد)

بطور مکمل ازگزار چند روایات ہیں۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ امام حماد حضرت امام اعظم کے استاد حدیث ہیں اور استاد بھی ایسے شفیق کہ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ امام صاحب کے والد بزرگوار نے امام حماد سے ایک مسئلہ دریافت کیا حماد نے جواب دیا۔ امام صاحب نے جواب پر ایک سوال کر دیا بات لمبی ہو گئی۔ حضرت حماد خاموش ہو گئے امام صاحب جب مجلس سے رخصت ہو گئے تو امام حماد نے فرمایا۔

هنا مع فقهه يحيى الليل (۱)

”یہ صرف فقیہ نہیں بلکہ شب زندہ دار بھی ہیں۔“

امام حماد کے فرزند کہتے ہیں کہ ایک بار میرے والد محترم سفر میں تشریف لے گئے وہاں پر میں نے دریافت کیا کہ اس دوران میں زیادہ کون یاد آیا؟ میرا خیال تھا کہ وہ یہی فرمائیں گے کہ تو! لیکن انہوں نے امام ابو حنیفہ کا نام لیا اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ قدرت ہوتی کہ میں ابو حنیفہ سے ایک لمحہ کے بھی اپنی نظر جدا نہ کروں تو نہ کرتا۔ (۲)

ابو اسحاق السبئی سے تلمذ:

ان کا نام عمرو بن عبداللہ ابن کثیر ابو اسحاق ہے حافظ ذہبی نے تذکرہ میں ان کو علم حدیث میں امام اعظم کا استاد لکھا ہے یہ خود علم حدیث میں صحابہ کرام یعنی زید بن ارقم عبداللہ بن عمرو ہمدانی بن حاتم طائی اور براہ بن عازب کے شاگرد ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ

حدث عن لائله شيخ (۳)

”ان کے تین سوا استاد ہیں۔“

ان میں ازہمیں صحابہ کرام ہیں۔ امام ابو داؤد طحاویسی کہتے ہیں کہ حدیث میں چار شخصوں سے ملی ہے زہری قتادہ ابو اسحاق السبئی اور امام اعظم۔ پھر سب کے بارے میں ایک ایک قرن کی امام کا ذکر کرتے ہوئے ابو اسحاق کے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ

اعلمهم بحديث علي وابن مسعود (۴)

(۱) اللانقاہ فی فضائل الشاہد ۷۲ (۲) تاریخ بغداد ترجمہ حماد (۳) تذکرۃ اصحابہ ص ۱۰۹

انہوں نے قرآن حکیم امام ابو عبد الرحمن السبئی سے پڑھا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام اعظم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ ان کو دیکھتے تو پکارا کرتے۔

هذا عمرو القاري (۱)

امام ابو عبد الرحمن السبئی حضرت عبداللہ بن مسعود کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ہیں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

ابو عبد الرحمن السبئی اور ان کے شاگرد کوفہ کے دوسرے علماء جیسے عقلمند اسود حارث اور زمر بن جہش نے قرآن عزیز عبداللہ بن مسعود سے حاصل کیا ہے۔ (۲)

صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ یہ وہ مدینے جا کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی استفادہ کرتے تھے۔

اسحاق السبئی کی وفات ۱۱۵ھ میں ہوئی ہے۔ امام شعبی فرماتے ہیں کہ امام ابو اسحاق السبئی مجھ سے سال یا دو سال بڑے ہیں ان سے امام اعظم نے بہت احادیث روایت کی ہیں۔ چنانچہ کتاب الآثار میں قاضی ابویوسف فرماتے ہیں:

ابو يوسف عن ابي حنيفة عن ابي اسحاق السبيعي عن شريح انه قال اذا مضت اربعة اشهر بانت بالابلاء۔

شریح کہتے ہیں کہ چار ماہ گزرنے پر عورت یاہ سے ہائے ہو جاے گی۔ (۳)

حافظ ابویوسف حارثی اپنے مسند میں فرماتے ہیں۔

ابو حنيفة عن ابي اسحاق السبيعي عن الاسود عن عائشة قالت لم يكن بين اذان بلال وابي ام مكتوم الا قد رميا بول هذا وبصعد هذا۔

بلال اور ابن مکتوم کی اذانوں میں صرف دونوں مائدوں کے ترے اور چنے جنے کا فرق ہوتا تھا۔ (۴)

(۱) تہذیب احزاب ج ۸ ص ۶۶

(۲) منہاج التاج ج ۳ ص ۱۲۲

(۳) کتاب الآثار ص ۸۰

(۴) جامع مسند ص ۳۰۴

حافظ موسیٰ بن زکریا نے اپنے مسند میں بھی بحوالہ ابو اسحاق السبئی بہت روایات نقلی ہیں۔

ابو حنيفة عن ابي اسحاق السبيعي عن البراء ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يعلمنا التشهد كما يعلم السورة من القرآن۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تشہد ایسے ہی سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت۔ (۱)

امام ابو اسحاق السبئی کو حافظ ذہبی نے حفاظ کے چوتھے طبقے میں شمار کیا ہے۔ امام شعبی امام اعظم اور امام سفیان ثوری جیسے اجداد حدیث کے شہرہ ہیں۔

الامام الحافظ شيبان سے امام اعظم کا تلمذ

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان حفاظ سے شروع کیا ہے۔ الامام الحافظ الحجة اصل میں بصرہ کے رہنے والے ہیں مگر کوفہ میں اقامت فرمائی تھی حکم بن حنیہ زبیر بن علاق منصور بن الحمر عبد الملک بن عمیر ساک بن حرب سلیمان بن مہران اور حسن بصری سے حدیث کی تعلیم پائی ہے۔ سید الحفاظ یحییٰ بن معین سے ان کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا کہ ہر پہلو سے ثقہ ہیں تمام ائمہ نقد و جرح ان کی ثقاہت و صداقت پر متفق ہیں۔ حافظ عسقلانی نے جن ائمہ فن سے ان کی ثقاہت و صداقت نقل کی ہے ان میں ابو القاسم البغوی یعقوب بن شیبہ ابو حاتم العیسیٰ التسانی اور یحییٰ بن عید خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ زائد بن قدامہ ابو داؤد طحاوی الحسن بن موسیٰ عبد الرحمن مہدی علم حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں ان کے شاگردوں کی فہرست میں امام اعظم کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ذہبی نے امام صاحب کی شاگردی کا انبار میں تذکرہ کیا ہے۔

حدث الامام ابو حنيفة عنه (۲)

(۱) شرح مسند امام ص ۱۳۰

(۲) تذکرۃ الحفاظ ترجمہ شیبانی

حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ عبد الرحمن بن مہدی کو ان کے سامنے زانوئے ادب کرنے پر بڑا ہی تاز تھا منجملہ اور شاگردوں کے مشہور امام المسد علی بن الجعد (۱) جو ہری بھی ان کے شاگرد ہیں اور امام بخاری امام مسلم امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے اپنی کتابوں میں ان سے کافی روایات لی ہیں اور امام اعظم کے مسانید میں بھی ان کے حوالہ سے احادیث آئی ہیں۔

ابو حنیفۃ عن شیبان عن یحییٰ عن المہاجر عن ابی ہریرۃ قال بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم الصمت والوصال۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے چپ رہنے اور ہمیشہ کے روزے سے منع فرمایا ہے (۲) یہی روایت بحوالہ تکریم الی فہم الخاری بخاری نے بھی اپنے مسند میں بیان کی ہے۔

(۱) علی بن الجعد حدیث کے مشہور امام ہیں امام بخاری اور ابو داؤد کے استاد ہیں اور حدیث میں جیسے ابن ابی ذئب اور شعبہ کے شاگرد ہیں ایسے ہی قاضی ابو یوسف سے بھی ان کو شرف تلمذ حاصل ہے اور قاضی صاحب کے اصحاب میں سے ہیں۔ ان کا بچا امام ابو الحسن بن الجعد الجوهری ہے ان کی حدیث دانی کا انداز کرنا ہو تو مشہور محدثین جزرہ احمد اسحاق بن رازہ اور یحییٰ بن یحییٰ کا یہ اتفاق فیصلہ پڑھئے۔ امام جزرہ کہتے ہیں کہ ہم چاروں ایک روز ان کے در دولت پر حاضر ہوئے آپ اپنی کتابیں لے آئے اور واپس اندر چلے گئے ہمیں خیال ہوا کہ کھانا لینے گئے ہیں ہمیں ان کی کتابوں میں کوئی خط نہیں ملی کھانے سے فراغت کے بعد کتابوں میں درج شدہ ساری احادیث ہمیں زبانی سنا دیں۔ محدث خوارزمی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں ان کا تاثر یہ تھا کہ امام اعظم جب حدیث پیش کرتے ہیں تو وہ موتی کی طرح آباد ہوتی ہے (ج ۲ ص ۳۰۸) اگرچہ بخاری ابو داؤد اور مسلم سب ہی وان کے سامنے زانوئے ادب کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے مگر انہوں سے کہنا پڑتا ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث ان سے اس لیے نہیں لی ہے کہ یہ بزرگ ان لوگوں میں سے تھے جو غلط قرآن کے مسئلہ میں تشدد دین میں سے نہ تھے امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کا کہنا تھا کہ میں فسال القرآن منہو فی لہ اعطہ اسی بنا پر ان پر بدعتی ہونے کی تہمت لگائی گئی ہے۔ (۲) کتاب الآثار

الحکم بن عتیہ سے امام اعظم کا تلمذ:

حافظ ذہبی نے ان کو شیخ الکوفہ لکھا ہے۔ قاضی شریح ابو نعل ابراہیم نخعی عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ اور سعید بن جبیر سے علم حدیث پڑھا ہے۔ خلاصہ میں ان کو احمد الامام بتایا ہے۔ اجماع اوزاعی امام مسعر بن کدوم حمزۃ الزیات امام شعبہ اور ابو حنوفہ نے خلاصہ میں امام اعظم کو ان کا شاگرد قرار دیا ہے۔ ان کے بارے میں سفیان بن عیینہ کا تاثر یہ تھا کہ حکم اور حماد جیسے کوئی نہیں ہے۔ احمد ارباب حدیث نے اپنی کتابوں میں ان کی سند سے حدیثیں لی ہیں۔ امام اعظم نے بھی ان کے حوالہ سے ایک سے زیادہ روایات لی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعی سے احادیث میں حکم سے زیادہ پائیدار کوئی نہیں ہے امام ابو یوسف نے کتاب الآثار میں بحوالہ حکم یہ روایت درج کی ہے۔

عن ابی حنیفۃ عن الحکم عن القاسم بن محجرۃ عن شریح انہ قال سألت عائشۃ عن المسح فقال سل علیاً فانہ کان یسافر مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسالت علیاً فقال امسح۔

شریح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے سوزوں پر مسح کے بارے میں پوچھا فرمایا کہ حضرت علیؑ سے پوچھو وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہوئے تھے میں نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا فرمایا کہ مسح کر لو۔ (۱)

الامام الخافض ابو محمد عارثی اپنے مسند میں ایک سے زیادہ حدیثیں لائے ہیں۔

ابو حنیفۃ عن الحکم بن عتیہ عن القاسم عن شریح عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یحرم من الرصاص ما یحرم من المسب۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہیں جو قرابت سے حرام ہیں۔ (۲)

کوفہ کے سب اساتذہ کا استقصاء منظور نہیں ہے صرف بطور کلی ازگزار چند کا تعارف جدید ناظرین سے ان کے علاوہ کوفہ کے جن محدثین سے امام اعظم نے علم حدیث حاصل کیا ہے ان میں سے خاص خاص اساتذہ کرامیہ ہیں۔ اسامی بن خالدؒ بیان بن بشرؒ جامع بن ابی راشدؒ جامع بن شدادؒ الحارثیؒ الحسن بن سعد بن معبدؒ یزید بن ابی اسلمہؒ یزید بن عطاءؒ یزید بن حدیرؒ سعدیؒ ابو عبد الرحمن سعید بن مسروقؒ سلمہ بن بکیلؒ سلیمان بن ابی سیرینؒ ساک بن حربؒ عبد الملک بن عمیرؒ ابو الحارث علقمہ بن مرجمؒ ابو روق علیہ بن الحارث الہمدانیؒ عبد الرحمن بن عبد بن عبد اللہ عون بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن قتبہؒ قاسم بن عبد الرحمنؒ منصور بن معتمرؒ منصور بن دینارؒ یزید بن عبد الرحمن ابو داؤدؒ خالد بن علقمہؒ زکریا بن ابی زائدہ۔ (۱)

حافظ ابن حبان نے کتاب اشقات میں ان سب کا ترجمہ لکھا ہے۔ مسانید امام اعظم میں ان سب سے روایات موجود ہیں۔

امام اعظم کا طالب علم کے لیے سفر:

اس میں شک نہیں ہے کہ امام اعظم کے اپنے گھر میں اتنا ذخیرہ وافر تھا کہ اگر صرف اسی جگہ کا علم حاصل کرتے تو علم میں کمی نہ آتی۔ امام یحییٰ بن معین جو سید الکفاۃ اور تافہ قرین کہلاتے ہیں کوفہ کے مشہور امام مسعر بن کدام کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

لم یوکل مسعر فی حدیث قط (۲)

یعنی اس کے ہاں جو صرف کوفہ ہی رہا اگر علم حدیث میں ان کی معلومات کا حال یہ تھا کہ امام شعبہ جیسا امام حدیث ان کو علم حدیث کی ترازو کہتا تھا اور محمد بن بشر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دس کم ایک ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔ (۳)

صحیحہ و تابعین ائمہ اسلام شیروں میں گئے ہیں مگر روایت و حدیث کے باب میں

(۱) تہذیب المعجم: تذکرۃ الکفاۃ (۲) تذکرۃ الکفاۃ (۳) تذکرۃ الکفاۃ ج ۲ ص ۱۷۸

جو مرتزیت کوفہ اور مکہ و مدینہ کو حاصل تھی وہاں سے شہر ان کو نہ تھی۔ حافظ بن مہاجر نے سید متصل امام ابن وہب کی زبانی نقل کیا ہے کہ ایک بار امام مالک سے کسی نے مسئلہ پوچھا آپ نے اس کا جواب دیا اس پر پوچھنے والے کے منہ سے نکل گیا کہ شام والے تو اس مسئلہ میں پتھر اور سی پتاتے ہیں اور آپ کے خلاف ہیں آپ نے فرمایا: متسی کماں ہذا الشان فی الشام؟ شام والوں کو یہ مقام کب سے ملا ہے؟ اسما ہذا الشان وقف علی اہل المسینۃ و اہل کوفہ یہ شان تو صرف کوفہ اور مدینہ کی ہے۔

شاید اسی لیے امام مالک نے بھی کبھی طلب علم کے لیے سفر نہیں کیا کیونکہ مدینہ دارالعلم تھا۔ اس کے باوجود امام اعظم نے حدیث کی خاطر رخت سفر باندھا تاکہ آپ کے خزانہ علمی میں صرف مقامی نہیں بلکہ بیرونی معلومات کا بھی سرمایہ ہو۔

علم کی خاطر اسلام میں سفر کی اہمیت:

علم دین حاصل کرنے کے لیے جو سفر یا جاتا ہے اسے رطل کہتے ہیں قرآن و سنت میں اس مبارک سفر کی بہت زیادہ ترغیب ہے۔

ارشاد ہے

فلولا نھر من کل طرفۃ مہم طائفة لیتفہوا فی الدین ولیدروا قومہ
اذا رجعوا الہم۔

"پھر کیوں نہ نکلیں ان کی ہر جماعت میں سے چند لوگ تاکہ تفقہ پیدا کریں دین میں اور تاکہ لوگوں کو بیدار کریں جب پلٹ کر جائیں۔" (۱)

(۱) یہ آیت قرآنی مہبت معارف میں سے ہے اس میں صرف یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ ہر مہم میں حاصل کرنا اچھی بات ہے اور اس کے لیے سفر کی تفتیش برداشت کرنا ایک امر مستحب ہے کیونکہ یہ قرآنی آیت کا ظاہر ہے چنانچہ ابو بکر بن حربی لکھتے ہیں اسما بقتضی ظاہر ہذا الآیۃ المحدث علی طلب العلم والتدبیر الیہ واستحباب الرحلة (ن ا ص ۳۲۱) جنی آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر مہم کی طلب گاری میں رشاری ہونی چاہیے اور اس کی خاطر سفر مستحب ہے۔ عربی صفحہ ۲۸۸ ص ۵

قرآن کی اس آیت میں جس مقصد کی خاطر رخت سفر تیار کرنے اور گھر سے بے گھر ہونے کا حکم دیا گیا ہے وہ دین میں تقصد ہے اسی کو علم الشریعہ علم الفقہ اور علم قانون کہتے ہیں۔ علوم شریعہ میں علم فقہ کا مقام بالکل انتہائی اور آخری ہے۔ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں کہ آیت فقہت کی تلاش کے لیے ہے قرآن میں جس موقع پر یہ آیت آئی ہے وہاں جہاد کا تذکرہ ہے جہاد اور عصب فقہ میں مناسبت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی ہے کہ طالب فقہ اور مجاہد دونوں کا ٹھکانا اللہ کی راہ میں ٹھکانا ہے اور دونوں کا مقصد اللہ کے دین کی برتری ہے چنانچہ ترجمہ میں ارشاد گرامی ہے۔

من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع۔

”جو شخص علم کی تلاش میں نکلتا ہے وہ واپس تک اللہ کی راہ میں ہے۔“

جوابی ۲۸۷ اور ساتھ ہی اس آیت کے متعلق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں دین سیکھنے کا کام ضرور ہونا چاہیے لہذا الایمانہ دلیل علی طلب العلم (ج ۱ ص ۱۸۹) لیکن دین سیکھنے کا یہ بوجھ سب پر نہیں ہے۔ ان الحسرواح فی طلب العلم لا یلزم الاعیان۔ طلب علم کی خاطر سفر سے بے گھر ہونا سب کے ذمہ نہیں ہے بلکہ تہم کے ذمہ ہے۔ سیکھنے کے بعد جو سیکھ کر آ میں ان کا کام اس آیت میں لوگوں کو بیدار کرنا (انذار) بتایا ہے یعنی پوری جماعت کی پیش پا افتادہ شہری زندگی میں رہنمائی کا فرض انہی مردین اور جن کی دینی زندگی میں رہنمائی کریں وہ ان کی طاعت کریں۔ الاسرار مقتضی فعل المأمور بہ والالہم یکن اندازا۔ انذار حکم کی تعمیل چاہتا ہے ورنہ انذار ہی نہیں ہے (حکام القرآن للجہد ص ۱۹۹) اسی آیت سے دین آشنائوں کے لیے صدر اول ہی میں فقہاء کی تعبیر بیدار ہو گئی تھی امام ترمذی نے لکھا ہے کہ الفقہاء اعلم بمعانی الاحادیث۔ حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ حافظ لغت میں ایک شخص کو بھی کہتے ہیں ابو بکر العربی نے شیخ ابو الحسن اور قاضی ابو بکر کی بھی یہی رائے لکھی ہے اگر یہ صحیح ہے تو آیت کے مدلول سے نہ صرف تقلید شخصی کا جواز بلکہ وجوب بھی ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ حدیث خبر واحد ہونے کی صورت میں دین میں نجات اور واجب العمل ہے۔ ابھی ص کہتے ہیں۔ فیہ دلالة علی الروم خبر الواحد۔ (ج ۳ ص ۱۹۸)

حدیث اور فقہ کا باہمی تعلق:

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی زبان میں اور صحیحہ کرام کے عبادات میں علم نام ہی فقہ کا ہے یعنی صدر اول میں علم کے نام پر جو چیز معروف تھی وہ روایت حدیث نہیں بلکہ فقہات تھی۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صحیحہ و تابعین کا علمی تعارف زیادہ تر فقہات ہی سے کرایا ہے چنانچہ حضرت امام ربانی حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے میں لکھتے ہیں۔ مس سلاء الفقہاء (ج ۱ ص ۱۲) حضرت معاذ بن جبلؓ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں مس صحباء الصحابة و فقہانہم۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ترجمہ میں ہے اقرأ اهل البصرة و الفہم۔ حضرت ابوالدرداءؓ کے متعلق لکھا ہے مفسر اهل دمشق و فہم۔ حضرت عائشہؓ کے بارے میں تحریر ہے۔ مس اکبر الفقہاء الصحابة۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق ہے۔ الفقیہ المدنی۔ حضرت جابرؓ کے ترجمہ میں لکھا ہے۔ الفقیہ المعنی۔ اس طبقہ اولیٰ میں سارے صحیحہ میں دو کو مستثنیٰ کر کے کسی ایک کا بھی تعارف حدیث و روایت کے ذریعے نہیں کرایا۔ دوسرے میری مراد حضرت ابویوسفؒ اور حضرت ابوسعید خدریؒ ہیں۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ روی حدیثا کثیرا۔ ورنہ کسی بھی صحابی کا علمی چہرہ پیش کرتے ہوئے حدیث کا نام تک نہیں لیا۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ فقہ علوم شریعہ کا آخری درجہ ہے۔

فقہ اور حدیث میں باہمی ربط کیا ہے؟ یہ بات شاہ ولی اللہ محدث کی زبانی سنئے۔ شاہ صاحب علم الہدیث کا تعارف کراتے ہوئے رقمطراز ہیں:

علم الہدیث کے چھ طبقات اور اس میں فن کاروں کے کچھ مراتب ہیں علم حدیث کے دور درجے ہیں ایک درجہ چھٹے اور سہمی کا ہے اور دوسرا درجہ مغز اور موتی کا ہے علماء نے دونوں کی خدمت کی ہے علم حدیث میں چھٹے اور سہمی کے درجے کی چیز حدیثوں کو صحت و ضعف غرابت اور شہرت کی حد تک جاننا ہے یہ خدمت محدثین نے سر انجام دی ہے علم حدیث ہی کا ایک فن یہ بھی ہے کہ اس کے معانی شریعہ کو سمجھا جائے اس سے احکام جزائیہ مستطیع کیے جائیں مہارت دلالت اشارہ و مفہوم کی بنا پر منصوص حکم پر غیر منصوص کو قیاس کیا جائے منسوخ و محکم مروج و مہرم کا پتہ لگایا

جائے حدیث کا یہ فن موتی اور مغز کی حیثیت رکھتا ہے اس فن کی خدمت کرنے والے فقہاء اور مجتہدین ہیں۔ (۱)

علامہ خطابی نے حدیث و فقہ میں اس سے بھی زیادہ لطیف ربط بتایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث و فقہ میں باہم وہی تعلق ہے جو مکان کی دیواروں اور اس کی بنیاد میں ہوا ہے فقہ حدیث کی بنیادوں پر اُٹھی ہوئی عمارت کا نام ہے۔ لکھتے ہیں:

حدیث کی حیثیت مکان کی اساس و بنیاد کی ہے اور فقہ اس بنیاد پر اُٹھی ہوئی عمارت کا نام ہے جو عمارت بغیر بنیاد کے بنائی جائے اس میں استحکام نہیں ہوتا اور صرف بنیادیں بغیر عمارت کے خراب اور پھیل میدان ہوتا ہے۔ (۲)

ابوبکر الخازمی نے ایک موقع پر لکھا ہے کہ:

احادیث میں ایک دوسرے کو باہمی ترجیح دینا یہ فقہاء کا کام ہے کیونکہ ان کا پیش نہاد احادیث میں احکام کو ثابت کرنا ہوتا ہے اور اس موضوع پر ان کی جواہر نگاہ کی وسعتیں اور پہنائیاں بے حد ہیں۔ (۳)

الغرض اس آیت میں علم کی خاطر رخت سفر باندھنے کا حکم ہے اور اس کا جیسا مجتہد اور فقیر محی طلب ہے ایسا ہی محدث بھی ہے کیونکہ قرآن و حدیث ہی فقہ کا سرچشمہ اور مرکز ہیں۔ (۴)

(۱) حجتہ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۱ (معالم السنن ج ۵ ص ۵) (۲) شروط الامراء ص ۲۷
(۳) لیکن یاد رہے کہ حدیث اور روایت حدیث دو الگ الگ چیزیں ہیں جیسے قرآن اور روایت قرآن الگ الگ ہیں فقہ کی بنیاد قرآن ہے نہ کہ روایت قرآن۔ ایسے ہی اساس و بنیاد کی حیثیت میں فقہ کا مدار حدیث ہے نہ کہ روایت حدیث کی مطلب ہے۔ امام ابن المظاہر کے اس بیان کا جو حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں عبد الملک بن حبیب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ سب علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ فقہ میں وہ شخص باہم نہیں ہو سکتا جو علم قرآن اور حدیث و آثار کے متون نہ جانے اور ان کے معانی پر قابو نہ پائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے مختلف طرق چند در چند سندیں محفوظ رکھنا روایت و اتنا ہے۔ اور زمانہ فن میں ضرورت کے تحت رونما ہوئی ہے حدیث پہلے سے بھی موجود تھی اور آج بھی موجود ہے۔

قرآن میں مل کی خاطر حضرت موسیٰ کے سفر کا تذکرہ ہے چنانچہ امام بخاری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر بھی کے لیے اپنی تصحیح میں ایک مستقل عنوان قائم کیا اور عنوان کی بنیاد ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست پر رکھی ہے جو اللہ سبحانہ نے قرآن حکیم میں نقل کی ہے۔

هل البعک علی ان تعلمن ما علمت و هذا۔ (۱)

”کیا میں تیرے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھ کو سکھادے تجھ جو تجھ کو سکھاتی ہے بھلی راہ۔“

صرف اس باب پر امام بخاری نے اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے بعد ان مصاحب نے ایک اور باب الخروج فی طلب العلم کے عنوان سے قائم کیا ہے اور دونوں میں ایک حدیث یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی واقعہ کہ آپ نے طلب علم کے لیے مجمع البحرین کا سفر کیا نقل کیا ہے اور اس دو بابوں کے بعد پھر انتہاء در علم و حکمت کا عنوان دے گئے ہیں گویا ان دونوں عنوانوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر بھی کا تذکرہ چھین کر امام بخاری یہ ترفیب دے رہے ہیں کہ طلب علم کی راہ میں کسی حال میں کسی مشقت سے منہ نہ پھیرنا چاہیے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سیادت و نبوت کے مقام اعلیٰ پر پہنچنے کے باوجود بھی طلب علم کے لیے سفر کیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

لان موسی لم یعمد بلوغه من السیادة المحل الاعلی من طلب العلم و کوب البحر والبر لاجله (۲)

”حضرت موسیٰ کا امامت کے بزرگ ترین مقام پر پہنچنا طلب علم اور اس کی خاطر بحری و بری سفر سے مانع نہیں ہوا ہے۔“

امام مسلم نے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ کی ربانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے۔

من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله به طريقاً الى الجنة (۱)
ترمذی میں حضرت انس بن مالک کے حوالہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد گرامی ہے۔

من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع۔
”جو بھی طلب علم کے لیے نکلتا ہے وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں ہے۔“
ابوداؤد میں کثیر بن قیس کی زبانی یہ واقعہ آیا ہے۔

کثیر بن قیس کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداء کے پاس بیٹھا تھا ایک شخص آیا اور
بولا کہ اے ابوالدرداء! میں آپ کے پاس حدیث رسول سے آیا ہوں اور آیا بھی
صرف اس لیے ہوں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد گرامی بیان کرتے ہیں میرے آنے کا مقصد صرف یہ ارشاد گرامی سننا ہے
اور کوئی ضرورت نہیں ہے ابوالدرداء سے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص طلب علم کی خاطر راہ چل کر آئے اللہ پاک اس کو جنت

(۱) حافظ ابن رجب فرماتے ہیں کہ تلاش علم کی خاطر چلن دوڑنا کا ہونا ہے ایک یہ کہ فی الواقع چلے
اور علمی مجلسوں میں شرکت کرے اور دوسرے یہ کہ وہ راہ اختیار کرے جو حصول کا ذریعہ ہو مثلاً یاد کرے
بہم حارس کرنے نہ کرے اور مطالعہ میں مشغول رہے سمجھے اور سمجھے اور اس کے علاوہ جو بھی علم کے
حصول کا طریق ہو اسے اپنائے پہلے چنے کو تحقیق اور دوسرے کو معنوی کہتے ہیں ارشاد نبوت میں دونوں
داخل ہیں (جامع العلوم والفتاویٰ ص ۲۹۹) اور یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ پاک اس کی برکت سے جنت کا
راستہ آسان فرمادے گا۔ تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ طلب علم میں اگر رضائے الہی مقصود ہوگی تو
اللہ پاک طلب علم کے لیے ہم سے انتفاع اور اس پر عمل آسان فرمائے گا اور یہ بھی اس کے حصول
میں داخل ہے کہ اس کی برکت سے دوسرے علوم بھی آسان ہو جائیں گے اور یہ علوم بھی جنت کا ذریعہ
ہوں گے قرآن عزیز میں اس کی شہادت ہے۔ وَاللّٰمِن لَعَلُّوْا اِذَا هُمْ هٰدِیْ وَاَتٰهُمْ نَقْرٰهُمْ۔
(جامع العلوم والفتاویٰ ص ۳۰۰)

کے راستہ پر چلائے گا اور اللہ کے فرشتے طالب علم کی خاطر اپنے بازو بچھتے ہیں
اور آسمان وزمین والے تاکہ سمندر کی گہرائی میں مچھلیاں اس کے لیے دعائے
معفرت کرتی ہیں عالم عابد پر ایسی ہی برتری رکھتا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند
عام ستاروں پر اور علماء انبیاء کے وارث ہیں انبیاء نے میراث میں درہم و دینار نہیں
چھوڑے ہیں بلکہ انبیاء کی میراث تو علم ہے جو اسے بیت ہے خوب لیتا ہے۔ (۱)

امام بخاری نے اپنی مشہور کتاب الادب المفرد میں امام احمد نے اپنے مسند میں اور
حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں بحوالہ عبد اللہ بن محمد بن عقیل حضرت جابر بن عبد اللہ کا
طلب علم کے لیے سفر اختیار کرنے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

مجھے ایک صاحب کے متعلق اطلاع ملی ہے کہ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
سے ایک حدیث سنی ہے میں نے فوراً اونٹ خریدی اس پر کچھ دے سا اور ان صاحب کی
طرف ایک ماہ کا سفر اختیار کر کے سیدھا ملک شام پہنچا یہ صاحب عبد اللہ بن انیس
تھے میں نے ان کے دربان سے کہا کہ جا کر کہو جابر دروازے پر کھڑا ہے انہوں
نے سنتے ہی پوچھا کیا ابن عبد اللہ؟ میں نے کہا کہ ہاں فوراً باہر تشریف لائے اور
مجھ سے گفتگو ہوئے۔ میں نے کہا کہ مجھے ایک حدیث کے بارے میں اطلاع ملی
ہے کہ آپ نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ
میری زندگی ایسی حالت میں ختم نہ ہو جائے کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے
ارشاد گرامی سے محروم رہوں اس کے بعد عبد اللہ بن انیس نے وہ حدیث بیان کی یہ
حدیث آخرت میں قصاص سے متعلق ہے۔

ابوداؤد میں حضرت عبد اللہ بن براء کے حوالہ سے منقول ہے کہ
ایک صحابی ایک حدیث کی خاطر سفر کر کے فضالہ بن عبید کے پاس گئے یہ اس وقت
اپنی اونٹنی کو چارہ ڈال رہے تھے دیکھتے ہی بولے مرحبا مسافر صحابی نے کہا میں
ملاقات کے لیے نہیں بلکہ ایک حدیث کی خاطر آیا ہوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ

ہے دو حدیث نئی ہے فقالہ نے پوچھا وہ کون سی حدیث ہے؟ میں نے کہا کہ فلاں حدیث جس میں یہ ہے۔

امام دارمی نے بسند صحیح بصر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ میں صرف ایک حدیث کی خاطر شہر کا سفر کرتا تھا۔ حضرت سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کے لیے دن رات چلتا تھا۔ (۱)

بتانا یہ چاہتا تھا کہ اسلام میں علمی سفر کا مقام بہت بلند ہے اور اس کے فضائل بہ شمار ہیں۔ اور قرآن عظیم کی اس ترغیب کی وجہ سے اس کا رواج صدر اول میں ہو چکا تھا۔ امام شافعی کے حدود سفر میں حافظ ابن حجر نے تو ابی الدیلمی میں حسب ذیل مقامات بتائے ہیں مدینہ یمن عراق اور مصر۔ امام احمد نے طلب حدیث کے لیے کوفہ مروا شام اور جزیرہ کا سفر کیا ہے۔ (۲) امام ابو یوسف نے عراقی جزیرہ شام اور دیگر ملک کے بہت سے اساتذہ کے سامنے رخصتے کیا ہے (۳)۔ اور امام محمد نے کوفہ مروا شام اور بلاد عراق میں جا کر حدیث سنی تھی (۴)۔ حافظ ابی بنی نے مزقب میں خود امام محمد کی ذہانی نقل کیا ہے کہ والد محترم نے میں مذکور ہر جہوز سے تھے ان میں سے میں سے چند ہزار نحو اور شعر کی تحصیل پر خرچ کیے اور باقی چند ہزار حدیث و فقہ کی تکمیل پر۔

یہ حال علم حدیث کے لیے سفر کرتا اور اس کی جہن میں ملک ملک پھرنا سلف کا معمول تھا ان زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے غطف (۵) بن ایوب سے ایک مسئلہ دریافت کیا اس نے سب سے بڑے و معلوم نہیں ہے وارد سے کہا کہ پھر کسی سے شخص کا مجھے پتہ بتائیے جسے یہ مسئلہ

(۱) مناقب احمد ص ۳۳ (۲) حسن القاضی ص ۴۵

(۳) نکل اللعانی ص ۶ (۴) مناقب ذہبی ص ۴۵

(۵) حضرت غطف بن ایوب اہل بلخ کے امام اور بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے حافظ ذہبی نے آپ کا ذکر وہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے احد المتبحرہ الاعلام محدث حاکم نے ان کو فقیہ بلخ اور حافظ عسکری نے صدوق مشہور لکھا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ سلطان بلخ آپ کی زیارت کے لیے باقی سلاطین پر

معلوم ہو فرمایا ایسے تو حسن بن زیاد ہیں جو کوفہ میں ہیں اس پر چھنے والے نے کہا کہ کوفہ تو بہت دور ہے امام غطف بن ایوب نے فرمایا کہ ص ص ہمدان الدہلی قالکوفۃ البیہ قریبۃ یعنی (جسے دین کی فکر ہو اس کے لیے کوفہ نزدیک ہے) اسی بنا پر اصول حدیث کی کتابوں میں اس علمی سفر کے لیے خاص خاص ہدایات آئی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

رحلت یہ سب کہ اپنے شہر کی حدیثوں کو پہلے معلوم کرے اور ان کو یاد کرے پھر دوسرے شہروں کا سفر کرے۔ میں وہ کچھ حاصل کرے جو اس کے پاس نہ ہو۔ (۱)

حذیقہ ص ۲۹۴ کے لیے آئے تو آپ نے مرہم یہ درامہ حاکم نے لکھا ہے کہ آپ نے فقہ کی تعلیم قاضی ابو یوسف اور ابن ابی نعل سے حاصل کی اور زبدا و تصوف حضرت ابراہیم بن ادہم سے حاصل کیا امام حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں غطف بن ایوب کے حوالہ سے یہ حدیث لکھی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی حنف امام فان قراءتہ لہ قراءۃ۔ حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور حاکم نے تاریخ خیشا پور میں ان کا مفصل ترجمہ لکھا ہے حدیث کا سنا آپ کو امام ابو یوسف امام محمد امام زبدا اور ابن ابی نعل کے علاوہ خوف اعرابی قیس بن اریق اسرئیل بن جنس اسد بن عمر و حریز بن عبد الحمید اور دیگر علماء کی ایک جماعت سے حاصل ہے امام ذہبی نے لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل ابو کریب اور بہت سے اکابر محدثین سے آپ کے سامنے زانوئے ادبیت کیا ہے امام حاکم لکھتے ہیں کہ آپ ۲۵۰ میں خیشا پور شریف آئے تو ہمارے یہاں کے مشائخ نے آپ سے حدیثیں لکھیں آپ کے شاگردوں میں امام احمد کے علاوہ رئیس الکھشانی یحییٰ بن خاص طور پر قابل ذکر ہیں امام ترمذی نے بھی اپنی سنن میں ابو کریب محمد بن اعلاء کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی ہے مگر انہوں نے کہ امام ترمذی و حضرت غطف کے حالات کا علم نہ ہو۔ اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے حافظ بن حرم اپنی جہالت قدر کے باوجود امام ترمذی سے ناواقف ہیں حافظ سقائی نے بیان بالترجیح میں لکھا ہے کہ ابن حزم صرف ترمذی سے نہیں بلکہ مشہور امام ابو القاسم بغوی اسامیل و صفور و ابی عبد اللہ سے بھی نا آشنا ہیں۔ جیسا امام ترمذی کو ابن حرم کا نہ جانا و فی قیست نہیں رہتا ایسے ہی ترمذی و غطف بن ایوب سے نا قیست بھی کوئی نہیں رہتی۔ (۱) سنن عمر ص ۴۰

امام اعظم نے جب علم حدیث پر توجہ کی تو اسی قاعدے کے مطابق سب سے پہلے اپنے شہر کے اساتذہ فن کے سامنے ڈانٹے ادب یہ کیا اور ایک عرصہ تک وطن عزیز ہی میں تحصیل علم میں مصروف رہے اور جن جن اساتذہ سے کوفہ میں استفادہ کیا اس کا ایک دھندلا سا خاکہ آپ کے سامنے آچکا ہے جب آپ کوفہ سے حیراب ہو چکے تو دوسرے مقامات کا رخ کیا۔

رحلت علیہ کی تاریخ:

امام اعظم کی رحلت علیہ کی تاریخ تو معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ جامع بیان العلم وفضل میں حافظ ابن عبد البر نے خود امام صاحب کا جو بیان درج کیا ہے اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پہلا سفر اپنے والد محترم کی معیت مکہ کا کیا ہے اور اسی سفر میں آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبد اللہ بن الحارث سے ملاقات ہوئی ہے اس میں تصریح ہے۔

میری عمر سہ سال تھی کہ میں سنہ ۹۶ھ میں اپنے والد کی ہمرکابی میں حج کا سفر کیا۔ (۱)
حج اس زمانے میں افتادہ و استفادہ کا سب سے بڑا ذریعہ تھا کیونکہ مکہ اسلامیت کے گوشہ گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال حرمین میں آکر جمع ہوتے تھے اور درس و افتاء کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ امام ابو الحسن مرغینانی نے بسند متصل نقل کیا ہے کہ امام اعظم نے ایک بار نہیں بلکہ ۵۵ بار حج کیا ہے (۲)۔ نیز آپ نے طلب علم کی خاطر بصرہ کا بھی مرتبہ سے زیادہ سفر کیا ہے اور اکثر پورا پورا سال وہاں قیام بھی کیا ہے۔ (۳)

ان تاریخی روایات سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے طلب علم کی خاطر مکہ مدینہ اور بصرہ کا سفر کیا ہے لیکن آغاز سفر کے بارے میں جامع بیان العلم کی روایت کے علاوہ کوئی مثبت تصریح نہیں ہے اس لیے قیاس یہی ہے کہ آغاز ۹۶ھ میں ہو چکا تھا مگر ان مسمیٰ سفروں میں باقاعدگی اور تسلسل ۱۰۰ھ کے بعد ہوا ہے ایسی فقی کی تصریح کے مطابق امام شعبی کا سال وفات ۱۰۰ھ ہے۔ اسی کے بعد آپ نے سفر کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا ہے کیونکہ آپ یہ

(۱) جامع بیان العلم وفضل ج ۱ ص ۱۳۳ (۲) مصدر المستمسک ص ۲۵۳ (۳) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ج ۵ ص ۵۳

پہلے سن چکے ہیں کہ امام صاحب امام حماد کے پاس علم الشرائع کی خاطر اشعارہ سال رہے ہیں امام حماد کی تاریخ وفات ۱۲۰ھ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ امام اعظم نے ۱۰۰ھ سے مسلسل علمی سفر کیے ہیں اور آخر عمر تک حج سے تو کوئی سال بھی خالی نہیں ہے کیونکہ اگر آپ نے ۵۵ حج کیے ہیں جیسا کہ امام ابو الحسن مرغینانی نے بیان کیا ہے تو پہلا حج ۹۶ھ میں ہی آتا ہے۔ اور یہ وہی حج ہے جب آپ اپنے والد محترم کے ساتھ مکہ کی بار حج کو تشریف لے گئے ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبد اللہ بن الحارث کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اس کے بعد آپ کی عمر کا کوئی سال بھی حج سے خالی نہیں ہے۔

اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ذہبی نے امام لیث بن سعد کی ملاقات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ:

امام لیث فرماتے ہیں کہ میں امام اعظم کی شہرت سنا تھا مٹنے کا بے حد مشتاق تھا حسن اتفاق سے مکہ میں اس طرح ملاقات ہوئی کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص پر ٹوٹے پڑے جا رہے ہیں مجمع میں میں نے ایک شخص کی زبان سے کلمہ سنا کہ اے! حنیف! میں نے جی میں کہا کہ تو تمنا برآئی یہی امام ابو حنیفہ ہیں۔ (۱)

تذکرۃ الحفاظ ذہبی نے تصد ہے کہ امام لیث بن سعد انیس سال کی عمر میں حج تشریف لے گئے اور یہ بھی بتایا ہے کہ امام لیث کی اکاسی سال عمر تھی ۱۰۵ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ یہ ان کا مدقائی حج ہے ورنہ اس کے بعد بھی صرف امام اعظم کی ملاقات ہی کے لیے لیث بن سعد حج کو گئے ہیں چنانچہ اسی سلسلے کا ایک واقعہ الحفاظ ابو محمد الحارثی بسند متصل فقیر مصد عبد الرحمن بن القاسم کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

میں نے لیث بن سعد سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ مجھے ایک بار امام اعظم کا یہاں حج ارادے کا علم ہوا میں صرف امام اعظم سے ملاقات کی خاطر حج کو گیا۔ مکہ میں آپ سے ملاقات ہوئی میں نے آپ سے مختلف عنوانوں پر بہت سے مسائل دریافت

(۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۰۸

(۱) مناقب ابی حنیفہ الذہبی، ص ۲۲

دریافت کیے میں نے آپ سے دیوانی و فوجداری مسائل میں قتل خطا اور شہرہ کے بارے میں پوچھا۔ (۱)

بتایا یہ چاہتا ہوں کہ انیس سال کی عمر میں یعنی ۱۱۳ھ میں امام لیث نے پہلا حج کیا ہے جیسا کہ امام ذہبی نے لکھا ہے۔ (۲) اور امام اعظم کو اس موقع پر اس طرح پایا کہ الناس متقصصین علیہ۔ (لوگ ان پر نونے پڑے ہیں) اور بعد کو نام لینے پر معلوم ہوا کہ یہی امام اعظم ہیں۔

۱۱۳ھ میں ہجوم کا یہ نونا پڑنا بتا رہا ہے کہ یہ امام اعظم کا پہلا سفر نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے متعدد بار آچکے ہیں اور ذات برائی جانی پیچنی ہے۔ دوسرا ایک اجنبی سے رد یہ ہجوم کہاں ہوتا ہے اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ آپ نے امام فہم کی وفات کے بعد حجوں کا لگاتار سلسلہ شروع کر دیا تھا اور امام لیث نے تو یہ بات جوت کے متعلق بتائی ہے کہ رایت الناس متقصصین علیہ۔

مگر امام ابو عاصم النبیل نے جو کہی کا واقعہ بتایا ہے اس میں تو یہ بات یہاں تک کھول دی ہے کہ لوگوں کی عقیدت امام اعظم کو مکہ میں صرف جلوت ہی میں نہیں بلکہ مکہ کی خلوت میں بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی اور صرف اسی حدیث نہیں بلکہ باب فقہ کا بھی آپ کے ارد گرد ہجوم رہتا تھا چنانچہ امام ابو جعفر طوسی نے بکاء بن خلیفہ کے حوالہ سے امام ابو عاصم کی زبانی نقل کیا ہے کہ

ہم مکہ میں امام اعظم کے پاس رہتے تھے آپ کے پاس اور باب فقہ اور اصحاب حدیث کا ہجوم ہو گیا آپ نے فرمایا کہ کیا یہ کوئی شخص نہیں ہے جو صاحب خانہ کو کہہ کر ہم سے ان لوگوں کو ہٹوائے۔ (۳)

اس سے ایک طرف اگر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ امام اعظم مستقل طور پر مکہ جاتے تھے اور وہاں آپ نے بود و باش بھی اختیار کی تھی تو دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں امام اعظم سے دونوں در سے یکساں فائدہ اٹھاتے تھے اور امام صاحب کی علم الفقہ اور علم الحدیث

(۱) صدر الامم ج ۲ ص ۱۵۳ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۹ (۳) مقدمہ حارثی ص ۴۷

دونوں فنوں میں لوگوں کو جلالت قدر کا یکساں اقرار تھا اس مقصد کی خاطر لوگ دور دور سے چل کر آتے۔

حج کے عام سفروں کے علاوہ اموی حکومت کے آخری دور میں حکومت کے جو دستم اور علم و نقدی سے تنگ آ کر آپ نے حجاز کا رخ کیا۔ برور قطر ازیں:

فہرب الی مکة و اقام بہا سنۃ مائۃ و ثلاثین۔ (۱)

”مکہ روانہ ہو گئے اور وہاں ۱۳۰ھ تک قیام فرمایا۔“

اسی زمانے میں اموی حکومت کے خد ف سازش ہوئی ہے عباسیوں کے اشارے سے ابو مسلم نے بغاوت کھائی جب تک عباسی تحریک اموی حکومت کا خاتمہ کر کے عباسیوں کو تخت حکومت دلانے میں کامیاب نہیں ہوئی امام اعظم حجاز ہی میں رہے اور بالآخر۔

قدم ابو حبیۃ الکوفۃ فی زمن ابی جعفر المنصور۔ (۲)

اس کا حاصل یہی ہے کہ سفاح کی حکومت کا پورا زمانہ چار سال نو ماہ امام اعظم نے کوفہ سے باہر حجاز میں گزارے۔

حجاز میں امام اعظم کے مشاغل:

امام اعظم کو اس زمانے کے دستور کے مطابق حجاز کے علماء محمد بن سہب سے فائدہ اٹھانے کا یہ ذریعہ موقوفہ ملا اور صرف استفادہ کا نہیں بلکہ حجاز میں لوگوں نے امام کو افادے کی مجلس قائم کرنے پر مجبور کر دیا۔ وزیر بن عبد اللہ کا بیان ہے۔

میں نے مکہ میں یہ سین زیارت کو دیکھا کہ سامنے ایک جماعت ہے اور وہ چلا چلا کر کہہ رہے ہیں لوگو! ابو حنیفہ کے پاس آیا جایا کرو اور ان کی مجلس کو خیمت سمجھو ان کے علم سے فائدہ اٹھاؤ کیونکہ یہ آدمی پھر بیٹھنے کے لیے نہیں بیٹھنے کا اور وہاں وہ امام ایسے عالم کو پھر نہیں پاؤ گے اس شخص کو تم نے نمودیا تو علم کی بہت بڑی مقدار تھو دو گے۔ (۳)

(۱) من قب ابی حنیفہ ج ۱ ص ۲۷ (۲) صدر الامم ج ۲ ص ۲۳ (۳) صدر الامم ج ۱ ص ۳۸

اسلام کے اس سب سے بڑے مرکز میں ایک ممتاز عالم محدث یا سین الزیات کی طرف سے اس قسم کے اعلان کا اس کے سوا کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا تھا کہ امام اعظم پر مکہ میں دنیا ٹوٹ پڑے۔ الموفق نے ان کی یہ روایت نقل کی ہے۔

ابو حنیفہ حرم کعبہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان پر خلعت کا جھوم تھا ہر علاقے کے لوگ ہوتے تھے سب کو جواب دیتے اور فتویٰ بتاتے۔

امام عبداللہ بن المبارک نے امام اعظم کے اس علمی اعادے کے قماشے کو کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں ان کا خود بیان ہے

میں نے حرم کعبہ میں ابو حنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں اور مشرق و مغرب کے باشندوں کو فتویٰ دے رہے ہیں۔ (۱)

امام اعظم کی اس مجلس میں کس قسم کے لوگ شریک ہوتے تھے یہ عبداللہ بن المبارک نے بیان کیا ہے۔

والناس یومئذ ناس۔

صدر الامر نے عبداللہ بن المبارک کے اس جملے کا مطلب یہ بتایا ہے کہ

یعنی الفقہاء الکبار و عیار الناس۔

عبداللہ کی مراد یہ ہے کہ بڑے بڑے فقہاء اور۔۔۔ بزرگوں کا مجمع تھا۔

الغرض حجاز میں امام اعظم کی ذات برائی سے دونوں مدرسے محدثین اور فقہاء مستفید ہو رہے تھے یہ دونوں مدرسے الگ الگ ہیں دونوں میں بڑا جوہری فرق ہے۔

محدث اور فقیہ میں فرق:

تیسرا مست شاہ ولی اللہ محدث کی زبانی آپ فقہ اور حدیث کا باہمی فرق سن چکے ہیں جسے مراد ہے محدث اور فقیہ کا فرق بھی شاہ صاحب کی زبانی معلوم کر بیچے

محدث اور فقیہ میں فرق ہے۔ محدث کا کام صرف حدیث کی روایت ہوتا ہے اور

اس سلسلے میں وہ یہ دیکھتا ہے کہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، محرف ہے یا غیر محرف، عربی زبان میں الفاظ غریبہ کے معانی کیا ہیں؟ راویوں کی لڑی عدالت کی ترازو میں پوری اترتی ہے یا نہیں؟ حدیث کے توابع و شواہد کیا ہیں۔ حدیث اپنے بیان کرنے والوں کے لحاظ سے شہرت اور غرابت میں کیا مقام رکھتی ہے۔ جو محدث علم حدیث میں یہ باتیں جانتا ہے وہ ضابطہ حافظ اور متکفل کہلاتا ہے۔

فقیہ کا کام مشتبہ الفاظ کی تحدید اور حدیث میں رکن شرط اور ادب کی تعیین کرنا ہے۔ وہ امر کے میضوں کو دیکھ کر استحباب اور وجوب کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور نواہی میں مکروہ اور حرام کے درجات مقرر کرتا ہے وہ پیش پا افتادہ مسائل کی غلطیوں اور دلائل جانتا ہے اور علتوں کے لحاظ سے کسی حکم کے مطلق اور مقید ہونے کی نشاندہی کرتا ہے وہ اپنی فہمیت کے زور سے احترازی اور انتہائی قیود واضح کرتا ہے اور اطلاق و تھکید کی روشنی میں وہ زندگی کے مختلف مسائل کے بارے میں ہر موضوع پر قوانین و ضوابط کلیہ بتاتا ہے اور پھر ان قوانین سے حالات و کوائف میں اٹھے ہوئے سوالات کا جواب دیتا ہے دلائل میں تعارض ہو تو تطبیق دیتا، باہم مفاہمت کرنا، منسوخ بتانا اور تعارض کے وقت ترجیح دینا فقیہ کا کام ہے۔ (۱)

اس پر تفصیلی گفتگو آئندہ اوراق میں آئے گی۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ مکہ میں آپ سے استفادہ کرنے والے دونوں فنون حدیث اور فقہ میں استفادہ کرتے تھے۔ یہی حال آپ کا کوفہ میں بھی تھا کہ آپ دونوں فنوں میں ایک امام کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے تھے۔ صدر الامر نے اسی سلسلے میں مکی بن ابراہیم کے متعلق لکھا ہے کہ:

امہ دخل الکوفہ ولرم ابا حبیبة وسمع منہ الحدیث والفقہ۔ (۲)

”کوفہ آئے اور امام ابو حنیفہ کے پاس رہ کر ان سے حدیث و فقہ کی سماعت کی۔“

ان الفصی مافی الباب ان یروی الحدیث عن المجاہل من المسلمین
والمجاہل من العلماء (۳)

”زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ حدیث نبوی نیک مسلمان اور نیک علماء سے روایت کی جا
رہی ہے۔“

لیکن ہمیں اس پر کوئی قدر نہیں کیونکہ ہمیں ان بزرگوں کی بیانت صداقت اور
ثقاہت و عدالت پر پورا اعتماد ہے ٹھیک ٹھیک ایسی ہی روایت و اسناد کا سلسلہ پیدا ہونے
سے پہلے اس دور کے لوگوں کو تاہمین کر رہا تھا۔ اس اعتماد کی وجہ سے آج ہم ان علماء کے
مراہیل کو قوی نہیں بلکہ قوی تر مانتے ہیں۔

ان القوی المرسل ما رسلہ العلماء من احادیث هذه الکتاب (۴)

”مراہیل میں قوی تر ان کتابوں کی حدیثوں میں علماء کے مراہیل ہیں۔“

اور جیسے ان بزرگوں کی کتابوں کو آج ترجیح دینی کتابوں کے مقابلے میں شہرت
اور قبول کی بنا پر ہے اور اس لیے یہ کتابیں بھی۔ جو ایک دین حمت بن گئی ہیں ایسے ہی
دوسری صدی کے لوگ تاہمین کو دوسروں کے مقابلے میں ان کی علمی شہرت اور قبول کی بنا پر ترجیح
دیتے تھے۔ اور اس لیے تاہمین کی سنتی بھی۔ خواہ ان کے یہاں صحت کی ضمانت تھی۔ بہت
بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم تو اپنے بزرگوں کی بیانت سے اتنے متوالے ہوئے کہ ان کی رو
سے آئی ہوئی حدیثوں کو قطعی قرار دیں۔ اور تاہمین کے مقام پر ہم انصاف کا امتن باتھو سے
چھوڑ دیں۔ فاما للہ والی اللہ المشکفی۔

منا یہ چاہتا ہوں کہ حدیث اور ہے اور روایت حدیث اور۔ امام اعظم کے زمانہ
طالب علمی میں فن روایت و اسناد شاہراہ عام پر نہ آیا تھا اور نہ اس کی تیسری صدی کی طرح عام

(۳) بقیہ صفحہ ۳۰۵ سے لائے ہیں ہر طریق میں سات افراد ہیں اور دارقطنی نے سات طریقوں سے

درن کیا ہے مگر کوئی طریق نہ افراد سے خالی نہیں ہے۔ (۳۰۲) الروض الباسم ص ۱۸

(۴) الروض الباسم ص ۱۸

شہروں میں دفاتر کھلے تھے اور نہ ہی اس دور میں سیارہ تاہمین کا دور ہونے کی وجہ سے اس کی
ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ حافظ شمس الدین عکروی رقمطراز ہیں۔

ولایکاد یوحد فی القرون الاول الذی انقصر فی الصحابة و کبار
التابعین ضعیف (۱)

”وہ قرن اول جس میں صحابہ اور تابعین ہیں اس میں ضعیف کوئی نہیں ہے۔“
۱۲۰ھ شیخ بن سعید القنطاری تاریخ روایات ہے جن کے بارے میں حافظہ کی نے
اکتشاف کیا ہے کہ ان رجاء میں سب سے پہلے مصنف ہیں اور کوفہ میں امام شیعہ موجود تھے
جن کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں۔

کان شعبة امة واحدة فی هذا الشأن (۲)

”اس فن میں حضرت شعبہ یگانہ امام ہیں۔“

انفرض امام اعظم نے علم کی خاطر سفر کیا اور آپ کے غار حبیب میں مرزئی حیثیت
مکہ مکرمہ کو حاصل ہے۔

مکہ مکرمہ کی علمی حیثیت:

وہ حرم پاک جہاں سے محمد بن نبوت کا آغاز ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
رسول ہونے کے بعد تیرہ سال کا حرم مہذاب امام مہتمم کے زمانہ میں یہ بھی کوفہ کی طرح دارالعلم تھا۔

حافظ ذہبی الامصار ذوات قمار میں فرماتے ہیں:

عہد صحابہ میں یہاں علم تھا پھر صحابہ کے آخری دور میں علم کی کثرت ہوئی اور اسی
طرح عہد تابعین میں مجاہد عطاء سعید بن جبیر اور ابن ابی ملیکہ اور پھر ان کے
شاگردوں کے دور میں عبداللہ بن ابی شیحہ قاری ابن کثیر حفظہ بن ابی سفیان اور
ابن جریج اور ہارون رشید کے وقت میں مسلم زنجی فضیل بن عیینہ ابو عبدالرحمن
ازرقی حمیدی اور سعید بن منصور جیسے علماء ہوئے ہیں۔ (۳)

امام بخاری کو حرمین کے مکمل پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے اپنی صحیح میں ان موضوعات پر ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے۔

باب ماذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحصص علی اتفاق اہل العلم
وما اجتمع علیہ الحرمین مکة والمدینۃ۔

علامہ کرمانی شارح صحیح بخاری لکھتے ہیں:

امام بخاری کا انداز بیان کہہ رہا ہے کہ اہل حرمین کا اتفاق و اجتماع محبت سے۔

مگر حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ:

لعلہ ارادہ الجمع لا الاجتماع۔ (۱)

”عالمنا مراد ترجیح ہے اجتماع نہیں۔“

امام بخاری کی عبارت کا خواہ مطلب کچھ ہو مگر اتنا معلوم ہے کہ اختلافی مسائل میں ان کے نزدیک وہی مسئلہ قابل ترجیح ہے جس پر طائے حرمین متفق ہوں۔ (۲)

بہر حال دوسری صدی کے آغاز اور پہلی صدی کے آخر میں مکہ مکرمہ علم کی منڈی تھا اور تمام بلاد اسلامیہ میں مکہ کے علمی جلال کا لوہا مانا جاتا تھا اتنا کہ علامہ بھون نے تصریح کی ہے کہ اگر ابن عباسؓ اہل مدینہ سے کسی مسئلہ میں اختلاف کر جائیں تو مدینہ کی اجماعی طاقت بھی بھی بے جان ہو جاتی ہے۔

اذا خالف ابن عباس اہل المدینۃ لم یعتقد لہم اجماع۔ (۳)

”جب اہل مدینہ کی ابن عباسؓ مخالفت کریں تو اہل مدینہ کا اجماع منعقد نہیں ہوتا۔“

مکہ میں امام اعظم نے جن حفاظ حدیث سے علمی استفادہ کیا ہے ان کی تفصیل بتاتا تو دشار ہے یہاں صرف چند نراری قدر ہستیوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین کو مکہ کے گلستان کی باغ و بہار کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

(۱) فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۵۷ (۲) یہ مسئلہ بھی مہمات مسائل میں سے ہے اہل مکہ کا دوسرا اسلامی شہر کے مقابلے میں اپنی قوت اجماع سے قابل ترجیح ہونا بظاہر اس کی کوئی باقی صفحہ ۳۰۹ پر ہے۔

امام اعظم کا عطاء بن ابی رباح سے تلمذ:

حافظ ذہبی نے ان کے ترجمہ کا آغاز مفتی اہل مکہ محدث مکہ القدوس اور اعلم کے زیر القاب سے کیا ہے اور ان کو علم حدیث میں امام اعظم کا استاد بتایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

عہ ایوب و حمیس المعلم و ابن جریج و ابن اسحاق و الا وراعی و ابو حنیفۃ۔ (۱)

”عطاء کے علاوہ میں ایوب، حسین ابن جریج، ابن اسحاق، اوزاعی اور ابو حنیفہ ہیں۔“

بلکہ امام ذہبی نے اپنی مشہور تاریخ کے خلاصہ میں بالتصریح یہ بھی لکھا ہے کہ

اکبر شیوخہ عطاء بن ابی رباح۔ (۲)

۱۔ کا مطلب یہ ہے کہ جو حیثیت امام مالک کے اسانید میں مالک عن نافع عن ابن عمر کی ہے جسے امام بخاری وغیرہ اجل الاسانید اور اصح الاسانید کہتے ہیں۔ یہی حیثیت امام اعظم کی اسانید میں ابو حنیفہ عن عطاء عن ابن عباس کی ہے۔ چنانچہ امام شعرائی نے اس کو اسی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے مناقب میں لکھا ہے۔

وسمع الحديث من عطاء بمكة۔ (۳)

۲۔ بقدر صفحہ ۳۰۸ میں بھی نہیں آئی کیونکہ جس پائے کے علماء یہاں موجود تھے دوسرے مقامات پر بھی موجود تھے نیز یہاں جریج جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیم صحبت یافتہ تھے ان میں سے ہر کسی ایک نے بھی مکہ میں آکر رہا ہو قیام نہیں کیا ان کو اس کی شرعا اجازت نہ تھی کہ کی جو علمی رونق تھی وہ عبداللہ بن عباس کے علاوہ کے دماغ سے تھی اور اس تفصیل آگے آ رہی ہے۔ (۳) عمدة القاری ج ۱۵ ص ۲۰۲

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ج ۱ ص ۹۲ (۲) ردول الاسلام: ص ۴۷

(۳) مناقب ذہبی: ص ۱۱

حضرت عطاء بن ابی رباح کی جلالت قدر کا اندازہ کرنا سوتا ان اکابر کے یہ بیانات پڑھیے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اسے اپنی خدمت میرے پاس بھیج رکھتے ہو حالیکہ تمہارے پاس تو عطاء موجود ہیں۔ یعنی یہی الفاظ حافظ ذہبی نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے بھی نقل کیے ہیں۔ حضرت سعید فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ میں تشریف آئے لوگوں نے ان سے مسائل دریافت کیے آپ نے فرمایا کہ مسائل کی خاطر تم میرے پاس جمع ہوتے ہو حالانکہ تم میں عطاء موجود ہیں۔ (۱)

ذرا غور فرمائیے کہ اس شخص کی جلالت علمی کا کیا حال ہوگا جس کی حیثیت کا ہوا بن عباسؓ اور ابن عمرؓ جیسے جلیل القدر اور اساطین حدیث صحابہ مانتے ہوں۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباح نے ستر حج کیے ہیں اموی دور حکومت میں زمانہ حج آتا تو کہاری طہر پر منادی ہوتی۔

لا یفتی الناس فی الحج الاعطاء۔ (۲)

حافظ ابن کثیرؒ نے سعید بن سلامؒ مصری کے حوالہ سے ان سے امام اعظمؒ کی پہلی ملاقات کا پورا حال لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے خود امام اعظمؒ سے سنا ہے کہ جب امام مصنف سے ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے عطاء سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ دریافت کرتے ہی جواب دینے سے پہلے امام صاحب کی طرف مخاطب ہو کر بوسے بنا دیا کہاں کے رہنے والے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا کہ وفد کا شہری ہوں۔ فرمایا کہ اس بستی کے جہاں دینی فرقہ بندی کی بنیاد پڑی۔ امام صاحب نے جواب فرمایا جی ہاں فرمایا اچھا بتاؤ کہ کن لوگوں سے تعلق رکھتے ہو؟ یعنی کس مدرسہ خیالی کے ہو۔ امام صاحب نے جواب کیا کہ الحمد للہ ان لوگوں سے تعلق رکھتا ہوں جو سلف کو برا نہیں کہتے یعنی نہ رافضی ہوں نہ خارجی اور نہ قدری۔ اور اہل قبلہ کی برائیاں معصیت تکفیر نہیں کرتے یعنی نہ مرجہ ہوں نہ جمعی اور نہ معتزلی۔ حضرت نے جواب باصواب سن کر فرمایا: عرفتم فلانم یہ بیان کیا ہوں میں لازم ہو۔ (۳)

انفرض امام عطاء بن ابی رباح اپنے وقت میں جلالت علمی کا سب سے بڑا نمونہ تھے محدثین میں اجداد حفاظ حدیث کون کی بارگاہ علمی میں راتوں رات تلمذ کرنے کا شرف حاصل ہے۔ مثلاً امام ابو بکر محمد بن مسلمہ بن شہاب الزہریؒ بن قتادہ بن دحمانؒ بن کثیر مالک بن دینار سلیمان بن میران اور امام ایوب السکیتیؒ۔ حافظ ابن حجر مسند فی فرماتے ہیں

کان من مصادات التابعین علماً وفقہاً۔ (۱)

صرف علم و فقہ ہی میں نہیں بلکہ زہد و تقویٰ پائندگی اور پارسائی میں بھی آپ کی زندگی ایک مثالی نمونہ تھی۔ اور ہر شخص کے لیے آپ کا یہی وعظ ہوتا تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے یحییٰ بن عبید کے حوالہ سے جو واقعہ لکھا ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یحییٰ بن عبید کہتے ہیں کہ ہم محمد بن سوقة کے پاس گئے انہوں نے ہم سے مخاطب ہو کر کہا آؤ میں تمہیں ایک مفید بات سنوں مجھے عطاء بن ابی رباح نے بتایا ہے کہ عزیز من! بزرگان سفہ لا یعنی اور فضول ہاتھ کو بہت ہی ناپسند کرتے تھے بلکہ فضول کو ناپسند سمجھتے تھے۔ صرف اللہ کی کتاب کی تلاوت اپنی کار چار برائی پر روک نوک یا پھر اپنی ضروریات معیشت سے متعلق باتیں کہتے تھے۔ کیا تم نہ پاک کے اس ارشادؐ کو نہیں مانتے وان علیکم لحافظیں کرو اما کتابیں اور ما یلغظ من قول الا لدیہ رقیب عتید۔ اگر تمہارے سامنے تمہارا دوا عمل نامہ آجائے جس پر وہ باتیں درج ہیں جو نہ دنیا سے متعلق ہیں اور نہ دین سے کیا تمہیں اس پر شرم نہ آئے گی۔ (۲)

امام بخاریؒ امام مسلمؒ ابو داؤدؒ امام ترمذیؒ امام ابن ماجہؒ اور امام نسائیؒ نے اپنی کتابوں میں ان سے روایات لی ہیں۔

قاضی ابویوسفؒ نے بحوالہ امام اعظمؒ ان سے احادیث نقل کی ہیں۔ مثلاً
عن ابی حنیفۃ عن عطاء عن عمرؓ انه قال لیس فی القبلۃ الوضوء۔
"بوسہ سے وضو نہیں ہوتا۔"

مثلاً علی بن ابی طالب، ابی موسیٰ اشعری، عبداللہ بن مسعود، عباد بن الصامت، ابی ہریرہ، محمد بن النعمان، معاویہ بن ابی سفیان، اور معاذ بن جبلؓ۔ بعد کو ذرا بھرہ میں تقریباً تین سو سے زائد صحابہ آ گئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ اکابر جب تک مدینے میں رہے ان کا عمل بحت تھا اور جب تک لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے تو ان کا عمل بحت نہ رہا۔ (۱)

بہر حال زمانہ نبوت سے لے کر خلافت راشدہ تک مدینہ کو علم میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

حضرت علی مرتضیٰ کے زمانے میں مدینہ کے وفود پر دمشق منتقل ہو جانے پر گو اس کی وہ علمی شان باقی نہ رہی تھی تاہم اس ملک کے زمانے تک مدینے کی علمی رونق برقرار تھی۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

مدینہ طیبہ در زمانہ ایشیائے ارمین متاخر ترین مدینہ بود و جہاں علماء است۔ (۲)

حافظ ذہبی کے حوالہ سے حافظ شاہ ولی نے لکھا ہے کہ:

مدینہ در لجزیرۃ میں مہدی بہ میں قرآن و سنت کا علم بہت زیادہ تھا اور زمانہ تابعین میں فقہاء و سلف جیسے حضرات موجود تھے ورمغیر تابعین کے دور میں بھی قرآن و سنت کا علم تھا۔ عبداللہ بن عمر، ابن عباس، ابی بن محمد، جعفر صادق، مالک، امام باقی قاری، ابو یوسف، سعد سیماں بن داؤد اور اسماعیل بن جعفر سب کے سب مدینی ہیں۔

اس کے بعد امام ذہبی فرماتے ہیں کہ:

پھر ان کے بعد وہاں علم بہت کم ہو گیا اور بعد ازیں تو بالکل ہی ناپید ہو گیا۔

مدینہ طیبہ میں علم کب ناپید ہوا۔ یہ بھی امام ذہبی کی زبانی سن لیجئے۔

خصوصاً اس وقت جبکہ روافض کی ایک جماعت نے مدینہ میں ڈیرا لگالیا اور مدینہ پر ان کی حکومت ہو گئی۔ (۳)

امام عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں۔

السنة المتقدمة من اهل المدينة غير من الحديث۔ (۱)

مدینہ کی علمی وسعتوں کی اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں۔ کہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ میں قاضی ابوبکر بن حزم کو جمعہ سن کے کام پر مامور کیا اس وقت مدینہ میں علمی شخصیتیں موجود تھیں جن کے بارے میں امیر المومنین نے خصوصی ہدایات دی تھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں لکھا ہے کہ امیر المومنین نے لکھا تھا کہ وہ عمر و بنت عبدالرحمن اور قاسم بن محمد کے پاس جو علم ہے اسے قلم بند کر کے روانہ کیا جائے۔ اور ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے۔

كتب عمرو الى ابن حزم ان يكتب له احاديث عمرة۔

”عمر نے ابوبکر بن حزم کو عمرہ کی احادیث قلم بند کرنے کے لیے لکھا۔“

قاضی ابوبکر بن حزم مدینہ طیبہ میں اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں فقہائے بارے میں جس قدر اس کو علم تھا کسی کو نہ تھا بڑے عابد شب زندہ دار تھے۔ صرف قاضی ابوبکر نہیں بلکہ ان کے علاوہ مدینے ہی کے دوسرے اکابر کو بھی عمر بن عبدالعزیز نے یہ کام کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آرہی ہے یہاں تو میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مدینے میں علمی وسعتوں کی وجہ سے عمرے یہ حکم روانہ کیا تھا۔ بہر حال امام اعظم کے زمانہ طائب علمی تک مدینہ کا علمی جہاں مانا ہوا تھا اور امام اعظم کو فقہاء و سلف کی علمی بہاروں سے مستمع ہونے کا موقع ملا ہے کیونکہ فقہائے سلف میں سے قاسم بن محمد کی وفات ۱۱۲ھ میں ہوئی اور امام اعظم نے جنوں کا سلسلہ ۹۶ھ سے شروع کیا ہے۔ واضح رہے کہ امیر المومنین عمر نے تدوین حدیث کے لیے سرکلر ۱۰۰ھ میں جاری کیا تھا اور امام اعظم نے علم حدیث کے طالب علم کی حیثیت سے اسرار علمی کا آغاز ۱۰۵ھ میں کیا تھا۔

امام مالک کو مدینے کے علم پر اس قدر اعتماد تھا کہ ان کے نزدیک عمل اہل مدینہ

مستقل حجت ہے حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مدینہ اسلامی آبادیوں

(۱) بحوالہ ابن قتیبہ ج ۲ ص ۳۶ (۲) مصلی ثلث موطا ج ۱ ص ۷ (۳) اعلان بالتوح ص ۱۳۶

زیارت کا مسنون طریق یہ ہے کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آؤ قبلہ کی جانب سے اور پشت قبہ کی طرف کر کے چہرہ قبر کی طرف کرو اور یوں کہو اسلام علیک۔ الخ۔

مشہور محدث علی بن قاری لکھتے ہیں۔

اعلم ان زیارۃ قبۃ المرسلین باجماع المسلمین من اعظم الفرائض والمصلی الطاعات والصحیح الساعی لیل الدرجات قریبۃ من درجۃ الواجبات لمن له سعة وقوۃ غفلة وجھوۃ کبیرۃ۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مسلمانوں کے متفقہ فیصلے کے مطابق بہت بڑی قربت برسرِ گرین طاعت حصول درجات کی بہترین کوشش ہے بشرطیکہ اس کی محتاجات ہو اسے چھوڑنا غفلت ہے۔

بہر حال امام اعظمؒ حج کے موقع پر مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے اور امام مالک سے بھی ملاقات آپ کی ہوتی چنانچہ انھیں راسخ لکھنؤ امام مالک میں ہے کہ جب امام اعظمؒ سے مدینہ کی علمی حیثیت کے بارے میں دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا کہ میں نے اس بستی میں علم پھیل دیا کھرا ہوا دیکھ ہے اگر اسے کوئی سینے کا تو یہ سرخ و سپید رنگ کا لڑکا ہے یعنی امام مالک۔ (۲)

اس بستی میں جس میں علم پھیلا ہوا ہے امام اعظمؒ نے جن مشائخ حدیث لے سائے زانوئے ادب کیا ہے ان کی تفصیل تو اربابِ شہور ہے لیکن میں یہاں بطور نگار چند گرامی قدر ہستیوں کا تعارف بذریعہ ناظرین کرتا ہوں تاکہ اندازہ کرنے والے اندازہ کر سکیں۔

الحافظ ابو عبد اللہ نافع الحدیثؒ:

آپ علم حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت رافع بن خدیجؓ اور حضرت امام ابو ہریرہؓ کے شاگرد ہیں۔ اور آپ کے سامنے التفات السبلۃ، الاراسۃ لاحدث، امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام یوسف بن سعدؒ، قاضی ابو بکر بن

حزم اور امام زہری نے زانوئے ادب کیا ہے (۱)۔ حافظ عسقلانی نے آپ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ (۲) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی پورے تیس سال خدمت کی ہے۔ (۳) حضرت عبد اللہ امام نافع کو اپنے لیے اللہ سبحانہ کا انعام فرماتے تھے۔ (۴) ان کی عمر میں جدت قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کو بھی امیر المومنین عمر بن عبد العزیز نے اپنے زمانہ حکومت میں سنن کی تعلیم کے لیے سرکاری طور پر مقرر داند کیا تھا۔ (۵) سید الحفاظ امام یحییٰ بن معین سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ کے نزدیک نافع من اسن عمر اور سالم من اسن عمر کون سا طریق درہا ہے؟ تو آپ نے دونوں میں سے کسی ایک کو بھی راجح نہ بتایا۔ (۶) حافظ ابن الصلاح اور حاکم کے حوالہ سے حافظ محمد بن ابراہیم اوزیری نے امام بخاری کے حلق تو تنقیح الافکار میں حتمیہ دعویٰ کیا ہے کہ امام بخاری کی رائے ہے کہ جس قدر اسانید موجود ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح وہ سند سند ہے جو بخاری امام مالک از نافع ر عبد اللہ بن عمر آتا ہے بلکہ علامہ محمد بن اسماعیل الیہانی نے توضیح الافکار میں حافظ ابن الصلاح کی بیان فرمودہ قید اصح اسانید کلبا سے یہ بات پیدا کر لی ہے کہ ”کل مسد فی الدنیا“ یعنی دنیا میں جس قدر روایاتی اور تاریخی سلاسل موجود ہیں ان میں سب سے زیادہ معتبر نافع از ابن عمر ہے۔ حافظ ابی نے یونس بن یزید کی زبانی نقل کیا ہے کہ امام نافع کو امام زہری سے یہ شکایت تھی کہ زہری بھی عجیب شخص ہیں میرے پاس آتے ہیں اور بحوالہ اس عمر مجھ سے احادیث سنتے ہیں اور یہاں سے سالم بن عمر کے پاس جاتے ہیں اور ان سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا آپ نے اپنے والد سے یہ بات سنی ہے وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہاں۔ ان سے تصدیق کے بعد میری بیان کردہ حدیثوں کو ان کے نام سے پیش کرتے ہیں اور مجھے درمیان سے حذف کر دیتے ہیں۔ (۷) امام غزالی فرماتے ہیں نافع از ابن عمر میں سے ہیں ان کی امامت پر اتفاق ہے۔ (۸)

ازہر سے کے علاوہ امام مالک نے منوط میں امام محمد نے کتاب الآثار میں اور قاضی

ابو یوسف نے ان سے روایات کی تخریج کی ہے۔

(۱) اسحاق السبہاء ص ۲۹ (۲) تہذیب بن ۱۱ ص ۳۲ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۳

(۴) تہذیب بن ۱۱ ص ۳۲ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۴ (۶) تہذیب المعجزات ج ۱ ص ۳۳

(۷) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۴ (۸) تہذیب المعجزات ج ۱ ص ۱۰

عن ابی حنیفۃ عن مائع عن بن عمر قال یقل المحرم العارۃ والعفرب
والحدادۃ والکلب العفرب والحیات الالجان۔ (۱)

ابن عمر کہتے ہیں کہ "محرم" چوئے کچھ جیسے کتے اور سانپوں کو علاوہ سب
سے دانت ہے۔

امام محمد نے کتاب الاطعمہ میں یہ روایت درج کر کے لکھا ہے کہ وہ سب بد و ہر
قول اسی حسیفہ و رموح میں بھی امام موصوف سے یہ روایت خواہاں تک من نافع ل لفظ
میں پیش کی ہے۔

عن انس عمر بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال خمس من
الدواب لیس علی المحرم فی قتلہن جناح والعراب والعارۃ والعفرب
والحدادۃ والکلب العفرب۔ (۲)

یہ روایت بالکل اس ہی الفاظ سے ساتھ روایت کی موطا امام مالک میں بھی
موجود ہے اور امام بخاری نے اپنی تصنیف میں یہ روایت کا بحوالہ مالک عن مائع صرف اس قدر
صرح پیش فرمایا ہے۔

خمس من الدواب لیس علی المحرم فی قتلہن جناح۔

اور بخاری نے اس میں شائبہ اور مہم چار روایت نقل کی ہے اور پھر اسی کی تائید میں
امام محمد بن حنفیہ سے اس میں روایت کی ہے جس میں حدیث میں اس طرح نقل کی ہے۔

خمس من الدواب کلہن فاسق یقتلن فی الحرم۔

روایت میں راویوں کا تعبیری اختلاف:

یہاں عموماً یہ سب محرمات ہی جاتی ہیں کہ ان الفاظ میں محدثین کی معروف کتابوں
میں روایات ملتی ہیں امام مہم بن روایت میں وہ الفاظ نہیں جاتے۔ مگر حنفیہ سے اس
اختلاف کو دیکھتے ہیں تو متذکر جاتے ہیں اور متذکر جاتے ہیں کہ یہ روایت کی ہے اور حنفیہ جہاد بیان
کرتے والوں کو اپنا اپنا ہے۔ امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ

میں دس محرموں سے حدیث سن کر بہت ایک ہوتی مگر مکرر الفاظ مختلف ہوتے تھے
المعنی واحده و اللفظ مختلف۔ (۱)

حافظ ذہبی نے سفیان ثوری جیسے امام محدثین کا قول نقل کیا ہے کہ
ہم اس کا ارادہ کریں کہ جس طرح ہم نے حدیث سنی ہے بھینہ وہی تم کو سن دیں تو
شاید ہم ایک حدیث بھی بیان نہ کر سکیں۔ (۲)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سفیان ثوری کی حدیث میں روایت نقلی نہیں
ہے بلکہ معنی شیخ کے ہیں اور الفاظ اس کے۔ ابو حاتم جیسا امام تصریح کرتا ہے میں نے کسی محدث
کو نہیں دیکھا کہ وہ حدیث کو یک لفظ میں ادا کرتا ہو جو قبیلہ کے۔ حافظ جلال الدین سیوطی
فرماتے ہیں۔

وذلك ما در حدذا و اسما یوحده فی الاحادیث القصار علی لفظ ایضا
فان غالب الاحادیث روی بالمعنی۔ (۳)

روایت باللفظ سے بالکل نادر ہے۔ چھوٹی چھوٹی حدیثوں میں یہی بہت کم ہے
احادیث کا زیادہ حصہ روایت بالمعنی پر مشتمل ہے۔

شاید اسی بنا پر حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرمائیے۔

کناں اهتمام حمہور الرواف عبدالرواف بالمعنی بروس المعانی دون
الاعتبارات التی یحکم علیہا المعنفون۔ (۴)

عام راوی روایت بالمعنی کے وقت میں صرف معانی کا اہتمام کرتے تھے۔ ان
حیثیات کو پیش نظر نہ رکھتے جن کو متفق پسند ملحوظ رکھتے ہیں۔

اور اسی لیے روایات سے استدلال کرتے وقت صرف مدلول کا م پر نظر ہوتی ہے
اسلوب کلام سے کوئی استدلال نہیں ہو سکتا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

فاستدلوا لهم بحوال النقاء والواو والتقديم و تاحير هاتين الحالتين من التصحيح ()

اس لیے حدیث میں فاواو حرف کی تقدیم و تاخیر اور اس قسم کی چیزوں سے استدلال کرنا مبرا ترقی ہے۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ محدثین جب روایت بالمعنی کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ بقول حافظ سیوطی احادیث کا زیادہ ذخیرہ روایت بالمعنی ہی کی حیثیت رکھتا ہے تو ایسی صورت میں الفاظ سے اختلاف سے بدک کر کسی حدیث کا انکار کرنا فن حدیث کی کوئی خدمت نہیں ہے۔ بلکہ میں یہاں تک کہتا ہوں کہ محدثین کے یہاں جن روایات کو مرفوع کہا جاتا ہے وہ سب فقہاء کے یہاں سنن اور قوی کی شکل میں موجود تھیں۔ عین الامت شاہ ولی اللہ نے یہ بات لکھ کر سمجھنے والوں کے لیے کچھ اس طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ

اصل مدعہ فتاویٰ عبد اللہ بن مسعود و فصاہا علی و فتاواہ و قصاہا شریح۔ (۲)

ابو حنیفہ کے مذہب کی اساس عہدہ کے فتویٰ اور حضرت علی کے فیصلے ہیں۔

احادیث فقہ اور روایات حدیث:

اسی بیان محمد بن سہاب کا ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں بیان کی ہیں۔ (۳) یعنی فقہ کے وہ سارے مسائل جو امام صاحب کے شاگردوں نے اپنی کتابوں میں درج کیے ہیں ان سب کا مقام فتویٰ صحیح ہونے کی وجہ سے روایات حدیث کا ہے اور ان کا نام حدیث فقہ ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ازلیہ الخلفاء میں جس فقرہ کا پتہ دیا ہے کہ اس میں قاروق ماحی بن ابی طالب اور ابن مسعود کی روایات صحیحہ دون ہیں وہ فقہ کے سوا اور کون سا ہے بلکہ قرۃ العینین میں شاہ صاحب نے جو یہ بات لکھ دی ہے کہ

قرآن عظیم کے بعد اصل دین اور سرمایہ یقین علم حدیث ہے جیسا کہ خود قرآن میں ہے و بعلمہم الکتاب والحکمۃ و رحم حدیث جو کچھ بھی امت کے پاس موجود

ہے یہ ابو بکر و عمر کی گفتگو کا نتیجہ ہے یعنی جس جن برگوں نے ان دونوں سے حدیثیں روایت کی ہیں اور ان کے نام سے روایات بیان کی ہیں وہ صرف اسی قدر نہیں بلکہ وہ یہ ہے کہ مسندین کی مشرتا حدیث مرفوعہ ابو بکر و عمر کی حدیثیں ہیں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، اوس بن زید نے ان کی بیان کردہ روایات و مرفوعہ پیش کیا ہے و اہل مسند نے ان کے حال سے پیش نظر ان برگوں کے مسند میں جمع کر دی ہیں۔ یہ بات فن حدیث کے ماہر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ (۱)

تو اس سے بھی سبکی معلوم ہوتا ہے کہ یہ احادیث دراصل ان برگوں کے فتویٰ ہیں۔ احادیث فقہ اور روایات حدیث کے فرق پر یہاں بحث کرنا مقصود نہیں ہے صرف یہ بتانا ہے کہ روایات فقہ اپنے مصنفین سے متواتر ہیں جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے۔ (۲) تو پھر احادیث فقہ و احادیث حدیث میں بہت زیادہ فرق اور قلیل الہمیتان ہیں کیونکہ فقہ کے نام پر جو کچھ ہے وہ امام اعظم کا خود ساختہ نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے جو کچھ مقرر نے سنا اور حضرت

(۱) قرۃ العینین ص ۵۵ (۲) مسند ابن عمر سے قد سفل دانک سائر اصحابہ و ہم حلل کثیر بسفلوں مدعہ بالتواتر (ن ۴ ۵۷) امام اعظم سے مسائل فقہ بتواتر منقول ہیں حافظ ابن تیمیہ نے فیہ شرح المسند ص ۱۰۰ میں بیان کیا ہے کہ کتب فقہ و کتب حدیث میں فرق ہے اور اس بارے میں بھی اور ایسی ہی ہوئیں ہیں کہ روایات فقہ بالکل صحیح ہیں (تاریخ ابن تیمیہ ص ۵۸) اس کا واسطہ ایضاً فرماتے ہیں۔ معتقد تاجوں سے نقل کرنا درست اور اس پر ایمان رکھنا اس کے لیے ان کے مصنفین تک اتصال مد شرط نہیں ہے خود یہ کتابیں حدیث و سنن یا فقہی (تاریخ ص ۸۵) اسی بنا پر مدعہ سے متعلق و سے زیادہ قوی اور معتبر روایات حدیث میں برائے اور یہ فرماتے ہیں۔ اعلمہ ان القوی السریعہ و ارسلہ العلماء من احادیث ہذا النکت بوریہ مکی محدث اصحبت لامہ علی حور۔ (۳) فی النکت الصحیحۃ الی اعلمہ بعد سماعہا و یہ بھی بتا رہے ہیں کہ اس معاملہ میں حدیث و سنن کتابوں میں کوئی فرق نہیں ہے لافوق لیس ذکرہ من علمہ الحدیث و میں سائر عددہ لامعہ و مصنفات العلماء الاعلام (الروض الباسم ص ۱۶-۱۷) (۴) باقی صفحہ ۳۳۲ پر

سند کہتے ہیں۔ فیصل بن عیاض منصور بن ابی ایوب علقمہ بن عبد اللہ بن مسعود مقرر کرتے ہیں اور امام بخاری کے مشہور استاد عبد اللہ بن ابی بکر سفیان بن منصور بن ابی ایوب علقمہ بن عبد اللہ کی سند واقعی پایدار اور صحیح قرار دیتے ہیں اس طریق سے روایت کا آنا گویا ذات نبوت سے سننے کے مترادف ہے اور بھی علماء کے اس موضوع پر خیالات ہیں۔ (۱)

ایک لطیف نکتہ:

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میرے اہل بیت میں عمر بن عبد العزیز نے تدوین سنن کے کام پر رہائی کو بھی مقرر کیا تھا اس کی وجہ خود امام زہری کے بیان سے معلوم ہوتی ہے جو حافظ ابنی نے ان کے حوالے سے لکھا ہے کہ مجھے قاسم بن محمد نے کہا کہ میں تم کو علم کا دینا چاہتا ہوں کیا میں تم کو علم کا مزارعہ دے دوں یا تم کو علم کا مزارعہ دے دوں۔ فرمایا کہ ہاں۔ پھر عمرہ بنت عبد القیس کے پاس جاؤ کیونکہ یہ حضرات عائشہ کی غوش میں پرورش پائی ہیں۔ امام زہری کہتے ہیں کہ میں ان سے ملا ہوں میں نے ان کو علم کا دریائے ناپید اکتارہ پایا ہے۔ (۲)

عمرہ بنت عبد القیس اور قاسم بن محمد یہ دونوں حضرات عائشہ کے شاگردوں میں سے تھے۔

قاسم بن محمد کی شان علمی:

قاسم بن محمد تو حضرت عائشہ کے برادر زادے اور فقہائے سیدہ میں سے ہیں۔ امام بخاری نے ان کے متعلق تصریح کی ہے۔

قتل ابوہ لربہ بنیما فی حجر عائشہ ففقه بها۔ (۳)

ان کے والد قتل ہوئے۔ انہوں نے قیمی کا حجر حضرت عائشہ کی آغوش میں گزارا

اور ان سے علم حاصل کیا۔

قاسم بن محمد مدینہ طیبہ میں اپنے وقت کے بڑے عالم شمار کیے جاتے ہیں امام بخاری

میں سعید بخاری نے اپنی در اس دور کے دوسرے علماء کا ان کے بارے میں یہ تاثر بتایا ہے کہ

ہم نے اپنے زمانے میں مدینہ میں علم حاصل میں قاسم سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔ مشہور فقیہ حضرت ابو الزنادان کے متعلق فرماتے تھے۔

میں نے کسی نوجوان کو فقہ و سنت کا اتنا بڑا عالم اور اپنی طور پر نکتہ رس نہیں پایا جتنے قاسم بن محمد کو۔

خالد بن خازم اور ابن عیینہ کا متفقہ بیان ہے کہ

دنیا میں حدیث عائشہ کے سب سے بڑے عالم تین ہیں۔ قاسم عمروہ اور عمرہ۔

امام ابن کثیر نے مشہور امام احمد بن حنبلہ سے یہ بیان اور جن کو حضرت قاسم سے

شرف کلمہ حاصل ہے اور جن کے بارے میں عبد الرحمن بن مہدی کہتے ہیں پورے عراق میں ان سے زیادہ (ان کے سنت کوئی نہ تھا) وہ ان کے اپنے استاد کے بارے میں فرماتے ہیں۔

تمہیں آدمی ایسے ہیں کہ مجھے ان جیسا کوئی نہیں ملا۔ میں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ انہوں نے اکٹھے ہو کر علم افضل کو سینہ ہے عرف میں ابن سیرین حجاز میں قاسم بن محمد اور

شام میں رجاہ بن حیوہ۔

حافظ بوخیم صفہانی نے حلیۃ دیار میں شہداء قاسم بن علیہ کا علم کا عنوان قائم کرتے ان

کی علمی حیثیت کے بارے میں ان کے معاصرین کے جواہر نقل کیے ہیں ان کو کچھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

علوم میں قاسم بن محمد کو صرف فضل و وسعت حاصل نہ تھا بلکہ سند بھی نہ ان کو

خاص مجتہدانہ شان سے بھی نوازا تھا۔ الذہبی نے ابن عیینہ کی طرف نسبت کر کے ان کے متعلق

جوابات لکھی ہے کہ کان القاسم اعلم اہل زمانہ۔ تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے دور

کی بے مثال علمی شخصیت تھے ان کی حیثیت کا اندازہ خود ان کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ

زمانہ بویز و عمری سے عائشہ مسند قائم پر حاضر تھیں میں ان کے پاس ہی رہا۔

عبد اللہ بن عباس سے میں نے استفادہ کیا ابن عمر اور ابو ہریرہ کے علوم سے بہت

زیادہ سہرا پاب ہوا ہوں۔ (۱)

الغرض ان کی علمی جلالت اور شان امامت پر سب یک زبان ہیں۔

قاضی دیوبند سے کتاب الآثار میں حافظ طبرانی نے محمد بن عوف بن زریع سے اپنی مسند میں ان سے روایات لی ہیں۔

عن ابي حبيبه عن الزهري عن اسب ان النبي صلى الله عليه وسلم قال
من كذب على متعمدا القبوا مفقده من النار۔ (۱)

جو شخص مجھ سے جھوٹ بات کرے، اسے اپنے گھر سے نکال دو اور شیخنا یہ ہے۔
یہ روایت امام اعظم سے یحییٰ بن سعید کے حوالہ سے بھی روایت کی ہے۔ اس حدیث
موش و مشرہ اور متہ میں ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ شیخین امام احمد و ترمذی
سلفی و ابن ماجہ سے بھی۔ حضرت انسؓ، امام احمد، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ
سے بھی۔ امام ترمذی نے بحوالہ حضرت علی مرتضیٰؓ اور دیگر محدثین سے مختلف صحابہ
سے یہ روایت لی ہے حتیٰ کہ امام نوویؒ نے اس سے تواتر کا دعویٰ نقل کیا ہے۔ (۲)

اس کے علاوہ یہ روایت شیوخ جن کے سامنے امام اعظم نے رانوں کے کلمہ یہ
ہے۔ یہ ہیں ابو عبد اللہ محمد بن کثیرؒ ۱۲۰ھ، حافظ یحییٰ بن سعید الانصاریؒ ۱۲۰ھ
ابن ماجہ بن عوف بن زریعؒ ۱۲۰ھ، ابن ماجہ بن عوف بن زریعؒ ۱۲۰ھ، ابن ماجہ بن عوف بن زریعؒ ۱۲۰ھ
ابن ماجہ بن عوف بن زریعؒ ۱۲۰ھ، ابن ماجہ بن عوف بن زریعؒ ۱۲۰ھ، ابن ماجہ بن عوف بن زریعؒ ۱۲۰ھ
ابن ماجہ بن عوف بن زریعؒ ۱۲۰ھ، ابن ماجہ بن عوف بن زریعؒ ۱۲۰ھ، ابن ماجہ بن عوف بن زریعؒ ۱۲۰ھ
ابن ماجہ بن عوف بن زریعؒ ۱۲۰ھ، ابن ماجہ بن عوف بن زریعؒ ۱۲۰ھ، ابن ماجہ بن عوف بن زریعؒ ۱۲۰ھ

امام اعظمؒ نے امام مالکؒ سے روایت لی ہے:

یہ حدیث میں بھی ہے۔ امام مالکؒ کے شاگردوں میں حضرت امام
عمرہؒ بھی تھے۔ یہ روایت ہے کہ امام ابو سعیدؒ بھی امام مالکؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اس
موضوع پر تیس تیس نمائندہ میں حافظ سیوطی و بہت زیادہ اور معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے
میں انہوں نے چھوٹی کتابیں بھی فرمائی ہیں جن کی روشنی سے مشاہدہ فرماتے ہیں کہ

امام مالکؒ کے تلامذہ کا شمار قطنی نے کتاب البدیع میں ابن خلدون نے
مسند ابی حنیفہؒ میں اور خطیب بغدادی نے کتاب الرواۃ میں کیا ہے۔ (۱)
در اصل حافظ سیوطی نے قطنی اور خطیب بغدادی کی جن دو روایتوں کا حوالہ دیا ہے۔
یہ دونوں خوارزمی نقطہ نظر سے محدثین کے ایک مکمل گھر ہیں۔ دونوں روایتیں یہ ہیں۔

عن محمد بن مخزوم عن جده محمد بن طحاك ثنا عمران بن
عبد الرحمن ثنا بكار بن الحسن ثنا حماد بن ابی حبیبة عن ابی حبیبة
عن مالک بن انس عن عبد الله بن الفضل عن نافع بن جبير عن ابن
عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الایم احق بنفسها من ولہا
وانکونتم مرو وصمها ففرارها احرجه ابن الشاہین و الدارقطی۔
یہ روایت اپنی روایت سے اپنے ہی کی نسبت اور نوحوان سے دریافت یا
جائے اس کی خاموشی اقرار ہے۔

خطیب کی روایت یہ ہے۔

عن محمد بن علی الصلی الواسطی ثنا ابو زریعة احمد بن الحسن ثنا
علی بن محمد بن مہرویہ ثنا الحبر بن الصلت ثنا القاسم بن الحکم
لعرفی ثنا ابو حبیبة عن مالک عن نافع عن ابن عمر قال اتی کعب
بن مالک النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسالہ عن رایۃ کانت ترعی فی
عمہ فنجوت عنی ثمانی موت فدیعتھا محر فامر النبی بالکلہا۔

تو امام مالکؒ میں ہے کہ تین دفعہ حدیث میں ان مذکورہ بالا دو روایتوں کے علاوہ
کوئی حدیث نہیں ہے جس سے امام اعظمؒ امام مالکؒ سے کلمہ ثابت ہو لیکن ان دونوں کی تاریخی
حیثیت محدثین سے یہاں ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان دونوں روایتوں کی
روایتی حیثیت کو ملحوظ قرار دیتے ہوئے امت میں ابن الصلاحؒ میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ

ثم ثبت رواية ابي حنيفة عن مالك و انما اوردها الدار قطي له
الخطيب لو و ائتين وقعتا لهما باسنادين فيهما مقال۔

امام اعظم کی امام مالک سے روایت ثابت نہیں ہے وارقطی اور خطیب نے اس
بات کا دعویٰ ان دو روایتوں کی وجہ سے کیا ہے جن کی اسناد مکمل کلام ہے۔ (۱)

حافظ صاحب نے اس روایت کی اس سناد میں غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے اس
کی تفسیر یہ ہے کہ وارقطی کی روایت میں عمران بن محمد اسناد تیسرا دیا ہے۔ یہی شخص اس میں
کثرت میں نامور ہے۔ حاکم نے اس کی سند میں حفاظ میں اس کے حوالہ سے
اس کا نام لے کر یہ انکشاف کیا ہے۔

هو الذي وضع حديث ابي حنيفة عن مالك۔ (۲)

"یہی شخص ہے جس نے ابو حنیفہ از مالک کی حدیث بنائی ہے۔"

اصل روایت میں اس قدر تھی۔ اس میں ابی حنیفہ نے امام مالک سے سنا
اس نے اس میں ابو حنیفہ کا اپنی جانب سے اضافہ کر دیا۔ چنانچہ حافظ ابو عبد اللہ بن محمد
نے اپنے کتاب "تاریخ الامم و الاصل" میں اس کی سند اس طرح بیان کی ہے۔

حدثنا ابو محمد القاسم بن هارون مابكار بن الحسن الاصبهاني ثنا
حماد بن ابي حنيفة ثنا مالك بن انس الحديث۔ (۳)

یہ بھی اس کی تائید ہے۔ اصل سند میں عمران بن ابی حنیفہ نے مالک سے۔ ابو حنیفہ میں
مالک سے اس طرح مسند میں بھی سند اس طرح ہے۔ حافظ سیوطی نے اسی سلسلے میں مسند
ابی حنیفہ لابی انصاریہ کا بھی حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ثم وقعت على مسند ابي حنيفة لابي الغضائ الذي جمعه من خمسة
عشر مسندا وفيه من رواة ابي حنيفة عن مالك۔ (۴)

"مجھے مسند ابی حنیفہ بن الغضائ کا سوا ملا ہے اسے مؤلف نے پندرہ مسندوں سے جمع
کیا ہے اور اس میں ابو حنیفہ از مالک کی روایت ہے۔"

یہ مسند ابی حنیفہ دراصل جامع المسانید کا خلاصہ ہے جامع المسانید اب زیور طہامت
سے آ رہا ہے سوچنا کہ اس میں کتاب آثار کے حوالہ سے یہ روایت ضرور ہے۔ اسے امام محمد
بحوالہ امام عقیل من نافع من ابن عمر روایت کرتے ہیں۔ امام محمد نے اپنے مسند میں یہی
روایت بحوالہ مالک من نافع من ابن عمر پیش فرمائی ہے۔

اور ابی حنیفہ روایت خطیب کی ہے اس میں محمد بن الصلت و حاکم بن اس کے
عبد الملک بن عبد الملک ہذا یہ روایت اس روایت کی من محدثین کے تحت کی ہے اس کی تفصیل
علامہ غزالی نے دی ہے اس تمام روایت میں وہی طریق بھی ایسا نہیں ہے جس میں ابو حنیفہ
مالک سے سنا۔ اس میں اول تو محمد بن معمر و حاکم کا شمار ابی حنیفہ سے اور قاسم کے حوالہ
دور کے طریق میں حاکم امام محمد و قاسم ابی حنیفہ و حاکم ابی حنیفہ کے لیے اس کی
طریق میں ابو حنیفہ از مالک نہیں ہے۔ (۱)

اشتبہ کی روایت سے غلط فہمی:

یہ اور ترقی یافتہ اشتبہ کی روایت ہے ابی حنیفہ میں دو تہ ہیں کہ میں
نے امام ابو حنیفہ و امام مالک کے واسطے اس طرح ایضاً ہے جیسے بچہ اپنے والد سے۔ اشتبہ
کا یہ بیان بھی صحت و ایت کے مطابق نہیں ہے۔ امام اشتبہ کا بیان ہے کہ میں نے
اپنی بیوی سے سنا ہے کہ امام اعظم نے اس سے اس کی عمر صرف پانچ ماہ کی ہے اس
عمر میں ان کا منہ سے مدینہ جانا و امام ابو حنیفہ کو امام مالک کے سامنے ایضاً اس کی عقل پور
نہیں کرتی۔ کوثری لکھتے ہیں۔

امام ابی حنیفہ نے امام مالک سے سند میں جو قیدیوں یا سے صحیح نہیں ہے اس کے
امام ابو حنیفہ کے مسند کے واسطے اس کے متعلق یہ تو شاید درست ہے۔ امام اشتبہ کی
تاریخ میں اس کی تائید ہے۔ (۲)
حقیقات میں ہے

خود امام مالک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تھے اور اکرام میں یہ نہیں کرتے تھے۔ عمر میں بڑے تھے بلکہ اس سے کہ امام مالک کو امام اعظم کی نقابست اور مجتہد ان شاء اللہ قرار تھا۔ اور اتفاقاً تھا کہ آپ کے پاس میں امام اعظم کے کردار کی کاپی کو اپنے سینے فرموس کرتے تھے چنانچہ امام لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ

میں مدینہ میں امام مالک سے ملان سے میں نے دریافت کیا کہ یہ بات ہے۔ آپ اپنی پیشانی سے پسیر پوچھتے ہیں۔ فرمایا کہ ابو حنیفہ کے سامنے حق آوے گا تا ہوں کیونکہ وہ فقیہ ہیں۔ امام لیث کہتے ہیں کہ بعد ازیں میں امام ابو حنیفہ سے پاس گیا میں نے ان سے عرض کیا کہ امام مالک کی نظر میں آپ کا مقام بہت مد سے امام اعظم نے فرمایا کہ میں نے سچے اور کھ سے جواب میں مالک سے زیادہ دینا اور کھرا کوئی نہیں دیکھا۔ (۱)

الغرض امام مالک امام اعظم کے استاد نہیں چنانچہ حافظ جمال الدین امری نے تہذیب اہل میں اور امام ابی نے اپنی تصانیف میں امام اعظم کے مشائخ میں امام مالک کا ولی تذکرہ نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس حافظ عبد القادر قرشی نے الجوہر المفید میں علامہ نورانی نے جامع المسید میں اور حافظ ابن حجر نے امام صاحب کے تلامذہ میں شہرِ یاسین۔ اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ حضرت امام شافعی نے عبد العزیز بن محمد راوردی کے حوالے سے یہ انکشاف کیا ہے کہ

کان مالک بنظر اہل کتب اہی حنیفۃ وبتضع بہ۔ (۲)

امام مالک امام اعظم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور ان سے استفادہ فرماتے۔

بہرہ

مشہور اسلامی شہ جو تیسری صدی تک علوم اسلامیہ کا لبوادر رہا اور وسعت علم نشأت حدیث اور دوسری خوبیوں کے لحاظ سے اس کا ایک امتیازی مقام تھا۔ امام حاکم سے معرفت علوم الحدیث میں ہمارے کے اندر سکونت اختیار کرنے والے صحابہ کی ایک فہرست دی ہے

(۱) التعلیقات ج ۱۳

(۲) اقوام السالک ج ۲۲

اور یہی کتاب فی فوج ۳۹ میں حدیث امام نے مختلف شاخوں کے مندرجات کا ترجمہ کیا ہے جن کی حاشیہ پر عدد و ذکر ہوں حدیث میں فتویٰ یا جاسکتا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ حافظ حدیث کا بھی ایک طویل تذکرہ دیا ہے۔ تقریباً نصف صحت زیادہ حفاظ حدیث کے نام بتائے ہیں۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔

بہرہ میں حضرت یونس بن عیینہ، حضرت عمران بن حصیب، حضرت ابن عباس اور متعدد صحابہ آ کر فرد کس ہوئے ان میں سب سے آخری حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاصان کے بعد حسن بصری، ابن سیرین، ابو حنیفہ، قزوینی، یوسف بن یونس، یونس بن عیینہ، احمد بن محمد بن سنان، یونس بن سنان کے تلامذہ ہوئے ہیں۔

اس کے بعد امام ذہبی نے لکھا ہے۔

مازل هذا الشأن والقرالى راس لعمانه لثلاثة وناقص هذا الى ان ملائمتی۔ (۱)
بہرہ میں حدیث کی نشأت کا یہ عالم تھا کہ حافظ ذہبی نے تمام ابن سیرین کے تذکرے میں حافظ ابن الدینی کے حوالے سے لکھا ہے کہ

کان عند یحییٰ بن عمر بن حماد عشرة الاف حدیث۔ (۲)

بہرہ میں حدیث کی اس قدر روانی تھی کہ مسند وقت حافظ مسلم بن ہریرہ بصری کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں قلم بند ہیں اور بعد کا ہیں جو ہم سے سے اس میں سے تر کر نہیں گیا۔ (۳) امام مجتہدین میں سے امام حسن بصری کے سامنے اس کے محقق ابو اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم صدیقی سے سنا ہے کہ عراق میں حسن بصری جیرا وئی نہیں ہے۔ (۴) اور امام ابی بکر بن محمد بن یزید بن عوف فرمایا کہ امام حسن بصری کے سامنے اس کے محقق ابو اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے سنا ہے کہ ایک خواب کی تعبیر دریافت کرنے کے لیے اپنے ایک دوست کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

(۱) الاعلان بالتلویح بحوالہ الامصار ذوات الامار

(۲) کتاب الآثار ج ۳۹

(۳) تذکرۃ الحفاظ ترجمہ مسلم بن ابی اییم

لہ اور حلاً لرم للآخر من اسی حبیۃ قدہ علیا بحیی بن سعید و هشام بن عروہ و سعید بن ابی عروہ فقال لنا ابو حبیۃ انظر والجلول عند هؤلاء حیثا سمعہ۔

میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ حدیث سے وابستہ کوئی نہیں دیکھا ہے ایک بار کوہ میں یحیی بن سعید ہشام بن عروہ اور سعید بن عروہ تشریف لائے تو ہم سے امام صاحب سے فرمایا انھوں نے نصرت کے پاس کوئی حدیث ایسی سے جو ہم نہیں۔ (۱) اس کا مفہوم اس کے سوا دیکھا ہے کہ اگرچہ مستقل طور پر آپ تکمیل حدیث بھرنا مذہب کے اس تذو سے کر چکے تھے مگر تکمیل کے بعد سند میں پر جلد و فرور ہوئے تھے یکن کا دیکھا اور شیخ حدیث سے بھی استدواں سن نیاں سے کرتے تھے۔ ممکن ہے ان کے علمی سرمایہ میں وہ چیز ایسی ہو جو ہمیں معلوم نہ ہو امام اشعر بن محمد نے جو امام تیار ہیں اس سے ادا رہا ہوتا ہے کہ آپ کی یہ تلاش و جستجو ان ساتھ و فن حدیث تک ہوتی تھی ہونے روایت اور جمع حدیث میں مگر اسلام کے اندر شہرت علمی کے مدارج طے کر چکے تھے۔ اس کا صحیح اندازہ حافظ عبدالحزیز بن ابی رزمہ کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے جو حافظ (۲) حدیثی نے داؤد بن ابی العوام کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

عبدالحزیز بن ابی رزمہ سے ایک بار امام ابو حنیفہ نے علم کا تذکرہ چھینا اور اسی سلسلے

(۱) اجوبہ المسئلی لشیخ محمد تقی ج ۲ ص ۱۸۳ (۲) پر امام ابو عبد اللہ حدیثی بخاری سے اقتدا کر کے جمع کیا ہے امام ابو حنیفہ سے ان تھے اور انہوں نے اپنے والد ماجد امام ابو حنیفہ سے جو امام محمد سے سنا ہے امام حدیث کے یہ آپ نے حراسن عراق اور حجاز کے قصبہ شام کا سفر کیا تھا اور بہت سے شیوخ سے اس فن کی تحصیل کی تھی۔ حافظ سعدی نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ حراسن عراق اور حجاز کے راستہ سے علم حاصل کیا۔ حافظ عینی فرماتے ہیں کہ ستار کے قب سے مشہور ہیں اور علم حدیث میں معرفت کے مالک ہیں۔ سعدی نے مسامین الحدیث لکھا ہے۔ حافظ ابی نے قاسم بن صفیہ کے ترجمہ میں اس کا تذکرہ انھوں میں کیا ہے ماوا انہم کے علم حدیث کا ماوا انہم حدیث حوالہ تیار کے قب سے مشہور ہیں۔ ان کی تاریخ وفات ۳۳۵ھ ہے۔

میں یہ بھی بتایا کہ ایک بار کوہ میں محدث آئے تو امام ابو حنیفہ اپنے صحاب سے فرماتے کہ انھوں نے ان کے پاس حدیث میں وہی ایسی چیز سے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ عبدالحزیز فرماتے ہیں دوبارہ ایک اور محدث انار سے پاس آئے آپ نے پھر اپنے اصحاب سے یہی فرمایا۔ (۱)

حافظ ابن ابی العوام قاضی مصر نے امام ابو یوسف کے حوالہ سے امام اعظم کی دستور یہ کا ضابطہ یہ بتایا ہے کہ

امام اعظم کے سامنے جب وہی بھی مسند ایش آتا تو اپنے اصحاب سے سب سے پہلے یہ فرماتے تھا اس موضوع پر احادیث و آثار کیا کہتی ہیں۔ (۲)

ان تصریحات سے ایک معقول فہم آتی ہے کہ امام اعظم نے امام صاحب سے حدیث کے اور سرمایہ و تاریخ مسند کے فقیر شان دانے کے مالک تھے بدین مقام و پرفاخر ہونے اور باوجود تمام علمی پندہ یوں کے آپ رشادات کے حویار رہتے تھے۔ اور اپنے اصحاب کو ہر نوادر محدث کے علوم سے خوش یحییٰ کی تربیت فرماتے تھے اور اس دعوے کے ساتھ فرماتے کہ انھوں نے ان کے پاس کوئی حدیث ہو جو ہمیں معلوم نہ ہو۔ اس سے اس طلب دستور کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو قدرت و کائنات کے امام صاحب میں وہیت فرمانی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات آری و اپنے زمانے میں تمام احادیث کے یہ جس کا تعلق اہل علم و فقہ و رجسٹرا سے مرزئی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ مشہور مورخ حمید بغدادی حافظ اسرائیل بن یونس کے حوالہ سے رقمطراز ہیں۔

نعم الرجل نعمان ما کان احفظہ لکل حدیث فیہ فقہ۔ (۳)

گویا وقت کے حافظ حدیث اس معاش میں امام اعظم کے علمی حوالہ ۵۰۰۵۰۵ تھے اور صف اسرائیل بن یونس کی نہیں جلد یگانہ وریکے امام صاحب کے بارے میں یہی تاثر رکھتے تھے حافظ محمد بن یوسف صاحب شافعی موصوف السیرۃ مہری اپنی مشہور کتاب فتوح الجہان میں رقمطراز ہیں۔

حدیث سے مشہور ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے زمانے پر عمل کیا ہے۔ حالانکہ ان میں سے بعض نے اپنے زمانے کے احکامات کو اپنا کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ روایتِ باطل کو قبول کر لیا ہے۔ روایتِ مستور جو محدثین سے پہلے قبول کی گئی تھی اسے بھی قبول کر لیا ہے۔ اور نئی روایت کی شریعت کے خلاف اس کی تصحیح کی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے زمانے کے احکامات کو اپنا کر لیا ہے۔ حالانکہ ان میں سے بعض نے اپنے زمانے کے احکامات کو اپنا کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ روایتِ باطل کو قبول کر لیا ہے۔ روایتِ مستور جو محدثین سے پہلے قبول کی گئی تھی اسے بھی قبول کر لیا ہے۔ اور نئی روایت کی شریعت کے خلاف اس کی تصحیح کی ہے۔

صاحبِ فہم نے ان روایات کو مستور کر دیا ہے۔ روایتِ جمہور کے نزدیک قبول کیوں نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے زمانے کے احکامات کو اپنا کر لیا ہے۔

اختلافِ عصر و زمان:

اگرچہ ہماری رائے میں یہ مسئلہ اختلافِ عصر و زمان سے تعلق رکھتا ہے جن کے زمانے میں موثر ہے۔ میں حدیثِ غائبہ سے مستور کر دیتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے زمانے کے احکامات کو اپنا کر لیا ہے۔

ولاشک ان الغالب علی جمیعہ اعمہ السوی فی ذلک الزمان لعدالہ اسی لیے موصوف نے الخصائص المرضیہ اور تنقیح الاکار میں اور امیر بن ابی یونس نے تہذیب الفہم میں سے یہ روایات درج کیں ہیں۔ ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے زمانے کے احکامات کو اپنا کر لیا ہے۔ اصل ہے یا فسخ؟ اور اگر عدل ہی اصل ہے تو پھر عدالت کا کیا ہے؟

حافظ ابن تیمیہ نے عدالت کو بھی اختلافِ عصر و زمان کا مسئلہ قرار دیا ہے جیسا کہ الجواز میں نے ان سے نقل کیا ہے۔ ان کا پہلا فقرہ ہی یہ ہے۔

العدل فی کل زمان ومکان وقوم بحسبہ۔
الغرض یہ موضوع بڑا عظیم ہے۔ جو سو فی صد اتفاق ہے۔ ان کے لیے عدالت شرط ہے۔ اور ہر زمانے میں عدالت ہے۔ عدالت میں سے عدالت کا حکم نہ ہواں میں بعد ان بات یہی ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے زمانے کے احکامات کو اپنا کر لیا ہے۔ غالب ہو تو اس کی روایت قابلِ اعتماد ہوگی۔ فخر الاسلام لکھتے ہیں۔

لان العدالة اصل فی ذلک الزمان۔ (۱)
امامِ اعظم کا زمانہ عدالت کا زمانہ ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری فرماتے ہیں۔

یہ یہ بے غبار حقیقت ہے کہ امامِ اعظم میں راویوں پر عدالت غائب تھی۔ اس کی شہادت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون ہے۔ حصار القرون قونی ثم اللہین بلوہم ثم اللہین بلوہم۔ (۲)

امامِ اعظم کی ضعفاء سے روایت ان کی تعدیل ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے ان میں سے ہر ایک نے اپنے زمانے کے احکامات کو اپنا کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ روایتِ باطل کو قبول کر لیا ہے۔ روایتِ مستور جو محدثین سے پہلے قبول کی گئی تھی اسے بھی قبول کر لیا ہے۔ اور نئی روایت کی شریعت کے خلاف اس کی تصحیح کی ہے۔

(۱) المرضی الباسم۔ ج ۱ ص ۱۶۲
(۲) مقدمۃ فتح الباری

ضعیف روایت سے جس کا راقی تصدیق تو ہیکر ملاحظہ فرمادیں اس سے ہر
ماں نہ ہو روایت کے رفق یا ستار میں ملاحظہ ہو۔ یہی وہ حدیث ہے جس سے ہمارے میں
حکماء کے خیالات مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض کا مدار راوی کا حافظہ ہے اس لیے امام اعظم کا
ضعفاء سے روایت لینا فتنہ آشنائی نہیں بلکہ فتنہ کار ہونے کی دلیل ہے۔

بات سمجھو اراقی میں تمہیں سے آپ کی کہ امام اعظم صرف فقہ حدیث سے
امام نہیں مگر امام ارجح و اتمد میں بھی ہیں۔ یہ ہے جس راویوں سے امام اعظم روایت کرتے
ہیں یہ راویوں کی قدیل سے جو میں آئے ان کے ہاں سے کہ امام موصوف سے ہے علم
نہایت ان میں سے وہ جس میں حرج نہ ہو اختلاف یہ ہے تو یہ سن ہوئی اور فی الواقع نہیں
سے جس حدیث سے ماہر قیادت کی جیسا کہ دیا جاتا ہے۔ حافظ محمد بن ابی نعیم اور یہ ہے سے ار
محول کر سمجھا دیا ہے۔

جس راویوں سے امام اعظم نے روایات لی ہیں اور ان میں سے جن کی تصدیق
کی ہے ان کا ضعف اتنا ہی ہے اور ان سے ہمارے میں امام اعظم کا مسلک یہ ہے
کہ یہ ضعیف نہیں ہیں اس لیے ان سے روایت میں کوئی قباحت نہیں اور اس
معدے میں امام اعظم مذکور نہیں ہیں امام سے محدثین کا بھی طریق عمل چھریا ہی سے
اور امام بخاری کا مسلک بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ امام محمد بن حدیث
میں حدیث ثانی سے اس وقت نہیں ہے۔ مگر اس سے باوجود وہ ضعیف راویوں
سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ (۱)

مذکورہ امام بخاری بھی یہ حضرات سے روایت کرتے ہیں جن کی توثیق تصدیق
ہو۔ حدیث کے راویین اتفاقی ہے۔ حسن بن عمرو۔ حوالہ سے صحیح بخاری کی کتاب
المنقب میں حدیث موجود ہے۔ حالانکہ عاتقہ والوں نے بتایا ہے کہ

اطفوا علیٰ ہرکہ (۲)

ایک اور راوی اسید بن الحمال ہیں۔ ان سے امام بخاری نے کتاب الرقاق میں
ایک حدیث روایت کی ہے مگر ان کا حال یہ ہے کہ سنی متوفات کرتے ہیں۔ انکی بن معین سے
ان پر جھوٹی حدیثیں بنانے کی تہمت لگائی ہے۔ حافظ ابن حبان کا دعویٰ ہے کہ یہ نہ صرف
من کی کہ لگاتار حدیث کی چوری بھی کرتا ہے حتیٰ کہ مقدمہ میں ملاحظہ اس شخص بخاری نے
صاف لکھ دیا ہے۔

لم ار لاحد لوثبقا۔ (۱)

اور امام مسلم اپنی صحیح میں یث بن سیر جب ضعیف راویوں سے حدیث لیتے ہیں۔
اس میں پر یا کوئی قتل مند امام بخاری اور امام احمد رحمہ اللہ حدیث سے کہ ہر دورنا شاہ کی
کہہ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ انصاف۔ انصاف۔

اور احوال سے اس پہلو پر بھی غور فرمایا ہے۔ امام اعظم کے یہاں قسطنطین کے حد
اصل چیز سنت سے اور مسائل کے اثبات سے یہ دوستی نہ ہر استعمال کرتے ہیں۔ اور سنت
ہی وہ احادیث کی صحت کا معیار قرار دیتے ہیں اور جو حدیث سنت کے خلاف ہو اسے وہ شام
قرآنیت میں چنانچہ امام ابو یوسف ایک مقدمہ پر اس معیار کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں۔

احادیث میں بہتات ہو رہی ہے اور انکی روایات نمایاں ہو رہی ہیں جو نہ معروف
ہیں نہ ان کو فقہاء جانتے ہیں اور نہ وہ قرآن و سنت کے موافق ہیں اس لیے ایسی
شہادہ روایات سے حق راویوں کی حدیثیں مبرا نہیں کی جاسکتی پر توفیق ملیں تاکہ یہ
ہو جو فقہاء کے یہاں معروف ہوں اور جو کتاب و سنت کے موافق ہوں۔ (۲)

ضعیف روایات کا درجہ شواہد اور توابع کا ہے:

اگر ایک مسئلہ امام اعظم کے یہاں سنت سے اس دور میں ثابت ہے جب کہ امام
ابن کی تصدیق سے مطابق اسنن مشہور و قوی حدیث معلوم ہو۔ اس میں معاملہ میں تو یہ
حدیث کی توثیق امام اعظم کے یہاں صرف توفیق و توفیق سے حاصل ہوگی۔ یہ دور
فرماتے ہیں۔

امام اعظم کے بعد اوقات روایات میں سب کا رد شدہ، مگر وہاں سے روایت ہوتی ہے۔
 اس مسئلہ کوئی عمدہ ثابت یا قیاس سے ثابت ہے۔ اس مسئلہ کو اصل سے لینے
 کے روایات و بیرونی شواہد پیش فرمادے۔ یہی طرز عمل امام صاحب رحمہ اللہ نے اپنی
 امام موصوفی نے عمدہ طریقہ میں اتالی الخوارزمی نے روایت سے استدلال کیا
 ہے۔ حافظ ابن عساکر میں قیاس ہے کہ ہر حدیث کا ترجمہ ہونا کافی ہے۔
 ایک ہی عام شہد سے جو حدیث سے قیاس کے واسطے بنی میثاق سے روایت کی ہے
 وہ حدیث موصوفی سے جو امام ابن ابی شیبہ سے روایت کی ہے کہ اس روایت کے
 مقدمے میں مجھے کچھ مدد ہے۔ حدیث میں یہ روایت۔ امام سفیان ثوری نے بعض
 قیاس کے واسطے میں یہ فیصلہ یا قیاس سے روایت نہ کی جو کہ اور جب اس
 سے پہلے کیا کہ اس قیاس سے روایت جتنی ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے حدیث کی
 اس سے روایت بتا دی کہ اس سے میں خود واقف ہوں۔ امام مسلم بن الحجاج کو امام
 ابن عساکر کا وہ اسناد ان طریقے سے روایت ہے۔ سند صحیح سند سے روایت جتنی ہے
 یہ اس بات کا حوالہ دیتے ہیں کہ ہم حدیث کے فن کاروں کا مصلحتاً سے روایت لینا
 نا آشنائے فن ہونے کی نہیں بلکہ امام فن ہونے کی علامت ہے۔ (۱)

مطلب یہ ہے کہ جو حدیث میں امام اعظم نے روایت کی ہے۔ فن کارانہ ہے۔ وہ خود
 امام حدیث کی تائید سے روایت کی ہے۔ قیاس و قیاس میں قیاس کی زبان قیاس کی غیر
 اور ان کے روایت کرنے والے ہیں۔ اس کا کچھ بن اور یہ روایت کی بات فرماتے ہیں۔
 امام اعظم اس فن کے مشہور محدث ہیں۔ اس سے قیاس اتنی بات ہے کہ امام سید
 امام سے بعد آپ نے حدیث میں پہلے جتنی قوت نہ تھی اور آخر میں حدیث میں
 قوت نہ رہی۔ امام اعظم کی مصیبت میں ہے اس میں اور سے امام صاحب
 اعظم سے شیبہ میں یہ نہ کوئی مصیبت ہے اور اس کی شان حجتاً اور محمد تاج محمد پر
 ان قیاس سے۔ امام ابن عساکر کی قیاس و قیاس اور امام اعظم کے مقابلے میں

امام ابن عساکر نے امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔
 یہ مطلب کہ اس سے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔
 جن محدثین کے کلام سے اس حدیث میں قوت حفظ ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔
 ان کے علم حدیث اور اجتہاد پر حرف گیری ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے
 کہ امام ابن عساکر کے مقدمے میں اس حدیث کا ترجمہ ہونا کافی ہے۔ (۱)
 قیاس نہ رہا یہ مصیبت ہے کہ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔
 ہر روایت سے زیادہ حافظ حدیث کون ہو گا لیکن صحابہ میں اعلم افتد اور افضل حضرت
 ابو ہریرہ نہ تھے۔ (۲)

حافظ حدیث اس قیاس سے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔
 امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔

حفظ بن عباس اور امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔
 بے شک حافظ حدیث ہیں اور تمام امت میں علی الاطلاق حافظ ہیں حدیث کو جیسے سنا
 بیان کر دیا ان کی ساری تک و دو کا مرکز صرف حفظ روایات تھا۔ بر خلاف حضرت ابن
 عباس کے کہ ان کی تمام تر ہمت حفظ اور استنباط مسائل پر مرکوز تھی۔ (۳)

(۱) اس سے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔
 قیاس نہ تھی اس پر ہے۔ موصوفی نے تحقیق میں امام اعظم کے واسطے سے روایت کی ہے۔
 چنانچہ جتنی حدیث امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔
 روایت کے مطابق ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔
 امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔
 امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ امام ابن عساکر نے روایت کی ہے۔

تیس سال کتاب سے زیادہ اور تیس سال سے کم بیان کرتے چلے گئے اور اسے عبدالرحمن نے ان دونوں کی طرف منسوب کر دیا۔ (۱)

حاشیہ: اس کے بیان سے یہ بات واضح ہوئی کہ امام بخاری کی کتاب نام ہزارہ اور امام ابو حاتم کے ساتھ آٹھ سو تین سو ان برسوں میں حاکم نے یہ گوارا نہیں کیا کہ ان کے ہاں ملے ہوئے اس میں باہر کا دست نگرارت۔ انہوں نے کسی ڈھنگ اور اسی اسلوب پر حدیث کی روایت کی ایک مستقل کتاب املاء برائے جو مصنفات کے سرمایہ میں امام بخاری کی کتاب سے زیادہ ہے۔ اسی کتاب کا نام الجرح والتعديل ہے۔ امام ذہبی رقمطراز ہیں۔

کند فی الجرح والتعديل بعضی له بالرتبة العليا فی الحفظ۔ (۲)

بہر حال امام بخاری غلطی سے ورنہ بھی محفوظ نہیں ہے اور غلط اور غلطی سے فن حسانی پر وئی طرف نہیں۔

نہ یہ بات تو غلط تھی۔ مشہور امام اعظم کے ساتھ کے متعلق ہو رہی تھی۔ اور درمیان میں یہ بات آگئی تھی کہ کہنے والے کہتے ہیں کہ

❖ امام اعظم نے کجائیل سے روایت کی ہے۔

❖ امام اعظم نے ضعیف سے روایت کی ہے۔

❖ امام اعظم کے حافظ میں قوت نہ رہی تھی۔

اس سے امام اعظم کا علم حدیث میں وئی مقدار نہیں ہے۔ اس کی دسات اور ہو جس کو دور کرنے کی میں نے ان صفحات میں کوشش کی ہے۔

تذکرۃ الحفاظ میں امام اعظم کے مشائخ:

سید ابی امام نے مشائخ میں اس کا ہر ایک ظہور ال لیے جن کو حافظ ابن ابی نے حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔

۱-	ابوبکر بن ابی شیبہ اور اسحاق بن	مقداد	۳۱ھ
۲-	انکم بن حمید ابو محمد الکوفی		۳۲ھ
۳-	ربیعہ بن عبدالرحمن		۳۶ھ
۴-	ربیعہ بن ابی لہیعہ		۳۷ھ
۵-	سالم بن عبد اللہ	مقداد	۱۰۶ھ
۶-	شیبہ بن عبد الرحمن ابو حاتم	مقداد	۱۰۷ھ
۷-	حاکم بن حیان ابو عبد الرحمن یزیدی	مقداد	۱۰۶ھ
۸-	حاکم بن اشعث ابو عبد الرحمن ابی		۱۰۷ھ
۹-	عبد اللہ بن ابی یوسف عبد الرحمن	مقداد	۱۰۷ھ
۱۰-	عبد اللہ بن ابی یوسف	مقداد	۱۰۷ھ
۱۱-	عبد الملک بن عمیر	مقداد	۱۰۷ھ
۱۲-	عطاء بن ابی رباح		۱۰۷ھ
۱۳-	عطاء بن یسار		۱۰۷ھ
۱۴-	عمر بن محمد بن حبان		۱۰۷ھ
۱۵-	عمر بن ابی رباح ابو محمد	مقداد	۱۰۷ھ
۱۶-	عمر بن عبد اللہ ابو اسحاق		۱۰۷ھ
۱۷-	عطاء بن محمد بن عبد الرحمن	مقداد	۱۰۷ھ
۱۸-	قیس بن عمار		۱۰۷ھ
۱۹-	مبارک بن فضالہ اللخثی		۱۰۷ھ
۲۰-	محمد بن مندر ابو عبد اللہ قرظی		۱۰۷ھ
۲۱-	مسلم بن قدام ابو اسحاق	مقداد	۱۰۷ھ

۲۲	محمد بن مسلم بن شہاب الزہری	۱۲۳ھ
۲۳	مسعود بن معتمر بن شہاب الزہری	۱۳۲ھ
۲۴	یوسف بن یزید بن زکریا	۱۳۵ھ
۲۵	ابن یزید بن زکریا	۱۳۶ھ
۲۶	ابن یزید بن زکریا	۱۳۷ھ

یہ وہ حفاظ حدیث ہیں جن کے تراجم حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھے ہیں۔

تذکرۃ الامام اعظم

یہ کتاب یا تصنیف محدثوں میں سے ایک ہے جو ائمہ اربعہ میں سے ایک میں سے ہے۔ یہ محدثوں کے ہاں ایک حدیث کا تذکرہ ہے جس میں لکھے ہیں۔

هذه تذكرة باسماء معدلي حملة العلم النبوي ومن يرجع الي اجتهادهم في التوثيق والتضعيف والتصحيح والترييف۔

یہ ان عالمان علم نبوی کا تذکرہ ہے جن کی بارگاہ علم سے راویان حدیث کو ثقاہت اور عدالت کا سرٹیفکیٹ ملتا ہے اور جن کی رائے راویوں کے ثقہ ہونے ضعیف ہونے کھرا ہونے اور کھوتا ہونے میں فیصلہ کن ہے۔

حافظ صاحب نے اس کتاب میں یہ اصول پیش نظر رکھا ہے اور اس کتاب میں کسی ایسے شخص کا تذکرہ نہیں کیا جس میں سے کوئی حدیث صحیحہ نہ ہو۔ یہ محدثوں کے ہاں ایک حدیث کا تذکرہ ہے جس میں لکھے ہیں۔

انه قليل الحديث فلهدا لم اذكره في الحفاظ۔ (۱)

”یہ قلیل الحدیث ہیں اسی لیے میں نے ان کا حفاظ میں تذکرہ نہیں کیا۔“

ای طرح امام ذہبی نے اس کتاب میں ان لوگوں کا بھی تذکرہ نہیں کیا جو ائمہ اربعہ کا حفاظ حدیث تھے مگر اس کتاب حدیث کی بارگاہ میں متروک اور ایہ خیال کیے جاتے تھے چنانچہ ہشام بن محمد مکی کے بارے میں جو بہت بڑے محدث اور حفاظ تھے لکھتے ہیں۔

هشام بن محمد الكشي الحافظ أحد المتروكين ليس بعه فلهذا لم

ادخله في حفاظ الحديث۔ (۱)

”یہ متروک ہیں حدیث میں کی لیے میں نے ان کو حدیث کے حفاظ میں داخل نہیں کیا۔“

ان تصریحات سے آپ کے سامنے یہ نتائج خود بخود آ جائیں گے۔

(الف) امام اعظم سے تمام ائمہ و انصار حدیث میں سے ہیں جن کی حیثیت صرف محدثوں میں سے نہیں بلکہ ان محدثوں کے ہاں ایک حدیث کا تذکرہ ہے جس میں لکھے ہیں۔

(ب) یہ قلیل الحدیث نہیں بلکہ حدیث میں ہیں۔ اگر یہ قلیل الحدیث ہوتے تو پھر امام ذہبی ان کا ذکر نہ کرتے۔

(ج) یہ وہ حفاظ ہیں جس کا مقام امام حدیث میں اقبالی اور استدلالی سے ائمہ اربعہ سے زیادہ ہے۔ امام اعظم کی تذکرۃ الحفاظ کے احکم سے خالی ہوتا ہے اور اگر یہ طرف ان تصریحات سے امام اعظم کے ساتھ تعلق یہ ثابت ہو رہا ہے تو دوسری طرف خود امام اعظم کے بارے میں بھی یہ حقائق بے غائب ہو کر سامنے آ گئے۔

امام اعظم کا حفاظ حدیث میں مقام:

انہی حقیقت سے اور حقیقت سے جوئی یا ہے بعد امام اعظم کا ترجمہ تذکرۃ الحفاظ میں موجود ہے تو پھر امام ذہبی کے اصول کے مطابق امام اعظم کی ذات تراوی اور باب حدیث کے احکم سے خالی ہوتا ہے جس کی رائے پر راویوں کی ثقاہت عدالت اور صداقت کا فیصلہ ہوتا ہے اور یہ صرف نظر نہیں ہے بلکہ عمل کی دنیا میں امام ذہبی نے سے واقعہ

و طلب العترة فيه سنة - (١)

حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ

سنا، حادی کی تلاش سلف کی سنت سے کیونکہ اصحاب ان مسطوروں سے مدینہ جات تھے، حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) ایٹ و عظمت عمرؓ سے سنتے تھے۔ (۲)

(7) _____

ماحول کے مسائل سے متعلق ہر ماہ کی حدیث سے استفادہ کیا جائے جو صحیح مسلم میں موجود ہے۔

بہت رفاقت میں رہیں حضور اور علیؑ ہند علیہ وسلم سے سہاقت و
جہت۔ حتیٰ میں یہ بات جس بھی معلوم ہوئی تھی کہ کوئی یہی ولی فقیہ ہے اور آپ سے
پوچھنے اور عرض چہ چہ یہ درایہ جس آید ہوں گویا ہوا۔

تو کہیں آپ کا قصہ سنا اس نے آپ کی جانب سے بتایا
تو کہ آپ کو خدا کی خبر نے رسول بتایا ہے۔

میں یہ تمہیں ہے، باقی میں بندہ رسولوں۔

— 100 —

حضور الوری۔ اللہ سبحانہ نے۔

نوا روز:- اور زمین کے نے بنائی؟

— 1944 —

نوراد:- آسمان وزمین اور پہاڑوں میں منافع کس نے رکھے؟

— — — — — 7

دو دروازے:-
 اچھا بتائیے آپ کو اس اللہ کی قسم جس نے آسمان و زمین اور پہاڑ

بتائے کیا آپ وہی نے رسول بتایا ہے؟

(۱) تقریب ص ۱۸۲ (۲) تقریب الروی ص ۱۸۳ (۳) تقریب ص ۱۸۴

حضور انور:- ہاں۔

نو وارد:- آپ کے قاصد نے بتایا ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض

?

حضور انور:- میرے قاصد نے ٹھیک بتایا ہے۔

نور اللہ: آپ کوں واسات کی قبر جس نے آپ کو رسوں بتایا ہے کیا آپ کو

اللہ نے اس کا قصہ کیا؟

مضمون: نور - باب

نور و - تم کے قاصد نے بتا دے کہ تمہارے ماں میں صدقہ ورنی

7

1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 26

آب و هوا و زمین و آتش و گیاه و جانور و انسان و ملک و دولت و...

تاریخ: ۱۳۹۷/۰۵/۰۵

اپنی زبان سے یہ کہتا ہے

.....

اپنے قصہ کے تیار ہے کہ ہم پر سناں کر سکیں ایک دوسرے

1990

حضور انور:- ہاں بھیک ہے۔

نوردار:- آپ کو آپ کے رواتہ کرنے والے کی قسم کیا آپ کو روزہ کا اس

نے علم پایا؟

مفسر، انور۔ ہاں مجھے رازہ کی نظم یاد ہے۔

لودار:- آپ کے قاصد نے بتایا ہے کہ بشرط استطاعت حج فرض ہے۔

حضوراً نور:- ہاں ٹھیک ہے۔

نوروارو :- آپ کو روانہ کرنے والے کی قسم کیا آپ کو اسی نے حج کا علم دیا

(ب) حدیث کی معتد کتابوں میں سے کسی سے قرب حاصل ہو۔ حافظ عسقلانی نے اس کی چار صورتیں بتائی ہیں۔ موافقت بدل مساوات اور مصالحت۔

(ن) یہ کہ طوہر سب کی روایت کی ہو تہا تقدم موثق اور دوسری سبوں اور روایوں کی تعداد برابر ہی کیوں نہ ہو۔

(د) یہ کہ ایک راوی حدیث سننے میں دوسرے راوی سے پہلے ہو دونوں نے ایک حدیث ایک ہی استاد سے سنی ہو مگر ایک نے پہلے دوسرے نے بعد میں سنی ہو۔

اصل حقیقتی تو یہی ہے کہ قسموں میں اس راوی کو صرف نسبی و اضافی ہے۔ ان پر قسموں میں سے امام و محدث ان سے معرفت ہو امام حدیث میں پہلی قسم و جس میں کسی شہور حدیث سے قرب حاصل و رتق و ازیوت۔ حافظ صاحب الدین سیوطی سے ان مشہور حدیث شریف و روایتی بابہ عشرین جرت اور شعبہ کے نام کتاب میں (۱) و الجواز فی نے امام حاکم کے حوالے سے یہ ضابطہ لکھا ہے کہ

کل اسناد بقرب من الامام المذكور منه فاذا صححت الرواية الى

فالک الامام بالعدد البسر لانه عالی۔ (۲)

منا، جس میں امام و محدث کے قرب و چاہے جب حدیث کے روایت میں امام سے روایت صحیح ہو جائے تو جس بھی استاد عالی ہے۔

اس کے بعد اسی ضابطہ کی مثال میں یہ روایت پیش کی ہے۔

حدثنا علی بن الفضل حدثنا الحسن بن عرفة حدثنا هشيم بن يوسف بن عبيد

عن مافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مطلق العنى طم۔ (۳)

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

یہ صحیح ہے۔ یہ حدیث امام و محدث میں سے ہے۔ اس سند میں حضورؐ اور تک رسالت راوی ہیں۔ اور اس کے عالی ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ بشیر امام حدیث سے قرب ثابت۔ (۴)

(۱) تدریب الراوی ص ۳۶۳ (۲) توجیہ النظر للجواز (۳) توجیہ النظر للجواز

مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ جس سے قرب سے محدثین سے یہاں اسناد عالی ہوتی ہے اور جس طو پر ان کو قرب ہے ان کا حال یہ ہے۔ ان میں بیشتر امام عظیم سے ملکہ ہیں۔

دور کیوں جاتے ہوئیں امام بشیر بن بشر بن کے قرب سے یہ اسناد عالی ہوتی ہے امام عظیم کے مشہور کتابہ میں سے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے تاریخ میں امام عظیم کے قریب میں جن

اثر حدیث سے بارے میں تہتہ ن ہے۔ دو حدیث میں امام عظیم کے کتابہ ہیں۔ اس میں ان کا نام بھی ہے۔ یہ بہت بڑے حافظ حدیث تھے امام ابی نے ان کو ایضاً حدیث میں لکھا ہے۔ بشیر بن بشر کے انہوں نے تافین سے امام حدیث حاصل کیا مثلاً امام ابو

حنیفہ امام عمر ابن الدینار اور زبیری۔ حضرت ابن عمر ابن عباس کے قریب سے ان کی نظر وسیع تھی۔ اس میں جلیل السج اور حمید و زبیری ہوتی تھی جب وہ لا الہ الا اللہ شہداء و نور تبار

سے ان کی آواز بلند ہو جاتی۔ حافظ شیعہ خدا کے واسطے تھے ان کے واسطے میں قیام تھے۔ واسطے میں قاضی وقت حافظ بوشیہ ابراہیم (۱) بن حسان کے اس میں پابندی سے حاضر ہوتے

(۱) ابوبکر بن عثمان ابوشیرار چار مرتبہ اقدس ہے ان کو زبیری تیروں سے ان کی طرہ تھی یا ہے

لیس لیکن بن معین نے یہ میں داروں کی طرف مست ہے یہ نشانف بھی یا ہے۔ یہ ایک سے یاد اپنے رہا ہے میں حال ہوتی تھا۔ حافظ صفحہ فی بیعتے ہیں۔ یہ یہ روایت سے ان وقت مکی تھے حدود

واسطے میں فکر قدم مقرر تھے۔ اس حدیث میں ہیں۔ حدیث حدیث (تہذیب ص ۳۴) یہ وہی حق السیامی ولید بن مسلم زید بن ابی بکر زید بن ابی بن محمد اور اپنے ماموں حکم بن شہب کے شاگرد

ہیں۔ اس حدیث و رجال سے ان کو خواہ پتہ ہو کہ یہ واقعہ ہے۔ یہ ان کا تہذیبی سے روایوں میں سے ہیں کی بنا پر حافظ صفحہ فی نے اس میں امام عظیم کے واسطے یا ہذا حدیث تہذیب

میں یا تہذیب میں جن کوں کا تہذیب دواماً سے موقوفوں و مخالف مقبولوں و امام قوم ساء جمعہ و لم یطر حوا و اعاقرہ برکوا و حبر ہوا۔ حافظ صاحب نے قریب میں

ان کو متروک حدیث کہہ کر طبقہ سابقہ میں شامل کیا ہے۔ درحقیقت ہے۔ متروک حافظ صاحب سے تھے ہیں من لم یوثق الہ و ضعف مع دلک فزوج (ص ۳) حوالہ ص ۳۶۴

وہی قصص و کہانیاں کہتے تھے۔ ایک بار شمعو یار ہو گئے اور انھیں درس میں حاضر نہ ہوئے و
شیدہ و فکر ہوئی انہوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یار ہو گئے اپنے شاگردوں سے کہ چلو شمعو کی
عمیادت کو چھینیں۔ تمام اہل مجلس کھڑے ہو گئے اور قاضی صاحب کے ساتھ شمعو کی عیادت کو
نے وہ شیعہ کے گھر پہنچے۔ جب قاضی صاحب فرض عیادت سے فارغ ہو کر اپنے شاگردوں
سے ساتھ چلے تو شیعہ نے اپ بے سے کہا میں انہیں طلب حدیث سے روکتا تھا لیکن آج

[illegible]

سے اپنی مرمت دینا پڑی تھی۔ قاضی و شیر جیسا شخص اور میرے دربار سے پرتا ہے۔ (۱)
 واضح رہے کہ واسطہ میں امام عظیمہ کے ساتھ وہیں سے صرف شیم نہیں بلکہ کرداری کے صرف
 واسطہ میں امام عظیمہ کے جو تازہ ہاتھ ہیں ان کی قدر تھیں ہے ان میں سے ایک امام شیم
 ہیں۔ امام محمد بن فضل پانچ سال تک ان کے اس حدیث میں شریک رہے اور ان حدیث میں
 عبور حاصل کیا۔

امام اعظمؒ کی ثنائیات:

امام بخاری نے اپنے نو تالیفی میں لکھا کہ ان کو بارہ بڑے تابعین سے حدیث پڑھتے تھے۔
موت بعد سے۔ چنانچہ ان کو بارہ تابعی سے حدیث پڑھ کر امام بخاری نے ان کی روایت کو
تایید کیا۔ ہوا اکسر منبج لاماء اسی حلقہ۔ امام محمد بن یحییٰ بن فرات ہیں۔ امام بخاری
کے پاس روایت کی۔ اپنی کتابوں میں سے یہ ہے۔ کہ وہ ان سے مسائل پوچھتے تھے۔
اصحابہ منو اہروں کا۔ یہ سب بہت تھے۔ نو امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ
سب کو پایا ہے۔ یہ بھی امام بخاری نے ان کے اسلام میں مشہور تالیفی عطاء بن ابی رباح سے
محقق کرتے ہیں کہ اکسر منبج حلقہ عطاء بن ابی رباح۔ امام عظیم کے سب سے بڑے
استاد ہیں۔ ان کے یہ احادیث کے حد امام عظیم کی مرویات میں ثانیات کا درجہ ہے۔ ان کا
حدیثیں جو آپ نے تابعین سے سنی ہیں۔ روایت میں سے ہی ہے۔ امام مالک چونکہ تالیفی
نہیں ہے اس لیے ان کی مرویات میں سب سے عالی مرویات ثانیات ہی ہیں۔

امام محمد کی کتاب آثار میں ثلاثی روایات حسب ذیل اسانید سے آئی ہیں۔

- ۱- ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- ۲- ابو حنیفہ عن یوسف عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- ۳- ابو حنیفہ عن عبد اللہ بن ابی سعید قال سمعت اباہما قال قال رسول اللہ
- ۴- ابو حنیفہ عن عبد الرحمن بن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- ۵- ابو حنیفہ عن عطیہ عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱- در صورتی که یک نفر از اعضای هیئت مدیره یا مدیر عامل، به موجب این اساسنامه مجاز باشد تا برای شرکت در جلسات هیئت مدیره و یا برای انجام کارهای هیئت مدیره، نماینده خود را تعیین نماید.
 ۲- هرگاه یکی از اعضا، به موجب این اساسنامه مجاز باشد تا برای شرکت در جلسات هیئت مدیره و یا برای انجام کارهای هیئت مدیره، نماینده خود را تعیین نماید.
 ۳- هرگاه یکی از اعضا، به موجب این اساسنامه مجاز باشد تا برای شرکت در جلسات هیئت مدیره و یا برای انجام کارهای هیئت مدیره، نماینده خود را تعیین نماید.

امام اعظمؒ کی زبانیات:

[illegible]

حدثنا سويد بن سعد قال حدثنا مروان الضراري عن أبي مالك
سعد بن طارق عن أبيه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم
يقول من قال له الا الا الله وكفر بما كان يعد من دين الله حرم ماله و
دمه وحسابه على الله۔

اور امامِ نساکی کی رباعیات میں۔

حضرت حمید خان صاحب نے جو کتب تصنیف فرمائی ہیں جو روایات نبوت سے
میں بہت کم ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب ہے جو روایات نبوت سے
جو روایات نبوت سے ایک کتاب ہے جو روایات نبوت سے۔

أبو حمزة عن حماد عن إبراهيم عن الأسود بن يزيد عن عمر بن الخطاب -

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن عقلمة عن عبد الله الخ.

[illegible]

یہ ثابت میں، مہربان باقی کے لئے حواس ہر دلی میں۔ ثبات و ثبات
تو ان کے یہاں ایک عام درجہ کی حیثیت رہتی ہیں۔

تاریخ تدوین حدیث:

اپنی پہچان کے لیے میں حدیث کا حق سنت کا نام لے گا کہ سنت یہ حدیث پر
 جس اور نام سے ہیں۔ یہ حدیث کا نام ہے کہ حدیث کا نام ہے۔
 تذکرے میں لکھا ہے۔

تختِ محدث میں یہ سید ہا تھا کہ بہت مرحوموں میں تھا اور اس تختِ کراچی ہے۔

تھے۔ ان باتوں کے رہنے میں حدیث کی صورت میں بھی۔ ان باتوں کے رہنے۔
تاریخ میں، اور حدیث میں رہنے میں حدیث کی صورت میں کہہ سکتے
تھے۔ ان کے بعد حدیث کے بارے میں غریب اور حدیث کے اندر
لے تصانیف کیوں اور تشریحات کا دور شروع ہو گیا۔ (۱)

س کا مطلب یہ ہے کہ سچے اور سچے ہیں کے روئے ملک حدیثیں اس سرکاری پور
جسے ہاں قرار اعلیٰ علم میں نہیں چہرہ دولت فرمائی جاتی تھی۔ اور یہ روئے ملک ان طرح تو
عدیہ میں مل ساری ساری میں قسٹ میں سے یہ بن جلدی ملتا ہے، نو کتاب امیر و پ
رہتے تھے اور انہی کوئی حدیثیں ہوں۔ تھے۔ ایک طرح کی جہل تھی کی جہل
تھی کوئی میں موثر ہے میں محتج کا سلی واروہ رسی ذکی اور ہائی یا دشت تھی۔ اس قدر
چاہے کے ساتھ و دولت کوئی تھی۔ حکومت جہ جیسے کہ اس وقت ہاں یاں میں تھی
روائی یاں اور پناچہ ایک باضرت و من اسمری کے روئے تھے یہ۔ یہ تھے
ش اس کے جاتی ہوں اور یہ حفوظا کا حفظہ ہائی یاں۔ جیسے کہ روائی

کی ہیں۔ (۲)

اور جس نے خواہتا ہیں ہمیں، اس کی طرف برکتیں اس قدر متوجہ ہو گئے کہ مدین
تباہ نہ ہو پھوڑ پھوٹے۔ بعد میں مدین تباہ کی چیز کی آمیزش نہ ہوا بلکہ یہ
کہہ کر آپ نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ (۱)

یہاں بھی کتابیں اور افتاء کا جامہ دلی حدیثوں اور ماہرین سے حوالہ دیتے ہوئے بیان میں بیان ہوا اس پر تفصیلی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

جمع قرآن اور صحابہ:

۱۔ رسول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت آپ لوگوں سے بیٹوں میں حب
رہن سے ملتی تھی کہ رونے سے دلچسپی تھی۔ یہ تھا۔ ماموں نے بی بی زینہؓ میں۔
حضور ورسلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں قرآن تالی تھی میں حب اس ہے۔
تھا کہ ہمہ وقت حضور نورؐ کو سمجھا رہی تھی کہ یہ ہے اللہ
خلافت راشدہ کے کیا۔ (۲)

حافظ یحییٰ مینتے ہیں کہ کتاب صورت میں نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کتاب خاص کتابی شکل میں ایک جگہ ترتیب سے مرتب نہ تھا کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ

فد كان القرآن كتب كله فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم
لكن غير مجموع فى موضع واحد ولا مرتب السور۔ (۳)

۱۔ اصل قرآن و تبارخ سے قصہ دہانت قرآن پر جو اہل عقل و صورت تک پہنچے
 ۲۔ یہ قسم دہانتی ہیں۔ اہل زمانہ ہوتا ہوا۔ صدیق و درویش سوم زمانہ میں رہا۔
 ۳۔ موت میں قرآن کا یہ طریقہ کہ وہ سورتوں میں ترتیب تھی۔ زمانہ صدیق میں
 ۴۔ وقت غصہ سے تہ قرآن کو بھی یا کیا جس سے یہ یقین ثابت ہوا مقرر یا حکمت پریدہ
 ۵۔ رحمت الہی تھی کہ صرف ربانی یا داشت کے بارے میں قرآن وضع کیا جائے۔ جب تک آیت
 نہ آئے والا کسی ہوئی آیت نہ سناوے۔ علامہ ابو شامہ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے۔

وكان عرصهم لا تحبب إلا من ماكب من بني السلي لا من مجرد اللقط. (١٠)

(۱) مقدمہ تخریج الموالیک ص ۴ (۲،۴) الاتفاقان فی علوم القرآن ص ۵۸

بلکہ حضرت ابو بکر نے زید اور عمر سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ،

من جاء بشاهدين على كتاب الله فأكلاه (١)

علامہ ابو عبد اللہ الزنجانی نے تاریخ القرآن میں اس شہادت کا پس منظر بتایا ہے۔

کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ

۱۲. اے اللہ! میری زندگی میں جو کچھ ہو گیا ہے اس پر تیرا حکم ہے۔

اس طرح قرآن عزیز نے ادراک میں کتابی صورت اختیار کی زمام زہری سے حفاظ

سید علی نے الامتقان فی علوم القرآن میں نقل کیا ہے۔

جمع على عهد ابي بكر في الورق۔

اور حضرت سالم بن عبد اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

جمع ابو بکرؓ فی قراطیس۔

یہ مطلب یہ ہے کہ آپ ہرگز نہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ

نہیں بلکہ عیسائیوں کو ان کی نیکیوں کی وجہ سے چھوڑنے پر آمادہ کرنے کی کوششیں کرتے رہے۔

[illegible]

میں ہنڈے، برف میں انڈے، فرائی ہوئی صورت میں رہا، تیری محبت میں رہا۔

قوتِ نیکوئی و محبت سے جو کچھ ہو سکے، رملک میں چھپا دیا۔

توہم سے کہیں نہ ہوں، تو میں نے کہا کہ تم کو یہ سب کچھ

Journal of Management Inquiry 18(6)

— 24 —

1. *Journal of Management Studies*, 1990, 27, 1, 1-14.

Journal of Management Education 30(6)

جامع القرآن کا حضرت عثمان غنیؓ کے لیے لقب:

یہ ایک بہت بڑا وقت ہے کہ کتابیں قلمی مشورہ کیوں نہ ہوں

(۲) تاریخ الاسلام سیاسی ج ۲ ص ۴۸۷

(١) الامتحان في علوم القرآن

تواتر کا علم الاسناد کے مباحث سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ملاحظہ اللہ فرماتے ہیں۔

ان التواتر ليس من مباحث علم الاسناد۔

بلکہ اس سے بھی آگے قدم بڑھا کر مولانا بحر العلوم نے یہ انکشاف کیا ہے۔

التواتر كالمشاهدة في المادة العلم۔ (۱)

حافظ ابن حزم نے اس موقع پر یہ تفصیلی بیان قدم بند فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں اسلام کا علمی سرمایہ جو نبوت سے امت کو ملا ہے صرف یہ ہے۔

قرآن انہاریں رمضان کے روزے حج اور زکوٰۃ اور سارے اسلامی شریعہ۔ یہ سب بطور تواتر متفق ہو کر امت کو ملے۔ اس کو بیاں کرنے والے اور پیش کرنے والے ہمیشہ رانہ نبوت سے مشرق و مغرب میں اس قدر موزوں ہیں کہ ان پر کوئی بھی شک نہیں کر سکتا۔ نقل عام جیسے آیات و مخبرات جو خندق اور نبوت میں نمایاں ہوئے۔ نظام حج اور مقدار زکوٰۃ و نبوت سے نقل کرنے والے اتنی تعداد میں ہوئے ہیں اور ہمیشہ رہے ہیں کہ ہر دور کے علماء اور اہل تحقیق نے اسے قبول کیا ہے اسے مشہور کہتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادات صحابہ سے ٹھیکے اور تابعین کے فتویٰ یہ امت کو خبر واحد کے ذریعے معلوم ہوئے ہیں ان سے نقل کرنے والے ذات نبوت تک ثقہ اور معتبر اشخاص ہیں۔ ان کا نام و نسب معلوم اور ہر ایک کا حال زمانہ مکان اور عدالت معروف ہے اس طریق سے جو معلومات آئی ہیں ان میں بیان کرنے والے متعدد موتے ہیں گاؤں و خطہ بواسطہ اور نام بنام بات ذات نبوت تک پہنچتی ہے کبھی صحابہ تک اور کبھی کسی ایسے تابعی تک جسے صحابہ کی دید کا شرف حاصل ہوا ہو۔ (۲)

اس ساری تفصیل کو ہم اپنے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ سارا علمی سرمایہ جو امت کو نبوت سے ورثہ میں تواتر اشیرت اور واحد کے ذریعے ملا ہے۔ یہ قرآن سنت حدیث۔

قرآن و سنت دونوں تواتر ہیں فوق صرف یہ ہے۔ یہ قرآن و سنت دونوں علمی اور سنت ہوتا ہے۔ قرآن و سنت کی تاریخ جس حدیث سے ہم پہلی سے مشفق ہو، حدیث نبوی و حدیث صحابہ حدیث ہے۔ حافظ سیوطی نے حدیث کی یہ تعریف کی ہے۔

مغل السنة و نحوها و اسناد ذالك الى من عزى اليه تحديث او اخبار او غير ذالك۔ (۱)

فرمان خلافت میں حدیث عمر کا اضافہ:

حضرت عمر بن عبد العزیز کے فرمان میں حدیث عمر کا اضافہ یہ سمجھانے کے لیے کیا گیا ہے کہ پورے اسلام کی تاریخ نبوت اور خلافت کے محکمہ کا نام ہے جیسا کہ اس کے تعلق پانچ اشعار پہلے ہو چکے ہیں۔ حدیث عمر کے ساتھ اس فرمان میں اکوڑ کا اضافہ پورے پانچ خلافت کی طرح رسائی کر رہا ہے۔ مولانا عبد فی مصلحتی نے تعلق اکوڑ میں اس کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

من احادیث بقية الخلفاء۔ (۲)

اسلام میں خلفائے راشدین کی سنت:

یہاں انہوں میں ایک خاص محسوس ہوتی ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت دین میں حجت اور دلیل نہیں ہے کیونکہ امام بخاری نے احادیث عمر بن عبد العزیز کے فرمان میں یہ بات صراحت بتائی ہے۔ چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں۔

وكتب عمر بن عبد العزيز الى ابي بكر بن حزم انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه لي فاني خشيت دروس العلم و دهاب العمماء ولا يعل الا حديث النبي صلى الله عليه وسلم وليعلموا وليعلموا حتى يعلم من لا يعلم فان العلم لا يهدك حتى يكون صواباً۔ (۳)

یہ سب سے پہلے واقعہ اس پوری عبارت و عمر بن محمد العزیز کی عبارت قصور
یا کیا ہے؟ اس میں اس عبارت سے نفی و احاطہ اعلیٰ تک ہے۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی نے مستخرج
میں اس کی تصریح کی ہے اور "القیل" سے عام بخاری کی پٹی عبارت شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ
حافظ ابن کثیر نے رقمطراز ہے۔

فاد کں کد الک ہکوں ہدامں کلام الحارۃ اور دہ عقب کلام
عمر بن عبد العزیز بعد انتہائے (۱)

اس نکتہ پر ہے کہ عبارت مذکورہ بعد جب اس فرماں کی سند پیش کی تو تصریح کر دی کہ یہ تعلق صرف ذہاب العلماء تک ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

حدثنا العلاء بن عبد الجبار حدثنا عبد العزيز بن مسلم عن عبد الله بن
دينار بن الكلب يعني حديث عمر بن عبد العزيز الى قوله ذهاب
لعنماء (٢)

علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ

والمقصود منه ان العلاء روى كلام عمر بن عبدالعزيز الى قوله
دهاب العلماء فقط. (٣)

اس لیے اس سے یہ قیدہ کا نام فرماں میں حدیث رسول کے ہوا چھو اور بھٹنے سے
مٹ گیا یہ قیدیہ تکین طوفانی ہے۔ اس موضوع پر تمہارا امت کی حیثیت سے یہ طے شدہ
پاکستانی میں سے جیسا کہ اسے پہچنے پڑے ہیں کہ خلافت راشدہ کی حیثیت میں اس میں معیار حق
اور امت و اصل و اصل ہے۔ اسلام میں سنت کا حلقہ جوت اور خلیفہ مسیحہ دونوں کے افعال پر ہوا
ہے۔ قرآن میں یہ بات و امت اور ارشادات جوت میں صراحت آئی ہے۔ قرآنی آیات آپ
پسے پڑتے ہیں۔ اس لیے حاکم ہی موضوع پر ارشادات جوت بھی گوش گزار فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع الدین صاحب مدظلہ العالی نے اس کتاب کو تصدیق فرمایا ہے۔

(١) عمدة القاري ج ١ ص ١٣٠ (٢) مجمع بتقاري (٣) عمدة القاري ج ١ ص ١٣٠

فعلیکم سنتی وسنة الحنفاء لراشدین المحدثین عصرا علیہا
 بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة۔ (۱)
 تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم جانو اس کو باتوں سے بچو۔
 نئی نئی باتوں سے بچ کر رہو یا درکنہ کہ ہر نئی بات بدعت ہے۔
 ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں ارقم فرماتے ہیں:

اس لیے کہ خلفائے راشدین نے اراصل آپ ہی کی سنت پر عمل کیا ہے اور ان کی طرف سنت کی نسبت یا تو اس لیے ہوئی کہ انہوں نے اس پر عمل کیا اور یا اس لیے کہ انہوں نے خود قیاس اور استنباط کر کے اس کو اختیار کیا۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین نے جو کام اپنے مظلوم و قیاس اور اجتہاد و استنباط سے بکھو کر اختیار کیا ہے وہ بھی سنت ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے تحت امت کو اس کے تسلیم کرنے سے بھی چارہ نہیں ہے۔

بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت صرف وہی سونگتی تھی جو
 بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو اور جو چیز آپ سے مروی نہ ہو اور خلفائے
 راشدین میں سے کسی نے اس پر عمل کیا ہو یا اس کے متعلق حکم دیا ہو تو وہ سنت نہ ہے کی
 چنانچہ مشہور عالم امیر ایمانی محمد بن اسماعیل کہتے ہیں:

تو ہر شے سے معلوم ہوا ہے۔ بخیر و شر و فی ایسا ہی مقدار ان کے فائق ہیں۔

ہے جس پر حضور انور صلی اللہ علیہ و

لیکن یہ تحقیقی بات نہیں ہے کیونکہ

خلفاء کی سنت ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں۔ وہ حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے ہو یا نہ ہو، اہل حق ہو اور اس سے دور بھی نہ ہو۔ یہ وہ جو علم انہوں نے اپنے قیاس و اجتہاد سے جاری کیا ہے وہ بھی سنت ہے۔ حدیث یہ ایک بین الحقیقت ہے۔ یہ حدیث کی قیاس و استنباط آ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تقویٰ نہیں ہے۔ یہ اصل مقیاس حدیث تقویٰ ہے۔

(۱) مشرقی عام نیٹ ورک ۹۲ (۲) مرقاۃ مصنفیۃ نیٹ ورک (۳) ایل عام نیٹ ورک

دیکھتے ہیں کہ اسناد صحیحہ و علم کے واسطے اور احکام کے شرعی و پائیدار ہیں یا نہیں۔
اسی کی وجہ سے یہ بات نہیں کہ احکام کے واسطے ہی وہ اس کی وجہ سے یہ بھی سنت
سے احکامات ہی آتے ہیں۔

جلد البیہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعین و ابوبکر اربعین و عمر ثمانین
و کل سنة۔ (۱)

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان کا بھی ذکر کیا ہے۔

واتمھا عثمان ثمانین و کل سنة۔ (۲)

روایت صحیح مسلم کی جس سے صحیح ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں یا جاسکتا
ہو کہ اسے احکامات ہی میں راشدین میں جو سنت اور بدعت کے مفہوم کو بخوبی جانتے ہیں اور
ان میں اختلاف نہ ہو احکامات عثمان کے اس فعل و بھی وہ سنت ہی سمجھتے ہیں جو بقیہ حضور انور صلی
اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف ہے چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں:

هذا دليل ان عليا كان معظما لانار عمر وان حكمه وقوله سنة وامره
حق وكذا لك ابوبكر۔ (۳)

اسی بنا پر حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ:

قول للشحس حجة ولا التعلا بحور العدول عنه وان اتعاق الانمة
الاربعة ايضا حجة۔ (۴)

ابوبکر و عمر و عثمان و علی سے جب انہوں نے اتفاق ہو جائے تو اس سے ہٹنا جائز نہیں ہے۔
حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں

عمل اهل المدينة لدى بحج به ما كان في زمن الخلفاء الراشدين۔ (۵)
اہل مدینہ کا وہ عمل حجت ہے جو زمانہ خلفائے راشدین میں ہوا ہو۔

(۱) صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۰ (۲) مفرد صحیح حدیث ص ۸۱ (۳) شرح مسلم ج ۲ ص ۲۷۰
(۴) منهاج التاج ص ۱۶۲ (۵) زاد المعاد ج ۱ ص ۱۶۸

یہ تصدیقات تاریخی ہیں کہ امام کا چار گوشہ بات اور مخالفت کے ملے جاتے۔
خیر یہ بات تو حدیث سنت میں فرق بتاتا ہے یہ حدیث آئینی سے بتا رہا تھا کہ ایسے لوگوں میں
عمر بن عبد العزیز نے قدس سرہ حدیث کا حکم تمام اطراف مملکت میں روایات میں مدینہ سے
قاضی ابو بکر مسلمہ کی امام کا وہاں ہونے میں امام بھی پیش میں امام کا وہاں ہونا
ہے۔ کہ چہ تاریخ میں امام نافع کے بارے میں وہی سنت تصدیق میں سے ثابت ہو
ہاتوں کو ملا لیں کہ آپ نے یہ حکم تمام اطراف مملکت میں روانہ کیا تھا۔

اور ساتھ ہی امام نافع کے بارے میں امام ذہبی کی یہ تصریح بھی پڑھیں کہ:

بعث عمرو بن عبد العزیز مافعالی اهل مصر ليعلمهم السنن۔

عمر نے حضرت نافع کو مصر والوں کے لیے معلم سنن بنا کر روانہ فرمایا۔

تو پھر یہ یقین آجاتا ہے کہ امام نافع وہی امام ہیں یہ حکم نہ صرف چار گوشہ اور انہوں
نے بھی اس حکم کی تعمیل میں نہ صرف وہی امام نافع ہی ہوں گے بلکہ وہاں کے مشہور قاضی
میون بن مہران کو بھی اسی میں داخل کرتا ہوں۔

ابن تیمیہ تصدیقات سے ہمیں یہ نتیجہ پڑھتے ہیں کہ (۱) جو سے اس حدیث تک حدیث
کے نام پر میرے ہاتھ نہیں لے اس فرمان کے نتیجے میں یہ بھی مراد یہ منصف مشہور پڑا ہے۔

۱۔ کتاب قاضی ابوبکر بن عمر۔

۲۔ دفتار امام زہری۔

۳۔ ابواب امام قسطلانی۔

۴۔ کتاب السنن امام کھول۔

۵۔ کتاب الصدقات امام سالم۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے ۲۵ رجب ۱۵۱ھ و رحلت فرمائی۔ آپ کی مدت
خلافت کل دوساں پانچ ماہ تھی۔ یہ تصانیف کی روایت کی جاگرتیں۔ سنی۔ ان تصانیف کو بھی آئے
ان کے ساتھ دیکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ نے صرف ان حدیث کے موضوع پر
تو کتاب میں منصف مکتفیت پہنچیں۔

نسمع له ازبوا کاریز المرجل

کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ اور اب ان کی جگہ وہ آ رہے ہیں جنہوں نے مجال جس میں تردد نہیں کیا۔ اس لیے ہم نے مداحین و مدحیوں اور علمائے کرام کو جاکر پوچھا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس میں ان سے کچھ اور کچھ بڑے بڑے و تقریر کرنے والے حضرات نے مدح میں اس حدیث کو الفاظ میں ظاہر فرمایا۔

خلیت دروس العلم و دھاب العلماء

حضرت عمرؓ کو قاریوں کے اور عمر ثانیؓ کو علماء کے اٹھ جانے کا یکساں اندیشہ ہوا۔ دونوں نے تاثرات ایک قرار میں رکھ کر فرمایا کہ آپ و محسنوں کو کمال دینا یہی ہی روح کام کر رہی ہے۔

تدوین حدیث کی اولیت کا شرف:

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے تدوین حدیث کا جو حکم دیا اور جن میں اس نے اس حکم کی تعمیل میں کام کیا اس کی داستان تو آپؐ پر چھ چکے ہیں۔

اس میں قاضی باہر کے مدد و مدد میں بھی ہیں چونکہ یہ چاروں محرمات میں سے ہیں اس لیے یہ ایک کتاب حدیث کی تدوین سے پہلے اس موضوع پر اس کے تدوین کا نام دیا گیا ہے۔ اس کا نام تدوین ہے۔ تدوین میں مراد یہ ہے کہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو قاضی ابوبکر کے نام امام بخاری نے درج کیا ہے لکھا ہے:

يستفاد منه ابتداء تلويح الحديث (۱)

طریقہ عثمانی نے بھی شرح حدیث میں اس کی تائید کی ہے۔ اس سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ مددوں میں ہیں یعنی یہ مدد قاضی صاحب کا نام دیا ہے۔ اوہام پر نہیں آیا اس لیے اس کا نام تدوین میں درج نہیں کیا۔ تہذیب القلوب میں امام مالک سے متعلق ہے کہ اس میں سے ان تالیفوں کے بارے میں قاضی صاحب نے صراحتاً کہا ہے کہ عبد الرحمن بن ابی بکر

سے دریافت کیا تو اسوں سے جواب آیا کہ ضابطہ نہیں۔ اس لیے یہ حدیث عثمانی سے تہذیب القلوب میں عثمانی مدین سیوطی نے امیر و تہذیب میں اور امام مالک اور عبد الرحمن بن ابی بکر کے مددوں میں حدیث سے امام بخاری کا نام پیش کیا ہے۔ لیکن اولیت کا یہ شرف دوسری کوصف تدوین میں سے اور نہ جس حدیث کی ترویج کا حقیق سے اس کی اولیت کا شرف کوئی حدیث میں حاصل ہے۔ بلکہ امام بخاری نے تدوین کا شرف ائمہ اربعہ میں حاصل ہے تو اس کی ترویج پر کوئی دالوں کو فخر ہے۔

دوسری صدی ہجری میں علم حدیث

پہلی صدی کے آخر میں حیدر شاہ سے علم سے نئے تدوین حدیث کی دعوت سابق طبع ہونے لگی۔ دوسری صدی میں اتنی ترقی ملی کہ تصنیف و تالیف کا آفتاب اُٹھ آیا اور احادیث مفردہ سے تہذیب میں پہلے آگے اور تہذیب میں پہلے آگے تہذیب میں مرتبہ و مدون کر دیئے گئے۔

دوسری صدی میں جن ائمہ نے تصنیف حدیث پر تصنیف و تالیف کا کام کیا ہے یہ تو ہمیں میں سے ہے۔ امام سب کا نام سب میں یہ بھی مشہور ہے۔ اس کی اصل ان و طہر اندر دوسری صدی میں ہوئی ہوگی۔ اس میں جو ائمہ اس کے متعلق کے باشندے ہیں وہ علم حدیث سے وابستہ ہوئے ہیں تحریر و تالیف کے لحاظ سے بھی اور اپنی جلالت علمی کے اعتبار سے بھی۔

اس لیے ہم یہاں چند اہم ترین حدیثوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ محدثین و محدثین نے اس دور کے متعلق میں ایک سے زیادہ تصانیف لکھیں۔ ان سے متعلق تصانیف ہیں۔ ان میں سے پہلے اپنے وقت میں تصنیف کا کام کیا۔ اس میں اختلاف ہے۔ ان میں سے اولیت کا شرف دوسری صدی میں کسے حاصل ہے؟

امام اعظمؒ کے بارے میں حافظ سیوطی نے تصریح کی ہے۔

انه اول من دوى الشريعة و ربه ابو ابا۔ (۱)

سعید بن ابی مروہ کے متعلق حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ۔

کتاب اللہ مار کے نسخے:

جیسے موصوفیہ کا ایک سے ایک سے زیادہ اصحاب کے روایت کیا ہے۔ یہی کتاب اب بھی کوئی امام ائمہ سے کسی ایک سے زیادہ اصحاب کے روایت کیا ہے اور اس روایت کے ایک سے زیادہ اصحاب سے یہ روایت اور حدیث کی کتابوں سے نکلے متقدم ہو گئے یہی کتاب اب بھی کوئی امام ائمہ سے کسی ایک سے زیادہ اصحاب کے روایت کیا ہے۔

تاک آتا تو ماہِ عظیم ہے جس کا ہونے روایت یہ ہے ان کی حدیث و روایات
ہے لیکن ان میں مشہور چار ہیں:

- | | |
|---------------|--------------------------|
| ۱- کتاب فآثار | بروایت امام محمدؒ |
| ۲- کتاب فآثار | بروایت امام ابو یوسفؒ |
| ۳- کتاب فآثار | بروایت امام زقرؒ |
| ۴- کتاب فآثار | بروایت امام حسن بن زیارؒ |
- یہ چاروں امام اعظمؒ سے کتاب فآثار کے راوی ہیں۔

کتاب آثار بر روایت امام محمد

یہ امام محمد کا روایت کردہ نسخہ ہے اور یہ نسخہ تمام نسخوں میں سب سے زیادہ مقبول اور

مشہور ہے کہ — میں 50 برس خواتین کے نہیں ملتے اور وہاں —
مقدمہ میں لکھا ہے۔

والموجود من حديث أبي حنيفة مفردًا إنما هو كتاب الآثار التي رواها محمد بن الحسن عهـ (١)

اس نفعی میں جن راویوں سے حدیثیں مروی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کے بارے میں تصانیف میں پہلی تصنیف میں درج کیا ہے۔ ان کے بارے میں تصانیف میں ۱۵۵۰ روایت درج ہے۔ اس کے علاوہ ۱۵۵۱ روایت ابن حجر عسقلانی نے تصانیف میں درج ہے۔

میں، انھیں میں یا سے مگر نام غلط دینی دیا، شمار معنی اور میں جلد شمار معنی
رواق شمار ہے۔ اتحاف میں تصنیف کا معنی انھیں سے اس سے مصنف کا لفظ ان کے تصانیف
میں۔ اس کتاب کا اثر خواص فواید مستدنی سے قبیل مکتبہ کے مقدمہ میں بھی یہ ہے۔ چنانچہ
فرماتے ہیں کہ میں نے کتاب آثار کے رہاں پہ تلخیص و مستقل کتاب بھی ہے یہ وہ مجلس علمی
ماہر برہوں میں سے ہیں، ان کے نام سے سے انھوں نے کتاب آثار کے رہاں
پر مستقل کتاب مکتبہ میں سے ان کے یہ درخواست کیا کہ ان کتاب آثار کے رہاں پہ
کتاب بھی اس میں جو کتاب تہذیب میں ہے چاہے میں سے یا تو صرف نام ہی، یا روایہ و تہذیب
کا حوالہ دے دیا ہے اور ان کے علاوہ کے حالات لکھے ہیں۔ (۱) دوسری تصنیف کتاب قبیل
المکتبہ کے رہاں رجعت ہے۔ یہ کتاب بیدار نامہ میں چھپ چکی ہے۔ اس میں حوالہ
کتاب جو سے صرف نام و معنی دیا ہے اس سے کہ حوالہ المکتبہ، حوالہ المکتبہ، حوالہ
شافعی اور امام احمد سے اپنی اپنی تصانیف میں حدیثیں نقل کی ہیں مگر سب سے میں اس سے
حوالہ سے وہی حدیث نقل کیا کہیں ہے، اصل حوالہ و مبدعہ محمد بن احمد و انھیں سے یہ کتاب
احمد زور رہاں عشر و کے نام سے بھی چکی، اس میں حوالہ و مبدعہ نے مبدعہ بنی رہاں عشر
اور حوالہ شافعی تھیں اور اس میں سے مبدعہ بنی رہاں عشر و حوالہ شافعی اور احمد تصانیف
سے ہیں، حوالہ مبدعہ بنی رہاں عشر و حوالہ مبدعہ بنی رہاں عشر و مبدعہ بنی رہاں عشر
ساحم احمد زور بہ کے رجال لکھنے کی وجہ خود ہی یہ بتائی ہے کہ

ذكرت رجال الانمة الاربعة المقتدى بهم لان عمدتهم في الاستدلال لهم لمداهم في العالب على ما روه في مساند هم باسانيد هم فان المؤطا لمالك هو منعه الذي يدين الله به اتباعه و يقلدونه مع انه لم يرويه الا الصحيح عنه وكذلك سيد الشافعي موضوع لادلة على ماصح عنه من عرواية وكذلك مسند ابي حنيفة و امامه احمد فانه اعم من ذلك واضل (٢)

کتاب الآثار بروایت امام ابو یوسفؒ:

کتاب الآثار کا یہ نسخہ قاضی ابو یوسف سے ان کے صاحبزادے یوسف کی جلالت قدرہ حدیث میں تدریس سے سواتے کہ امام احمد بن حنبل نے جب تیس حدیث شروع کی تھیں تو اس سے پہلے قاضی ابو یوسف نے ان حدیث میں اضافہ کرتے ہوئے حدیث تھیں۔ حافظ ابن الجوزی مناقب میں اسے متصل نقل ہیں۔

اخبرنا ابو منصور عبدالرحمن بن محمد القزاز قال اخبرنا ابو بکر احمد بن علی بن ثابت قال اخبرنا الارزهری قال ثنا عبدالرحمن بن عمرو قال ثنا محمد بن يعقوب قال حدثنا جدي قال سمعت احمد بن حنبل يقول اول من كتب عند الحديث ابو يوسف۔ (۱)

اور حافظ ذہبی مناقب ابی حنیفہ میں حافظ عباس دوری سے نقل کرتے ہیں: سمعت احمد بن حنبل يقول اول ما كتبت الحديث اختلفت بعد الي ساس۔ (۲)

یہ واقعہ ۱۷۵ھ کا ہے جب امام احمد کی عمر سو سال تھی۔ (۳)

امام احمد نے امام ابو یوسفؒ سے تیس نسخہ (دوسو حدیث) میں تیس حدیثیں جمع کیں جن میں سے تیس حدیثیں یہ نسخہ میں شامل ہیں۔ حافظ ابن الجوزی مناقب میں جعفر حلی عن ابی احمد بن حنبل قال کتب ابی عن ابی یوسف و محمد ثلاثة فماتر قلت له كان ينظر فيها قال كان وما ينظر فيها۔ (۴)

یہ نسخہ ۲۲۵ھ میں امام احمد بن حنبل نے جمع کیا تھا۔ (۱) مناقب ابن الجوزی ص ۲۲ (۲) مناقب ذہبی ص ۴۰ (۳) مناقب ابن الجوزی ص ۳۳ (۴) صون الاثر ج ۱ ص ۲۰

امام احمد بن حنبل کا نو قاضی صاحب موصوف سے تعلق حسب تصریح علامہ معینی یہ تاریخی قریب ہے۔

ابو یوسف الامام يقول فيه احمد بن حنبل انه ابصر الناص بالاثار۔ (۱)
ان تصریحات کی موجودگی میں خلال کی اس رائے کی کوئی قیمت نہیں کہ

امام احمد نے پہلے پہل اہل السنہ و الجماعہ میں تائید نہیں اور پڑھیں اور اس سے مسائل اذہر کے لیکن پھر ان کی طرف کوئی التفات نہیں رہا۔

یہ حدیث بہ نسبت دیگر حدیثوں میں زیادہ قوی ہے اور تصریح اجازت نہیں دیتی ہے۔
اعراض کتاب الآثار کے امام اعظم سے دور ہے۔ روایت قاضی ابو یوسف امام احمد بن حنبل کے استاذ ہیں۔ ان کے اس نسخہ کا تعلق روایت حدیث سے ہے جو امام احمد بن حنبل کے امام ابو یوسف بن ابی یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روى كتاب الآثار عن ابیه عن ابی حنیفہ۔

پروفیسر شیخ محمد بورہہ، پیرچر یونیورسٹی سے ابو حنیفہ کا کتاب میں اس پر حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ کتاب میں تیس حدیثیں ہیں۔ اس پر کہ امام ابو حنیفہ کی روایت ۱۵۰ حدیث ہے اور اس کے ذریعے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف نے استخراج مسائل میں حدیث دیکھ کر اس سے حوالہ دیا تھا۔ یہ حدیثیں امام احمد بن حنبل کے نسخہ میں موصوف کے یہاں واقع سند اس میں قوی ہیں۔ اور احادیث مسند امام احمد بن حنبل میں یہ حدیثیں تیس حدیثیں ہیں۔ (۲)

کتاب الآثار بروایت امام زفرؒ:

پروفیسر ابن الدلیل اعظمی نے اس کتاب الآثار کی روایت ان کے تین شاگردوں نے کی ہے۔ ابو وہب محمد بن مزاحم۔ شہاد بن حکیم۔ حکیم بن ابیوب۔

محمد بن مزاحم اور شہداء بن حسیم نے جو کتاب آثار مروی ہے اس کا مشہور محدث ابو عبد اللہ نے اپنی کتاب معارف علوم الحدیث میں تذکرہ میں غلط کیا ہے۔

مسحنتہ لوفرس الہذیل الحنفی تغردہا عنہ شہادہ حکیم البیہقی و مسحنتہ ایضا لوفرس الہذیل الحنفی تغردہا ابو وہب محمد بن مزاحم المروزی۔ (۱)

ایک نسخہ رکھتا ہے اس سے شہداء نے صرف روایت کیا ہے۔ ایک نسخہ رکھتا ہے ان سے صرف ابو وہب محمد بن مزاحم نے روایت کیا۔

حدیث کے مشہور امام محمد بن زکریا نے اپنی کتاب قیام میل و قیام رمضان و

کتاب الوتر میں امام اعظم کی جس کتاب کا

زعم النعمان فی کتابہ۔ امام ابو حنیفہ کا اپنی کتاب میں خیال ہے

ہو جس سے میں تذکرہ کیا ہے وہ بھی امام محمد بن مزاحم کی کتاب آثار ہے جو امام مروی وان کے شاگرد ابو الاسود محمد بن محمد کے ہاتھ سے ملی ہے۔ یہ پیش پور کے نامی رومی قاضی ہیں ان سے حافظ ابو عبد اللہ امام نے حدیث پر نقل کیا ہے۔ امام محمد سے مارتن پیش پور میں لکھا ہے کہ ان کے لیے ۲۲۵ میں حرمین میں باقاعدہ مجلس درس تھی ان کی وفات ۳۳۸ھ میں ہوئی ہے۔ حافظ معانی نے اسباب میں امام ابو وہب محمد بن مزاحم امام محمد بن زکریا سے استفادہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

بیرونی عن ابی وہب محمد بن مزاحم المروزی عن زفر عن ابی حنیفہ کتاب الاثار۔ (۲)

کتاب آثار امام محمد بن مزاحم نے امام محمد بن مزاحم سے بحوالہ زفر ابی حنیفہ روایت کرتے ہیں۔

تیسرے میں ابوبکر بن کتاب آثار ذاکر حافظ دشن بن مہمان نے اپنی کتاب طبقات الخلفاء میں احمد بن رستہ کے ترجمہ میں لکھا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

احمد بن رستہ بن بنت محمد بن المغیرہ کان عنہ السنن عن محمد عن المحکم عن زفر عن ابی حنیفہ۔ (۱)

احمد بن رستہ کے پاس بحوالہ محمد از زفر ابی حنیفہ کتاب السنن تھی۔

امام طبرانی نے معجم صغیر میں اس نسخہ کی ایک حدیث روایت کی ہے۔

حدثنا احمد بن رستہ بن عمر الاصفہانی ثنا المغیرہ المحکم بن ابیوب عن زفر بن الہذیل عن ابی حنیفہ۔ (۲)

حافظ ابن ماکولانے بھی الاکمال میں احمد بن بکر کے تذکرے میں لکھا ہے

احمد بن بکر بن سیف ابوبکر الحنفی ثقہ یحمل میل اهل النظر وروی عن ابی وہب عن زفر بن الہذیل عن ابی حنیفہ کتاب الاثار۔ (۳)

اس تصدیق میں شیخ محمد ابو اسود پیش پور نے تصدیق کی ہے۔

حنیفہ نامی کتاب میں یہ کہنا درست نہیں ہے۔

زفر لم یوثر عنہ کتب ولم تعرف له رواية لمذهب حنیفہ۔ (۴)

امام زفر سے تصدیق مروی نہیں ہیں اور ان کی اپنے استاد سے روایت شہوت نہیں

ہے۔

کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد:

کتاب آثار کے تذکرہ میں یہ نسخہ با سب سے زیادہ معتبر امام حسن بن

زیاد نے امام اعظم کی حدیث مروی کی تصدیق چار مرتبائی ہے۔ چنانچہ امام حافظ ابوبکر بن

بن یحییٰ نیشاپوری اپنی اسناد کے ساتھ امام حسن سے نقل ہیں کہ:

کان ابو حنیفہ بیرونی اربعة الاف حديث العين لحماذ والعين لسانو المصنعة۔ (۵)

قال الحسن بن زيد النخعي ثنا ابو حنيفة قال كنا عند محارب بن دثار
فشهد عليه رجلان فدعى حدهما على لا حرم ولا فحدده مدعى
عنده فساله ابيته فحاء رجل فشهد عليه فقال المشهود عليه لا والله
اندي لا اله الا هو ماشهد على محارب وما عمنه لا رجلا صاحب غير
هذه اليد فانه فعل هذا فحدك في نفسه على وكان محارب مسكنا
فاستوى جالسا ثم قال يا هذا الرجل سمعت ابن عمر يقول سمعت
رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ليا تين على الناس يوم تشيب
فيه الوالدان وتصعب العوز من مافي بطوبها وتضرب اضطر مادها و
تضع مافي بطوبها من شدة ذلك اليوم ولا ذنب عليها وان شهد
لرجل لا سفر قد ساء على لا رج من حدى يحد به في اسر من كس
شهدت محارب فائق الله فم على شهادتك وان كس شهدت ساطن
فائق الله وعط راسك واخرج من ذالك الباب (١)

انچو بیڑوں سے خواہ اور دولت سے کام لے اعلیٰ کتاب آسمانی امت کے ہاتھوں میں ہے ان کی شخصیتیں امت میں معروف و مشہور ہیں۔

کتاب آثار و روایتی حضرت

امام اوصیہ سند حلیہ و چاروں قصوں نے روایت کیا ہے جن کا
مصنف نے جن کا قلم سے کتاب آثار میں روایت کا سند چاروں نے یہ مذکور ہوا چاروں
میں علامہ خواجہ نے جامع اربعہ میں پانچ سندوں پر اس حدیث کی روایت کیا ہے
نہ اسے ہی علامہ مسند محمد سعید نے اس سند پر بھی پانچ سندوں سے روایت کیا ہے۔
اس کے علاوہ دو چند و محمد میں کا قلم کردہ ہے میں جنہوں نے امام اوصیہ سے کتاب آثار
کا باقاعدہ سماع کیا ہے۔

(١) اعلام الموقعين ج ٢ ص ١٣٥

امام عبداللہ بن المبارک کے بارے میں مشہور محدث خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں حیدری شیخ بخاریؒ کی زبانی نقل کیا ہے۔

سمعت عبد الله بن المبارك يقول كنت عن ابي حنيفة اربعهائة
حديث۔ (۱)

امام حفص بن غیاث سے حافظہ جاری کرنے سے قبل اسے چار سو حدیثیں پڑھنی تھیں۔

سمعت من ابي حنيفة حديثا كثيرا (۲)

میں نے امام ابوحنیفہ سے بہت حدیثیں سنی ہیں۔

شیخ الاسلام عبداللہ بن یزید مقلبی کے بارے میں علامہ کردری فرماتے ہیں

سمیع من الامام تسمیة حلیہ۔ (۳)

انہوں نے امام ابو حنیفہ سے توسل و شفیقہ نہیں کی ہیں۔

حافظ ابن عسکری نے جامع بیہ اہل میں امام کو شیخ بن ابیجران کے متعلق یہ عطا
یعنی بن حسین کی زبانی انکشاف کیا ہے۔

مارات احد قدمه عسى و كع و كان بقی برانی اسی حیفه و گان

بمحفظ حدیثہ کلمہ و کار فہم سمع من ابی حنیفۃ حدیثا کثیرا۔ (۴)

میں نے اپنی ہمت نہیں ہار لی۔ میں نے اپنے دل سے یہ بات کہہ لی کہ:

”یومئذی سادق حدیثیں پائیں گی“ نے اہل حنفیہ سے بہت حد تک بڑھ گیا۔

حافظ مصروف ہی نے اپنی ایک دوسری کتاب میں امام حماد بن زید کے بارے

میں لکھا ہے

روى حماد بن زيد عن ابى حنيفة حديثا كثيرا۔ (۵)

حماد بن زید نے امام ابو حنیفہ سے بہت حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۱) $\frac{1}{2}$ (۲) $\frac{1}{2}$ (۳) $\frac{1}{2}$

(۵) ان شاء اللہ ص ۱۳۰

(۳) جامع بیان العلم و ج ۲ ص ۱۳۹

حافظ ابن عبد البر نے خالد الواسطی محدث کے مطلق انکشاف کیا ہے کہ:

روى عنه خالد الواسطی احادیث كثيرة۔ (۱)

خالد نے ابو حنیفہ سے بہت حدیثیں روایت کی ہیں۔

یہ وہ آثار حدیثیں ہیں کہ جس میں سے ہم ایک مسموع حدیث و فقہ آفتاب و باب
بہ، یا روایت کے جو موطن امام مالک سے اس کی کتاب نے روایت کی اس قدر جلالیت ملی کہ مالک
کیسے تھے اور یہ بات بھی وہیں میں رکھنی چاہیے۔ کہ یہ مصنف ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے
امام محمد سے کتاب الآثار کا سامان کیا ہے اور امام محمد سے حدیث روایت کرے، اسے تو
اس قدر زیادہ ہیں کہ بقول حافظ ذہبی:

روى عنه من المحدثين والعلماء عدة لا يحصون۔ (۲)

امام ابو حنیفہ سے محدثین و فقہاء میں سے بے شمار نے روایت کی ہے۔

کتاب الآثار کی علمی حیثیت:

علمی طور پر کتاب الآثار کا مقدمہ اور اس کی روایت کی فنی حیثیت کا اندازہ اس سے
ہو سکتا ہے کہ قاضی ابوالعباس محمد بن عبداللہ بن ابی اعوان اپنی کتاب اخبار ابی حنیفہ میں سند
متصل لکھتے ہیں

حدثني يوسف بن احمد المكي ثنا محمد بن حازم الفقيه ثنا محمد
بن عيسى الصانع سمكة ثنا اسراهم بن محمد عن الشافعي عن
عبد العزير الدراوردي قال كان مالك بنطر في كتب ابي حنيفة و
يسمع بها

امام مالک امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے۔
غور فرمائیے کہ جب امام مالک موطن کی تالیف میں امام اعظم کی کتابوں سے
مستفاد فرماتے ہیں تو پھر کتاب الآثار کی رفعت اس سے بڑھوت اور کیا ہوگا۔ اگر یہ واقعہ

نہ ہونے کی وجہ سے یہ ہے جبکہ شہد محمد حجازی موصوفت میں کہ وہ ایک کارچہ صحیحین کے لیے
بہرہ من کے لیے تو پھر ماننا پڑے گا کہ اس خط سے کتاب الآثار کا مقدمہ بھی موطن امام مالک
کے لیے لکھی ہے یعنی جو سنت بخاری و مسلم کی کتابوں وہ امام مالک سے ہے اور ہی سنت
موطن کو کتاب الآثار سے بھی ہے۔

حافظ مغلطائی فرماتے ہیں کہ پہلے جس کے صحیح تصنیف کی وہ امام مالک ہیں مغلطائی نے
کامیاب سے کہ مالک کی کتاب خوان کے نزدیک اور ان کے تقدیر کے رائے
صحیح ہے۔ (۱)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علامہ مغلطائی نے نزدیک اس بارے میں روایت کا ثبوت
امام مالک کو حاصل ہے لیکن کتاب الآثار موطن سے پہلے کی تصنیف ہے جس سے خود موطن
تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ حافظ سیوطی رقمطراز ہیں:

من مقلب ابي حنيفة التي انظر دبرها انه اول من دون الشريعة ورتبه
ابو انا ثم تبعه مالك في ترتيب الموطا و لم يسبق ابا حنيفة احد۔ (۲)
ابو حنیفہ کی ان برکتوں میں سے جن میں دو پکا نہ روکار ہیں یہ ہے کہ قانون
اسلامی کے اولین مدون اور مرتب ہیں امام مالک ان کے تابع ہیں۔

کتاب الآثار میں دو حدیثیں ہیں وہ موطن کی روایت سے قوت و صحت میں کمزور
ہیں۔ جس طرح موطن کے مراحیل کے تابع و شاہد موجود ہیں اسی طرح اس کے مراحیل کا حال
ہے اس سے صحت کے جس معیار پر حافظ مغلطائی اور حافظ ابن حجر کے نزدیک موطن صحیح سے
ٹھیک اسی معیار پر کتاب الآثار صحیح تر ہے۔ موطن کو کتاب الآثار سے وہی بہت ہے جو صحیح
مسلم کو صحیح بخاری سے ہے۔

کتاب الآثار کا تاریخی مقام:

اس سے روایت کے لحاظ سے کتاب الآثار کا مقدمہ ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے

اس کتاب آقا چو تہذیب و تمدنوں — مجموعہ کا کتاب ہے۔ ماسٹر کی کتاب چودہ سو
تائیس سے قصبہ ہے۔ اس کی کتاب سے یہ ایک حدیث کے طریقوں پر مبنی ہو
چکے تھے۔ اس لیے ان کی کتاب خود ان کے اقرار کے مطابق۔

الخروج من محوست مائة ألف - (١)

چونکہ حدیثوں سے میں نے یہ انتخاب کیا ہے۔

تقاریر میں کیا ہے اس سے باہر جو پانچ سو بار حدیثوں سے کتاب اور کتب نقاب میں کیا ہے۔ ہندو کا نام و مہر من محمد رحمن فرماتے ہیں

انتخب ابو حنیفۃ الآثار من اربعین الف حدیث۔ (۲)

امام ابو حنیفہ کی کتاب ۱۵۰ ہزار حدیثوں کا انتخاب ہے۔

اعظم سے بالندناقل ہیں۔

میرے پاس حدیث کے مستند مبرے ہوئے موجود ہیں مگر میں نے ان میں سے
تھوڑی حد میں نکالی ہیں جن سے لوگ قطع اندوز ہوں۔ (۳)

۱۰۰۰: جو قیمر اسمبلی کے مسدودی حیف میں۔ یہ مسلسل تین بن نمر کی زمانی غلطی

میں امام و صفیہ سے یہاں یہ مکان میں داخل ہو جاتا ہوں سے امام و صفیہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے فرمایا کہ یہ سب احادیث ہیں اور میں نے ان میں سے تھوڑی حد میں بیان کی ہیں۔ (۳)

ماہنامہ کی حدیث میں احتیاطاً ہر ایک حدیث کے اقوال یا باب۔ پتا پچھو پڑھو۔

جسکی احتیاط امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حدیث میں پائی گئی تھی اور اس سے پیش
یا کی گئی۔ (۱)

اسی طرح علی بن جعد جو ہری سے جوحدیٹ کے بہت بڑے حافظ اور امام بخاری و ابو داؤد کے شیخ ہیں نقل کیا ہے۔

قال علي بن الحعدد ابو حبيشة ادعوا بالحدیث جاء به مثل الفـ (٢)

ابو حنیفہ جب بھی حدیث پیش کرتے تو موتی کی طرح آبدار ہوتی ہے۔

اور امام یحییٰ بن معین جن پر فن جرح و تعدیل کا دار و مدار ہے۔ فرماتے ہیں۔

الاضفیہ شدہ ہیں حوحدیث ان آیاء ہوتی ہے اسی بیان کرتے ہیں۔ اور جو حفظ نہیں

ہوتی اس کو بیان نہیں کرتے۔ (۳)

امام عبد القدوس الباری جن کی حدیث میں یہ محدثین کا اتفاق ہے انہوں نے امام

۱۔ جو دیر شمعار ہے، ان میں بھی کتاب و قلم کی نہایت شان کا ذکر ہے۔

روى آله فاجاب فيها كبطران الصقور من الامنية

انہوں نے آمار کو روایت یا قوائی تیری سے چلے جیسے جلدی سے پرندے شکاری

م. هك بالعراق له نظير ولا بالمشرقين ولا بكوفه

۴۔ تو عراق میں ان کی نظیر تھی۔ نہ مشرق و مغرب میں اور نہ کوئی جگہ۔ (۴)

اسی طرح مشہور امام بریلوی عسکری محمد نے اپنی ایک نظر میں بھی کتاب "آثار"

جو انہوں نے امام ابو حنیفہ کی شان میں لکھی ہے۔

وبنى على الآثار مبناته فالت غوامضه على الاساس

والناس يسمون فيها قوله لما استعان لضياء * المتناس - (٥)

— *Journal of the American Medical Association*, 1997

(۲) جاح المسایده، ج ۱، ص ۱۸۸

(۴) کتاب: ج ۱ ص ۱۰

ج ۴۵ ج ۴۴

(۱) المناقب للموفق، ج ۱ ص ۱۹۷.

(۲) جامع المسانيد، ج ۲، ص ۳۰۸

(۳) طرح بغدادیہ عہد عہد

(۴) المناقب: ج ۲ ص ۱۹۰

(۷) تاریخ بنیاد: ج ۱۳ ص ۳۵

﴿باقی صفحہ ۳۳ پر﴾

(۱) اکلہ ص ۸۷ (۲.۲) مناقب السوفی ج ۲ ص ۹۵ (۳) فتاویٰ الجوابیہ ج ۱ ص ۲۳

کی طرف سے امام ابن سعد ابو قتیبہ کی کتاب میں فرماتے ہیں

روی الآثار عن نبل لغات غزار العلم مشبعة حصيفة۔ (۱)

کتاب الآثار کی امتیازی حیثیت:

یوم کتاب الآثار کا موضوع صرف احادیث ہیں جن سے فقہی مسائل کا تہیہ ہوتا ہے اور جن کی حیثیت سنن کی ہے اس سے وہ سننوں اور ابواب جو صحیحین اور جامع ترمذی جیسی حدیث کی کتابوں میں پھیلے ہوئے ہیں وہ کتاب الآثار میں نہیں ہیں یہاں ان ابواب کا تعلق تہیہات سے نہیں ہے کی یہ بعض محدثین نے کتاب الآثار کو کتاب السنن کے نام سے پکارا ہے۔ کتاب الآثار کا یہ نام امتیازی ہے اس کی روایت اس دور کی دیگر تصانیف کی طرف سے ہی شہرہ آفاق روایات میں محدثین نے جگہ اس میں مذکور ہے کہ ابو قتیبہ غفرلہ عراق دونوں جگہ کا علم تحریر و تدوین میں یک جا موجود ہے۔

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں:

ابن سعد و امام کی اشاعت امت میں اصحاب عبد اللہ بن مسعود، اصحاب زید بن ثابت، اصحاب عبد اللہ بن عمر اور اصحاب عبد اللہ بن عباس سے ہوئی ہے اور لوگوں کا عام علم ان پر رہی ہے ساقیوں سے یا ہوا ہے چنانچہ مدینہ والوں کا علم زید بن ثابت اور عبد اللہ بن عمر سے اور مدینہ والوں کا علم عبد اللہ بن عباس کے اصحاب کا اور عراق والوں کا علم عبد اللہ بن مسعود کے ساقیوں اور شاگردوں کا ہے۔ (۲)

امام ابن القیم نے مولانا تالیف مدینہ میں کی ہے اور اس میں مدنی شیوخ کے علاوہ اور لوگوں سے بڑے نام روایتیں ہیں لیکن کتاب الآثار کے راویوں میں مجاز یا عراقی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ جرح و اتقان اور شام جملہ بلاد اسلامیہ کے علماء سے اس میں روایتیں موجود

ہو۔ قید سنہ ۳۸۱ھ میں امام نے اپنی کتاب کی بنیاد آثار پر رکھی تو آپ کے دقیق مسائل درست ہو گئے۔ ایک نکتہ میں آپ نے بات کی جو ان کے لئے گہرائی میں تھی کہ لوگوں کے سامنے آپ کے نام کی کتابوں کی ہے۔ (۱) اس کتاب میں ۱۹۰ (۲) علماء مرقعین بنی امیہ

ہیں۔ آپ صرف امام محمد کے نام سے قیامی مولیٰ کتاب آثار کا مطالعہ نہ کیجئے۔ اور امام احمد کے تمام شیوخ کو یاد رکھئے کہ آپ کو ایک سو پانچ میں سے تین کے قریب ایسے مشائخ ہیں جن کا وطن مدینہ میں ہے۔ یہاں یہ بات خاص طور پر سمجھنی ہے کہ صحابہ میں جن لوگوں میں سے مسائل منقول ہیں ان کی تعداد حافظ ابن القیم نے یہ بتائی ہے

والذین حفظت عنهم العزى من اصحاب رسول الله صلى الله عليه

وسلم مائة ونيف وثلاثون نفسا مابين رجل وامرأة۔ (۱)

اسیاب میں سے ارباب فتویٰ مدینہ میں تھے ایک سو تیس سے چھ و پانچوں قدی ہیں۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں فرق مراتب بھی تھا۔

ان میں کثیر الفتاویٰ۔ قلیل الفتاویٰ اور متوسط بھی تھے۔ (۲)

سب سے زیادہ کثیر الفتاویٰ یہ حضرات ہیں

كان لمكثروا منهم سعة عمر من الحفاظ على من ابي طالب عبد الله

بن مسعود عائشة ام المؤمنين وزينب بنت و عبد الله بن عمر۔ (۳)

کثیر الفتاویٰ کی سات بزرگ ہیں عمر امی عبد اللہ بن عمر بن ثابت عبد اللہ ابن عمر۔

ان سات میں بھی چار بزرگ بہت زیادہ ممتاز تھے ہیں۔ شاذ ولی مدینہ میں

واکابر هذا الوجه عمرو و علی ابن مسعود و ابن عباس۔ (۴)

ان میں بزرگ ترین عمر علی ابن مسعود اور ابن عباس ہیں۔

حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک بزرگ کے فتاویٰ کو جمع کیا

جائے تا مستقل ایک ایسا ضخیم کتاب بن جائے۔ اور ابو محمد بن موی کے بارے میں حافظ

ابن القیم نے تصدیق کی ہے کہ احادیث السنن میں انہوں نے حضرت ابن عمر

کے فتاویٰ کو جمع کیا تو

جمع فی عشرین کتابا (۵) میں کتابوں میں جمع کیا۔

مؤلف میں حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابن عباسؓ سے بہت کم روایات ہیں۔ شاہ ولی اللہ مصنفی کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

امام مالکؒ نے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابن عباسؓ سے کم روایات لی ہیں۔ ہارون رشید نے امام مالکؒ سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا اہل لہم یسکونہا بلسدی ولہم اللی رجالہما یعنی یہ دونوں بزرگ میرے شہر میں نہ تھے اور میری ان کے اصحاب سے ملاقات نہیں ہوئی۔ (۱)

اس کے برعکس کتاب الآثار میں جس مقدار میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایات میں ہیں۔ قریب قریب حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے بھی روایات ہیں۔

کتاب الآثار کی مقبولیت:

حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ:

مسند ابی حنیفہ و آثار محمد بنائے فقہ حنیفہ است۔ (۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ امت مرحومہ کا سوا امام اعظم جس کی تعداد تمام عالم کے مسندوں میں دو تہائی سے اس کے برابر ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی کتاب و آثار سے امت کی شریعت و تعلقی باتوں کا ثبوت حاصل ہوتا ہے۔ صرف امام مالکؒ کی نہیں بلکہ ہر دور میں شروع ہی سے ائمہ نے بھی اس کتاب کی جلالت کو مانا ہے۔

امام مالکؒ کے بارے میں آپ پہلے پڑھ آتے ہیں کہ عبدالعزیز دراوروی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ امام و صدیق تھے۔ امام مالکؒ سے تھے اور ان سے شیخ مالکؒ تھے۔ امام شافعیؒ نے تصریح کی ہے کہ

من لم یظرو فی کتب ابی حنیفہ لم ینجزو فی الفقہ۔ (۳)

مذہب نے تاریخ بغداد میں محدث کہہ دیا۔ مسند مستملیٰ نے شیخ امام حسینؒ کے بارے میں بغداد و بغداد میں مسندوں میں اس حدیث سے پانچ روایات تھیں۔ امام مالکؒ نے یہ روایات مسلم نے دریافت کیا کہ

ما تقول یا ابا خالد فی ابی حنیفہ والظرفی کتبہ۔

اے ابو خالد تمہاری ابو حنیفہ اور ان کی کتابوں کے مطالعہ کے بارے میں کیا رائے ہے۔ اظفر و فیہا ان کتبہم تریبہ ان تعقوا فانی مارایت احدا من الفقہاء بکبرہ الظرفی قولہ۔ (۱)

میرے قریبی بنا چاہتے ہیں کہ ان کے بارے میں کسی بھی فقہاء ان سے زیادہ نہیں دیکھا۔

یہ روایت ہے۔ یہ روایت حدیث ہمارے بارے میں ہے۔ یہ تھے علماء و مذہب سے کہنے لگے۔

تیسری روایت اس حدیث سے اور تیسری روایت سے ائمہ تراجم و مقصد ہوا تو حدیث میں اس سے معنی کی تلاش کرتے اور ابو حنیفہؒ کی تصانیف اس کے اقوال میں غور کرتے تب حدیث کی حقیقت تم پر واضح ہوتی۔ (۲)

اور حافظ عبداللہ بن داؤد الخریزی فرماتے ہیں
بہشت کا پتہ ہے۔ ان کا بیان اور حیات ان کے کتب و آثار میں ملتی ہے۔ ان کو چاہیے کہ ابو حنیفہؒ کی کتابیں دیکھیں۔ (۳)

ان ہی حافظ عبداللہ بن داؤد الخریزی کا بیان خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے۔
عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں ہر ایک کے پاس امام ابو حنیفہؒ کی کتابیں
ہیں۔ یہاں ہر ایک کے پاس امام ابو حنیفہؒ کی کتابیں ہیں۔ (۴)

ان بخاری مسلم نے موطا سے سیکھا ہے تو امام مالک نے موطا میں امام اعظم کی کتاب الآثار کی پیروی کی ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ روایات کی ترتیب و ترتیب و رجحان کے بارے میں جو معیار امام اعظم نے قائم کیا تھا اس کی سب سے پیروی کی ہے۔ اس لحاظ سے کتاب الآثار محدثین کی امام الامام ہوئی ہے۔

تجربہ اور ترقیب تو بڑی بات ہے محدثین نے امام تک تجویز کرنے میں امام اعظم کی تقلید کی ہے۔ چنانچہ امام طبری نے اپنی کتاب کا نام تہذیب الآثار رکھا اور جعفر طبری نے معانی الآثار مشکل الآثار نام لکھی نے صحیح الآثار رکھا۔

امامان یہ ایک حقیقت ہے کہ کتاب الآثار سے پہلے حدیث کی کوئی کتاب جواب پر مرتب نہیں تھی۔ کتاب الآثار تصنیف ہوئی تو حدیث کی تاریخ کا رواج شروع ہوا اور چونکہ اس میں تجویز کے ساتھ صحیح روایات درج کرنے کا تمام قصور یہ بعد میں جواب پر تصنیف کے سینہ بھی یہ ضروری ہو گیا کہ صحیح روایات اور کتاب کی جائیں۔ چنانچہ حافظ سیوطی رقمطراز ہیں۔

جواب پر تصنیف کرنے والوں میں مضمون کی صحیح تردید روایات کتاب ہے جو باقی استدلال ہوں۔ (۱)

تصانیف سے آپ واقعی بات کا مشورہ دینی اندر رہا ہو گیا ہوگا کہ حسن ترتیب و جرات تالیف و تصنیف روایات اور اس کے انتخاب میں کتاب الآثار نے بعد میں کتاب کے اسے مصنفین کے لیے کیا اچھا نقش قدم چھوڑا ہے۔

کتاب الآثار کی علمی خدمت:

حدیث کی ادنیٰ تا جوں کی طرح کتاب الآثار کی بھی علمی خدمت کی گئی ہے۔ اس میں سے یہ ہے کہ امام اعظم نے اساتذہ میں سے ہر اتنا ہی روایات کو لکھ کر اسے اس وقت ہی حلیف کے نام سے موسوم کر دیا ہے اور علامہ خوارزمی نے اس سبب مسند و صحیح کے جامع مسند نام رکھا ہے۔ ورنہ یہ مسند امام اعظم کی تصنیف نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن مروان سیسی نے ذکر کردہ رجال العشرہ میں لکھا ہے کہ:

مسند الشافعی موضوع للادلة علی مباحث عندہ من مرویة
و کذا الک مسند ابی حنیفة۔ (۱)

مسند امام شافعی ان موطا پر مشتمل ہے جو امام سیوطی روایات میں سے
نزدیک صحیح ہیں اور یہی حال مسند ابی حنیفہ کا ہے۔

ابن مسند شافعی کی طرح مسند ابی حنیفہ میں ان موطا پر مشتمل ہے جو امام و حنفیوں
روایات میں ان کے نزدیک صحیح ہیں۔ یہ بھی کہ نہیں بعد مسند کے موطا سے شافعی ہیں اور امام
شافعی معمولی محدثوں میں نہیں بلکہ معاصر وقت اور تالیف ان میں ہے۔ ان کا موطا تراجم حافظ بن عبد
للفظ الآثار میں اور حافظ بن عبد اللہ نے اپنی طبقات میں مذکور ہے حافظ ابن عبد اللہ نے لکھا ہے

کان رضى النفس حسن للاحلاق من الثقات لانا اماما مورجا
حافظا له قلہ کثیر۔ (۲)

حافظ و معظمتی حافظ ابن عبد اللہ اس موطا اور موطا شافعی میں ہیں۔ حافظ حسین کی
کتاب ذکر رجال العشرہ و ذکر بابہ کی کتاب نے اس میں جن جن کتابوں کے رجال ذکر
ہیں وہ تمام بوقلمون ہیں اور امامت حدیث کی کتابوں میں چنانچہ حافظ سیوطی لکھتے ہیں

الف التذكرة في رجال العشرة الكتب السنة والموطأ والمسند
ومسند الشافعي و ابی حنیفة۔ (۳)

مشہور محدث محمد بن جعفر الکاتبی رقمطراز ہیں:

فهذه كتب الائمة الاربعة و ما فيها الى السنة الاولى تكمل الكتب
العشرة التي هي اصول الاسلام و عليها مدار الدين۔ (۴)

اغرض مسند امام اعظم کی تالیف میں بعد ان کی حیثیت وہی ہے جو فی الواقع
محدثین کے عرف میں مسند کی موقی ہے جیسے مسند کی موقی ہے جیسے مسند ابی حنیفہ مسند ہارون
اعظم۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز بستان الحدیث میں فرماتے ہیں۔

اور زید و عیساں میں وہ نہیں بے حداب یہ جس پر مذہب کی نسبت ہو۔
 سے زیادہ اس کی حدات سے ہے تو یہی کافی ہے کہ امام ہونے کے باوجود یہ
 ورع و احتیاط ان کے حضرات کو اس غرض کے لیے منتخب کیا ہے۔ (۱)
 اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:

ادکل حدیث وجدناہ فی مسانید الامام الثلاثة فہو صحیح۔

ما مظهر کے مسانید سرگاہ کی حدیث تار سے یہ صحیح ہے۔ (۲)

ان تصریحات سے آپ امتزاج کر سکتے ہیں کہ مسانید امام کا محدثین و حفاظ
 یہاں یا مقدمت و رغوات امامت حدیث میں اس حدیث سے ثابت ہے۔
 یہ ہے چنانچہ حفاظ حدیث و محدثین پر جو حدیثیں مسانید امام عقلمن مرویات و مسند
 کی صورت میں بیان کی گئی ہیں۔

1- حافظ محمد بن مخلد دوری

اس کی نسبت ابو عبد اللہ اور امام قلند ہے تذکرۃ الحفاظ میں مخلد کی جگہ محمد بن عبد طبع
 لکھا گیا ہے۔ حافظ مقدانی نے اس نام میں در حفاظت کی ہے اول الاسلام میں مخلد بنی
 تالیف سے۔ حفاظ کی نسبت سے مشہور ہیں۔ حدیث میں ابو خدیج السکونی الحسن بن علی بن یعقوب
 اور قیام مسلم اور دوسرے محدثین کے ساتھ ساتھ اس کی تالیف زیادہ صاحب
 تصنیف ہیں۔ تصنیف کے تصنیف سے امام عقلمن مرویات و مستقل کتابی صورت میں متعدد
 نسخے یا نسخے اس کا نام بھی "تذکرۃ ابن خلیفہ" صاحب اس تالیف کا نام مذکور ہے کہ حدیث
 خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

روی عنہ محمد بن مخلد الدوری فی جمعه حدیث ابی حنیفہ۔ (۳)

ان سے محمد بن قلند نے اپنے مجموعہ میں حدیث ابی حنیفہ روایت کی ہے۔

یہ مشہور محدث امام دارقطنی کے استاد حدیث ہیں۔ حافظ ابن جریر مقدانی نے ان کی
 شہادت بار بار بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ فی ساریج بعد ادلہ تر حمہ ملحقہ تاریخ

(۱) ابن جریر ص ۶۸ (۲) مجمع الصنف ص ۶۸ (۳) تاریخ ابن جریر ص ۶۸

بعض میں ان کا شمار ہے۔ (۱) حافظ ابن جریر نے ان کی حدیثیں حدیث میں بیان کی ہیں۔
 نے یہ تصنیف حدیث میں بیان کی ہے کہ اس میں حدیثیں بیان کی گئی ہیں۔

کان معروفاً بالثقہ والصلاح والاجتهاد فی الطلب ثقافت۔

سحریت اور تلاش و جستجو کے لیے محنت میں مشہور تھے۔ (۲)

امام ابو داؤد کے بھی بلا واسطہ شاگرد ہیں سنن ابو داؤد کے بارے میں ان کا ایک

بیان حافظ مقدانی نے تہذیب میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ

امام ابو داؤد کی ایک لاکھ حدیثیں کا ذکر کرنے کے لیے جب آپ نے کتاب

السنن تصنیف کی اور اس کو لوگوں کے سامنے پڑھا تو محدثین کے لیے ان کی کتاب

قرآن کی طرح قابل اتباع ہو گئی اور اس دور کے سب ہی محدثین نے امام

موصوف کو حافظ وقت مانا ہے۔ (۳)

ان کی تاریخ وقات حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ اور دول الاسلام میں اور حافظ

مقدانی نے سنن ائمہ ان میں اس حدیث میں بیان کی ہے۔ تاہم اس کی مبنی سے حافظ ابن

جریر نے بیان کیا ہے۔ اس حدیث میں آپ کے بارے میں ہے۔ (۴)

2- حافظ ابو العباس احمد بن محمد بن سعید:

حافظ ابن عقیقہ کے نام سے مشہور ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا

مبسوط ترجمہ لکھا ہے اور ان کے چہرے کا آغاز ان لفظوں سے کیا ہے

الیہ المنتہی فی قوۃ الحفظ و کثرة الحدیث۔ (۵)

قوت حافظ اور حدیث کی بہتات میں اس پر حد ہے۔

ان کے حافظ ہونے کے بارے میں حافظ دارقطنی کا تاثر یہ تھا کہ کوفہ کے تمام شہری

محدثین ان کے ہاں حدیثیں جمع کرتے تھے۔ (۶)

(۱) تہذیب و اجتہاد ترجمہ محمد بن قلند (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۰

(۳) تہذیب ج ۲ ص ۷۲ (۴) تہذیب ج ۲ ص ۱۷۴ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۰

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔

قد اعسی الحافظ ابو محمد الحارثی وکان بعد التلثماتہ بحديث
می حبیثہ لجمعه فی محلدة ورسد علی شبرج امی حبیثہ۔ ()
حافظ محمد بن ابی ریحان نے آجہ فہم میں اس حدیث کی حبیثہ جمع کی ہے اور
ان کو شیوخ ابی حبیثہ پر ترتیب دیا ہے۔

اس مسئلہ کے لحاظ سے حافظ ابن حجر نے اس مسئلہ کا ذکر حافظ ابن عسقلانی کی حدیث میں
آپ سے کیا ہے۔ ان میں حافظ ابن عسقلانی نے کہا ہے کہ ان تصانیف میں مسند ابی حبیثہ نے ساتھ
شیخ آجہ فہم کی مرتب کی حبیثہ جمع کی ہے۔ یہ دونوں مکی و مدینہ کی بات
آجہ فہم کی حدیث سے کی جائے گی کہ موصوفہ باب پنی مشہور تصنیف کشف الخواص
تھے کہ آپ نے مکی حدیث میں کیا و مستعمل کرتے تھے۔ انیس فہم نے کہا کہ جب امام عظیم
مرتب ہے کہ میں یہ تعداد آجہ فہم کی حبیثہ جمع کی ہے کہ اس میں خدا جاسے یہ تعداد کہاں سے
میں جائیگی۔

حافظ ابن عسقلانی نے اس مسئلہ کا ذکر حدیث میں کیا ہے کہ اس حدیث میں
قاری نے کہا ہے۔ ان مسندوں کی حدیث تہذیب میں محمد بن عقیب الی رثی۔ حافظ عسقلانی نے
اس میں کہا ہے کہ مسند کا ذکر روایات کے جمع مسئلہ الامی حبیثہ (۲)
نیم الامت اولی القصد واولی المشہور واولی الملتزم من حافظ حارثی
وہم سب واولی مشہور روایات واولی مشہور روایات واولی مشہور روایات
اسی واولی مشہور روایات واولی مشہور روایات واولی مشہور روایات
نے امام ابو حفص صغیر سے کی تھی۔

حدیث خود رثی کی مسند روایت واولی مشہور روایات واولی مشہور روایات
تیا۔ واولی مشہور روایات واولی مشہور روایات واولی مشہور روایات
یہ مسند کی ہے۔

خطیب جمال الدین ابو الفصائل عبدالکریم بن عبدالصمد الانصاری۔

شیخ صفی الدین اسماعیل بن ابراہیم۔

شمس الدین یوسف بن عبداللہ۔

شیخ ابو بکر بن محمد بن عمر فرغانی۔

4- حافظ محمد بن ابراہیم الاصفہانی:

محمد بن ابراہیم نام اور اوپر نسبت ہے۔ بن مرقی کے مشہور ہیں۔ حافظ ابن عسقلانی نے
ان کو تہذیب الخواص میں محدث اصفہانی کہا ہے۔ ان کا شمار ان کے اہل علم میں کیا
جائے گا۔ حافظ ابن عسقلانی نے کہا ہے کہ محدث ہیں چاروں طرف مشرق و مغرب ہر طرف حدیث کی خاطر ہیں۔ یہ ہے
اصفہانی جو اصل ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔
وغیرہ موصوفہ میں ان میں حافظ ابن عسقلانی نے ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔
یہ ہے محدث ہیں ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔
ابو نعیم اصفہانی وغیرہ وغیرہ۔ حافظ ابن عسقلانی نے ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔

محدث کبیر لقا صاحب مسانید سمع مالا یحصى کثرة۔ (۱)

حافظ ابن عسقلانی نے ان کے طبیب علم حدیث کی استہان کا حوالہ کیا ہے۔ ان کی یہ واقعہ بھی
ہے کہ میں نے ان کی درجہ التہذیب میں قیام کیا ہے۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔
کہ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔
حافظ ابن عسقلانی نے کہا ہے کہ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔
اب عسقلانی نے کہا ہے کہ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔
دلیل کی ہم نے درجہ التہذیب میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔
آجہ فہم نے کہا ہے کہ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔ ان کے تہذیب الخواص میں مشہور ہیں۔
ابھی خواب میں دیکھا ہے آپ نے مجھے کھانا پہنچانے کا حکم دیا ہے۔

حافظ ابن مرقی صاحب بن عباس نے ہم پرین رو چکے ہیں کی نے صاحب سے دریافت کیا کہ آپ ادیب و مؤرخ ابن مرقی جیسے محدث سے محبت رکھتے ہیں۔ فرمایا وہ جب سنہ ۱۰۱۱ھ میں اپنے کہان کے میرے والد سے دوستاہ تعلقات تھے۔ اور اس لیے کہ میں ایک روز سورہ فاتحہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تو سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ پر ایک اللہ ۱۰۱۱ھ میں پیدا ہوئے اور طارم کو آواز دے رہا کہ ایسا اور اسے پڑھنے سے طارم نے جواب دیا کہ اب جبرین لکھ رہی ہیں۔ حافظ ابی نے ہی یہ بھی بتایا ہے۔

قد حنف مستدابی حنیفہ۔ (۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان کے مستد کا ذکر کیا ہے۔

و کذا لک حرج المعروف من الحفاظ ابو بکر بن العفری۔ (۲)

اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان کی یہ سند حارثی کی سند سے چھوٹی ہے۔ حافظ عسقلانی نے "اعلام بائع" میں یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ رین قاسم بن قطل بن نے حافظ بن مرقی کی اس سند کے رجال پر ایک کتاب لکھی ہے۔ (۳) ماہ شوال ۳۸۱ھ میں ہمر ۵۶ سال ان کا انتقال ہوا ہے۔ (۴)

5- حافظ ابو الحسین محمد بن مظفر:

عراق جزیرہ مصر اور شام کے اساتذہ مشائخ سے چودہ سال کی عمر میں علم حدیث حاصل کرنا شروع کر دیا۔ ابن شاکین، حافظ دارقطنی، حافظ ابو حنیفہ، حافظ مالکی اور حافظ ابی حنیفہ جیسے اساطین و ارکان علم حدیث نے ان کے ساتھ زانوئے ادب تہ کیا ہے۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں ایسا نمایاں کردار کیا کہ حافظ ابی سے بھی ان کی فن کاری کا اعتراف کیا۔

جمع والے عن مطابق هذا الفن لم يتخلف۔ (۵)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۷۲ (۲) قبیل الصدقہ ص ۶ (۳) اعلام بائع ص ۱۱۷
(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۷۳ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۷۸

ذہیب بغدادی نے اس کی صداقت و فہم و حفظ و مراد ہے۔ دارقطنی نے اس سے ہزار ہا حدیثیں کہیں ہیں۔ قاضی محمد بن عمر کا بیان ہے۔ حافظ دارقطنی حافظ بن مظفر کا سید اکرام کرتے تھے۔ ان کی موجودگی میں ہمارے سے نہ بیٹھتے تھے۔ (۱)

حافظ مستدانی فرماتے ہیں کہ حدیث کے لیے رحمت اللہ علیہ تھے ہندوستان میں حافظ ابو حنیفہ مروی سے حدیث کا سامان ہے۔ (۲) ابن ابی اخیاری کہتے ہیں کہ ان کی کتابت مانت اور حسن حافظ بن قاتل، ان میں بدلتے تھے۔ انہی لیے الحدیث و حفظہ و علمہ حدیث، حدیث کا علم حدیث کا حافظ بن مرقی ہے۔ (۳) حافظ کا عام یہ تھا کہ حافظ بن ابی اخیاری نے ایک بار ان سے یہ روایت کے بارے میں دریافت کیا۔ اس روایت کا تعلق حدیث یا فندی راہن رید اور عمر بن محمد سے تھے فرمایا ہے۔ پاس نہیں۔ حامل نے عرض کیا کہ یہ حدیث شاید ہونے یا ارمونی تو مجھے یاد ہوئی۔ میرے پاس اس راوی کی صرف ایک حدیثیں ہیں لیکن ان میں یہ سلسلہ سند نہیں ہے۔ (۴)

حافظ مستدانی نے اس کی تصانیف میں سند ابی حنیفہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ (۵) ان کی تاریخ وفات ۳۹۹ھ ہے۔ حافظ خوری رقمطراز ہیں کہ اس سند کی مجھے اس مشائخ سے اجازت ملی ہے۔ اولیٰ بن الدین ابو محمد یوسف بن عبد الرحمن بن اخواری۔ اور شیخ ابو مظفر یوسف بن علی بن حسین۔ سامعی بن معانی۔ چہارم شیخ عبد الملک بن عبد الملک بن عبد الملک بن یوسف بن اپنے دور کی ایک مثالی شخصیت تھے۔

6- حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد:

پورا نام حسین بن محمد بن احمد وثنیٰ ہے۔ حافظ ابن مبارک کے اساتذہ میں سے ہیں۔ حافظ ابی نے ان کو محدث ملا کہا ہے۔ حافظ مستدانی فرماتے ہیں کہ حافظ مستدانی نے جو تاریخ بغداد لکھی ہے۔ اس میں ایک ہمسایہ احمد ہے اور بتایا ہے کہ امام مہموف مفید بغداد ہیں۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ (۲) لسان المیزان ج ۵ ص ۲۸۲ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۵ ص ۷۸
(۴) لسان المیزان ج ۵ ص ۲۸۲ (۵) قبیل الصدقہ ص ۶

شک ہے یا نہیں؟ — یہ چنانچہ حاکموں، رہنماؤں اور یہ یہاں کوئی واقعہ حدیث و کتابوں تک روایتی اتصال نہیں ہے بلکہ ارسال ہے لکھا ہے کہ:

نتیجہ یہ تھا کہ کتابوں میں اتنی بولی ان کے مضمینوں کی طرف سے نسبت درست ہے کیونکہ علماء کی عادت یہی ہے کہ کتاب کا حوالہ دے دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ اخرج البخاری۔ اپنا بخاری تک سلسلہ سند بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں

مراہل میں قوی تر وہ مراہل علماء ہیں جو ان کتابوں کے سلسلے میں علماء کرتے ہیں۔ (۱)

اس کے علاوہ ان کے یہ صرف عام اہمیت کی خصوصیت ہونی کہ ان کی روایات میں آج تک کوئی تصدیق شدہ اس طرح شاذ صاحب ہی کے غلطوں میں ان لوگوں کی غلط فہمی اور سوئی جوتے ہیں کہ حدیث کے سلسلہ میں آج کل اتصال نہیں۔ روایات میں آزاد بظاہر ان ذمہ کسی ایک گویند کے سلسلہ حدیث امروز متصل نہانہ و واضح تر میشود۔

سلسلہ آج کل متصل نہیں رہا ہے۔ (۲)

امام صاحب سے لے کر شاہ صاحب تک کیسے وجود میں آ گیا ہے۔

یہ مشاہیر حاکم اور مجاہدین میں مسلوں نے امام اقصیٰ کی ادائیگی کو مستحق قبولیت میں اپنی رائے کے ساتھ تادیب و عبرت میں منع کیا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی حفاظ میں جن کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے بھی امام اقصیٰ کے مندر پر قلم اٹھایا ہے۔ مشہور محقق راہب باطنی کے مقدمہ حسب یہ میں ان سب کے نام و قلمی اور حادیۃ ابن شامیہ بھی نام لیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

وكان مع الخطيب عبد ماحل دمشقي مسد أبي حنيفة لنداء قصي
ومسد أبي حنيفة لابن شاهين (١)

ان کی تصریح کے مطابق حسب ذیل ہیں:

- ❦ مسند امام حافظ ابو عبد الله الحارثي المدني

- ✽ مسند حافظ ابوالقاسم طلحہ بن محمد

- ❦ مستد امام حافظ ابو المحسين محمد بن المنظف

- مسند حنفی و فقہ حنفی

- ❁ مستد امام ابو بکر محمد بن عبدالباقی

- ✽ مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی

- ❁ مسند حافظ عمر بن الحسن الاشعري

- عند امام ابو عبد الله حسين بن محمد قسره

- ❁ مسند امام ابو القاسم عبد الله بن ابي العوام

اصل میں مسانید تو صرف یہی ہیں ان کے علاوہ جو دوسرے مسانید کا اس مجموعے

میں تذکرہ دے مثلاً:

- ❦ مستدام حافظہ محمد بن الحسن

- ✽ مسند امام جعفر قاضی ابو یوسف

- ❦ مسند امام حسن بن زیاد

- ✽ مسند امام حماد بن ابی حنیفہ

ارسل رہے ہیں۔ بدستاب (۱) کے لئے جس کی تعلیمات آپ پڑھ چکے

ہم حال احادیث ابی حذیفہ کی جو خدمت کی گئی ہے یہ سن لی یہ نصبت ہے کہ
نظرین سے سامنے بطور ہدیہ پیش کی گئی ہے۔ افسوس ہے کہ یہ سارا نسخہ و تالیف تیار کردہ
نکھر سے اندر کرے کوئی صاحب علم برکت اس بھی خدمت کے لیے آگاہ ہو جائے۔
وہادالک علی اللہ بھرہز۔

حدیث کا دوسرا مجموعہ موطا امام مالکؒ:

کتاب الآثار سے بعد حدیث کا دوسرا مجموعہ جو اس وقت امت سے ہاتھوں میں ہے
وہ امام مالکؒ کی مجلس کی مشہور تصنیف موطا ہے۔ یہ اہل مدینہ کی روایات اور فتویٰ کا
مستند ہے موطا میں بھی کتاب الآثار کی طرح مسائل و احکام سے یہ احادیث جمع و
تفصیل اور آثار سے یہ روایات جمع و تفصیل سے یہ احادیث جمع و تفصیل سے
جائنا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے چاہے وہ مسند موطا میں
نہ حضرت عمرؓ کے اثر اور عبداللہ بن عمرؓ کے نقل سے اسناد اس پر تا درستی پہنچے
مدینہ کے فتویٰ سے اخذ کرنا خصوصاً جبکہ ان تابعین کی ایک جماعت کی مسند کا
متفق ہو امام مالکؒ کے مذہب کا اصول ہے۔ (۱)

فتح الباری کے مقدمہ میں حافظ عسقلانی لکھتے ہیں:

پھر امام مالکؒ نے موطا تصنیف کیا اور اہل بخاری حدیثوں میں سے قوی اور صحیح
روایتوں کو تلاش کر کے اس کے ساتھ صحیحہ کے اقوال اور تابعین و ان کے بعد
والے علماء کے فتویٰ کو بھی اس میں ضم کر دیا۔ (۲)

(۱) حافظ ابن الدین عسقلانی کے بارے میں رہنے والے شیعہ تھے تاہم وہ مالک سے اقتداء
کے مقدمہ میں بتا رہے ہیں کہ انہوں نے بھی امام اعظمؒ کی حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تو اس مجموعہ کا
نام النحفة المسبعة فیما وقع له من حدیث امی حنفیہ ہے۔ حافظ عسقلانی نے مشہور کارنامہ
میں سے میں نے ہم عمل پر خود اہل علم کو اس قدر متاثر ہے کہ شافعی کے حکم کو بجا نہیں لے سکتے
وہ العظیمہ لہ از من الحفاظ المتأخرین مثلاً۔ (بدرالحدیث ج ۲ ص ۱۶۵)

(۱) مصنفی ج ۱ ص ۵۷ (۲) بی الساری ص ۴

موطا کے بارے میں امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے

ما علی ظہر الارض کتاب بعد کتاب اللہ اصح من کتاب مالک۔

یہ اس کے بارے میں پر قسین حکیم کے حوالہ سے امام مالک سے روایت کی گئی ہے کہ کتاب میں (۱)
حافظ سیوطی نے تخریج احادیث کے مقدمہ میں امام شافعیؒ سے اس کتاب کی تعریف و ثناء
میں پیش کیا ہے۔ اگرچہ بعد و شافعیؒ نے مقدمہ کے بعد امام شافعیؒ سے اس کتاب کی یہ
توجیہ کی ہے:

اما قول الشافعی لدالک قبل وجود الکتابین۔ (۲)

اور اصل اس توجیہ کی وجہ یہ ہے کہ ان سے انیس میں موطا موطا میں موطا موطا
اور بدعات ہیں اس لیے موطا کا درجہ اب بخاری و مسلم سے بعد سے انیس حافظ عسقلانی
فرماتے ہیں

لا فرق بین الموطا والبخاری فی دالک لوجودہ بصف فی البخاری من
الصالحین ونحوھا۔

اس معنی میں موطا اور بخاری میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ بخاری میں بھی
تعلیقات موجود ہیں۔ (۳)

حافظ طبرانی الدین سیوطی نے حافظ ابن حجرؒ کی حوالہ موطا موطا سے اس معنی میں
کا یہ جواب دیا ہے کہ

موطا اور بخاری دونوں کی منقطع روایات میں فرق یہ ہے کہ موطا میں اس قسم کی جو
روایتیں ہیں۔ ان میں سے اکثر کا اس امام مالک سے ایسا ہی کیا ہے۔ اور یہ سننے والوں
میں محبت ہے۔ لیکن بخاری میں اس قسم کی جو روایات ہیں۔ ان کی سندیں ان دونوں کا پانچ
حذف کی گئی ہیں جن کی تعلیقات کے سلسلے میں تشریح کی گئی ہے۔ (۴)

(۱) تخریج المالك ص ۳۳ (۲) تنقيح الافكار ج ۱ ص ۴۰

(۳) تخریج المالك ص ۴۷ (۴) تخریج المالك ص ۵

اس دور میں یہ دو صاحبان نے نجد و نجدی کے فتح الباری کے مقدمہ میں تالیف کی۔

پھر اس کے بعد اس مقام پر صحیح بخاری کی تصحیح ثابت کرنے میں ایک صاحب نے کام لیا ہے۔ اس صاحب نے تصحیح اور تصدیق اور وثوق کے کام لینے میں بخاری اور امام مالک کے احادیث میں غباروں میں حدیثوں کا زیادہ ہونا۔ تو اس کا نہ صحت سے دینی کا اور نہ یہ صحت کا اہم ہے۔ دراصل اس مشکل کا حل یہ ہے کہ بخاری کی تصحیح صرف شریعت کی وجہ سے ہے۔ امام مالک کے خیال میں یہ تصحیح سنا و منافی صحت نہیں ہے۔ اس لیے ان کی کتاب میں مرسل منقطع و مقطعات و طاغات آجاتے ہیں۔ اور امام بخاری انقطاع کو چونکہ ایک صحت دہنی قرار دیتے ہیں۔ اس لیے وہ اس روایت کو موضوع کتاب سے الگ ہو کر اس کے سبب سے ہٹاتے ہیں مثلاً تراجم میں۔ اور اس میں شک نہیں کہ منقطع روایت اگرچہ جو کہ ردیف قابل احتجاج میں لیکن پھر بھی روایات متعدد زیادہ قوی ہیں بشیخہ انہوں نے بیان کرنے والے حفظ اور عدالت میں یکساں ہوں۔ ان میں بخاری کی تصحیح سے زیادہ ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ امام شافعی نے موطا کی تصحیح کا دعویٰ اپنے زمانہ میں نہ ہوا تاہم طاغات کے مقابلے میں کیا ہے ان کے ساتھ جامع النبیوں ثوری اور مصنف حماد بن سلمہ جیسی کتابیں تھیں اور ان پر موطا کی فضیلت میں بھی دورائیں نہیں ہوئی ہیں۔ (۱)

محمد بن جعفر بغدادی کے حلیۃ الشیخ صاحب کے حوالہ سے حافظ ابن حجر مقدسی کی اس تقریر کا یہ جواب دیا ہے:

محمد بن جعفر بغدادی نے طاغات موطا اور تعلیقات بخاری میں جو فرق بیان کیا ہے وہ کچھ نظر سے اصرار کا صاحب موطا کا بھی اسی طرح بظہر غائر مطالعہ کرتے ہیں۔ انہوں نے صحیح بخاری کا یہ ہے کہ ان کو پتہ لگ جاتا کہ واقعی ان دونوں کتابوں

میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ جو دو فرماتے ہیں کہ امام مالک نے روایات میں صورت میں سامع کیا ہے تو یہ تو میں تسلیم سے یہ موطا کی ایک حدیث مثلاً بخاری روایت اگر باخا ہے تو دوسرے ایک ہی حدیث کو امام مالک سے مسند حماد روایت کرتے ہیں۔ اور حافظ صاحب نے یہ بات بھی قابل پذیرائی نہیں ہے۔ اس میں امام مالک اور ان کے پیروکاروں کے نزدیک جہت ہیں اس لیے خود امام شافعی اور محدثین کے یہاں بھی مرسل جہت سے بشیخہ میں ہی پشت پر کسی مسند کا مدعیوں جیسا کہ ابن مہدی اور سیوطی وغیرہ کے تالیف سے اور عراقی کا یہ ہونا کہ بدعات و غیرہ معروف ہیں درست نہیں۔ چونکہ ابن مہدی نے موطا کے تمام طاغات مرسل و منقطع صرف چار چھوڑ کر باطل ثابت کر دیے اور ان پر دوسری موصوں ثابت کرنے کے لیے ابن الصلاح کے ایک منقطع راہ لکھتے جو یہ کہ اس موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ موطا اور بخاری میں کوئی فرق نہیں ہے۔

شاید ابن مہدی موطا کو حدیث کی کتابوں میں مقدمہ اور فضل سمجھتے ہیں۔ اپنی کتابوں میں اس کے دلائل لکھے ہیں۔ محمد اللہ البانی میں فرماتے ہیں کہ:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ قرآن کے حد سب سے صحیح کتاب موطا ہے محدثین میں اس پر اتفاق ہے کہ موطا کا سارے عالمی و غیرہ مالک اور اس کے پیروکاروں نے انہوں میں صحیح ہے اس کا ہر مرسل اور منقطع دوسرے طرق سے متصل السند سے اس لیے اس حیثیت سے موطا بالکل صحیح ہے۔ خود امام مالک کے ماننے ہی میں موطا کی روایات کی تواتر کے لیے ان گنت موطا لکھے گئے مثلاً ابن ابی ذائب بن حبیبہ بن ثوری اور معمر وغیرہ نے ان دونوں سے حدیثیں روایت کی ہیں جو امام مالک سے شیوخ ہیں۔ پھر موطا سب لوگوں کی میں تحقیقی توجہات کا مرکز ہوتا ہے۔ فقہاء میں سے امام شافعی، محمد بن اسحاق بن وہب اور ابن القاسم۔ محدثین میں یحییٰ بن سعید القطان، عبدالرحمن بن مہدی اور عبدالرزاق۔ خلفاء و امراء میں سے ہارون رشید، امین ماموں۔ حتیٰ کہ موطا امام مالک ہی کے زمانے میں ارتداد شہرت حاصل

معمر بن راشد سے سنی ہے کہ وہ تمام روایات کے ساتھ ساتھ روایت کرتے ہیں۔
یہ روایت ان کے پاس بھی تھی۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ
کیس تو تھک گئے معمر نے ان سے رسالہ لے لیا اور بقیہ خود پڑھ کر سنایا۔ (۱)

یہ بھی روایت ہے کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ
میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ

ہمام عن ابی ہریرۃ بسند مشہورۃ رواھا عنہ معمر۔

معمر سے روایت ہے کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ
کتاب خود بھی تصنیف کی ہے۔

ابو طالب کی نے قوت القلوب میں لکھا ہے

ثم کتاب معمر بن راشد باليمن لم یسن۔

دوسرے مقام پر الکافی لکھتے ہیں:

جامع معمر بن راشد الارذی مولد هم البصری نزیل الیمن المعروف

۱۳۱۰ھ۔ (۲)

یہ روایت ہے کہ وہ تمام روایات کے ساتھ ساتھ روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ
میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ

میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ
میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ

میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ
میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ

وچسپ مقالہ بھی لکھا ہے جس میں ان روایات کے ساتھ ساتھ روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ
میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ

میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ
میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ

میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ
میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ

میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ
میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ

جامع سفیان الثوری:

امام سفیان ثوری وفات کے وقت کے تھے۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ
میں نے ان سے روایت کی کہ وہ حدیث ۱۰۰۰ کی روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے معمر بن راشد سے روایت کی کہ

امام ابو یوسف فرماتے ہیں

سفیان الثوری اکثر متابعة لابی حنیفة منی۔ (۱)

امام ابو یوسف ہمیشہ اپنے استاد جامع سفیان ثوری کی قیادت سے
مطالعہ کے بعد امام زفر کا اثر یہ تھا

هذا كلاما ينسب الى غيره

یہ بات تو ہماری ہے لیکن منسوب اوروں سے ہے

امام زفر نے جامع سفیان سے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے وہ اس کے متبعی
میں سے متعلق ہے۔ بعض ان فقہی مسائل کو جو کہ کے مابین اختلافی ہیں اور جن میں
تو کچھ اصیبت اور ولایت کا ہے اس کا اہمیت اسے تھے اور اتنی اہمیت کہ ان کو مل
تے تھے وہ اسے اسے اسے تھے اس کا انداز اس واقعہ سے ہوتا ہے جو حافظ ابی نے
لا کالی کی اسناد کے حوالے سے لکھا ہے۔

شعیب بن جریر کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے عرض کیا کہ سنت سے موضوع
بہانی بات ایسی کتاب جو میرے سے غے بخش ہو اور ایسی پختہ ہو کہ کتاب الہی میں
آپ سے حوالہ سے ہوں تو آپ کی طرف ہو جائے فرمایا ہو بسند
اللہ الرحمن الرحیم قرآن اللہ کا ہے توفیق نہیں ہے اللہ ہی اس کا مدد اور
معاون ہے۔ تو میں اس سے حلف نہ ہوا ہے اور ایمان توں و عمل اور نیت کا کام
نہ بڑھتا اور گھٹتا ہے اور شیکن و مقدم رکھوں یہ کہہ کر فرمایا کہ شعیب اصفہانی
بات سے مدد نہ ہوگا جب تک تم کسی علی فہم کو نہ مانو گے اور جب تک نماز میں
کھڑے نہ آتے نہ پڑھتے کو بعد از اس سے پڑھتے سے مقابے میں افضل نہ چانو گے
اور جب تک عقول پر ایمان نہ آوے اور جب تک ہر ایک وہ کہے پیچھے نہ رہو
گے اور جب تک جہاں کو قیامت تک ضروری اور ہر عام و حال حکومت کے تحت نہ رہو

(۱) الجواب المفید ج ۲

شعیب سے دریافت کیا کہ سب محدثین ان لوگوں کی امانت میں پڑھیں ضروری
ہیں فرمایا بعد از مدینہ تمام یہاں کی امانت میں پڑھوں گے مدد میں تمہیں
اختیار ہے صرف اس کے پیچھے یا جو جسے تم جانتے ہو کہ اہل سنت سے ہے۔
جب تم خدا کی جناب میں جاؤ تو تم سے دریافت کیا جائے تو مدد نہ مانو مجھ
سے یہ بات سفیان ثوری نے کہی ہے۔ (۱)

امام سفیان ثوری نے اپنے شاگرد بھی امام اعظم کی مجلس درس میں حاضر ہونے میں درس
سے حدیثیں روایت کی ہیں مگر امام صاحب کی فتاویٰ انہوں نے علی بن مسدد سے حاصل کیا ہے جو
امام اعظم کے شاگرد ہیں۔ امام سفیان ثوری نے اپنی جامع کی تصنیف میں یہ دو ترانہ ہی سے
مدد لی ہے خود علی بن مسدد کا بیان ہے کہ:

امام سفیان میرے پاس عشرہ کی تعداد کے بعد آئے اور میرے سے امام اعظم کی
کتابیں عاریطہ لے گئے۔ (۲)

امام سفیان کی جامع ایک زمانے میں محدثین نے یہاں بڑی مقبول اور مستند رہی تھی
امام بخاری نے حسب علم حدیث کی تحصیل شروع کی تو سب سے پہلے جن کتابوں کی طرف توجہ دی اور
سفیان ثوری کی جامع اور عبد اللہ بن مبارک اور ابی بن جراح کی تصانیف تھیں۔ امام بخاری نے
جامع ثوری کا سامان اپنے اہل بیت میں امام ابو نعیم سے لیا تھا۔ ظہیب بخاری نے

محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں کہ ایک حرف کتاب میں جو میرے یہاں نہ تھا
میں نے ان سے دریافت کیا انہوں نے وہی بتایا میں نے اس سے پھر چھاپا انہوں
نے پھر وہی بتایا آخر میں سے تیسری بار مرہمت کی تو فوراً چپ ہو رہے اور
دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اسماعیل کا نانا کا محمد ہے فرمایا میں نے
صحیح بتایا ہے یاد رکھو یہ ایک روز مرد میدان ہوگا۔ (۳)

حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ اسحاق بن رسوید سے کسی سے دریافت کیا کہ جامع
سفیان اور موطا میں کون سی کتاب زیادہ اچھی ہے فرمایا کہ کتاب ماکہ۔ (۴)

(۱) ترمذی و ابی داؤد بن مسدد (۲) ابن مسدد (۳) ابن مسدد (۴) ابن مسدد

نیں مام ابوہریرہ روایت ہیں کہ لوگوں نے اس موضوع پر بحثیں کرتی تھیں کہیں ہیں کہ
میں جامع غیون سب سے اچھی ہے۔ (۱)

اس دور کی اور کتابیں:

اس دور میں ان کے علاوہ دوسرے ارباب علم نے میدان علم میں داخلہ کیا ہے۔
مؤرخین کے دور کتابوں کی تعداد کی ہے اور کتابا ہے کہ مختلف علوم و فنون میں کتابیں لکھی گئیں
مثلاً یہ روایت میں پھر روایت کہ امت ان کے اس احسان عظیم سے کبھی عہد و آراء نہیں
ہو سکتا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں

علمائے کبار نے سنن کی تدوین فقہ کی تالیف اور زبان و ادب پر کتابیں لکھی ہیں۔ ہارون
شید کے زمانے میں اس کی بہتات ہوئی اور مشریت تصانیف مدون ہو گئیں۔ (۲)
حافظ ابن جریر عسقلانی فتح الباری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

ماہنامہ نے حدیث اہل تجارتوں سے۔ وقت کی تالیفیں پر مشتمل موطا۔ ابن جریر
نے حدیث امام ابراہیم نے شام میں اور سنن تھوری نے کوفہ میں حماد بن سلمہ نے
بصرہ میں کتابیں لکھی ہیں۔ (۳)

حافظ سیوطی تاریخ الخلفاء میں ۱۴۰ھ کے حوالے سے جو حافظ ابی کی احادیث سے نقل

ہے ہیں

قد سبھی شرح علماء الاسلام فی هذا العصر فی تدوین الحدیث
والفقه والتفسیر لصف ابن حریج بمكة و مالک الموطا بالمدينة والا
وراعی بالنسب و ابن اسی عروہ و حماد بن سلمہ و غیرہما بالنسرة
ومعمر باليمن و سفیان الثوری بالكوفة و صف ابن اسحاق المعاری و
صف ابن حبیبة الفقه و الرازی ثم بعد یسیر صف ہیثم و اللبث و ابن
لہیعہ ثم ابن المبارک و ابو یوسف و ابن وہب و کثیر تدوین العلم و
تبویہ و حونت کتب العربیة و الفقه و التاريخ و امام الناس۔

(۱) ماہنامہ محمدیہ ص ۷۰ (۲) تذکرۃ الحفاظ ص ۱۵۱ (۳) الہدی الباری ص ۵

علمائے اسلام نے اس زمانے میں حدیث فقہ مذاہب و ادب میں بہت کثرت اور
تاریخ کی تدوین شروع کی۔ (۱)

مؤرخین نے اس اجمال کی کچھ شرح فرمائی ہے:

کتاب السنن ابن جریر:

یہ کتاب محدثین کے یہاں سنن ابی الویلہ کے نام سے مشہور ہے۔ استانی نے اس
نام سے اس کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

یہ سنن کی کتابوں میں سے سنن ابی الویلہ ہے۔ لوگ اس کو ابو خالد بھی کہتے ہیں ان
کا نام عبد الملک بن عبد حمز بن جریر ہے نہ جاتا ہے کہ او میں مصنف ہیں یا

وفات ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ میں ہوئی۔ (۲)

حافظ ابی کے ان کا پیروا سمیت ہوئے تذکرۃ الحفاظ میں بتایا ہے کہ صاحب
التصانیف۔ احمد الاطام اور علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ ان کے پاس ایک کتاب تھی خالد بن
مزار کہتے ہیں کہ ۱۵۰ھ میں میں اس تاریخ کی کتابیں لے کر ان کی خدمت میں ہاضمہ وقت
کے لیے حاضر ہوا مگر فسون کے ان کی وفات ہو چکی تھی۔ (۳) اس اندیک سے ان کی کتاب
السنن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

لہ من الکتاب کتاب السنن و یحتوی مثل ما یحتوی علیہ کتب السنن۔

اس کی کتابوں میں کتاب سنن ہے اس کے مضامین بھی سنن جیسے ہیں۔ (۴)

امام حسن بن ربیع و بھی ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حافظ ابی نے

تاریخ کبیر میں خود امام حسن کی زبانی نقل کیا ہے۔

میں نے ابن جریر سے بارہ بار حدیثیں وہ لکھی ہیں جن کی فقہ و کوفہ و رت فوق

ہے۔ (۴)

ابن جریر کے اس بیان سے جو حافظ ابی نے مدون بن حماد سے نقل کیا ہے تذکرۃ الحفاظ

(۱) تذکرۃ الحفاظ ص ۲۶۳ (۲) انوار السنن ص ۳۰ (۳) تذکرۃ الحفاظ ص ۱۶۰

(۴) بھرست لابن النعمان ص ۳۲۰ (۵) الاصحاح ص ۵۰

کے یہ وصف نے امام اعظم سے اس قدر استفادہ پایا ہے۔ حافظ ابن قدامت میں۔
روایت میں جہالت میں کہ جب ان کو امام اعظم کی وفات کی خبر ملی تو ان سے قرآن
محمّد پڑھنے والے لفظ دھب علم کبیر بخدا یا ستہ دست بڑا موقوف کر دیا۔ (۱)

کتاب الفرائض لابن مقسم ۱۸۶ھ

مجدد بن مقسم کوفہ کے نامور محدثین سے ہیں۔ امام شعبہ جیسے رئیس المحدثین کا
بارہ میں تاثر یہ تھا کہ تمام سے زیادہ حافظ ہیں۔ امام احمد ان کو ذی حافظہ اور صاحب سنت
فرماتے تھے۔ روایۃ صحاح ستہ میں سے مشہور امام حدیث و فقہ ہیں۔ ابوبکر بن عیاض کا بیان ہے
کہ میں نے ان سے زیادہ افتخار کسی نہیں دیکھا اس لیے ان ہی کی خدمت میں روپڑاں خوا
روایت تھے کہ جو چیز میرے کان سے سن لی جو نہیں ہوں۔ فقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ امام
ابن ابی شیبہ نے ان کو امام اعظم کا شاگرد بتایا ہے۔ حریر بن عبد اللہ قاضی بیان ہے کہ میں نے ان سے یہی مقسم
مسائل میں گفتگو کرتے تھے۔ اور جب کسی مسئلہ پر ان سے کوئی اختلاف کرتا تو فرمایا کرتے کہ
امام ابو حنیفہ بھی فرماتے ہیں۔ (۲)

اللہ کے اعظم ابی حنیفہ اتنی جرات قدرت کے خلاف کے وقت ان کو بطور استاد
پیش کیا جاتا ہے ابن الدیم نے لکھا ہے کہ:

لہ من الکتاب کتاب الفرائض۔ (۳)

کتاب السنن لزائد بن قدامہ

زائد بن قدامہ کوفہ کے مشہور محدث ہیں امام ذہبی نے ان کو امام شعبہ کا ہمسرہ بتایا
ہے۔ ان کی عملی جرات قدر کا اندازہ کرنا ہو تو ترجمہ میں امام احمد کا یہ بیان پڑھیے۔
ابو اسحاق کی حدیث کے سوا جب قرآن اور زبیر سے کوئی حدیث سن لیا تو اسے
دوسرے سے سننے کی فکر ہی نہ کرو۔ (۴)

(۱) مناقب لدینی ص ۱۸ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۸ (۲) الجواب النبی ص ۲ ص ۱۷۹

(۳) فہرست لابن الدیم ص ۳۳۰ (۴) تذکرۃ الحفاظ

علامہ ابن ندیم نے ان کی تصانیف میں کتاب السنن کتاب التہذیب کتاب
الغیر کتاب الزہد اور کتاب المناقب کا پتہ دیا ہے۔ (۱)
حافظ ابی نے زہد میں قدامہ کو امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ حافظ
عبد القادر نے الجواهر النضر میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔

کتاب السنن یحییٰ بن یزید ۱۸۴ھ

ان کا بھی حافظ ابی نے کن امام صاحب النصاب نے ان کے بارے میں
نے ان کی تاریخات میں کتاب السنن کا تذکرہ کیا ہے۔ (۲)

ابن ندیم نے یحییٰ بن یزید بن ابی رافعہ مدنی سے۔ حافظ حدیث فقہ
فقہ مدنی متروک اور ان کا بار مل علم و فضل میں سے تھے جنہوں نے قدامہ حدیث و علوم
کا کام کیا ہے۔ حافظ ابن حجر مقدسی نے یحییٰ بن یزید کے مقدمہ میں امام یحییٰ بن احمد بن
سے نقل کیا ہے کہ امام سفیان ثوری نے بعد وہ میں آپ سے زیادہ شہرت و بیعت نہ تھی۔ نجیب
بخاری رقمہ از ہیں کہ آپ سے پورے سال تک دورانہ ایک قرآن حکیم شریف۔ بغداد میں
ایک مدت در تک درس حدیث دیتے رہے آپ کے تلامذہ میں امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ اور
یوحنا بن ابی شیبہ ہیں۔ امام ابن اندلی کہتے ہیں کہ علم یحییٰ پر ان کے زمانے میں نہ تھا۔ (۳)
یحییٰ بن زکریا امام اعظم کے صرف ان تلامذہ میں سے نہیں جنہوں نے امام اعظم بن عمر بن
تدوین کتب کا کام کیا ہے بلکہ ان میں اشخاص میں سے ہیں جن کا شمار تلامذہ و حنفیہ میں ہوتا
تھا۔ چنانچہ حافظ ابو حفص علی بن عبد اللہ متحمل اسد بن اغرات سے روایت کی ہے

کان اصحاب ابی حنیفہ الدین دونو الکتب اربعین رجلا وکان فی
العشرة المتقدمین ابو یوسف ورفروداؤد الطائی و سید بن عمرو
یوسف بن خالد السمنی و یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ۔

امام اعظم نے وہاں ہی بچپن میں کتب کا کام کیا وہ چالیس تھے۔ ان
میں جو درجہ قیادت رکھتے تھے وہ دس تھے۔

(۱) فہرست ص ۳۳۰ (۲) فہرست ص ۳۳۰ (۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۶

بند یہ بھی بتایا ہے کہ یحییٰ بن زکریا ہی میں مکمل تدوین پورے تیس سال تک کتابت و خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس بن فرات ہی فرماتے ہیں۔

وهو الذي كان يكتبها لهم لئلا ينسئ (۱)

کتاب السنن و شیخ بن الجراح ۱۹۷ھ:

بن ندیم نے اس کی تصانیف میں کتاب السنن کا ذکر کیا ہے۔ (۲) ائمہ ثانی نے بھی بن سنن کا مصنف و شیخ کے نام سے تعارف کرایا ہے۔ (۳) حافظ ذہبی نے اس کی تصانیف کے بارے میں امام احمد کا یہ اقبالی ارشاد نقل کیا ہے کہ:

عليكم بمصنفات و كعب (۴)

اور ان کے چہرہ امام ذہبی نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے الامام ابو الفداء۔ المصنف محدث حرق احد الامم الاعلام۔ شیخ بن الجراح اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ و رواۃ میں ہیں فقہ و حدیث کے امام عابد و اذکار و اجار تابعین امام شافعی و امام احمد کے شیخ ابوسفیان کینت قمی امام اعظم سے فقہ میں درجہ تخصیص حاصل کیا اور حدیث میں امام اعظم، امام ابو یوسف امام زفر بن جریج، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور فی الثعلبی وغیرہ ان کے اساتذہ ہیں اور عبداللہ بن مبارک، امام احمد، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، اسحاق بن راہویہ، احمد بن منیع اور یحییٰ بن ائیم جیسے بہار محدثین آپ کے تلامذہ ہیں۔ یحییٰ بن ائیم فرماتے ہیں کہ میں سفر و حضر میں آپ کی رفاقت میں رہا آپ ہمیشہ روزہ رکھتے ہر رات قرآن حکیم ختم کرتے تھے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل کوئی نہیں دیکھا۔ (۵) امام اعظم کی خدمت میں کافی عرصہ رہے ہیں اور علم کا بہت بڑا حصہ ان سے حاصل کیا ہے امام اعظم کی مجلس تدوین فقہ کے رکن بھی ہیں۔ الصمیری نے لکھا ہے کہ فتویٰ میں امام ابو حنیفہ کی رائے کو اپناتے تھے۔ (۶) عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیتے اور امام اعظم سے بہت زیادہ حدیثوں کا سماع کیا ہے۔ (۷)

(۱) جوہر المصنفات ج ۲ ص ۳۱ (۲) اہمست ص ۳۳۰ (۳) اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۲

(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۳۹ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۴۲ (۶) الجوہر المصنف ج ۲ ص ۳۰۸

(۷) اساتذہ کبار ج ۲ ص ۳۹

کتاب السنن سعید بن ابی عروبہ ۱۶۵ھ:

امام ذہبی نے ان کو بصرہ میں اولین مصنف بتایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

اول من صنف الابواب بالبصرة۔ (۱)

علامہ ابن الندیم نے ان کی ابواب کو ان کی تصانیف میں کتاب السنن لکھا ہے۔

(۲) حافظ ابن عبدالبر نے بسند متصل ایک واقعہ لکھا ہے۔ جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سعید بن ابی عروبہ کے یہاں امام اعظم کا یہ علمی مقام تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

سعید بن ابی عروبہ سے ایک ہزار ایک مسئلہ دریافت کیا گیا۔ مسئلہ کا تحقق حلقہ سے تھا جواب دیا اور فرمایا یکذا قال ابو حنیفۃ امام ابو حنیفہ بھی یکن فرماتے ہیں۔ بعد

ازیں ارشاد فرمایا کہ امام ابو حنیفہ تمام عراق کے عالم ہیں۔ (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ سعید امام اعظم کے حدم سے یہ استفادہ کرتے تھے اور یہ کہ امام اعظم کی شخصیت صرف علمی نہیں بلکہ استدلال ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے بسند متصل سعید بن ابی عروبہ کی روایت جو دوسرا واقعہ لکھا ہے کہ سعید بن ابی عروبہ امام اعظم کے درس میں شریک ہو کر ان کے سامنے زانوئے ادب قہہ کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

میں نوذ آیا تو امام اعظم کے درس میں حاضری دیتا تھا ایک روز امام اعظم نے حضرت عثمان کے ذکر پر حمد اللہ فرمایا۔ میں چونکہ یہ عرض کا کہ آپ پر بھی اللہ رحم کرے میں نے تو اس بستی میں آپ کے سوا حضرت عثمان کے لیے دعا سے رحمت کرنے والا نہیں دیکھا یہیں سے مجھے امام اعظم کا مقام فضل معلوم ہو گیا۔ (۴)

یہ تصریحات بتا رہی ہیں کہ سعید بن ابی عروبہ نے امام اعظم سے اس قدر علمی استفادہ کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے سید بن سہرک کو بھی ان کا رفیق تصنیف بنا کر پیش کیا ہے۔

هو اول من صنف مع سعید۔ (۵)

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۷ (۲) اہمست ص ۳۳۱ (۳) الانقضاء ج ۲ ص ۱۴۰

(۴) الانقضاء ج ۲ ص ۱۴۰ (۵) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۱

ابن الندیم نے بھی حماد کے مؤلفات میں کتاب السنن کا نام لیا ہے غالباً یہ ایک ہی کتاب سے مراد ہے۔ ایک جگہ یہ ہے کہ ایک ہی کتاب دونوں کی طرف منسوب ہے۔

کتاب التفسیر بشیر بن بشر ۱۸۳ھ:

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حماد نے تفسیر کا نام دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: روى عنه عباد بن العوام وابن المبارك وهنوم۔

ان کی تصانیف میں علامہ ابن الندیم نے مندرجہ ذیل تین کتابیں بتائی ہیں:

کتاب السنن، کتاب التفسیر اور کتاب القراءت۔ (۱)

امام حماد بن زید نے فرمایا کہ میں نے محدثین میں ان سے زیادہ بلند مرتبہ نہیں دیکھا۔ محدث ثوری فرماتے ہیں کہ بشیر بن احمد بن عظمیٰ کا تعلق حدیث میں تھا۔ عبد الرحمن بن سعدی فرماتے ہیں کہ بشیر بن ثوری سے بھی زیادہ حافظ تھے۔ ان کے تلامذہ میں بڑے بڑے جلیل القدر محدثین ہیں۔

کتاب الزہد عبد اللہ بن المبارک:

حافظ ذہبی نے ان کے ترجمہ میں ان کو صاحب تصانیف الزہد کہا ہے۔ علامہ ابن ندیم نے ان کی تصانیف میں متعدد کتابیں نام لگائی ہیں مثلاً کتاب الزہد، کتاب السنن، کتاب التفسیر، کتاب التاريخ اور کتاب البر والصلہ۔ (۲)

مشہور محدث امام یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ جب مجھے یقین اور مشکل مسئلہ سے سنا کہ پڑھتا ہے تو ہمیشہ ان کتابوں میں سے ایک کتاب کو بھیج دیتا ہے جو اس کی جانی ہے۔ یحییٰ بن آدم نے ان کتابوں میں مندرجہ حدیث کی تعداد بھی بتائی ہے فرماتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں مندرجہ حدیثوں کی تعداد میں ہزار تھی۔ (۳)

یہاں یہ بتانا چاہئے کہ ابن الندیم نے عبد اللہ بن المبارک کا ذکر کرتے ہوئے ان کے دو اشعار بھی درج کیے جو انہوں نے امام اعظم بن حنفیہ میں کہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

لقد ان البلاد ومن عليها
بأخبار وفقه في حديث
لما في المشرفين له بطير
رايت العائيس له سفاها
امام المسلمین ابا حنیفہ
کتابات لربور علی الصفہ
ولا بالمعربین ولا بکوفہ
حلاف الحق مع جمع صغیر

حافظ عبد القدیر قرطبی فرماتے ہیں کہ ایک بار عبد اللہ بن المبارک کے ہاتھ تلامذہ ایک مجلس میں جمع تھے باہم گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وہ ابن المبارک کی خوبیاں شمار کریں۔ سب کا فیصلہ یہ تھا کہ عبد اللہ میں طرافت ادب، نفاذت زہد، شعر فصاحت، پادری، انصاف، شب بیداری، سلامت، رائے، تقیہ، کلام اور باتیں سے قوت اختلاف، صحت باری خوبیاں تھیں۔ (۱)

خلیب بغدادی نے عباس بن مصعب کا بھی ایسا ہی تاثر لکھا ہے۔ ہذا جو ان مناقب و آثار کے عبد اللہ بن المبارک امام اعظم کے اصحاب اور تلامذہ میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ابن المبارک ہی ابو حنیفہ اور یحییٰ بن ثوری سے مدد فرماتے تھے۔

تعلمت الفقه الذي عندي من ابي حنيفة۔

امام اعظم کے تلمذ پر فخر کرتے ہیں مدد فرماتے تھے۔ (۲)

سیرت و مغازی:

ان کے علاوہ بھی دوسرے محدثین نے حدیث کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں اور ساتھ ہی دوسرے موضوعات پر بھی لکھی ہیں مثلاً سیرت و تاریخ، فقہ، شعر، ادب و شعر پر اس دور میں کتابیں لکھی ہیں۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن لکھتے ہیں کہ

سیرت کے موضوع پر سب سے پہلے عروۃ بن الزہر نے قلم اٹھایا بعد ازیں ابان بن عثمان قسری نے کام کیا۔ ابان کی علمی تحقیقات کو ان کے شاگرد عبدالرحمن بن اصفیٰ نے سیرۃ اربعوں کے نام سے کج کیا اور محمد بن شہاب الزہری بن موسیٰ بن عقبہ نے ان کے بعد مغازی لکھے ہیں۔ بلاخر محمد بن اسحاق نے ان سب کو سیرۃ الرسول کا نام رکھ کر کج کیا ہے۔ (۱)

الذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن اللطیف نے المہرست میں ان کا جتہ جتہ تذکرہ کیا ہے۔

فقہ و شراعی

ان موضوع کی تفصیلات ہم یہاں نہیں پیش کر سکتے۔ اس پر سیر حاصل مباحث کے سینے آپ کو ہماری دوسری کتاب "ابن عساکر اور علم شراعی" کا انتظار کرنا چاہیے لیکن ہم یہاں تاریخی ربط قائم رکھنے کے لیے چند اشارات کریں گے۔

علمی حیثیت سے کتاب وسنت اُردو دلائل ہیں تو فقہان و دلائل سے پیدا شدہ مسائل کا نام ہے یا جیسا کہ الخطابی نے معالم السنن میں لکھا ہے کہ قرآن وسنت اُردو دلائل اور بنیاء ہیں تو فقہان بنیاءوں پر علمی اور سنت کا نام ہے یا جیسا کہ عیسیٰ بن عیسیٰ نے بتایا ہے کہ قرآن وسنت اُردو دلائل ہیں تو فقہ کی حیثیت اسی جیسی کے اُردو دلائل کی ہے۔

زمانہ نبوت میں خود ذات نبوت فقہ و فتویٰ کے مرکز تھے آپ کے بعد کاربھی جو شریعت کے رازوں و احکام اسلامی کے محروم تھے فقہ و فتویٰ میں آپ کے جانشین تھے۔ حافظ ابن عساکر اور حافظ ابن القیم نے نام حرمی سے نقل کیا ہے۔

فقہ و زمانہ نبوت سے آج تک فقہ میں اور تمام احکام میں قیاس سے کام لیتے رہے ہیں۔

حافظ ابن عساکر نے جامع بیان العلم میں حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اور حافظ ابن حزم نے احکام الاحکام میں فقہ کی تاریخ پر جامع تصدیق کیا ہے۔

مشہور جرمین مؤرخ بروکلمان نے اقرار کیا ہے:

اسلام کا دامن جزیرہ عرب سے باہر پھیلنا تو محدثوں نے روایت کی اس مرتبہ پر اس مشاہدات پر قابو پانے کے لیے اجتہاد شروع کیا۔ اس طرح اسلام میں فقہ کا تصور ہو۔ یعنی اس عقلی تدبیر و عمل کے مجموعہ کے میں مختلف فیہ تصور پیدا ہوا۔ فقہ و تشریح ہو گیا۔ (۱)

گولڈزیہر کی رائے ہے

فقہ و اجتہاد پر اسلام کے شروع ہی سے کام شروع ہو گیا تھا لیکن اس دور کی علمی حیثیت کچھ نمایاں نہ تھی۔

ان تصدیقات سے مجھے صاف یہ بتاتا ہے کہ فقہ و شراعی کا تاریخی رشتہ ذات نبوت اور صحابہ سے وابستہ ہے بلکہ جیسا کہ ابن القیم حتیٰ نے کہا ہے کہ فقہ اسلامی کا دستور ضابطہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یہ کہہ کر بتایا تھا کہ:

اے معاذ! پیش پا افتادہ معادلات و عمل ایسے کرو گے؟ جو لوگ کہ قرآن سے حضور نے دریافت فرمایا اُردو قرآن میں جنہیں معاد کا صلہ نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟ اے اے حضور! آپ کی سنت سے۔ حضور نے پھر پوچھا کہ اُردو سنت میں بھی نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟ بولے کہ اجتہاد کروں گا۔ حضور نے یہ سن کر فرمایا الحمد للہ الہی وہی

رسول رسول اللہ لما یرضاه۔ (۲)

یہ درست ہے کہ جیسے سارے صحابہ حفاظ حدیث نہ تھے کہ ایک انکو چوتھیں ذرا بھی میں سے حدیث نبوت کو نقل کرنے والے صحابی پر اور ان کی تعداد کے بارے میں امام حاکم نے للمدخل میں لکھا ہے کہ

فلروى عنه صلى الله عليه وسلم من الصحابة اربعة الاف رجل وامرأة ۳

یعنی صرف چار ہزار مرد اور تین سو بیس عورت نے احادیث روایت کی ہیں۔ ایسے ہی سارے

صحابی فقہاء بھی نہ تھے بلکہ ان کی تعداد جیسا کہ حافظ ابن القیم نے اعلام میں بتائی ہے۔

دور صحابہ ۱۰۲ھ سے ۲۰۰ھ تک حدیث:

یہ تو آپ پہلے سن آئے ہیں کہ علم حدیث کے نام سے جو علمی ذخیرہ آج دنیا میں موجود ہے، وہ حسب تعدد نام کا ہے۔

قد روی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم من الصحابة اربعة الاف رجل و
امواف۔ (۱)

ابن سعد نے چار ہزار مردوں سے حاصل کیا ہے۔ جن تابعین نے صحابہ سے یہ حاصل کیا اور بعد ان کی طرف منتقل کیا ہے ان کی تعداد اندازہً ان سے زیادہ ہوتی ہے۔ صرف طقات ابن سعد میں چند مئری شہرہوں کے جن تابعین کے حالات ملتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں

حدیث	۲۸۳	۱۰۲	۲۱۳
مرد	۱۳۱	بندہ	۱۶۳

شمارہ کوفہ اور حدیث میں ابن تابعین کی اس شرط قدر آپ کے ان ہوں لیکن حجت کی وہی بات نہیں اس واسطے کہ وہی نقد و حدیث میں مزایت حاصل تھی۔ آپ چھپے امام صاحب کا یہاں پر خط ہے کہ محمد بن ابی اسحاق اس وقت تک حاصل ہے کہ علمی مباحث میں اس کا ذکر کیا جائے۔ علامہ یاقوت حموی نے سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ

خففوا الغرات عن اهل المدينة وخذوا الحلال والحرام عن اهل
المكوفة۔ (۲)

قرأت حدیث والوں سے اور حلال و حرام کی باتیں کوفہ والوں سے لو۔

یہ باتیں ہیں جن کے اتفاق و تباہی میں نقل کیا جاتا ہے جیسے ابن عیینہ سے ترقی مسائل کا تذکرہ امام صاحب کو وہاں اس طرح کرتے ہیں البسہ النسی لا اختلاف فیہا عدل۔ ایسی ہی ہیں وہاں کے بہائی مسائل و مسائل کے لیے ایسے موقع پر امام محمد یہ فرماتے ہیں

ہو لولول اسی حبیطہ و العامة من فقہائنا۔ اور ائمہ مدینہ والوں کو کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو امام مالک فرماتے ہیں هذا احسن ما سمعت۔ اور امام محمد اہل کوفہ کے اختلاف کی طرف یہ کہہ کر اشارہ فرماتے ہیں هو احب البس۔ الغرض مدینہ اور کوفہ میں ابن تابعین کی یہ حجت کوئی حیرت والی بات نہیں ہے۔ ان ابن تابعین کے حالات کتابوں میں پڑھتے ہیں آپ کو یہ علم جائے گا کہ ان لوگوں نے صحابہ کے زمانے کا بہت بڑا حصہ پایا ہے ان میں سے بیشتر وہ ہیں جنہوں نے صحابہ کے گھروں اور صحابیات کی گود میں پرورش پائی ہے۔

مدینہ میں تابعین میں حدیث و آثار کا سرچشمہ، سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر اور قاسم بن محمد ہیں تو کوفہ میں مسروق، عقیقہ اور اسود بن یزید تھے ہیں۔

سعید کو حضرت ابو ہریرہ جیسے راوی کبیر کے دواہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت عائشہ کے بھانجے اور قاسم کے بھتیجے ہیں اور ان دونوں کی حضرت عائشہ سے ہی پرورش کی ہے۔ کوفہ کے مسروق بن ابی ابراہیم حضرت عائشہ سے بھی اور لے پائے ہیں۔ عقیقہ کی حضرت عبداللہ بن مسعود نے بھی تربیت فرمائی ہے اور ان کو براہ راست فاروق اعظم بھی مرتضیٰ، ابو الدرداء اور عثمان غنی سے استفادے کا موقع ملا ہے۔ اسود بھی عقیقہ کے بھائی اور ابن ابی نعیم غنی کے ماموں ہیں۔ یہ ایک نمونہ ہے۔ درندہ دارا گلستان ہی سدا بہار ہے۔ ان تابعین کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک ایک شخص سے صحابہ کے علم و ترقی ترقی علی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم کیے ہیں اور آپ کے ارشادات و احادیث کے تدریس کے عدالتی فیصلوں، ورفی وکی کے تعلق و اقیات، بھیم پچھائی ہے۔ احادیث کا اثر و اثر و اثر و اثر ہی تابعین کی وساطت سے اس کے علاوہ کے وسیع امت کو وراثت میں ملا ہے یہ سب اس کے علاوہ ہیں جنہوں نے اپنے اس اساتذہ کے علوم و سنین سے صحیفوں میں منتقل کیا ہے۔

مذکورہ کتابوں کے علاوہ جن کی تحصیل ہم پر دے چکے ہیں وہ ایک نظر اس نقشہ پر بھی ڈال لیجئے تاکہ اس دور کی تاریخات کا پورا اندازہ ہو سکے۔ یہ نقشہ ہم نے اعتدالی کی کتاب الرسائل المستطرفة سے تیار کیا ہے۔ ہم یہاں صرف مختصر کے ساتھ ان کی پیش کرتے ہیں۔

۱۵۰ھ	امام اعظم اور حدیث	کتاب الآثار
۱۵۱ھ	امام ابو حنیفہ بن اسلم	موس
۱۵۱ھ	عبد الملک بن محمد بن اسلم	کتاب سنن
۱۵۱ھ	ابن ابی اسحاق	کتاب سنن
۱۵۱ھ	نعمان بن مسلم	کتاب سنن
۱۶۱ھ	غیاث الشافعی	جامع
۱۵۸ھ	سنان بن عیینہ	جامع
۱۵۳ھ	سمر بن داود	جامع
۱۵۹ھ	محمد بن اسلم الشافعی	کتاب الآثار
۱۶۲ھ	عبد اللہ بن مبارک	کتاب الجہاد
۱۸۲ھ	قاسم بن یوسف	کتاب الفکر والحدیث
۱۵۳ھ	محمد بن اسحاق	کتاب السیرت
۱۴۱ھ	دون بن محمد	المعاری
۱۸۴ھ	أحمد بن حنبل	المعاری

ان کے علاوہ ابن اللہ میر نے جن مومنین کی شانہ کی ہے ان پر بھی ایک نکتہ دیا ہے۔

۱۵۹ھ	محمد بن عبد الرحمن بن ابی داؤد	کتاب سنن
۱۶۰ھ	عبد الرحمن بن ریح بن اسلم	کتاب النسخ والمسنون
۱۶۲ھ	عبد الملک بن محمد بن ابی اسلم	کتاب المعاری
۱۹۵ھ	محمد بن اعظم بن غوث	کتاب سنن
۱۱۶ھ	اسامیل بن حلیہ	کتاب التفسیر
۱۵۹ھ	عبد الرحمن بن اسلم	کتاب سنن

۱۹۰ھ	الوید بن مسلمہ ترمذی	کتاب السنن
۱۹۵ھ	اسحاق بن ابراہیم	کتاب اقراءت
۱۶۳ھ	ابراہیم بن مہربان	کتاب السنن کتاب التفسیر

الغرض اس دوسری صدی میں علم حدیث میں بڑھت تھی تصنیف ہون ہو کر عام اسدی میں پھیل چکی تھیں اور امام اعظم کے تلامذہ نے تمام عالم اسلامی کو فقہ و حدیث سے معمور کر دیا تھا۔ اسی صدی میں فقہ حنفی اور مالک کی تدوین ان احادیث و آثار کی روشنی میں عمل ہوئی کہ اس پر فقہاء میں بدلتا میں اور اب فقیہ فاضل آراء پیدا ہوا تھا۔ جیسے الامت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

اور جو شخص کہ ان مذاہب کے اصول پر مطلق سے وہ اس بارے میں کوئی شک نہیں کرے گا۔ کہ ان مذاہب کی اصل ضرورتی اعظم کے اجماعی مسائل ہیں اور یہ ان مذاہب میں ایک امر مشترک ہے اس کے بعد اہل مدینہ میں سے فقہاء میں جیسے کہ حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ ہیں۔ اور بہار تابعین فقہاء سید اور صحابہ تابعین مدینہ میں سے زہبی اور اس جیسے حضرات پر اعتماد امام مالک کے مذہب کی بنیاد ہے اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود کے آثار و احادیث میں اعتماد اور حضرت علی کے فیصلوں کو حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب روایت کرتے اور مانتے ہوں اور اس کے بعد ابراہیم نخعی اور شعبہ کی تحقیقات اور ان کی تحبیحات پر اعتماد امام ابو حنیفہ کے مذہب کی بنیاد ہے۔

مصنفین اور تلامذہ امام اعظم:

آپ اس صدی میں علم حدیث پر مصنفین کے حالات کی کتابوں میں پڑھیں آپ معلوم ہو جائے گا کہ ان میں بیشتر امام اعظم کے تلامذہ ہیں یا چھ دو ہیں جو امام اعظم کے

علمی جلال سے بحد متاثر ہیں۔ کیونکہ اس زمانے میں امام اعظم کے تلامذہ اسلامی دنیا کے چپے چپے پر پیتے ہوئے تھے۔ اور ہر جگہ علوم اسلامی کی خرد و دانش کا کام کر رہے تھے۔

حافظ عبد القادر قرطبی نے کتاب التعلیم کے حوالہ سے امام اعظم کے تلامذہ کی تعداد چار ہزار بتائی ہے اور امام حافظ الدین محمد بن محمد انکری نے امام اعظم کے خاص تلامذہ کا ذکر کرنے کے بعد من روى عنه الحديث والعقود کا عنوان قائم کر کے ان کا شمار تلامذہ کر دیا ہے۔ ان شہروں کو آپ دے ہوئے نقشے سے معلوم کر سکتے ہیں۔

امام طحاوی نے ان چار ہزار میں سے چالیس کو محدثین اور مصنفین کتب میں شمار کیا ہے حافظ عبد القادر نے اسد بن عمرو کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

كان من اصحاب ابي حنيفة الدين ذووا الكتب اربعين رجلاً (۱)

اصحاب ابو حنیفہ میں جو ارباب تصنیف ہیں ان کی تعداد چالیس ہے۔

اسد بن عمرو کا بھی شمار ان چالیس میں ہے ان کے بارے میں حافظ ابو نعیم کی تصریح

ہے کہ

اول من كتب كتب ابي حنيفة اسد بن عمرو (۲) حافظ ابو جعفر طحاوی

نے چالیس کی جو تعداد متصل اسد بن الفرات (۳) کے حوالہ سے بتائی ہے ان میں سے قاضی

ابو یوسف (۱) امام محمد (۲) امام زفر (۳) کتب بن الجراح (۴) یحییٰ بن زکریا (۵) اور

(۶) عبد اللہ بن البرک کے بارے میں تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ ارباب تصنیف ہیں۔ باقی

کے حالات پر تفصیلی تبصرہ انشاء اللہ آپ کو امام اعظم اور علم الشرائع میں ملے گا۔ یہ اوراق اس

کے متحمل نہیں ہو سکتے سر راہ صرف ان کے اسمائے گرامی پیش کرتا ہوں

(۱) الجواهر النضیہ: ج ۱ ص ۱۳۰ (۲) الخراج ص ۲۳۰

(۳) یہ بزرگ قیروان کے مشہور قاضی ہیں امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے دوران درس پوچھتے

بہت زیادہ تھے امام مالک نے ان کو کوفہ جانے کا مشورہ دیا کوفہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد سے استفادہ

کیا۔ علامہ ابو اسحاق بشیر ازی نے طبقات العلماء میں یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ موصوف معہ تشریف لے

گئے اور مالکی مذہب کے ترجمان عبد اللہ بن اہلب کی خدمت میں حاضر ہوئے ﴿باقی صفحہ ۵۰۳﴾

(۷) امام داؤد بن قیس الطائی (۸) امام حفص بن غیاث (۹) امام یوسف بن خالد التمیمی (۱۰) امام حنفیہ بن یزید (۱۱) امام سہب بن علی (۱۲)

امام مندل بن علی (۱۳) امام علی بن مسعود (۱۴) امام القاسم بن عیسیٰ (۱۵) امام اسد بن عمرو (۱۶) امام فضل بن عیسیٰ السدوسی (۱۷) امام علی بن طیار (۱۸)

(۱۹) امام بشام بن یوسف (۲۰) امام یحییٰ بن سعید القطان (۲۱) امام شعیب بن

اسحاق دمشقی (۲۲) امام حفص بن عبد الرحمن بن یحییٰ (۲۳) امام عیسیٰ بن عبد اللہ بن یحییٰ

(۲۴) امام خالد بن سلیمان بن یحییٰ (۲۵) امام عبد الحمید بن عبد الرحمن بن یحییٰ (۲۶) امام ابو

عاصم بن کمال بن محمد بن یحییٰ (۲۷) امام یحییٰ بن ابراہیم بن یحییٰ (۲۸) امام یحییٰ بن

عبد اللہ بن ادریس (۲۹) امام عیسیٰ بن عیسیٰ (۳۰) امام یحییٰ بن یحییٰ (۳۱)

(۳۲) امام نوح بن دینار الجانی (۳۳) امام ربیع بن معاذ (۳۴) امام شریک

بن عبد اللہ قاضی (۳۵) امام نصر بن عبد اللہ (۳۶) امام مالک بن مغول (۳۷)

(۳۸) امام جریر بن خازم (۳۹) امام جریر بن عبد الحمید (۴۰) امام الحسن بن زیاد

(۴۱) امام حماد بن ابی حنیفہ (۴۲) امام ابو عاصم نوح بن مریم (۴۳)

بہر حال بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں علم حدیث کی اتالی خدمت کی

مکئی ہے۔ اور اس خدمت کا فرض امام اعظم اور امام مالک کے تلامذہ نے انجام دیا ہے۔ تیسری

صدی میں آنے والے محدثین بخاری و مسلم دیگر ارباب سنن اور مسابہ نے ان ہی سے علم

حدیث حاصل کیا ہے۔

﴿بقیہ صفحہ ۵۰۲﴾ اور عرض کیا کہ ہمدہ کتب اسی حنیفہ یہ امام اعظم کی تالیفیں ہیں مجھے کچھ

سوالات کے جوابات مذہب مالک کے مطابق درکار ہیں۔ ابن وہب طرح اسے گئے وہاں سے ابن

القاسم کے پاس آئے اور پھر قیروان واپس آ گئے۔ لکھا ہے کہ قیروان میں ابو حنیفہ کی کتابوں کے

مصدقے ہی بنو علی جلال ما ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان کتابوں کی ایک نقل ابن القاسم کی درخواست

پر موصوف نے ابن القاسم کو بھی دے دی۔ (الانقاء ص ۵۰)

قد كان السلف يطلقون المحدث والحافظ لمعنى (۱)

سلف کے نزدیک محدث اور حافظ کے ایک ہی معنی تھے۔

تیسری صدی میں ابجدیث صاحب حدیث یا محدث اس وقت تک کسی کو کہا جاتا جب تک میں ہزار حدیثیں قلم بند نہ کرے چنانچہ حافظ ابوسعید اسماعیلی نے حافظ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بتایا ہے کہ

جو شخص تیس ہزار احادیث نہیں لکھتا اس کا شمار اہل حدیث میں نہیں ہو سکتا۔

جب کہ تیسری صدی میں محدث ہونے کے لیے صرف حفظ حدیث ہی کافی تھا چنانچہ شیعہ بن شیرام احمد کے استاذ فرماتے ہیں جو شخص حفظ حدیث نہیں کرتا وہ ہرگز محدث نہیں ہے۔ (۲)

بلکہ غریزتی کر کے تیسری صدی میں محدث ہونے کے لیے اہل حق سے ہونے کی گرفت بھی اچھلی کر دی گئی اور اہل حدیث صرف فن کاروں کے لیے استعمال ہونے لگا۔ حتیٰ کہ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے اعلان کر دیا کہ

هؤلاء هم اهل الحديث من اى مذهب كانوا وكذا لك اهل العربية واهل اللغة فان اهل كل فن هم اهل المعرفة فيه۔

خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھنے والے ہوں ابجدیث ہیں جیسے اہل لغت اور اہل عربیت اہل فن وہی کہلاتے ہیں جو اس میں فنکار ہوں۔ (۳)

جب کہ دوسری صدی کے مؤرخین احادیث لینے میں تدوین کو پیش نظر رکھتے تھے۔ امام مسلم نے مقدمہ میں سیدنا جعفیہ امام ابن سیرین کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ علم دین ہے یہ دیکھو کہ لے کس سے رہے ہوا پناہ دین۔

امام نسائی نے ابراہیم نخعی کے بارے میں انکشاف کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہمارے ہاں دستور یہ تھا کہ جب کسی سے حدیث لینی ہوتی تو اس کے اخلاق دیکھتے اس کی نماز دیکھتے اس کے احوال کی چھان بین کرتے پھر ان سے حدیث لیتے۔ (۴)

(۱) تدریب روای میں ۸

(۲) تدریب

(۳) اعلیٰ علی توحید ۱۱۵ ج ۱۱۵

(۴) الروض الباسم ج ۱۱۲

حدیث میں مولفات کا توسع:

علم حدیث کی اسی پہنائی اور وسعت کا تعنیف و تالیف پر بھی تیسری صدی میں اثر پڑا اور اس کے نتیجے میں جوامع و سنن کے ساتھ تعنیف و تالیف کی بے شمار انواع و اقسام کے مصنفات پر آگئیں مثلاً

مسایدہ مصنفات: صحاح: مستخرجات: اجزاء: معجم: طبقات: موضوعات: مشیخت: اعلل: العوان: الاطراف: لرواۃ: تخریجات: افران: افراب وغیرہ وغیرہ۔

دوسری صدی کے مؤرخین چونکہ براہ راست مشاہیر تابعین یا کہاں تابعین کے فیض یافتہ تھے اس لیے ان کو اسناد کے بارے میں تحقیقات کی بہت کم ضرورت پیش آئی تھی نیز تیسری صدی میں اسنادی وسائل پہلے سے کئی گنا بڑھ گئے اس لیے تیسری صدی میں محدثین کو اس سلسلے میں ایک سے زیادہ فنون سے دوچار ہونا پڑا۔ اور مع روایات: تنقید احادیث اور اصول روایت کے سلسلے میں بہت سی ایسی نئی چیزیں پیدا ہو گئیں جن کی بناء پر اس دور کے مصنفین کو حدیث کی تدوین اپنے اپنے مذاق کے مطابق کرنی پڑی اور تعنیف و تالیف میں یہ گونا گوں انواع و اقسام رونما ہوئے۔

علم حدیث میں مسانید کی تالیف:

سب سے پہلے تیسری صدی کے مؤرخین نے حدیث کو آثار صحابہ سے علیحدہ کر کے مسند حدیثیں جمع کیں۔ ہر راوی کی تمام پریشان اور غیر مرتب روایات کو یکجا کیا اور اس طرح مسانید کی تعنیف کا آغاز ہوا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تیسری صدی کے مشاہیر محدثین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

تاکہ کچھ انہ کی یہ رائے ہوئی کہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقل طور پر علیحدہ کیا جائے اور یہ تیسری صدی کے آغاز میں ہوا چنانچہ عبید اللہ بن موسیٰ کوئی مسند دہیں سرحد صحریٰ اسد بن موسیٰ اموری اور فضیم بن حماد خزاعی نے ایک ایک مسند تعنیف کی۔ دوسرے انہ بھی ان کے نقش قدم پر چلے اور حفاظ حدیث میں

مثال ہی سے کوئی امام ہوگا کہ جس سے اپنی احادیث کو مسابہ پر مرتب نہ کیا ہو۔ چنانچہ امام محمد بن فضیل، اسحاق بن راہویہ اور عثمان بن ابی شیبہ اور ان جیسے دیکھنے والے بھی یہی طریق اختیار کیا۔ در بعض محدثین نے جیسے ابو یوسف بن ابی شیبہ و ابی مسانید دونوں عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ (۱)

امام حاکم المدخل میں رقمطراز ہیں۔

یہ مسابہ حوالہ میں تصنیف ہوئے ہیں صحابی کی روایات ہیں ان کا مسند سند حسنہ اور بخیر۔ قسم کے راویوں پر مشتمل ہے مثلاً مسند حمید بنہ بن موسیٰ اور مسند بنی ہاشم۔ یہ دونوں پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے مسابہ لکھی ہیں ان دونوں کے حدیث میں فضیل اسحاق بن راہویہ ربیع بن حبیب و حمید اللہ بن عرقم بن سے مراد یہ ترتیب دیئے۔ بعد ازیں کثرت سے تراجم رجال پر مسابہ مرتب ہوئے اور ان سب سے بچ کر نے میں صحیح ائمہ کے تیار کا کوئی ناطق نہیں کیا گیا۔ (۲)

علامہ محمد بن اسماعیل یحیائی نے مسند کی یہ تعریف کی ہے کہ:

بعد کفریہ ماوراء دکن ذالک الصحابی جمعہ فی جمع الضعیف و غیرہ۔ (۳)

امکانی نے جو مسند کی تعریف فرمائی ہے وہ بھی گواہی بخیر دے رہا ہے۔

وہ کتابیں جس کا موضوع صرف یہ ہے کہ وہ صحابی کی حدیثوں و ائیک ایک ہیں یا جاتے چاہے یہ صحیح ہوں یا ضعیف ان کی ترتیب اس کے بعد ہے کہ وہ صحابہ میں حروف تہج کے مطابق ہوتی ہے۔ (۴)

گویا مصنفین مسابہ کا پیش ہر طرف یہ بتاتے ہیں کہ حدیث کے تمام منقشہ نسخے اس ترتیب سے مرتب ہوئے ہیں کہ ایک صحابی کی جس قدر احادیث ملتی ہیں وہ سمیٹ دیا جائے اور چنانچہ یہ مسابہ بھی نہیں ہے کہ ہر راوی کی ہر روایت صحیح سند و متفقہ ہوں اس لیے جس سند سے اس طرح بیعت سے بھی وہ روایت مصنف کو پہنچی ہو۔ وہ سند درست کہلاتا ہے۔ بدین ہر طرف

(۱) ابن ساری مقدمہ فتح باری ص ۵

(۲) مدخل ص ۴

(۳) توفیق ص ۲۶

(۴) المسند ص ۵۲

صحیح روایات کی بقولی اس کے موضوع سے خارج اور اس کی شرط تصنیف کے منافی ہے۔ یومہ اس کی شرط تو صرف یہ ہوتی ہے کہ ایک صحابی کے نام سے تمام صحیح صحیح اور غلط صحیح قوی و ضعیف قوی قابل قبول اور ناقابل قبول سب یہ ہر طرف سے تلاش و جستجو کے بعد فراہم کر دیا جائے تاکہ کوئی روایت حدیث ہونے سے روایت نہ ہو سکے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزير فرماتے ہیں

و شرط الھدھا ان یفر دورا حدیث کل صحابی علیحدہ من غیر نظر الی الابواب و یستقصون جمیع حدیث ذالک الصحابی کلہ سوء من یحتاج بہ ام لا فقصہم حصر جمیع ما روی عنہ۔ (۱)

اس کا مطلب یہی ہے کہ اس مسابہ کے پیش نظر ہر قسم کے سرمایہ کی فراہمی ہوتی ہے شاید آپ مجلس محسوس کریں کہ اس فراہمی سے ان بزرگوں کا مقصد یہ تھا وہ ایسا کیوں کر ہے؟ دراصل اس بزرگوں کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ سارا ذخیرہ لکھی ہو کر آجائے گا تو اس فن اصول تنقید اور قواعد روایت کے مطابق اس تمام روایات کی جانچ پڑتال کر کے ہر روایت کے بارے میں رائے قائم کریں اور ساتھ ہی ایک ایک حدیث کے سے طرق و اسابہ کا پیش ہر نسخہ و جمع و کر حدیث کے روایتی اسابی اسکا سارا رید ہو جائے۔ چنانچہ حافظ محمد بن وزیر الوزير فرماتے ہیں

ہذہ المسانید الکبار التي بدخر فيها طرق الاحادیث۔ (۲)

ان مسابہ سے حدیث کے طرق اور اسابہ کا علم ہو جاتا ہے۔

یہ حدیث اگر متعدد صحیح طرق سے آتی ہے تو وہ روایتی نقطہ نظر سے قوی سے قوی تر ہو جاتی ہے اور اگر ضعیف طرق و اسابہ سے بھی آئے تو یہ ضعیف طرق صحیح حدیث سے ہے توابع اور شواہد کا کام دیتے ہیں۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

مالھا من المناہات والشواہد۔

اس دور میں اگر مسابہ درست سمجھے گئے ہیں مگر ہم اپنے ناظرین کی صیافت جمع کے لیے چند ملاحظہ کر رہے ہیں

(۱) توفیق ص ۲۶

(۲) توفیق ص ۲۶

۲۰۳ھ	مسند امام بیہقی و اوصلی کی	۲۲۳ھ	مسند مسند ابن مسعود
۲۱۳ھ	مسند حمید اللہ بن موسیٰ کوئی	۲۲۶ھ	مسند ابی جعفر عبد اللہ بن محمد
۲۲۸ھ	مسند یحییٰ بن عبد الحمید حنفی کوئی	۲۲۶ھ	مسند ابی جعفر محمد بن عبد اللہ کوئی
۲۳۹ھ	مسند ابی اسحاق براہیم بن سعید	۲۵۲ھ	مسند ابی یعقوب ہمدانی
۲۵۰ھ	مسند ابی حسن علی بن حسن	۲۴۲ھ	مسند ابی حسن محمد بن مسلم
۲۹۶ھ	مسند ابی زہرہ زری	۲۶۱ھ	مسند ابی زہرہ بن زہراء
۲۶۵ھ	مسند ابی محمد بن منصور	۲۹۰ھ	مسند ابی سعید عثمان بن سعید
۲۹۶ھ	مسند ابی حسن علی بن عبد حمید	۲۹۰ھ	مسند ابی عبد الرحمن بن احمد بن اسحاق
۲۳۸ھ	مسند ابی یعقوب اسحاق بن ابراہیم	۲۳۳ھ	مسند ابی جعفر احمد بن صالح
۲۸۲ھ	مسند ابی حارث بن محمد	۲۳۹ھ	مسند ابی حسن عثمان بن محمد
۲۷۳ھ	مسند ابی عبد اللہ محمد بن یحییٰ	۲۳۹ھ	مسند عبد بن حمید
۲۱۹ھ	مسند ابی ہریرہ بن عبد اللہ بن ابی	۲۱۲ھ	مسند محمد بن یوسف انصاری
۲۵۹ھ	مسند محمد بن عثمان	۲۲۶ھ	مسند یحییٰ بن یحییٰ
۲۹۲ھ	مسند ابی محمد بن محمد بن ہمدانی	۲۲۶ھ	مسند محمد بن ہمدانی
۲۷۲ھ	مسند احمد بن محمد بن صفیانی	۲۲۵ھ	مسند اسحاق بن منصور نیشاپوری
۲۷۳ھ	مسند محمد بن براہیم بن مسلم	۲۵۲ھ	مسند یعقوب بن ابراہیم ہمدانی
۲۷۲ھ	مسند محمد بن حسن ابی عبد اللہ	۲۲۲ھ	مسند یعقوب بن شیبہ ہمدانی
۲۹۹ھ	مسند ابراہیم بن اسماعیل	۲۹۹ھ	مسند یحییٰ بن محمد نیشاپوری
۲۹۲ھ	مسند احمد بن علی المدوری	۲۹۵ھ	مسند ابراہیم بن معقل سلمیٰ
۲۳۱ھ	مسند محمد بن فضیل	۲۷۶ھ	مسند قی بن محمد

مسند میں اولیت

ان تمام مسند میں تاریخی طور پر آخر چھ اولیت کا مرتبہ جیسا کہ الی تم نے لکھا ہے۔
اول من صف المسانید علی ترجمہ الرجال فی الاسلام عبد اللہ بن
موسیٰ العباسی و ابو داؤد الطیالسی۔ (۱)

حمید اللہ بن موسیٰ کوئی کے مسند کو اولیت حاصل ہے کیونکہ مسند طبرانی کی حقیقت ابو داؤد
طبرانی کی تصنیف نہیں بلکہ اس کے جامع تراجم کے چھ حصہ میں ہیں۔ امیر مدنی فرماتے ہیں کہ
اس کی حیثیت مسند شافعی سے چھوڑنا بہت ہی عجیب نہیں ہے۔ علامہ نقاشی کہتے ہیں کہ مسند طبرانی و جن
برہانوں نے ان مسند قرار دیا ہے ان کے پیش نظر صرف یہ ہے کہ مصنفین مسند میں رہائی کا خط سے
ابو داؤد کا زمانہ سب سے پہلے ہے اور یہ مسند ابو داؤد کی تصنیف ہے مگر یہ واقعہ نہیں ہے بلکہ

ابو یونس میں تصنیف اس داؤد اما جمعہ بعض الحفاظ الحراسین۔ (۲)
یعنی یہ ماہنامہ ابو یونس کی تصنیف میں جمعہ حفاظ الحراسین کے بعد میں یہ ماہنامہ
انجام دیا ہے۔ اور حمید اللہ بن موسیٰ کے بارے میں محدثین کی ترتیب کہ مسند خود ان کا تصنیف
کردہ ہے۔ حمید اللہ پر تشکیق کی گئی ہے۔ ابو داؤد نے اس کو شیعہ لکھا ہے۔ لہذا یہی ہے
میں تیار ہوا۔ شیعہ سے اس کا چھوڑنا یا نہ کرنا یہ ہے کہ اس دور میں شیعہ ہونے کا مفہوم
آج کے مطابق نہ تھا۔ اس دور میں شیعہ ہونے کا صرف یہ مطلب ہوتا تھا کہ حضرت علی و باقی
صحابہ پر مقدم کیا جائے چنانچہ حافظ جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں کہ:

النسب و هو تقدیم علی علی الصحابة رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (۳)
اور شیعہ محدث یا جان ہونے کا مطلب دوسری صدی میں حافظ ابن حجر عسقلانی
رحمہ اللہ نے یہ بتایا ہے کہ

لنسب العالی فی زمان السلف و عرفہم ہو من نکم فی عنان
والربر و طلحة و طائفة من حارب علیاً و نقرض بسہم۔ (۴)

(۱) تاریخ الاکار ص ۲۲۹

(۲) مسند مسند ص ۵۲

(۳) تاریخ الخلفاء ص ۱۰

(۴) تاریخ ص ۲۱۹

اس لیے جیدہ بن سہل کا شیخ بھی اس اور میں اس نوع کا تھا۔ اس واقعہ پر علم
سے انتقاد کا بھی موقع ملا ہے۔ چنانچہ امام ابی نے تکراراً لفظ میں ان کو دور سے
محدثین کے ساتھ امام اعظم کے علاوہ میں شمار کیا ہے۔ (۱)

اس کا مطلب اس سے یہ ہے کہ ان کی تحریک حدیث اور تدریس شیخ میں
اہلیت کا سہارا امام اعظم کے مرتبہ تک پہنچا ہوا ہے۔ اس کا ثبوت بھی واضح ہے۔ جیدہ بن سہل
امام اعظم کی حاصل ہے۔ جیدہ بن سہل یہ طرف امام اعظم سے کاٹ دیا ہے۔ یہ تو
دوسری طرف امام بخاری رحمہ اللہ سے ساتھ دیتے ہیں۔ چنانچہ جیدہ بن سہل جہت تدریس کے
اخباری کے مقدمہ میں جیدہ بن سہل و امام بخاری کے ساتھ ہے۔ پانچ طبقوں میں سے "ابن
طبقہ میں شمار کیا ہے اس طبقہ میں امام بخاری کے ساتھ وہ ہیں محمد بن عبد اللہ انصاری، ابی بن
ابراہیم، ابو جعفر اسماعیل، جیدہ بن سہل، یوسف بن عمار، ابی بن عیسیٰ، درعیہ بن
خالد اور کعبہ بن شیعہ ہؤلاء کلہم من الدعیہ ان کے ساتھ دیتے ہیں۔ (۲)

مسند امام احمد بن حنبل کی عظمت:

اگرچہ تاریخی لحاظ سے قدیمیت جیدہ بن سہل کو حاصل ہے لیکن اس صدی سے
قوم مسید میں حوش اور بندن مسند امام احمد کو حاصل ہے وہ کی اور ہے۔ انہیں امام
موصوف نے جمع و ترتیب کا کام دیا ہے۔ ان کا شمار چار چمک میں ہے۔
۸۰۰ ع میں مسند کا کام شروع ہوا تھا۔ (ص ۲۱۰)

اس کی تالیف کا پس منظر امام نے یہ تھا ہے کہ ان کے بعد میں ابھی کسی حدیث میں
اختلاف ہو تو یہ کتاب یعنی مسند امام احمد ان روایت کے استناد و عدم استناد میں استوار ہو جائے۔
لئے چنانچہ امام احمد کے صاحبزادے عبد اللہ بن احمد کا بیان ہے:

میں نے اپنے والد احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ آپ کتابیں مرتب کرنے سے کون
منع کرتے ہیں؟ ان کا کہنا آپ نے خود بھی مسند بھی ہے آپ نے جواب میں فرمایا یہ
کتاب میں نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے بھی ہے جب سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سلسلے میں لوگوں میں کوئی اختلاف رہے۔ ان کا وہ اس کی طرف رجوع کریں
گے۔ (۱)

اور آپ کے برادرزادے حنبل بن اسحاق کہتے ہیں کہ
ہم سے امام احمد نے فرمایا کہ اس کتاب کو میں نے سارے سات لاکھ
روایتوں سے انتخاب کر کے جمع کیا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس
حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو وہ اس کتاب کی طرف رجوع کروں گے۔ اس میں
وہ روایت مل جائے تو فیہا اور نہ وہ جھٹ نہیں۔ (۲)

اگرچہ مسند کی تالیف کا کام ۸۰۰ ع میں شروع ہوا ہے لیکن امام موصوف اس کی جمع و
ترتیب کا کام ساری زندگی کرتے رہے اور یہ کام چھوٹا قدر نہایت کے ساتھ کیا گیا۔ اس کی
جو سبب تنظیم اور ترتیب کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ اس کی پیش نظر صرف جمع و تدریس تھی اس کی
خاطر انہوں نے پوری زندگی کے شب و روز صرف کر دیا۔ مسودات کی صورت میں اس کی
متمم کا یہ مجموعہ ان کے پاس موجود تھا اور ابھی تک تکمیل تھا کہ امام احمد کو سنہ آخرت پیش
آ گیا۔ حافظ الواحیش شمس الدین جزیری المصنف احمد بن حنبل مسند امام احمد میں فرماتے ہیں

امام احمد نے مسند کی جمع و تدریس کا کام شروع کیا اسے ارتوں میں لکھا لکھا چلا
اسے جدا جدا اجزاء میں تقسیم کیا تا کہ اس نے ایک مسودے کی صورت اختیار کر
لی۔ بعد ازیں تکمیل سے پہلے ہی یہ مسموت آ گیا۔ انہوں نے اپنی اولاد اور اہل
بیت کو اسے اپنی فرصت میں تدریس اور نقل کرنے کے لیے اس کی تصحیح و تہذیب پوری
ہوتی آپ دیکھیں کہ اس کو تکمیل کے لیے در مسودہ جوں کا توں رہا۔ پھر ان کے
صاحبزادے عبد اللہ بن احمد نے روایات کے مشابہ اور مماثل مسودات بھی اس میں
شامل کر دیے۔ (۳)

(۱) خصائص المسند حافظ عبد بنی ص ۸ (۲) مناقب احمد ابن الجوزی ص ۱۹۱

(۳) مقدمہ مسند

(۱) تدریس و تالیف ص ۱۵۹ (۲) ہدی ساری ص ۵۶۵

جو محسوس کریں گے کہ اس وقت کے تمام عام سودی کے سارے شہر ان میں حدیث کا چرچا عام ہو چکا ہے اور کوئی شہر بھی ایسا نہیں ہے جہاں حدیث نبوی نہ پہنچی ہو۔ (صفحہ ۲۹۷) میں اس صدی کا آخری مسند ہے۔ اس وقت کی اسلامی فتوحات کے نقشہ کو سامنے رکھ کر بتائیں۔ وہی کہتے ہیں کہ اس اثبات نبوت کو پایا نہ گیا۔ اور یہی دو زمانے سے جب امام اعظم کے تلامذہ جمع ہوئے تھے۔ حافظ ابی نے لکھا ہے کہ۔

روى عنه من المحدثين والعقلاء عدة لا يحصون۔

اگر آپ تاریخ میں ان کا۔ در باب مسند سے ملے گی سب ناموں کو تلاش کریں گے تو آپ ان کے علمی رشتے امام اعظم سے ملتے ہوئے نظر آئیں گے۔ جید مذہب موصی کے بارے میں آپ سن چکے ہیں۔

امام احمد بن حنبل جو میں الحمد شین ہیں۔ ان کے بارے میں محدثین کی تصدیحات یہ ہیں۔ امام ابی نے تاریخ الاسام میں ان کے ساتھ کی ایک طویل فہرست دی ہے اور اس میں امام شیعہ بن شیعہ امام جریر بن عبد الحمید امام عبد اللہ بن ابو امام یحییٰ بن ابی راشد قاضی ابو یوسف و شیخ بن الجراح یزید بن ہارون اور عبد البرق کا نام نمایاں طور پر دیا ہے اور ان سب سے متعلق امام بخاری نے تاریخ کبیر میں اور حافظ ابی نے تذکرۃ الحفاظ میں شہادت دی ہے کہ یہ سب کے سب امام اعظم کے تلامذہ ہیں۔ امام و شیخ بن الجراح کہتے ہیں کہ کوئی اس جیسا نہ ہو جو ان کوئی نہیں آیا۔ یہی بات امام اعظم کے دوسرے شاگرد حمص بن غیاث نے بھی کہی ہے۔ امام اعظم کی مجلس تدریس کے رکن رکن اور کینڈی القطن بھی امام احمد کے استاد ہیں سے ہیں۔ امام ابی نے ان کا قرار بھی اس قسم کا نقل کیا ہے۔ انھوں نے ان در باب مسند میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ہر ایک کا شجرہ علمی امام اعظم سے ملتا ہے۔

علم حدیث میں مصنفات:

اس صدی میں مسانید کے ساتھ مصنفات بھی متعدد صحافت پر آ گئے۔

مصنف سے مراد اصداغ محدثین میں دو کتابیں ہیں جن میں احکام ان سے متعلق باتیں ترتیب فقہی یک جا ہوں۔ مصنف اور جامع میں تمیز سافرق ہے۔ جو من و

کتابیں ہیں۔ جب میں مقام امام قاضی لکھا ہے پتہ سفر مجلس میں لکھنے ملتے۔ اب فقیر تاریخ کے فتن اور منقب کی روایت ہوں۔ میں مصنف میں صرف دو احادیث فقہ احکام ہوتی ہیں جن کا تعلق شہری زندگی میں فقہ اور قوانین سے ہے۔ دوسری صدی میں سنن سے مصنف کا کام یہ جاتا تھا مگر تیسری صدی میں سنن کے ہی یہ مصنف کا نام وجود میں آ گیا۔ اگرچہ بعد کو سنن میں خصوص اور مصنف میں کچھ عموم سا آ گیا۔

تیسری صدی میں مصنف کے نام سے جو کتابیں وجود میں آئی ہیں وہ اگرچہ ہیں تو بہت کم الکنی نے الرسالة المسطر فیہ میں دو کا ذکر کیا ہے۔

مصنف عبدالرزاق ۲۱۱ھ

یہ مصنف نامی ایک ضخیم تالیف دو حصوں میں ہے اس کی ترتیب فقہی ہے اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ چونکہ یہ دو کتابیں میں بھی ہے اور باتفاق محدثین میں کے مصنف کو تابعین سے شرف تلمذ حاصل ہے اس لیے اس میں اکثر احادیث ملتی ہیں یعنی ایسے نبوی ارشادات جو ان کو صرف تیسری صدی میں واسطوں سے معلوم ہوئے ہیں چنانچہ اتحاف النعمان انھیں میں ہے

اکثرش علانی است۔ (۱)

کتاب کے آخر میں شامل نبوی ہیں اور شامل کو حضور نور علیہ وسلم کے ہاں پر فتح کیا گیا ہے۔ اور آخری حدیث یہ ہے:

حدثنا معمر عن ثابت عن اسحاق قال كان شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى انصاف اذنيه۔ (۲)

اس کتاب کا شمار حدیث کی ان کتابوں میں ہے جو اسلام کے علمی سرمایہ میں بہترین شمار کی جاتی ہیں۔ اس کتاب کے مصنف عبد البرق بن جہم الہسانی ہیں اور اس دور کی پیداوار ہیں جس کے بارے میں تمام ائمہ اسلام کا اتفاق ہے کہ اس دور والوں میں اتباع تابعین کو شرف قبول حاصل ہے۔ چنانچہ حافظ مسقلانی نے تصریح کی ہے:

ثم استغوا ان حرم من كان من سماع التابعين ممن يقبل قوله عاش لي
حدود ٢٢٠ هـ ثم ظهرت البدع - (١)

اس پر اتفاق ہے کہ اباحہ مابین سے آخری شخص جس کی بات قبول کی جاتی ہے
 ۲۰۰ تک زندہ رہا ہے بعد ازیں بدعتوں کا ظہور ہو گیا۔

امام عبدالرزاق ہی صحیفہ ہمام بن منہ کے اپنے استاد معمر بن راشد سے راوی ہیں۔

امام محمد رقی کے تلامذہ میں رئیس محدثین امام محمد بن حنفیہ ہیں۔ امام کا یہ صحیفہ جنسہ آج بھی امام محمد کے مسد میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ امام بن حنفیہ کے مصنف نہیں بلکہ اپنے استاد حضرت امام ربیعہ سے راوی ہیں اور امام ربیعہ کے اس کے راوی معمر اور قثم سے اس کے راوی ان کے شاگرد امام عبدالرزاق ہیں۔

امام عہد رراقی نے صرفی معلم بن راشد ہی سے سب فیض نہیں لیا بلکہ امام قاضی اور حافظ بن حجر مقدنی نے تصانیف کے عہد رراقی نے حدیث کے طالب علم کی حیثیت سے امام عظیم کے سامنے بھی رونق دی ہے۔ محققان ہمارے امام اعظم کی خدمت میں زیادہ رہے ہیں۔ حافظ بن عبدالباق نے سند متصل احمد بن محمد بن منصور ہاشمی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ

میں نے امام عبدالرزاق سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ بڑا ہر کوئی نہیں دیکھا میں نے ان کو مسجد حرام میں ہی حالت میں دیکھا ہے کہ ان کے رُخ اُحدہ ہوتا تھا حالت کی وجہ سے ہوتی تھی یہ شخص کوئی مسجد دریاوات نہ تھا آپ اس کو خوب دیکھتے تھے سے کوئی ائمہ میں کرتا کہ اس مسجد میں اس بھائی یوں فرماتے ہیں۔ وحنیفہ کہتے کہ حسن بصری سے خطی مولیٰ سے عبد اللہ بن مسعود کی فرماتے ہیں۔ عبد الرزاق کہتے ہیں کہ میں نے اصل مسجد پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن مسعود اور ابوحنیفہ میں ہم آہنگی ہے۔ بعد اسی اب عبد اللہ کی بھی ان کو تائید حاصل ہوتی۔ (۲)

نہ مصنف کی قدر و منزلت کا اندازہ کرنا سوا تو امام بخاری کی تاریخ کیسے ممکن ہے
راے پڑھے کہ ان کی کتابیں حدیثیں سب سے زیادہ صحیح ہیں۔ امام بخاری نے صحیح میں ان
سے بکثرت حدیثیں لی ہیں۔ اور غلام ہے۔ کہ سب سے زیادہ صحیح ہونے کے بعد یہ ان کے
مصنف ہی سے امام بخاری کا استفادہ ہے۔

۱۔ انا حمید اللہ کی مجلس کاوشوں سے معلوم ہوا ہے کہ مصنف عبد راق کے مخطوط
استنبول اور مصر میں کابل اور حیدرآباد دکن ٹونیکا حیدرآباد سندھ اور مدینہ منورہ میں ناقص
ملے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اہل علم کو یہ خوشخبری بھی دی تھی کہ
عربی کے فاضل پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف اسے آج کل ایڈٹ کر رہے ہیں اور جنوبی افریقہ
سے عالم لاطریہ، دست ہاجرہ، جامعہ مدنی اس ن اشاعت میں لکچرچی شریعت ہیں۔ (۱)

مصنف ابن ابی شیبہ ۲۳۵ھ:

اس کتاب کا شمار حدیث کی ان چند بے شمار کتابوں میں سے جو اسلام کا نام و نفیر
نبی کی حاتی ہیں۔ علامہ ابن کثیر دمشقی بن لی شیعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

صاحب المصنف الذي لم يصف أحد مثله قط لا قبله ولا بعده.

اس مصنف کے مصنف ہیں کہ اس جیسی کتاب نہ پہلے اور نہ بعد میں لکھی گئی ہے۔ (۲)
حافظ ابن حزمہ نے اس کتاب کو عظمت کے لحاظ سے موطا امام مالک سے بھی مقدم
رکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے تدریقۃ الحفاظ میں اس کی جانب منسوب کر کے حدیث کی کتابوں کے
دو تہائی حاشیہ لکھے ہیں اس میں انہوں نے موطا و حدیث کی تیسرے درجہ کی کتابوں میں شمار
کیا ہے جب کہ مصنف بن ابی شیبہ کو ارجح ثانیہ کی کتابوں میں شمار کیا ہے۔ اور مصنف
عبد الرزاق کو بھی اس کا ہم پل بتایا ہے لیکن جہاں تک میں سمجھا ہوں درجات کی اس زمین میں
ان کے پیش نظر صحت نہیں ہے بلکہ احادیث مرفوعہ کی زیادتی ہے چنانچہ درجہ اولی کی کتابوں کا
ذکر کرنے کے بعد وہ خود فرماتے ہیں۔

هذا الكتاب النبی الودث للکلام رسول الله صلى الله عليه وسلم ص ۱۱۰ (۱)
 در نہ عام ہے کہ از روے صحت صحیحین مسند طبرانی اور مسند ابن حنبل کو ایک مصنف
 میں منسوب کیا گیا ہے۔ اور معلوم ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ اس میں
 حدیث نبوی سے پہلو سے پہلو سے روایتیں کے اقوال و اقوال کی کا ذخیرہ ہے۔ اس کا سب سے بڑا
 دعوہ یہ ہے کہ ہر حدیث کے متعلق یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کو سلف امت میں تلقی بالقبول
 ۱۰ درجہ ہے یا نہیں اور اگر صحت و تاہمین میں اس پر عمل تھا کہ نہیں اور یہ اس کتاب کی وہ خاص
 نایب نشیبت ہے کہ جس میں وہ پناہ مانی نہیں رکھتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب فقہاء و محدثین
 میں برابر متداول چلی آئی ہے۔ صاحب شفاء المظنون نے اس کا تحارف ہی اس نشیبت سے
 کرایا ہے وہ فرماتے ہیں:

هو كتاب كبير جدا جمع فيه فتاوى التابعين و اقوال الصحابة
 واحاديث الرسول صلى الله عليه وسلم على طريقة المحدثين
 بالاسانيد مرتبا على الكتب والابواب۔

یہ یہ بہت بڑی کتاب ہے جس میں فتویٰ تابعین اقوال صحابہ اور احادیث نبوت
 کو بطرز محمد شین بالاسانید جمع کر دیا ہے۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ دوسرے تمام ابواب سے نظر ہٹا کر مصنف
 نے اس میں صرف احادیث احکام کو یہ ہے یعنی جن سے فقہ کا کوئی مسئلہ نکلتا ہے اور اس کتاب
 کا خاص امتیاز یہ ہے کہ اس میں فقہی مذہب کے ساتھ کوئی ترجیح سلوک نہیں کیا گیا بلکہ اہل جواز
 اہل عراق و اہل مدینہ کی جس قدر روایات مصنف کو ملی ہیں ان سب کو نہایت غیر جانبداری
 سے ساتھ لیکر چلا کر دیا ہے اس لیے قدامت کی کتابوں میں یہ کتاب احادیث احکام پر جامع ترین
 ہے۔ مشہور محدث و اہل کوثری نے خط الامان طحاوی حقیق میں مصنف کے بارے میں یہ بات بڑی ہی
 قیمتی فرمائی ہے۔

المصنف اخرج ما يكون بفقہ به من الكتب لجامعة للمسلمين
 والمراسيل وفتاوى الصحابة والتابعين رتبة على الابواب ليقف
 المطالع على موطن الاتفاق والاختلاف بسهولة۔

مسند امرئیل و قدامت میں پناہ مانی پر مشتمل جو کتابیں ہیں ان کتابوں میں ایک فقہ
 کو سب سے زیادہ ضرورت جس کتاب کی ہے وہ صرف مصنف ابن ابی شیبہ ہے۔ (۱)
 اور صرف کتاب ہی نہیں ہے بلکہ وہ فتویٰ بھی بھی ہے اس لیے اس میں فقہاء
 عراق کے مذہب و مذہب بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے تاکہ مصنف نے اس کتاب میں آپ
 خیر کے مطابق ایک مستقل باب امام ابو حنیفہ کے بارے میں بھی لکھا ہے اس کا مضمون یہ ہے

هذا ما خالف به ابو حنيفة الاثر الذي جاء عن رسول الله صلى الله
 عليه وسلم۔

اس میں ایک سو پچیس مسائل بھی ہیں اور اس پر تین اس۔ سو چار ہیے کو غلط جتھا ہی
 مسائل میں اتفاق یا تفریق ہے اور تفریق کو دوسرے کے مسائل پر تنقید کا حق حاصل ہے۔ آ
 فن میں آراء ان تنقید کے حق پر قدغن قائم کر دیا جائے تو فن بھی ترقی میں نہ رہتا۔ امام مصنف
 میں آثار کے ایک دوسرے کے مسائل پر اپنے علم کے مطابق تنقید کی ہے۔ تنقید قلم اور
 کتاب کے مافی نہیں ہے۔ امامیث میں سعد نے امام مالک کے ستر مسئلے شائع کیے ہیں جو
 سب کے سب باجا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحارف تھے۔ انہوں نے اس کے متعلق
 امام مالک کو یادداشت روانہ کی۔ چنانچہ حافظ ابن ماجہ نے ان سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے۔

احصيت على مالک من من سبعين مسنة كلها مخالفة لسنة النبي

صلى الله عليه وسلم مما قال مالک فيها ابراهه۔ (۲)

میں نے مالک کے ستر مسئلے شائع کیے ہیں جو حضور کی سنت کے خلاف ہیں اور جو امام
 مالک نے محض رائے سے لکھے ہیں۔

امام مالک سے امام یحییٰ بن احمد کا ادھار چاہیے جو حافظ بن قیصر سے احادیث موقوفہ
کی تیسری حد میں پارہ میں لکھا ہے۔ آپ محسن کیں گے کہ سلف میں عقیدہ معیار تھا بعد
تھا۔ یمن و یثرب سے واشکاف انداز میں پیش کرتے اور امامان آپ و احادیث و احادیث
کاتے۔ میں یہاں اس خط کے چند اقتباسات ناظرین کی غیفت طبع کے لیے پیش رہا ہوں۔
فرماتے ہیں

اس موضوع پر کہ عمل بل مدینہ محبت سے آپ نے جو قرآن کی یہ آیت پیش کی
وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ آمَنُوا
مِّن قَبْلِهِمْ فِي الْأَرْضِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فِي خُطْبَةِ مَدِينَةِ مَجْدُورِ
اور سے مقامات پر گئی۔ فوج میں داخل ہو کر یہ وہ مختلف شہروں میں پہنچے وہاں
نے اس سے استفادہ کیا۔ انہوں نے وہاں کے روپر و کتاب و سنت کو بلی و کاست
پیش کیا اور اس میں سے وہی بات روپر کر لیں رکھی ہے۔ فوج اور لشکر میں یہاں
مقدس وہاں کا سوتا تھا جو ان کے کتاب و سنت تھا اور ضرورت پڑنے پر ان مسائل
میں اجتہاد کیا تھا جو قرآن و سنت میں مخصوص نہیں ہیں ان کے سامنے ہونے والا
مثلاً تھے جن و مسکنوں نے مقدم قیادت کیا تھا یہ ہر سربراہ مسکن فوجیوں
سے تھے۔ تھے چھوٹے سے چھوٹے محلات میں بھی دین قائم کرنے کی خاطر اور
کتاب و سنت میں اختلاف سے بچانے کے لیے فوجیوں سے لگا مار خط و کتابت
کے ذریعہ رہے۔ قائم رہتے تھے۔ میں نے اس کا قرآن کی تفسیر سے سنت کی
توضیح و ان کے ایمان سے تعلق ہونا اور فوجیوں و قاتل اور صلوات ہے۔ بعد
کرمی یا معادہ و پیش آجے جس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے
معاذ شام اور ارقم میں رہے۔ معاذ اور ارقم میں عمل کیا جو اور اس پر عمل کرتے
وہ وہاں سے ملت و ملت و ملت ہو گئے ہوں تو حد میں آج کی بھی یہ حق
میں پہنچتا۔ عمل کا وہی یہاں ہوتا ہے جس کی اینٹی رہی میں ان لوگوں
سے عمل کا نیکو ہو۔

ایک اور جہد فرماتے ہیں

آپ و ہارش والی رات میں انہوں نے جمع کرنے پر میری رفت معلوم ہوئی
یقیناً میں نے اس پر رفت کی ہے۔ شام میں بہ نسبت مدینہ کے ہارش زیادہ ہوتی
ہے مگر یہاں آنے والے صحابہ میں بھی کسی نے یہ کام نہیں کیا اور ان صحابہ میں
الاحمد و الخادم و الایثار و یزید بن ابی سفیان و عمرو بن العاص و رمضانی بن جابر
احمد سے بہ تھے۔ بعض میں تا مدینہ تھے۔ عرق میں عبداللہ بن مسعود، حفصہ بن
ایمان، عمران بن حصین، جی مرتضیٰ و ابن کے سب ائمہ فقہاء تھے یمن میں سے
کبھی کسی نے مغرب اور عشاء کو جمع نہیں کیا ہے۔

یہ نمونہ ہے اس دور میں ان بزرگوں کی آزادانہ عقیدہ کا جس سے استنباط و اجتہاد کے
فن میں باخ و بہار آتی ہے اور ان اصحاب پر پختگی کیا کہ مدینہ کے ہر مسئلہ کا حل وہ
شریعت کی روشنی میں تلاش کر لیتے۔ ان کا نتیجہ ہے کہ یکا کے قیام کے یکا بھی ہوں پڑے۔
اور تھیں میں فقہاء اس کے حوالہ دیتے تھے کہ انہوں نے مسائل میں یمنی ائمہ و
اقوال نبوت میں نبوت کا مثلاً معلوم ہوا اور مثلاً نبوت معلوم کرنے کا یہ پاس
صحابی رہی مدینہ کے سامنے نہ دیتے تھے۔ صحابہ سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو حضور
انور کے فیض محبت سے مستفید ہوئے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے آپ کے
عمل، ایسے اور کانوں سے ارشادات سنے۔ اس دور میں جو شخص اس روشنی سے بہت
زیادہ قریب تھا اتنا اس کے فقہی نتائج زیادہ وسیع تھے۔ (۱)

یہ تو خیر ایک معاصر پر تنقید تھی خود امام شافعی جن و امام مالک سے شرف تلمذ بھی سے
انہوں نے بھی امام مالک کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ ان کے
بہت سے مسائل احادیث کے خلاف ہیں یہ کتاب آج بھی کتاب الام میں اختلاف مالک
والشافعی کے نام سے موجود ہے۔ حافظ بن جریر اندلسی اپنی کتاب ماتب الدیات میں لکھتے ہیں
کہ موطا میں سے "پراپی حدیثیں ہیں کہ جن پر خود امام مالک نے عمل نہیں کیا۔" (۲) اور

(۱) عقیدہ و شریعت کا تاریخ و فقہاء، مدنی ص ۳۶ (۲) تدریب، مدنی ص ۶۴

میں مذکور ہے۔ یہ مستعمل کتاب میں مسائل و فتاویٰ جمع کی کتاب ہے۔ جن میں امام ابو حنیفہ کی روایتیں جمع کی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے فرماتے ہیں:

قد جمع بعض المعارف کما فیہا خلاف فیہ لمالیکہ مصوص المعطوط (۱)
محمد بن مہدی بن احمد بن ابی نعیم نے جوہر کے مشہور فقیر اور محدث تھے۔ امام ابو حنیفہ
کی شاگردی میں روایتیں امام شافعی نے روایت کی ہیں۔ کتاب نامی ہے جس کا نام امام ابو حنیفہ کی
مخالف فیہ الکتاب والحدیث ہے۔ (۲)

امام حنفیوں کی کتاب السیر پر امام ابو حنیفہ کی تفسیر ہے۔ امام ابو حنیفہ نے شاگرد
شاگردی میں روایت کی ہے۔ امام ابو حنیفہ کی کتاب پر ناقدانہ نظر ڈالنے کے لیے امام ابو حنیفہ کی
الادویہ ہے۔ امام شافعی کی کتاب الام میں اس کتاب کے راوی ہیں۔

ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں جو امام ابو حنیفہ پر ایک خاص باب میں تفسیر کی تھی
مذکور ہے کہ یہ بھی مجھ پر تفسیر ہے۔ روایت کی ہے کہ اس میں مسائل میں وصیہ و وصیہ حدیث
مذکور ہے۔ جن میں امام ابو حنیفہ کی روایتیں ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی تفسیر ہے کہ امام ابو حنیفہ
حدیث و روایت کی ہے۔ اس کتاب کا نام امام ابو حنیفہ کی روایتیں ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی تفسیر ہے کہ امام ابو حنیفہ
کی تفسیر ہے۔

حدیثیں امام ابو حنیفہ کی کتاب کا نام امام ابو حنیفہ کی تفسیر ہے کہ امام ابو حنیفہ
علی ابی حنیفہ ہے۔ (۳)

حدیثیں امام ابو حنیفہ کی کتاب کا نام امام ابو حنیفہ کی تفسیر ہے کہ امام ابو حنیفہ
ابی حنیفہ ہے۔

صاحب کتب علماء کرام کی کتاب میں امام ابو حنیفہ کی تفسیر ہے کہ امام ابو حنیفہ
نام الروای من روای ابی حنیفہ ہے۔

حدیثیں امام ابو حنیفہ کی کتاب کا نام امام ابو حنیفہ کی تفسیر ہے کہ امام ابو حنیفہ
حدیثیں امام ابو حنیفہ کی کتاب کا نام امام ابو حنیفہ کی تفسیر ہے کہ امام ابو حنیفہ

(۱) تفسیر معانی ص ۱۳ (۲) طہات شایعہ ص ۲۷ (۳) تفسیر خطہ ص ۱۵۹

ابن ابی شیبہ کے رد میں ایک مستقل کتاب مسمیٰ ثرون کی تھی اور اس حدیثوں تک
جواب بھی لکھ لیا تھا مگر بعد کو قلم روک لیا۔

لیکن اس عقیدہ و تجربہ سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ
ان امر میں باہم اکرام نہیں ہے۔ ان کی ناقہ اندہ تحریروں کا فضا ان کی باہر رنجش ہے۔

● معاذ اللہ ثم ساد اللہ یہ امر حدیث کی مخالفت کرتے تھے۔
انراں باتوں میں سے ایک بات بھی ہوتی تو اس کی امت میں امامت کون مانا؟

بات یہ ہے کہ یہ اجتہادی مسائل ہیں ان میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جو روایت ایک سے زیادہ
قابل قبول ہو وہ حتمًا سب کے نزدیک قابل پذیرائی ہو۔ کیونکہ حدیث کی صحت کا مسئلہ مخصوص
نہیں بلکہ خواہ اجتہادی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک نے علم کے مطابق اس کی سند میں کوئی کمزوری ہو
یا پھر اس کے ذہن میں اس کا تحمل اور صدق اور موافق ہو۔ اس موقع پر حافظ ابن عبد البر کیسی پتے کی
بات فرما گئے ہیں:

علم امت میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ ایک حدیث کو حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثابت مانتے ہوئے اور اس کے ساتھ ساتھ اس حدیث کے نسخے کا انکو کرتا
ہے یا اجماع کی تائید کا اعلان کرتا یا اس کا کوئی ایسا عمل تجویز کرتا ہے جس کا اس
کے اصول پر ماننا ضروری ہے یا پھر حدیث کی راہی حیثیت کو وہ مشکوک سمجھتا ہے۔
انراں باتوں میں سے کوئی مات نہیں ہے۔ درپہر وہ حدیث کو رد کرتا ہے تو اس کا امام
ہونا تو درکنار اس کی توحید الہیت بھی مخدوش ہو جاتی ہے۔

بہرحال مصنف بہت اونچے درجے کی کتاب ہے اس کے مصنف امام ابو حنیفہ کی روایتیں
شمیر ۳۳۵ حدیثوں کے رہنے والے ہیں۔ ان کے ساتھ میں حافظ ابی بن تھریق کے مطبوع
شریف القاضی سفیان بن عیینہ عبد اللہ بن مبارک اور جریر بن عبد الحمید ہیں اور حافظ ابن حجر
نے ان کے ساتھ مشیم بن شیر اور ابو بکر بن عیاش ابو اسد ابو معاویہ ولید بن الجراح محمد بن فضیل
اور یزید بن ہارون کا اضافہ فرمایا ہے۔ حافظ ابی بن سفیان بن عیینہ کو چھوڑ کر سب ہی امام
اعظم کے ساتھ حدیث میں شمار کیا ہے۔ امام بخاری نے ابن ابی شیبہ سے تیس حدیثیں امام

مسلم نے ان سے ایک ہزار پانچ سو چالیس حدیثیں روایت کی ہیں۔

آپ اس سے امام عظیم کی جلالت قدر کا مدارہ لگایے یہ اتنی سے اتنی مثال سے کہ تمام دو دمان علم حدیث اسی گھر کا خوش بختن ہے۔

تیسری صدی میں صحاح کی تدوین:

صحاح سے مراد وہ کتابیں ہیں جن سے مؤرخین نے اپنی کتابوں میں صحت کا مدار کیا ہے۔ الکتانی لکھتے ہیں:

کتاب الترمذی علیہا الصحة لیہا۔

تیسری صدی میں صحاح کے نام سے جو کتابیں مندرجہ ذیل پڑتی ہیں وہ چھ ہیں
صحیح ابویوسف (۲۵۶ھ) صحیح امام مسلم (۳۰۳ھ) جامع ترمذی (۲۷۱ھ) سنن ابی داؤد (۲۴۸ھ) سنن ابن ماجہ (۲۴۱ھ) سنن نسائی (۳۰۳ھ) چونکہ صحاح کے نام سے یہ چھ کتابیں مشہور ہیں اس لیے ہم نے ان ہی کو صحاح سے لکھا ہے ورنہ حافظ ابن مندہ نے خزینہ صحاح میں صرف امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام نسائی و شمار کیا ہے۔ اور بجائے ست کے صحاح چار ہی لکھے ہیں۔ بعد کو حافظ ابویوسف ہر سنی نے جامع ترمذی کو بھی مذکور کیا، چار کتابوں کے ساتھ شمار کر کے تصحیح کی ہے۔ ان پانچ کی صحت پر مشرق اور مغرب سے علماء اتفاق ہے۔ لیکن حافظ حرقی نے ان دونوں پر بڑی برہمی کا اظہار کیا ہے جو ترمذی ابوداؤد جیسی کتابوں پر صحیح ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

ومن علیہا اطلق الصحیح ما فقد اتی تساملا صریحا۔

حافظ ابن الصلاح اور علامہ نووی نے قائل اعتماد کتابوں کے سلسلے میں صرف پانچ کتابوں کے مصنفین کی وفیات کا ذکر کیا ہے، امام ابن ماجہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حافظ سخاوی نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ:

ابن ماجہ ان مقاصد سے خالی ہے جن پر ہمیں کتاب خمسہ سے قنہ کی تہ و زمین پر تدریج و غور۔ محدث و مشق ہوتی ہے خاص طور پر ہندس میں نہایت ضعیف ہندسہ مگر حدیثیں بھی موجود ہیں۔ (۱)

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام ابن ماجہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:
ابو عبد اللہ بن ماجہ کی کتاب بہترین ہے قائل اس میں تھوڑی احادیث وہابیہ نہ ہوتیں۔

اور خود امام ابن ماجہ کی زبانی حافظ ابوزرعدہ کا یہ تاثر نقل کیا ہے
میں نے اس کتاب کو حافظ ابوزرعدہ کی خدمت میں لے جا کر پیش کیا تو فرمایا کہ میرے خیال میں اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو یہ جوامع یاں میں سے اکثر بیکار ہو جائیں گے پھر فرمایا شاید اس میں حدیثیں بھی ایسی نہ ہوں جن کی اسناد میں ضعف ہو۔ (۲)

حافظ ذہبی نے حافظ ابوزرعدہ کی رائے و تذکرہ میں گھر چڑھا تبہ و نقل یا سے یمن میرا علم الاملاء کے حوالہ سے علامہ یحیائی لکھتے ہیں کہ

ابوزرعدہ کا یہ خیال کہ شاید اس میں حدیثیں بھی ایسی نہ ہوں جن کی سند ضعیف ہو صحیح ہے تو ان کی مراد ان میں حدیثوں سے نہایت بڑی ہوئی اور ساتھ تسمیہ کی روایتیں ہیں ورنہ ناقابل احتجاج روایات کا تو اس میں ایک ذخیرہ ہے۔ شاید اس کی تعداد ہزاروں کے قریب ہو۔ (۳)

غالبان ہی میں کو حافظ ذہبی نے تاریخ میں سنن ابن ماجہ کے ذکر میں قلیل سے تعبیر کیا ہے فرماتے ہیں:

انما غرض من رتبہ سننہ ما فیہا من المناکیر و للیل من الموضوعات۔

مفسرین نے اپنے مفسرین کے لئے ان تفسیرات اور حواشی کا ایک
موضوع ہیں۔ (۱)

۱۔ پہلی بات جس حدیث میں من و نساء و محدث بن جوری نے موضوعات میں ذکر کیا ہے، محدث بن جوری نے اس میں سے بعض موضوعات کو لے کر ہے۔

یہ سب قتلواں مفرور سے دب کر رہتی تھیں اور رکھ کا یہ بیانات
موجب حاکم سیول حاکم درجہ سے تھیں، مگر کئی طور پر جمع تھیں نہیں کرتے۔ چنانچہ
نہات تھیں

بنی عامہ سے اور روایت سے جو یہ حالت میں ہے کہ نہیں ہے اس کتاب کو بھی رد کیا
 کہ شاید اس میں چورنی میں حدیثیں بھی ہیں نہیں جن میں صنف ہو یہ روایت درست
 نہیں ہے یہ روایت اس کی سند میں اعتقاد ہے اور اگر یہ روایت محفوظ ہے تو شاید انہوں نے
 نقلی مائتہ روایت ۴۴۰ سے یا ۴۴۱ کتاب کا صرف ایک ہی حصہ دیکھا ہے جس
 میں اس کی قدر میں کا "ریہ واقعہ ہے۔ جو مذکور ہے اس کی بہت سی حدیثیں ہیں۔
 تحقیق مائتہ یا مائتہ ۴۴۰ سے مائتہ ۴۴۱ کے درمیان الی حاکم بن علی میں ہیں۔ (۲)
 میں اس سے باوجود متاخرین سے غرض فی حدیث کی کتاب میں شمار کیا جاتا ہے اور انہوں نے
 عند الحق اس کتاب کو شامل کر کے کتابوں و اصول کتابت سے صحیح سند و جامعہ کیا۔

شہس کی سب داخود متا کریں سے فنی بی بی چچہ کو صحنہ ستہ میں شمار نہ یہ درختوں شہ
عبدالحق اس کتاب کو شامل کر کے کتابوں و مضمون کتاب ستہ صحنہ ستہ و چاہے کار

ابن ماجہ، سنن دارمی یا موطا کا صحاح ستہ میں شمار:

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے فلسفہ میں جدید و کتب غریبہ سے باقاعدہ تبدیلی اور ترمیم اور اضافہ کی وہ علامہ محمد رفیع ہندوستانی تھے۔ جنہوں نے شرط امتداد سے نام سے کتاب تصنیف اور اس میں مرصعہ کے ساتھ اس جدید شرط پر بحث کی ہے اور یہ دوسری کتاب میں کتابت کے طریق کو جمع کیا۔ بعد ازاں علامہ صاحب نے ان کی رائے سے اتفاق کیا حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

تابعه اصحاب الاطراف والرجال - (ا)

حافظ ابن حاتم کے معاصر محدث زرین بن معاویہ عبد ربی ماگی ۵۵۵ھ میں اپنی کتاب التخریر للصالح السنن میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن ابن ماجہ کی تجدید کا ذکر کیا ہے۔ حافظ عبد الغنی مقدس ۶۰۰ھ نے اس کتاب فی اسماء الرجال میں کتب خمسہ کے ساتھ ابن ماجہ کے رجال کو ایک جامع قرار دیا ہے۔ (۲)

اس بنا پر بعد کے علماء میں یہ بحث پیدا ہو گئی کہ صحیح میں کتب قرآن کے ساتھ جن کتب کو موطا ہے یا ابن ماجہ؟

علاوہ ازیں، شیخ نے اپنی مشہور کتاب جامع الأصول میں محدث زمین کی رائے کو ترجیح دی ہے اور اور ی ہے اس کتاب میں ابن ماجہ کے حوالہ سے کوئی روایت درج نہیں ہے۔ اسی طرح حافظ ابو جعفر بن زہیر فرماہی کی تصریح ہے کہ:

جو چاہتا ہے اس سے اس میں وہ تائیدیں ہیں کہ جس کے اعتقاد پر مسلمانوں کا تعلق ہے اور یہ اسی سے فخر و مفاخر ہے۔ جو تصنیف میں درج ہے اس میں ان کے نام نہیں ہے۔ (۳)

اور علامہ عبدالحق ناظمی اچھی مشہور کتاب ذخائر الموارث فی الدلائل علی مواضع الحدیث کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

سورج میں چھٹی کتاب کے بارے میں اختلاف ہے، علیٰ مشرق کے نزدیک سورج بن
ماہر ہے واراہل مغرب کے نزدیک موطا ہے۔ (۴)

طالب المتأخرين على إله سادس السعة.

حافظ سخاوی نے بن ماجہ کو مقدم کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس میں بہت سی روایات حدیثوں کی وجہ سے افادیت پیدا ہو گئی ہے۔ اور یہ صحت اور قوت روایات کے لحاظ سے سنن بن ماجہ تو یہاں تک کہ کوئی کتاب بھی معانی کے مقدمے میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ چھ ماہ کی راہ

حادثہ میں جو مستحالی اور اودھ سے محدثیں نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ صفات جن پر صحت کا مدار ہے بخاری میں مسلم سے زیادہ ہیں۔

اور بخاری کی شرطیں مسلم کی شرطوں سے زیادہ قوت والی اور زیادہ سخت ہیں۔ (۱) اس پر قمیسی گفتگو آپؐ سے شدہ اوراق میں پڑھیں گے کہ ان دونوں میں زیادہ صحیح و ثقیل سے اس موضوع پر مختلف علماء کے یہاں کیا جاتا ہے۔

العرض اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں کتابیں صحت کے لحاظ سے تمام کتابوں سے اونچی ہیں۔ چنانچہ امیر ایمانی فرماتے ہیں

لقد افق الكل على انهما اصح الكتب

ان دونوں کے اصح الکتاب ہونے پر اتفاق ہے

صحیحین میں صحت کا معیار

یہاں پہلے کراہت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دعویٰ اتفاقی کی کیا دلیل ہے؟ تمام حدیث کی کتابوں کے مقابلے میں زیادہ صحیح میں کیا ہے؟ آخر وہ معیار کیا ہے جس کی وجہ سے اس صحت ان کو دوسری تمام کتابوں پر فوقیت حاصل ہوئی ہے۔

دوسری معلومات کے مطابق اب ہم اس مسئلے میں جو پوچھ رہے ہیں وہ تمہیں باتیں ہیں

✽ ایک یہ کہ ان کتابوں کی سب سے برتر ہونے کی وجہ خود ان پر روگوں کا لکھنا صحت ہے۔

✽ دوسری یہ کہ ان کتابوں کے اصح ہونے کی وجہ ان پر روگوں کی قائم کردہ شرطیں ہیں۔

✽ سومی یہ کہ ان کتابوں کے اصح ہونے کا ارادہ دراصل اس پر ہے کہ ان دونوں کتابوں پر دینی امت کی جانب سے شرف قبول حاصل ہے۔

بات اگرچہ طویل ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے اس سے میں جو مفید باتیں پیش کریں۔

التزام صحت اور اس کا مطلب:

التزام صحت کا مراد یہ مطلب ہے کہ ان دونوں کتابوں کو مؤلفین کا طعن ہے کہ ان کی حدیثیں صحیح ہیں۔ ہم نے اپنی کتابوں میں صحیح حدیثیں درج کی ہیں۔ تو یہ اپنی جگہ درست ہے کیونکہ ان دونوں پر روگوں کی اس قسم کی تصریحات موجود ہیں۔ اور یقیناً یہ بیان صحت کا یہی مقصود ہے چنانچہ امام ایمانی لکھتے ہیں:

ولا ولى عدى لى لاسند لال على تقدم الصحیحین احبار مؤلفهما

بان احادیثها صحیحة۔

میرے نزدیک صحیحین کے مقدم ہونے کی مدد صرف یہی ہے کہ ان کے مؤلفین نے وعدہ کیا ہے کہ ان کی احادیث صحیح ہیں۔ (۱)

اور احادیث کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ:

رواه هذه الاحادیث عدول صابغون ولا شذو فیهما ولا علة۔ (۲)

یاد رہے کہ ان کتابوں و مؤلفین کے بارے میں یہ باتوں کی اہمیت کا مدار ہے تو

یہ شرف یقیناً ان کتابوں کو حاصل ہے۔

بخاری و مسلم کی شرطیں:

ان کتابوں کی اہمیت کی صحت ان کتابوں کے مؤلفین کی پیش کردہ شرائط ہیں تو ہمیں افسوس ہے کہ ان پر روگوں نے اپنی شرائط کو نہ تو نہیں بیان کیا ہے اور نہ ہی اس موضوع پر اس سے کوئی بھی سرمایہ بحثوں سے جلد واقف یہ ہے کہ متاخرین نے خواہی چند شرطیں ان کی کتابوں کو دیکھ کر مقرر کر دی ہیں۔ بعد ازیں دوسری کتابوں میں آمد و حدیثوں و اپنی بتائی ہوئی شرطوں پر قول قول ایسے گئے۔ چنانچہ علامہ طبرانی نے ان کی نکتے ہیں

اعلم ان البخاری لم یوجد عنده تصریح بشرط معین وانما اخذ

ذالک من تسمية الكتاب والاستفراء من تصرفه۔ (۳)

حدیث میں محمد بن ابی اسحاق سے توجیح افکار میں امام بخاری اور امام مسلم دونوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اعلم انہ لم یقل عن الشیخین شرط شرطاً وعباءہ اما تسمع العلماء المحدثین عن اسالیبہما طریقیہما حتی تحصل لہما ما طوہ شروطہما۔ شیخین سے یہی کوئی شرط متفق نہیں ہے صرف یہ کہ ان کے اسلوب طریق سے تلاش کر کے اپنے خیال کے مطابق شرطیں نکالی ہیں۔ (۱)

حتی کہ امام نووی نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ:

علیٰ شرط الشیخین کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کے رجال سناد شیخین کی کتابوں میں آئے ہوئے رجال پر مشتمل ہوں یہ سناد ان کی اپنی کتابوں میں اور کوئی شرط نہیں ہے۔ (۲)

اور چونکہ سند شرط پر ان دونوں سے خود کوئی تہذیبی یا عقول نہیں سے بدھ بعد میں ان کے تلاش و تحقیق میں مست ہیں اس لیے اس شرط کی تعین اقتدار میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

اختلوا فیہ لا اختلاف فیہا مہم

یعنی اس موضوع پر مختلف حدیث کی قیمتی آثار معلوم کر دیجئے۔ محمد بن طہر مقدسی کہتے ہیں

شروط البخاری و مسلم ان یحررا الحدیث الجمع علی ثقہ بقلہ الی الصحابی۔

بخاری و مسلم کی شرط یہ ہے کہ وہ حدیث اس راویوں سے روایت کرتے ہیں۔ جن کی ثقاہت ثقاتی ہو۔ (۳)

(۱) توجیح الافکار ج ۱ ص ۱۰۰

(۲) تہذیب الراوی ص ۶۷ (۳) شروط الامم الخمسہ ص ۱۰

لیکن راویوں کی ثقاہت یا اتفاق کا دعویٰ درست نہیں ہے۔ حافظ زین الدین کو این طہ کا یہ دعویٰ تسلیم نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے یہ عند امام نسائی نے اپنے بہت راویوں کی تصدیق کی ہے جس سے شیخین نے روایت کی ہے مگر حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری نے ایک قدم اور بڑھا کر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:

مدنی نسائی کی خصوصیت نہیں ہے جس میں معاملہ میں ایک سے زیادہ راویوں کے امر جرح و تعدیل امام نسائی کے ہم زبان ہیں۔ اگرچہ علامہ وزیر نے یہ کہہ کر کہ

لکنہ تصنیف مطلق غیر مبین السبب

حافظ عراقی کی بات کو بے وزن ماننے کی کوشش کی ہے لیکن مشہور محدث امیر بخاری نے بات کو واضح کر کے پیش کیا اور حافظ ابویہ کی تردید کرائی۔ چنانچہ امیر موصوف فرماتے ہیں صحیحین کے راویوں میں سے جن پر جرح ہوئی ہے ان میں ہر ایک پر جو مطلق ہی نہیں ہوئی بلکہ ان میں ایک جماعت ہی بھی ہے جن پر جرح پورا اصل جرح کی گئی ہے چھاپتے ہیں جس و مراد کیا گیا ہے مثلاً ابویہ بن خالد بخاری و مسلم کے راویوں میں ہیں ابو داؤد اور نسائی کے ان و مراد قرار دیا ہے۔ چھوڑنا بھی بتایا گیا ہے جیسے ثور بن یزید بخاری کے راویوں میں سے ہیں جریر بن عثمان بخاری کے راویوں میں سے ہیں۔ فارس مشہور مقلد رجال نے بتایا ہے کہ یہ حضرت علی سے بعض رکھتے تھے۔ خالد قحطانی بھی بخاری کے راویوں میں سے ہیں مگر بن سعد کی رائے میں غالی تعبیر تھی۔ (۱)

علامہ حارثی نے اس موضوع پر شرط امت المسلمہ کے نام سے کتاب لکھی ہے اور اس میں امام بخاری کی امام مسلم امام ابو داؤد و امام ترمذی اور امام نسائی کی شرائط پر تبصرہ کیا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس کا خلاصہ یہ لکھا ہے کہ:

(۱) توجیح الافکار ج ۱ ص ۱۰۲

شروط بخاری یہ ہے کہ اس حدیث روایت کی جائے جس کی سند متصل ہو جس سے
اس میں صرف ثقات و راۓت کی نہیں بلکہ ان کے من سے وہ حدیث کی
ہے ان کے طرہ صحبت بھی ہوں اور صحبت بھی طویل ہوگی مگر بخاری کی روایت
وہوں کی روایت بھی سے آتے ہیں جو طرہ صحبت نہ ہوں اور امام مسلم کی شرط یہ
ہے کہ روایت طبقہ ثانی کی ہو اور کئی کھڑاں سے بھی روایت آتے ہیں۔ امام
نہوں کی روایت ان پر قدرے سخت بھی ہوئی ہو۔ (۱)

میں عدم یدانی کے امام بخاری سے تعلق یہ ہے۔ بخاری کی بیانیہ روایتوں
مخبروں سے یاد کیا ہے کہ۔

هذا لا يوافق ما نقل عن البخاري من انه يشترط اللقاء ولو مرة

بخاری کی روایت کا امام بخاری نے یہ تصدیق کرنا نہیں چاہی ہے کہ روایت میں روایت
کے لیے ملاقات شرط ہے چاہے ایک ہی بار ہو۔

اور ایسی ہی بہ مسلم کی طرف منسوب شرط بھی انہوں نے یہ ہے کہ روایت
ان مسلم لا بشرط اللقاء اصلاً کما صرح به فی مقدمہ صحیحہ۔

امام مسلم ملاقات کو قطعاً شرط قرار نہیں دیتے ہیں۔

امام حاکم نے مدخل میں بخاری و مسلم کی یہ شرط بتائی ہے کہ۔

ایسی حدیث جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشہور صحابی روایت کرے اور اس
صحابی سے روایت کی بخاری روایت کریں۔ چنانچہ سند ایسا کوئی شخص جو حفظ و نقل میں
مشہور ہو اور اس کے طبقہ میں روایت کے واسطے ہیں سے روایت روایت ہوں
حدیث بخاری و مسلم کے وہ شیوخ و حفاظ و محدثین میں مشہور ہوں روایت
کریں۔ یہ درجہ اول کی روایات ہیں۔ (۲)

یہ شرط اگرچہ بہ حدیثی و روایتی ہے مگر امام بن طہر مقدسی نے اسے یہ
مذہب کے ساتھ بیان کیا ہے کہ۔

ان الشَّعْبِ لَمْ يَشْرَطْ هَذَا الشَّرْطَ وَلَا يَنْفُلُ عَنْ وَحْدَانَةِ قُلِّ دَالِكِ
وَالْحَاكِمِ قَدْ رَوَى الْقَدِيرُ وَشَرَطَ لَهَا هَذَا الشَّرْطَ عَلَى مَا ظَنَّهُ
شعْبِ کے یہ شرط لگانا درندہ میں سے کسی سے یہ نقل ہے امام نے جو امام نے جو
اپنے زمانے سے حدیث بخاری کی ہے۔ (۱)

اور امام بخاری کے حلقہ میں قرآن میں ہستی سے اس پر حوالہ نقل کی ہے وہ
کافی سخت اور محکم سے فرماتے ہیں

حدیث سب اخبار صحاح ہیں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے۔ جو دو عاں کی روایت کی
قید سے آئی ہو اور پر امام بخاری سے روایت کر کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے
پہنچے ہو۔ حسب یہ صورت ناممکن اور غلط سے تو ثابت ہو گیا کہ حدیث اخبار صحاح
ہیں۔ اور جو شخص اس قسم کی شرطیں عائد کرتا ہے وہ تو دراصل اس روایت کو
ترک سخن کی دعوت دے رہا ہے کیونکہ سخن تو ساری ہی اخبار آحاد ہیں۔ (۲)

امام بخاری نے اس طرح کی اس تنقید و طوط الی الصواب قرار دیتے اور چرچا
بھی امام بخاری کے حیل کی اپنے غدار پر چڑھ کر کر دیکھ کر ہے۔ بہر حال یہ شرط چاہے
طہر نے تانی میں یا امام بخاری نے متحریر کی مانی ہوئی میں ورنہ شعْبِ کے اس حلقہ
میں چھوٹی بات نہیں ہے۔

اسماہو نطق و تحمیل من العلماء

تاکہ یہ چوتھوں کے بخاری و مسلم کی کتابوں کی اور ان کتابوں کے مقدمہ میں صحیف
کا اردو اور شریعت پر نہیں ہے۔

تلقی امت بالقول اور صحیحین:

حدیث کی اور ان کتابوں کے مقدمہ میں صحیحین کی اصحیت کو ثابت کرنے کے وجود
۱۱۔ جو تالیفات میں ان میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ صحیحین کو تلقی امت بالقول ۵

شرف حاصل سے صحیحین کے بارے میں یہ حدیث توفیق حافظ ابن الصلاح کی قلم بردار ہے انہوں نے مقدمہ میں لکھ دیا کہ:

الاتفاق الامة على تلقى ما اتفقنا عليه بالقبول۔ (۱)

صحیحین کے بارے میں یہ موقف ایسا ہے کہ جسے ترجیح دینا چاہیے چنانچہ ابو محمد بن ابراہیم الوزیری قنطرازی ہیں:

والوجد في هذا عند اهل الحديث هو تلقى الامة بالقبول ولا شك انه وجه ترجيح۔

محدثین کے نزدیک اس حدیث تلقی امت بالقول سے اور یہ واقعی حدیث ہے۔ (۲) اگرچہ ماہ نواری نے اس مسئلہ پر حافظ ابن الصلاح کے خلاف بہت بڑی قلم برداری کی ہے لیکن امت بالقول کی چیز کی صحت میں تردد کرنے کی نہیں بلکہ وجوب عمل کی بات ہے۔ اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

تلقى امت بالقول کا وہ دعویٰ عمل کے دائرہ میں نہیں آتا۔ فقہاء نے یہ دعویٰ دوسری باتوں پر مبنی ہے۔ میں نے اس کی سیدھی جواب دی کہ یہ عمل واجب ہے اور مفید ظن ہیں یہی صحیحین کی دلیل ہے۔ (۳)

امیر یحیٰی نے حافظ ابن الصلاح کے موقف پر دو سوال قائم کر کے صورت حال کو ابھی تک حل نہیں بنا دیا۔

تلقى امت بالقول میں کیا امت کا ایک ایک فرد خاص و عام مراد ہے؟

یہ تلقی امت سے یہ مراد ہے کہ پوری امت جاتی ہے کہ یہ کتابیں ہر رکوع کی نسبت ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ امت کے یہ ایک فرد نے صحیحین کی ایک ایک حدیث دیکھ لی ہے۔ لیکن پوری بات ان کی زبانی سن لیجئے جو شخص یہ کہتا ہے کہ صحیحین کی تلقی امت بالقول حاصل ہے اسے اس دعویٰ کو ثابت

کرنے سے لیے اس کی ضرورت ہے۔ اس دعویٰ پر ۲۱۱ ہوتے ہیں ایک یہ کہ امت سے کیا مراد ہے سب کے سب ہر خاص و عام یا صرف مجتہدین۔ ظاہر ہے کہ سب تو مراد نہیں ہیں یقیناً مجتہدین ہی مراد ہوں گے۔ اگر دعویٰ یہ ہے کہ امت کے تمام مجتہدین میں سے ایک ایک فرد نے عمل کی دنیا میں اپنا یا ہے تو یہ خواہ مخواہ دلیل ہے اور معلوم ہے کہ اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں۔ اس مسئلہ کا ایسا ہے جیسا کہ حجاج کے دعویٰ پر۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ حجاج دھڑی ۱۵ سال ہے اور امام احمد میں صحیحین کے وجود پذیر ہونے سے پہلے یہ دعویٰ ہے تو پھر صحیحین کے لیے اس کی تائید اور تشہید کے بعد اس قسم کا دعویٰ یہ صحیح ہوتا ہے۔ علماء میں بہت سے ایسے بھی ہوں گے جن کو صحیحین کا یہ بھی نہ ہوگا۔ اور اس سوال یہ ہے کہ خود تلقی بالقول سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں کتابیں ان دونوں پر رکوں کا تائیدی کارنامہ ہیں۔ صرف اتنی بات تو ان کتاب کی صحت کی ضمانت سے بے ہدفی نہیں ہے بلکہ یہ تمام امت کے اس کتابوں کی تمام حدیثوں میں سے یہ حدیث کے بارے میں یہ مانا جائے کہ یہ حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس دعویٰ کی صداقت سب احادیث کے بارے میں ناقابل حلیم ہے۔ (۱)

صرف یہی نہیں بلکہ امام نووی کی معنی اور حافظ ابن الصلاح کی غفلت میں اور بھی بہت چوڑا ہوا ہے۔ چنانچہ علامہ ابو زری فرماتے ہیں کہ یہ بھی معترض کیا گیا ہے۔

صحیحین کے بارے میں تلقی امت بالقول درست ہے۔ لیکن یہ صحیحین کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ابو داؤد، الترمذی اور نسائی کو بھی یہ مقام حاصل ہے مگر اس کے باوجود ان کتابوں کی اہمیت کا وہی بھی قائل نہیں ہے اگر امت سے پوری امت مراد ہے تو اس سے زیادہ کوئی گھٹ بات نہیں ہے کیونکہ ان کتابوں کی تائید بخیر اور ائمہ مذہب کے بعد منصف مشہور پر تائی ہے اور اگر امت سے مراد امت نہیں بلکہ

وہ حضرات مراد ہیں جو کتابوں کے مؤلفین کے بعد سوک جاتے تو یہ ساری امت نہیں ہے اور کچھ لوگوں کی تلقی مفید و عافیت ہے۔ (۱)

حضرت محمد بن اسماعیل یحییٰ بن اسماعیل سے گلو خدا صی نے لیے متاخرین میں جواب صدیق حسن خاں مازوم نے تلقی امت بالقول میں تھوڑی سی ترمیم کر کے تلقی امت بالقول کا عنوان اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ اعلیٰ فیہ و کرامت میں فرماتے ہیں

ونلقاھما الاثمة بالقول۔ (۲)

اور اثناف الامم المتکلمین میں لکھتے ہیں

اثر دین تلقی کردہ اندازیں ہر دور القبول۔ (۳)

اور مولانا آرا نے اپنے مخصوص خطبات انداز میں ان سے بے پروا ہو کر کچھ دیا ہے کہ سمیعین کو ترجیح محض ان کی شراط کی بنا پر نہیں ہے بلکہ شہرت اور قبول کی بنا پر ہے اور اس پر تمام امت کا اتفاق ہو گیا ہے۔

لیکن یہ دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ مولانا نے اس دعویٰ پر کسی دلیل سے بحث نہیں فرمائی ہے اور متقین و سب میں تلقی سے یہی حکایت ہے کہ وہ نہ تو دعویٰ کی وضاحت کرتے ہیں۔ اور نہ ان کے پاس دلیل کا سرمایہ ہے۔ عقیدت بیشی کی حد تک تو یہ بات ٹھیک ہے مگر اس عقیدت کا نہیں ہے بلکہ علم و نظر اور تحقیق کا ہے۔

بہر حال یہ بحث متاخرین محدثین کے یہاں طویل الذیل ہے اصل بات وہی ہے جو اس سلسلے میں امیر یحییٰ نے توفیق الکار میں فرمائی ہے کہ

فالاولیٰ عندی فی الاستدلال علی تفہدہ الصحیحین ہو احراز مؤلفہما بان احادیثہما صحیحہ۔ (۴)

صحیح یہی ہے کہ سمیعین کے مقدم ہونے کی وجہ ان کے مؤلفین کا یہ ہونا ہے کہ ان کتابوں کی احادیث صحیح ہیں۔

(۱) توجیہ الخیر: ص ۱۳۱

(۲) امل: ص ۸۴

(۳) توفیق الکار: ج ۱ ص ۹۵

(۴) اثناف الامم: ص ۳۸

اور اس بات کا مطلب کہ ان کتابوں کی احادیث سنی ہیں یہ بھی علم حدیث کی رہائی ہی من لہجے

امام بخاری کا یہ کہنا کہ یہ احادیث صحیح ہیں ان کے مترادف سے کہ ان حدیثوں کے راوی عابد اور ضابط ہیں اور ان میں کی قسم کا وہی شد و درولی صحت نہیں ہے۔ اگر واقعہ یہی ہے کہ ان کتابوں کی صحت میں مولانا نے یہ صحت اتنی بات سے کہ ان حدیثوں کے راوی عدالت و ضبط کی صفات سے موصوفہ ہیں ان کی یہاں ضروریات شد و درولی کے واقع سے پاک ہیں اور اس کے علاوہ ان بزرگوں کی نہ قائم کردہ کوئی شرط ہے اور نہ اس کی وجہ تلقی بالقول سے تو چر سمیت اس کتاب میں محدث کرنا اپنے راوی خاص اہمیت نہیں رکھتا ہے۔ یونہی بنا کر ہی کتاب کو تصحیح مناسبت اس کے سمجھنے والے بزرگ ہیں کوئی بھی اور تحقیقی بات نہیں ہے۔ اس لیے حافظ ابن ابی شیبہ کا یہ سننا بالکل بوجہ ہے کہ یہ خود بخود کی تصحیح اور تھمید محض ہے جو وہ اہمیت کا راہ اور توفیق اس پر ہے کہ سمیعین کے راویوں کی شراط سے تحت میں حوس کے مومنین سے پیش نہ کریں۔ باغرض اگر یہی شرطیں ان کتابوں سے طرزی اور کتاب میں ہوں اور اس کے راوی اسی معیار پر پورے اترتے ہوں تو چر سمیعین کی حدیثوں کو صحیح کہنا ہی اہمیت نہیں رکھتا۔ (۱)

اور صرف یہ حافظ ابن ابی شیبہ کا ہی خیال نہیں ہے بعد ان میں مولانا حافظ ابن ابی شیبہ کے منوالی۔ حافظ ابن ابی شیبہ کے شاگرد علامہ ابن میمون نے یہاں عجیب بحث چھوڑا کہ بخاری اور مسلم کا اہمیت میں مقدمہ بخاری اور مسلم کے بعد آئے ان کے ساتھ ہے۔ ان مجتہدین کی کتابوں سے سمیعین سے جو امام بخاری اور امام مسلم سے پہلے آئے چلے ہیں۔ (۲)

یہ بھی یہ تصاف کی بات ورنہ بڑی ہی بے انصافی ہوگی کہ سلف مجتہدین کا مقدمہ بعد کے ان محدثین سے کیا جائے جو فضل و کمال و اجتہاد اور تحقیق و تھمید میں ان کے برابر نہ

(۱) توفیق الخیر: ص ۳۱۲ (۲) توفیق الخیر: ج ۱ ص ۳۰

تھے۔ شاید یہی چیز ہے۔ جس سے عظیم امت شادولی مذکور کتاب حدیث میں
کی اصحیح کے اعلان پر مجبور کر دیا۔ نواب علامہ صدیق حسن خاں فرماتے ہیں:

شادولی اندکھٹ ہوئی اس حال تو۔ سب در حدیث و فقہ موطا امت
بستر بخاری بستر مسلم۔ (۱)

شادولی نے اس سے قرین دلیل اور حوالہ نہایت شرح وسط سے اپنی مشہور
کتاب مصنفی میں بیان کیا ہے۔ ان ضمن میں حدیث کوثری کا ایک بیان بھی ملتا ہے
۔ جو انہوں نے شرط امت کے تحت اس حدیث میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں

تفلیس میں یا صحابہ میں سے سے سے حفاظ حدیث باہم معاصر ہیں اور تمام
فقہ حدیثی۔ بعد از شادولی پڑھتے ہیں در حدیث کے ایک خاص حصہ پر اپنی
توجہات کو مرکوز کیا ہے ان سے پہلے محدثین کے سامنے حدیث کی ساری
نوع مرفوعہ متواتر اسل اور صحیحہ پڑھتے ہیں۔ فروعی و غیرہ۔ کیونکہ انہیں میں
حدیث کی تمام اون روئی ہیں۔ چنانچہ اس دوری جوامع اور مصنفات اس کی شاد
جس کی حدیث کی ساری تفہیم دور ہیں جس کی ایک مجتہد وضہ درست ہوتی ہے
اور ان جوامع سے موافقین روایت صحیحہ سے پہلے امام مجتہدین کے تالیف ہیں یا
تالیف کے تالیف ہیں۔ (۲)

یہ حدیث امام بخاری کی تالیف جس کا پورا نام خود امام بخاری کا تجوید کردہ جامع
صحیح المسند میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ و ائمہ سے اپنے اور ان ایک متواتر
جامع تصنیف سے اس کی بڑی خوبی یہ ہے۔ امام موصوف سے جس احادیث کا ایک مجموعہ
تیار کیا ہے۔ اس سے ساتھ اور بھی بہت سے فوائد اور فوائد کی طرف اشارات فرماتے ہیں۔
اسوں سے فقہ کا بہ ثمرہ فروعی و درجہ میں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے مناسب آثار بھی پڑھتے ہیں اور احادیث
مرفوعہ پیش کی ہیں تاکہ حدیث اور فقہ کا ربط ہو جائے چہ بہ باب میں احکام کے مناسب

مناسب قرآنی آیات تلاوت کی ہیں تاکہ فقہ کے تمام بواب قرآن کریم میں ایسا نظر
آجائے اور ان سے مناسب احادیث کی کوثر قرآن کی جامعیت کا پورا مشاہدہ ہو جائے اسی
کے ساتھ قرآن اور حدیث کا ربط بھی معلوم ہو جائے اور اس طرح ایک ہی تصنیف مکتوبین فقہ
اور مکتوبین حدیث دونوں کا جواب بن جائے۔ فقہ کو پورا بننے والے احادیث سے مسائل کے
استنباط کا طریقہ سکھائیں اور حدیث کو قرآن کے حروف کے قرآن میں احادیث کا فقہ
معلوم کر لیں۔ حافظ ابن حزم فرماتے ہیں

کل ابواب الصفة ليس منها الاولة اصل في القرآن نعمة والحمد لله
حاشا القراء۔ (۱)

فقہ کے تمام موضوعات کی قرض کے علاوہ قرآن میں اصل موجود ہے۔
اس لحاظ سے کیا امام بخاری کی صحیح تمام علوم و فنون کا مجموعہ بن کر رہی جو اس دور
تک اسلاف کی محنتوں سے بعد، جو پڑھتے تھے۔ چنانچہ عظیم امت شادولی اندکھٹ
فرماتے ہیں

معلوم ہوتا چاہیے کہ امام بخاری دو سو سال بعد از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حدیث میں مختلف فنون کی کتابیں تصنیف کر چکے تھے چنانچہ امام مالک بن سفیان
ثوری سے فقہ میں اور ابن جریج سے فقہ میں ابو عبیدہ نے غریب قرآن میں اور محمد
بن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ نے سیرت میں عبد اللہ بن المبارک نے زاد و مواضع
میں اس کی تالیف کی اور یحییٰ بن یحییٰ نے صحابہ و تابعین کے حالات میں
یہ متعدد احادیث تالیف کیں روایا اب اس میں شامل اصول فقہ اور راہبہ میں
پڑھتے ہیں تصنیف کی تھیں۔ امام بخاری سے ان تمام دونوں دونوں علوم کا ایک حصہ کہ
جس و انہوں نے بمراسمت یا بدست ان حدیثوں میں پایا جو امام بخاری کی شرط پر
تھیں اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ (۲)
حافظ ابو یوسف بن موسیٰ بخاری فرماتے ہیں کہ

امام بخاری کا پیش ہوا مصنف یہ تھا۔ حدیث کا یہ مختصر مجموعہ لوگوں سے ہاتھ میں آجائے۔ تو اس کا ایسا ہا استیساں ہوا تصور تھا کہ اس کی شرط مصنف یہ تھی کہ وہ حدیثیں ان کے روایت صحیح ہیں۔ اور ان کو یوں یاد و محفوظ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں صرف حدیثیں روایت کی ہیں۔ (۱)

امام بخاری سے اس کتاب کو اگرچہ نو ہزار لوگوں نے سنا ہے لیکن امام موصوف سے اس کا دوسرا نسخہ بخاری کی روایت کا۔ سید چچا اور چچا بزرگ ہیں

(۱) براہیم بن معقل (۲) حماد بن شاذان (۳) محمد بن یوسف الخریزی (۴) منصور بن محمد بروی۔ ان چاروں میں پہلے اور بزرگ اور تمام مشہور نقلی عالم ہیں۔ حافظ بن حجر مقدسی نے بخاری سے شروع میں یہ سلسلہ سندس الفاظ تک بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

ومن طريق ابراهيم بن معقل بن الحجاج السلمي وكان من الحفاظ وله تصانيف - ومن طريق حماد بن شاكر النسوي - (۲)

اس چاروں میں براہیم اور حماد کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ ان کو امام بخاری سے جانشین روایت کا سب سے پہلے موقع ملا۔ یہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ ان کی وفات بالترتیب ۲۹۹ھ اور ۳۱۱ھ میں ہوئی جب کہ بخاری اور بطلون کی وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی ہے۔ اور یہ حقیقت سے کہ ان یہ دونوں نقلی بزرگ امام بخاری کی کتابوں سے روایت نہ کرتے تو جامع کی روایت کی مناسبت تنہا فری پر رہ جاتی اور اس طرح روایتی نقطہ نظر سے صورت حال مزی نازک ہو جاتی۔ علامہ کوثری نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

هذا البخاري لولا ابراهيم بن معقل السلمي وحماد بن شاكر الحنبلين لكان دينهم والفروبي عنه في جميع الصحيح سماعاً - (۳)
بالفاظ دیگر ۳۱۱ھ تک امام بخاری کی تصانیف کا روایتی مرکز صرف احناف ہی تھے۔ بہ حال

(۱) شرط اولیہ ۱۰۰ ص ۳۳ (۲) نقلی بخاری ص ۱ (۳) شرط اولیہ ۱۰۰ ص ۳۳

امام بخاری کی کتاب حدیث کا امام بخاری سے تاریخ اسلام میں مصنف کے کتاب کا نام ہے اور اسنادی نقطہ نظر سے لوگوں کے لیے علم کا بہترین سرمایہ ہے۔

صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں موازنہ

اس پر توجہ کیا کہ آپ نے اس میں سب ہی کا اتفاق ہے۔ صحیح میں اپنے روئے اور اپنے حدیثی تمام تاویں پر فوقیت رکھتے ہیں چنانچہ وہ اب صدیق اس خاص فرماتے ہیں
لا ريب في تقديمه الشخص على ائمة عصرهما ومن بعدهما في معرفة الصحيح والعلل - (۱)

یہ بات کہ آپ نے اس مقدمہ کی حجت اور مبادی میں سے بخاری راے میں ان زیر میں اس کتابوں میں تمام صورت و وجوہ خیال میں اس کی حجت سے لوگوں کو قائل کر دیا ہے۔ اور جو کہتے ہیں کہ اس کی حجت تلقی امت باقیوں سے ہے۔ اس پر علماء سے مختلف خیالات آپ کو پہنچے ہیں۔ اصل بات سب کے یہاں تقریباً متفق علیہ ہے صحیح کا پایہ دوسری کتابوں کے مقابلہ میں بلند ہے۔ اس پر اتفاق کے بعد البتہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ انہوں میں سے ارادہ صحت خالص محدثانہ نقطہ نظر سے کس کا مقام اونچا ہے؟

حافظ بن حجر مقدسی اور امام محمد بن بخاری واضح قرار دیتے ہیں اور امام نووی سے صحت کے سلسلہ میں امام بخاری کی تصویب کی ہے، وفات میں کہ صحت کی علامت جن دو مثبت اور دو منفی ستونوں پر ٹھہری ہوئی ہے وہ تمام بخاری میں موجود ہیں۔ یعنی روایوں کی عدالت اقصا سند کے ساتھ عدم شذوذ اور عدم حجت قاصر۔ عدالت ضبط کے لحاظ سے بخاری کا مقام مسلم سے اونچا ہے۔ اقصا کے پیش نظر بھی بخاری کو برتری حاصل ہے۔ یہ وہ بخاری ہے کہ اس میں صرف معاصرت کافی نہیں ہے۔ مذاہبات بھی ضروعی سے پاتے ایسا ہی درجہ۔ شذوذ سے اور عدالت نہ ہونے کی بنیاد پر بھی بخاری کا پڑا بھائی سے زیادہ قدر و حرمت میں رہی کی روایات پر بہت روایات مسلم کے میں۔ حافظ سیوطی نے بھی اس کی تائید کی ہے

(۱) الخط فی ذکر الصحاح ص ۸۱

اور اس وقت سے ثابت کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد مفسرین نے اسے جاسد بخاری سے مسلم کے حق میں سے اور ان مفسرین میں حافظ بن حاتم، ابویوسف، ابوالحسن بن علی وغیرہ داخل ہیں۔ چنانچہ شیخ ابو محمد القاسم بن القاسم نے اپنی فہرست میں امام ابن حزم بخاری کے متعلق لکھا ہے کہ وہ صحیح مسلم کو امام بخاری کی کتاب پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور مشہور عالمی محدث قاضی میمنہ نے امام ابن ابی عمیر ان طبعی سے نقل کیا ہے کہ یہ ہے چنانچہ شیخ مسلم کو ترجیح دیتے تھے۔ (۱)

علامہ زرشکی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال صرف چھ ماہ نہیں بدعات مفسرین کا ہے چنانچہ امیر ایمانی فرماتے ہیں۔

لا یخفی ان مقالہ الرذکشی ان دائرة الخلاف اوسع والداھون الی
توجیح مسلم اکثر ممن ذکر۔

بعض علماء نے مفسرین کے اس میان کی وجہ بھی قلم بند کی ہیں۔ چنانچہ علامہ الجزائری فرماتے ہیں کہ:

امام ابوعلی میث پوری نے صحیح مسلم کو بخاری پر فوقیت دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی کتاب خاص اپنے شہر میں اپنے استاد کی موجودگی میں لکھی وہ بیان تحریر اور الفاظ میں بے حد محتاط تھے۔ برخلاف امام بخاری کے کہ وہ اکثر احادیث کو صرف حافظ کی حد سے لکھتے اور راویوں کے الفاظ میں امتیاز نہ کرتے اسی وجہ سے آپ کو شک ہو جاتا اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے نئی حدیثیں بصرہ میں سنی ہیں مگر ان کو شام میں پہنچ کر قلم بند کیا ہے۔ (۲)

حافظ عسقلانی نے مفسرین کے اس تاثر کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ میری رائے میں اس کا تعلق صحیح مسلم کی اصحیت سے نہیں بدعات کی وجہ پھر اور جس ایک وجہ وہ ہے جو حافظ ابن حزم نے بتائی ہے کہ اس میں خطبہ کے بعد حدیث کے سوا کچھ نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام بخاری روایت بالکلیہ کے قائل ہیں۔

نیز وہ ایک حدیث و فقرے پر سے پیش کرتے و اصرار سمجھتے ہیں۔ برخلاف امام مسلم کے کہ وہ اس کو صحیح نہیں سمجھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ کتاب ایک جدید قیام کی حالت میں نہیں بلکہ شام میں لکھی ہے چنانچہ وہ خوف فرماتے ہیں کہ میں نے نئی حدیثیں بصرہ میں سنی ہیں مگر انہیں کی نوبت خراسان میں آئی ہے اس وجہ سے یہ اوقات حدیثیں صرف حافظ کے واسطے ہی قلم بند کرتے اس لیے روایت حافظ نہ ہوتی تھی بلکہ روایت صرف شام کے واسطے ہی قلم بند ہوا اپنے الفاظ میں پیش کرتے تھے نیز امام مسلم نے اپنی کتاب قیام کی حالت میں اپنے استاد کے سامنے لکھی ہے وہ الفاظ میں بحد محتاط اور روایت باللفظ کے پابند تھے۔ (۱)

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ امام بخاری کی حدیث میں امام بخاری کے حامیوں کا یہ دلچسپی تاوار حد تک آتی کیا چاہیے تو یہ تھا کہ ان مفسرین کی تعلیمات کا بھی اور تحقیقی جواب دیا جاتا لیکن ہوا یہ کہ امام مسلم اور امام ابوعلی خیشا پوری تک پر نہایت رکیک الزام لگائے اور انکی زبان استعمال کی جو بھی زبان نہیں ہے اور نہ میدان تحقیق میں محققین کے شایان شان ہے۔ چنانچہ حافظ ابوسعید العلانی کو جب امام مسلم کی برتری کے بارے میں امام ابوعلی کے تاثرات معلوم ہوئے تو فرمایا کہ:

امام ابوعلی خیشا پوری کو صحیح کا پتہ ہی نہیں ہے۔ (۲)

اور مشہور حاکم کبیر ابوالاحمد نے اس معاملہ میں حد کر دی۔ حافظ ابن حجر ان سے

ناقل ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل پر رحمتیں برسائے انہوں نے اصول پر تالیف کی اور لوگوں نے لیے یہاں کیا ہے اور جس نے بھی آپ سے بعد کوئی کام کیا ہے وہ آپ ہی کی کتاب کے ذریعے یا ہے جیسے امام مسلم انہوں نے امام بخاری کی کتاب کے رد کیا وہ جسے کو اپنی کتاب میں کبیر دیا اور اس میں اپنی اہمیت کا مدعا کیا کہ امام بخاری کا نام تک نہیں لیا۔

حدیث میں جو حدیثیں ہیں جن کی بات و نقل سے پرانہ تعلیم فرمایا جہاں سے آئے قدم زیادہ کرنا، قطعی ۱۰۰ وجوہات ہیں بھی عقل یا ہے جو امام مسلم کی حدیث شان کے ساتھ خلاف ہے۔ لکھتے ہیں

وہ قطعی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے سوتے تو امام مسلم کا نام تک نہ سوتا۔

اس بات پر نہیں جھگڑایا کہ

امام مسلم نے امام بخاری کی کتاب سے اور اسی کا مستوفیاء اس میں ہر حدیث کا اضافہ کر دیا ہے۔ (۱)

باللہ فانی اللہ العسکری۔ امام مسلم کا حدیث میں جو پایہ ہے اس کو دیکھتے ہیں یہ قطعی کی مجلس مدنی نے جو کتاب و تفہات کے خلاف ہے۔ اسی بات سب سے جانتے ہیں۔ امام بخاری و حدیث کی معنویت جن کا تعلق سے حاصل ہوئی تھیں وہی ساتھ قریب قریب امام مسلم کے بھی تھے اور حدیث اور احادیث کا مجموعہ امام بخاری نے پیش نظر قرار دیا، پیش امام مسلم کے بھی رہے تھے۔ امام بخاری بن معین امام احمد بن حنبل امام علی بن مدینی امام محمد بن مبارک امام مصنف امام محمد امام ابو یوسف کی جس قدر تصانیف امام بخاری کی نظر سے گذری ہیں۔ امام مسلم کی نظر سے بھی گذری تھیں۔ پھر یہ ہمارے قدر ہے تصانیف سے کہ امام مسلم جیسے امام سے جو چھوٹے فن میں امام بخاری سے کہ اس کا رشتہ کر کے اس پر ہر امام کی مدد دیتی امام یہ تھا۔ امام بخاری کا نام بھی نہیں آیا۔

حدیث میں امام مسلم کا بیان:

امام مسلم کا حدیث میں جو پایہ ہے اس کا اندازہ صرف مصر ابو العباس بن مقدوہ کے اس بیان سے ملتا ہے جو حافظ ابی کے تحت قاضی میں نقل کیا ہے۔ اس سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ بخاری، مسلم میں حدیث میں مقدم اس کا انچا ہے۔ جواب میں فرمایا کہ دونوں جہاں ہیں۔ اس کتاب کے میں سے ہر ایک سے اس کی اس یا تو فرمایا کہ

امام بخاری سے اہل شام کے بارے میں کہیں ہوتی ہیں جو وہاں سے اس کی کتابیں لے کر مدینہ یا قہر میں لے آئے ہوں گے۔ ایک جہانیت کے ساتھ ایک شخص مذکور ہوتا ہے۔ اور دوسرے مقدم پر اس کا نام آتا ہے تو یہ اس کو انھیں سمجھ دیتے ہیں لیکن امام مسلم و محل میں خطی بہت سی کم ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے صرف مسند حدیثیں لکھی تھیں، مقطوع و مسلسل روایات نہیں لکھی ہیں۔ (۱)

اسی بات متاخرین محدثین میں سے امام ابو حنیفہ صدیق حسن کی قوتی نے ذرا اور وضاحت سے پیش فرمائی ہے:

امام مسلم نے اپنی صحیح میں علم حدیث کے اسی بات کا خزانہ فرمایا ہے خصوصاً احادیث کی سندوں اور متون میں ایک کے مثال میں نمونہ ہے اسی بنا پر صحیح حدیث و ضعیف حدیث سے متاثر رہے میں امام بخاری کی کتاب کے مقابلے میں امام مسلم کی کتاب و شرف تقدیم ہے۔ امام بخاری اہل شام کے بارے میں کہیں کہتے ہیں جو وہ ایک شخص کو ایک جہانیت کے اردوہ کی جہانیت سے دیکھ رہے ہیں اور اس طرح ایک ہی شخص کو انھیں سمجھ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی روایات کثیر اہل شام سے بطور سادہ ہوتی ہیں۔ برخلاف امام مسلم کے کہ وہ کسی مقدم پر ایسی خطی کا ہیکار نہیں سوتے۔ صحیح بخاری کی حدیثوں میں تقدیم و تاخیر حذف و اسقاط کی وجہ سے متون حدیث میں پیچیدگی آجاتی ہے لیکن یہ بات صحیح مسلم میں نہیں ہے۔ بلکہ امام مسلم حافظ حدیث و بخاری کی ترتیب سے درحال حدیث کو اس طرح لاتے ہیں کہ کبھی کوئی تعریف نہیں ہوتی ہے۔ (۲)

صحیح مسلم کی شدت اگرچہ مصنف سے تو تری حد تک پہنچی ہوئی ہے لیکن اس کی روایت کا سلسلہ جس برکت کے اس سے قلم رہا ہے وہ مشہور فقہی شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد خلیفہ پوری فرماتے ہیں۔ چنانچہ امام نووی مقدمہ شرح مسلم میں رقمطراز ہیں:

اسناد متصل کے ساتھ امام مسلم سے سنن نسائی روایات کا سلسلہ منقطع اور اس زمانے میں صرف ابو اسحاق ابراہیم بن محمد کی ذات سے وابستہ ہے۔

سنن نسائی اور صحاح میں اس کا مقام:

امام نسائی نے اپنی سنن میں امام بخاری اور امام مسلم کے نقل قدم پر چلنے و شلنے سے صرف کچھ روایات ہی کو اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔ ان کی یہ کتاب بخاری اور مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے اور اصل حدیث کا بیان اس پر مستند ہے اور اس کے ساتھ سنن ترمذی اور جوت تالیف کا بہترین نمونہ ہے۔ حافظ عبد اللہ بن سیوطی سے زہبی میں حافظ ابو حمزہ محمد بن رشید سے نقل کیا ہے کہ:

”عمر بن مسعود میں جس قدر کتابیں تالیف ہوئی ہیں یہ کتاب اس سب میں علیٰ خط تالیف نامی و در باعتبار ترتیب بہترین درمیان ہے بخاری اور مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے نیز اصل حدیث کا بھی ایک معتد بہ حصہ اس میں کیا ہے۔ (۱)“
حافظ ابو علی النیشاپوری حافظ ابن عساکر حافظ ابن قسطنطین حافظ عبد الغنی اور امام حاکم نے اس کتاب کی صحت کو سراہا ہے بلکہ حافظ ابن مندو نے تو یہیں تک دعویٰ کیا ہے کہ:

الدین حوحو الصصحیح اربعة البحاری و مسلم و ابو داؤد و النسائی۔
یعنی جن چار نے صحیح احادیث کو روایت کیا ہے ان میں ایک امام نسائی بھی ہیں اور حافظ زہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ:

ابن حاکم کا بیان ہے کہ میں نے سعد بن علی النجفی سے ایک شخص کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ ثقہ ہے۔ عرض کیا کہ امام نسائی نے اس کی تصنیف کی ہے بولے کہ برخوردار جال کے بارے میں امام نسائی کی امام بخاری اور امام مسلم سے زیادہ کڑی شرطیں ہیں۔

لیکن حافظ محمد بن ابراہیم بن یونس کو اس دعویٰ کی صحت میں تاہل ہے وجہ یہ ہے کہ حافظ

ابن مندو نے لکھا ہے کہ امام نسائی کی شرط یہ ہے کہ اس شخص سے حدیث روایت کریں گے جس کے ترک پر اجماع نہ ہو۔ حافظ ابن خرفات ہیں کہ اجماع سے اجماع عام مراد نہیں ہے بلکہ حقیقت ناقدین میں سے ایک خاص طبقہ کا اجماع مراد ہے۔ حافظ سخاوی کے بیان سے جو انہوں نے اس موضوع پر احادیث باتحیح میں لکھا ہے۔ اس پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

امام نسائی کا مذہب یہ ہے کہ کسی راوی کی حدیث اس وقت تک نہ چھوڑی جائے گی جب تک اس راوی کے ترک پر سب کا یکسان ہو جائے۔ امام نسائی کا مقصود یہ ہے کہ ناقدین میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ثقہین اور متوطنین۔ ثقہین میں امام شعبہ اور سفیان ثوری ہیں۔ متعدد میں میں یحییٰ القطان و عبد الرحمن بن مہدی ہیں۔ تیسرے طبقے میں یحییٰ بن مہین و امام احمد ہیں۔ چوتھے طبقے میں ابو حاتم اور بخاری ہیں۔ امام نسائی کا مذہب یہ ہے کہ کسی راوی کو اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک سب کا اس کے چھوڑنے پر اتفاق نہ ہو جائے یعنی اگر ایک راوی کو عبد الرحمن بن مہدی ثقہ بتاتے ہیں مگر یحییٰ القطان اس کی تصنیف کرتے ہیں تو اسے نہ چھوڑ جائے گا کیونکہ راویوں کے بارے میں یحییٰ کا تشدد معلوم ہے۔ (۱)

ابن حاکم صاحب تصحیح النکاح نے امام ابو داؤد سعد بن علی النجفی کی اس بات پر ہاسی ان لابی عبد الرحمن فی الرجال شرطاً اشد من شرط البخاری و مسلم۔

کی صحت سے انکار کیا ہے اور اس کی یہ وجہ تو حافظ ابن مندو کی بالارویت و قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ اس روایت و حافظ ابن الصلاح اور حافظ زین الدین عراقی نے ذکر نہیں کیا ہے اس لیے یہ روایت صحیح نہیں ہے لیکن حافظ ابی نے تاریخ میں تصحیح کی ہے کہ امام ابو القاسم سعد بن علی النجفی نے جو چھوڑا ہے صحیح ہے اور حافظ ابی کے علاوہ خوا حافظ ابو حفص بن حاکم مقدسی سے شرط اس میں بھی یہ واقعہ لکھا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ناقدین

نہ سے رائیج ہوتے ہیں۔ مٹی کے عطر سے ماموں کی تاپ دینا، دھڑکے سے جھپکیں اٹھانے سے چپ چاپ رہنا، حفاظہ ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں۔

نہیں رجال میں مہین فیہ یہ حماقت ہے کہ وہاں مسلمہ پر بھی فوقیت ان سے
اور باقطن وغیرہ کے ان واسطے میں اور دیگر حدیث میں مہین سے وہاں
خزیرہ پر مقدم کیا ہے۔ (۱)

اور حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں امام نسائی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ۔
یہ مسلم ترمذی اور ابوداؤد سے حدیث نقل حدیث اور علم الرجال میں زیادہ ماہر ہیں
اور امام بخاری اور امام ابوزرہ کے ہم عصر ہیں۔

بہر حال امام نسائی بڑی جہالت قدر کے مالک ہیں ان کی کتاب سنن نسائی کے نام سے مشہور ہے یہ کتاب اہل علم و عمل کے لیے بہت ہی مفید ہے۔ اس کتاب میں ۵۰۰۰ حدیثیں ہیں۔ اس کتاب کی تصانیف میں ۵۰۰۰ حدیثیں ہیں۔ اس کتاب کی تصانیف میں ۵۰۰۰ حدیثیں ہیں۔

اختصار الجنس ومناه المجتبى - (٢)

مقدمہ میں یہ تحقیق خود مامنسالی کی ہی تفسیر ہے۔ اس خیال کی تائید میں اس واقعہ کو پیش کیا جاتا ہے کہ مامنسالی کے حسب مضمون تفسیر و مانی تو اس واقعہ کی مدست میں لے جا کر پیش کیا۔ ایسے موصوف نے مامنسالی سے روایت کیا کہ اس میں جو چھوٹے سے چھوٹے صحیح ہے مامنسالی کے حوالہ ایسی اس پر میرے فرائض کی کہ میرے لیے صرف صحیح روایت جمع کر کے۔ تب مامنسالی کے اس کے لیے اس مضمون تفسیر و مانی۔ اس واقعہ کے حوالہ مامنسالی کے جامع المصنف میں یا اسے اس لیے مانی مضمون کے خیال میں صحیح نہیں ہے اس پر میری نے حافظہ ذہنی کی سیر الاعلام النعماء کے حوالہ سے بتایا ہے کہ:

ان هذه الرواية لم تصح بل المجتبى اختصار ابن النسي تلميذ
السياني (٣)

امام نسائی کے ساتھ میں بزرگ ترین شیعہ محدث امام اسحاق بن راہویہ
 ہے۔ امام اسحاق کے حدیث میں امام عبد اللہ بن مبارک حریری بن عبد الحمید فضیل بن عیاض
 کے سامنے رونق آباد تھی یہ در آپ یہ سن کر حیران ہو گئے کہ حافظ ذہبی کی تصنیف کے
 مطابق یہ تینوں امام عظیمہ کے ساتھ میں سے ہیں۔ در امام نسائی سے جس لوگوں کو وفات ملنے
 حاصل ہے ان میں حافظ ابو شیبہ، ابی ورجطہ ابو نعیم شعیبی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حافظ و شیخ احمد بن محمد بن محمد حدیث کے شہور حافظ اور بن جریج ائمہ میں سے ہیں۔ طلب حدیث میں حسب تقہر کا حافظ و بن جریر بن علقمہ و رشید کا سہو یا اور بہت سے شیوخ سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ علامہ ابن ابی شیبہ سے حدیث عس اشباح فیہم کلمہ انشت شیوخ سے حدیث بیان کی ہے۔ (۱) امام بخاری سے بھی تلمذ حاصل ہے چنانچہ امام بخاری سے بنی کتاب المصنفہ تصنیف کے راقی بھی ہیں۔ حافظ ابن یونس بھی تلمذ ہیں

كان الدولاى من اهل الصنعة حسن التصنيف -

وہاں سے ملے، ان کو سزا دی گئی۔

كان مقدماً في العلم والرواية و معرفة الاخبار -

دولالی علم و روایت اور معرفت اخبار میں پیش پیش ہیں۔

اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ:

حائز العلماء و تفقه لاهر جامعة

علاء کی ہر نشانی اختصار کی اور ابوحنفہ کا فقہ حاصل کیا۔

فہرست میں مذکور ہر فنکار نے آپ کے سامنے ایک شہر کی تہہ بنائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خاطر انہیں اپنی حق بات کا حق رکھنے کی اجازت دے۔

سید محمد رفیع شاہ

داؤد کا صحاح میں مقام:

۱۰۰۰ کا جواب ہے جس میں انہوں نے کتاب سنن ابی داؤد کے متعلق ماہنامہ صوف سے دریافت کیا تھا۔ خدایہ سے کہ اس موضوع پر ماہنامہ صوف سے بیان کو جو اہمیت ہے وہ کسی اور کے بیان کی نہیں ہو سکتی۔ ہم یہاں اس رد کے ساتھ کتاب صدیق حسن خاں کی کتاب خط سے نقل کرتے ہیں۔

آپ دونوں نے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ میں آپ کو یہ کتاب سنن میں جو حدیثیں سنیں ہیں یا وہ میرے علم کے مطابق سمجھتا ہوں ہیں آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب حدیثیں صحیح ہیں۔ لیکن میں حدیثیں جو اس طرح طریقوں سے مروی ہوں اور ان میں ایک کاراوی اسناد میں مقدم ہوا اور دوسری کا حفظ میں بڑھا ہوا ہو تو ایسی صورت میں بھی پہلی و صحیح ہوں اور بعض اقد میں سے ایک طویل حدیث و محققہ ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو اپنی نقل کرتا تو بعض راویین پر پتہ بھی نہ چلتا اور اس میں جو فرق کا مسئلہ تھا وہ مجھ میں نہ آتا۔ اس بنا پر میں نے اختصار کیا اور جب کسی باب میں میں نے کسی حدیث کو دو یا تین طریقوں سے دہرایا ہے تو اس سے کہ اس میں وہی بات زیادہ تھی اس میں اور سی احادیث کی۔ بہت سی لفظ زیادہ ہوتا ہے۔ اور جو حدیثیں میں نے اپنی کتاب السنن میں درج کی ہیں ان میں اکثر مشہور ہیں جو سنن شمس کے پاس موجود ہیں جس نے قبلاً بہت حدیث لکھا ہے لیکن ان میں تمیز کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ (۱)

سنن ابی داؤد کی افادیت کے پیش نظر ماہنامہ سنن نے تمیز کی ہے کہ حدیث میں صرف یہی ایک کتاب مجتہد سے یہ کافی ہے۔ مشہور محدث روایت کیا جاتی ہے لفظ میں کتاب اللہ عزوجل اصل الاسلام و کتاب السنن لابی داؤد عہد الاسلام۔ (۲)

حافظ حمیدی کا بیان ہے کہ یہ رد حافظ ابن حرم کی مجلس میں صحیحیں اور ان کی رفعت شان کا رد و سوال تو حافظ ابن حرم سے کیا کہ حافظ حمیدی بن سنن کے پاس ایک حدیثیں

کی جماعت آتی اور انہوں نے کہا کہ ہم حدیث میں کتابیں بہت زیادہ ہیں اس شخص سے مسئلے میں ہماری رہنمائی کریں اور کتاب میں کہ ہم ان کی کتابوں کو چاہے میں تو بس ہم ان ہی پر اکتفا کریں۔ حافظ ابن سنن یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ اور میرے اندر چلے گئے۔ اندر سے کتابوں کے چار منہ اوپر نیچے رکھ کر اسے اور فرمایا:

ہذہ قواعد الاسلام کتاب مسلم کتاب البخاری و کتاب ابی داؤد و

کتاب النسائی۔ (۱)

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ جس حدیث پر امام ابو داؤد کلام نہ کریں وہ ان کے نزدیک صحیح ہے جبکہ میں نے یہ ہے کہ خواہ امام ابو داؤد کی تصریح یہ ہے کہ میں نے کتاب السنن میں دو حدیثیں درج کی ہیں جو میرے علم میں ماہنامہ صوف پر سب سے زیادہ صحیح ہیں اس سے حافظ ابن الصلاح اور ماہنامہ سنن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جن حدیثوں پر ابو داؤد نے کوئی کلام نہیں کیا ہے وہ قابل عمل ہیں اور اس کا مقام صحیح نہیں جلد سنن سے۔ لیکن حافظ ابن رشید سے یہ ہے کہ ابو داؤد کے کلام نہ کر کے سے حدیث کا ضعیف ہونا ضروری نہیں آتا۔ بہرحال محدثیں نے یہاں یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ وہ حدیثیں سنن پر ابو داؤد نے کلام نہیں کیا صحیح ہیں یا حسن یا عام یا ضعیف نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی:

فالصواب انه يحتمل الثلاثة الحسن والصحة والوهن غير الشدید لا

كما قاله ابن الصلاح ولا كما قال ابن رشيد۔

نہایت یہ ہے کہ تین باتوں کا احتمال ہے کہ صحیح حسن ہوں یا پھر ضعیف لیکن رد ورجے کی۔ نہ ابن الصلاح کے خیال کے مطابق اور نہ ابن رشید کی رائے کے موافق۔ (۲)

حافظ خطابی نے سنن ابو داؤد کا تعریف کرنا ہوئے معالم السنن میں کیا ہے کہ ماہنامہ ابو داؤد کی کتاب السنن پر رشید کی عمدہ کتاب ہے کہ علم دین میں ایسی عمدہ کوئی

کتاب نہیں ہے اس نے سب کی جانب سے سند قبولیت حاصل کر لی ہے چنانچہ یہ کتاب علماء کے تمام فرقوں کی جانب سے اور فقہاء کے سارے طبقوں میں باوجود اختلاف کے حکم مانی جاتی ہے۔ سب لوگ اسی گھاٹ آتے ہیں اور یہیں سے سیراب ہوتے ہیں۔ اسی پر اہل مصر۔ اہل عراق بلاد مغرب اور روئے زمین کے بہت سے شہروں کے رہنے والے واقف ہیں۔ البتہ خراسان میں بیشتر لوگ محمد بن اسماعیل مسلم بن الحجاج وکوفی کی کتابوں کے والدہ دو ہیں کہ جو جمع صحیح میں ان دونوں حفاظ کے قدم قدم پہنچے ہیں اور جنہوں نے جائی پڑتال میں ان کی شرطوں کو ملحوظ رکھا ہے لیکن یہ دونوں کتاب ترتیب کے اعتبار سے بہت اچھی اور لحاظ قہار بہت اچھی ہے۔ (۱)

فقہائیت میں بہت اچھی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دیگر مصنفین صحیح کے مقابلے میں امام ابو داؤد پر فوق فقیہی ریادہ غالب ہے۔ چنانچہ تمام باب صحیح میں صرف امام ابو داؤد ہی یہ اپنے برکت میں جن حدیثوں کو اسحاق شیبہ نے طقات الفقہاء میں جمع کیا ہے۔ امام موصوف نے اسی فقیہی ذوق کی بنا پر اپنی کتاب میں صرف احادیث حکام پر اتفاق فرمایا ہے۔ اگرچہ ان پابندی کی وجہ سے اس کی یہ کتاب احادیث کے بہت سے ابواب سے خالی ہو گئی ہے لیکن احادیث فقہ کا جتن بڑا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے۔ صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں نہیں ہے چنانچہ حافظ ابو جعفر غزالی نے حوالے سے حافظ باب الحدیث ایسٹلی رقمطراز ہیں

لاہی داؤد فی حصر احادیث الاحکام واستنباعها مالم یس لغيره۔ (۲)

احادیث احکام کے بیان میں جو مقام داؤد کا ہے وہ کسی اور کا نہیں ہے۔ امام ابو داؤد کے اساتذہ بخاری اور مسلم کے ہی اساتذہ ہیں۔

احد الحدیث عن مشائخ البخاری و مسلم کا محمد بن حنبل۔ ابو داؤد نے بخاری و مسلم کے اساتذہ مثلاً امام احمد سے کسب فیض کیا ہے۔

ان اساتذہ میں امام احمد کی شخصیت اس صدی کے محدثین میں پھر بزرگوار کی حیثیت رکھتی ہے۔ شاید تیسری صدی کے محدثین میں کوئی ہو جس کا علمی نسب نامہ بالواسطہ یا بلاواسطہ امام موصوف سے نہ ملتا ہو ہر حال امام احمد سے تمام اساتذہ میں ۱۰۰۰۰۰ کی یہ خصوصیت بتاتی ہے

کان يشبه باحمد بن حنبل في هديه ودله وسمنه۔ (۱)

یہ خصوصیت امام ابو داؤد کو امام احمد کے دوسرے شاگردوں سے ممتاز کرتی ہے اور حدیث میں امام احمد و حسن اساتذہ کے ساتھ راوی۔ اب تہہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اس میں فقہ بن بشار بن احمد بن محمد بن عباد بن العوام و کعب بن الجراح ابن نمیر عبد اللہ بن مبارک بن یزید بن ہارون بن عبد رزاق بن ہمام اور یحییٰ بن ابی زائدہ وہ گرامی قدر ہستیاں ہیں جن کی حدیث میں امام عظیم کے ساتھ راوی۔ اب تہہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو داؤد امام عظیم کی ساری حدیثوں کی قدر کی گئی ہے اور یہی تھے اور بڑے۔ اب واقف اس سے ان کا نام یہ تھے جو اس حدیث میں مسلسل اتفاق فی فضائل الشاہد الامم الفقہاء میں ان سے نقل ہیں۔

حدثنا عبد الله بن محمد بن عبد المؤمن بن يحيى قال اخبرنا ابو بكر محمد بن بكر بن عبد الوراق التمار المعروف بابن واسه قال سمعت ابا داؤد يقول رحم الله مالكا كان اماماً رحم الله الشافعي كان اماماً رحم الله اباحنيفة كان اماماً۔ (۲)

ابو داؤد کہتے ہیں خدا مالک پر رحمت فرمائے۔ رحم تھے اور یحییٰ رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ بھی رحم تھے۔

سنن ترمذی کا صحاح ستہ میں درجہ:

سنن ترمذی کی کتاب السنن ۱۰۰۰۰۰ اور بخاری دونوں کے طریقوں کی جامع ہے۔

نہی کی جاہلیت کا جو اندر دیکھا گیا اور نہ ہی اس کی بیان شدہ بات ہے۔ جو عارضہ الاخریٰ میں ہے۔

اس کتاب میں حسب ذیل چودہ علوم ہیں۔ احادیث کی اس طرح تدوین جو مکمل سے قریب ترک کر دیتی ہے۔ بیان اسناد صحیح، تصحیف، تعدد طرق، جرح رواۃ اور تعدیل راویوں کے نام اور کنیت کا بیان وصل و انقطاع کا ذکر معمول ہے اور متروک مکمل روایات کی توثیق احادیث سے۔ اور قبول و معیار اس موضوع پر علماء سے اختلاف کا ذکر احادیث کی توجیہ و تاویل کے بارے میں اختلاف افکار کا بیان ہے۔ یہ وہ علوم ہیں کہ ان میں سے ہر علم اپنی جگہ مستقل ہے۔ (۱)

ماہنامہ عقلمند احمدیہ حدیث کی قوت معتدلی میں حافظ ابو جعفر بن زبیر غازی سے ترمذی کی خالص محدثانہ خصوصیت یہ بتائی ہے کہ

وللترمذی فی فنون الصاعۃ الحدیث مالہ بشار کہ غیرہ۔ (۲)
ان حدیث میں ماہنامہ عقلمند احمدیہ حدیث میں امام ترمذی کا وہی صحیفہ نہیں ہے۔

در اصل یہ امام ترمذی ہی کی خصوصیت ہے کہ ایک طرف انہوں نے اپنی کتاب میں احادیث عامہ میں سے صرف ان احادیث کو لیا ہے جس پر فقہاء مکمل بات۔ دوسری طرف اس میں وہ احادیث لکھی ہیں جو عامہ میں نہیں تھیں یا حدیث عامہ میں تھیں مگر اسناد میں اسناد صحیحہ کے ساتھ ساتھ بعض احادیث کو لکھا ہے جو عامہ میں نہیں تھے۔ اور اس پر مشتمل یہ علم حدیث کی حیثیت سے یاد افواج و کتاب میں اس طرح کی بات ہے۔ دو علم حدیث کا یہ ہستیاں نہ کیا۔ پرچہ شریفیہ احمدیہ فرماتے ہیں

جامع ترمذی حدیث کی تمام کتابوں میں بعض وجوہ سے سب سے اچھی ہے اول وجوہ ترتیب۔ اور فقہاء کے مذہب کا تعدد۔ دوم حدیث کی بی حد و انتہا صحیحہ حسن ضعیف وغیرہ۔ چہارم راویوں کے نام لقب اور کنیت وغیرہ اور ان وجوہ کے علاوہ اور بھی علم رجال سے متعلق فوائد ہیں۔ (۳)

صحیح کے ساتھ حسن اور غریب کی اصطلاح:

بہت کم حدیثیں حدیث کی تقسیم صحیح، ضعیف میں تصور کرتے تھے امام ترمذی یقیناً حافظ اس حدیث پر پنے محکم ہیں جنہوں نے صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن کی اصطلاح قائم کی ہے اور حسن کی تعریف بھی خود امام ترمذی نے کتاب العلل میں یہ بتائی ہے:

ماہنامہ عقلمند احمدیہ حدیث میں حدیث کی اصطلاح حدیث شاذ بھی نہ ہو اور ساتھ ہی کئی طریقوں سے اسے روایت کیا گیا ہو۔

نہیں اس قریب نہ میاں پر یہاں اس سواں و محدثیں کے یہاں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ امام ترمذی نے یہ حدیث حسن کی ہی تعریف ہے اور حسن خود صحیح کی قسم نہیں بدقسمت ہے۔ جی یہ نہیں سمجھیں کہ دو قسمیں ہیں صحیح حسن و غریب۔ تو اس صورت میں ایک ہی حدیث کے بارے میں یہ فیصلہ نہ کر سکتا ہے۔ ہذا حدیث حسن صحیح یا ہذا حدیث حسن صحیح غریب۔ نہ اس سے حدیث کی تفسیر اور فرق مراتب بتانے کے لیے ہوتی ہے تو یہ حدیث میں یہی ہی وقت میں علی ورائی مراتب کا اجتماع ہو سکتا ہے؟ علماء نے اس کے ایک سے زیادہ جوابات دیئے ہیں۔

جو کہتے ہیں کہ اس حدیث کا سند سندوں سے مروی ہو تو امام ترمذی یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ یہ حدیث ایک سند سے صحیح اور دوسری سے حسن ہے۔

لیکن جب امام ترمذی ایک حدیث کے بارے میں یہ کہہ کر لائنصر لہ الامن ہذا الوحید پر یہ فیصلہ کر لیں۔ ہذا حدیث حسن صحیح تو یہ محالہ و عجیب و غریب بات ہے اور یہ جواب سوال کو حل نہیں کرتا ہے۔

چوتھوں نے اسے یہ بتایا کہ اس صحیح حدیث کا تعلق امام ترمذی متقن اور سندوں سے ہے اور اس میں پچھلے حدیث کا پچھلے حدیث کا تعلق ہے اور اس میں یہ بات اٹھانا چاہتے ہیں کہ حدیث بخلاف متقن حسن اور بخلاف سند صحیح ہے۔

حافظ اس حدیث کے بھی محکم تھوڑی روایات اور اس مسئلے میں اپنی جہاں حافظ صاحب نے لکھی ہے وہ بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں کہ:

اسن اور صحیح ابوداؤد میں ہیں اور اس میں ہر ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس سے یہ حدیث منقول ہوئی ہے۔ (۱)

لیکن حافظ عراقی نے حافظ ابن کثیر کی رائے کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ

والندی ظہر لہ نہ حکمہ لا دلیل علیہ وهو بعد من فیہ معنی کلامہ السرمندی۔ (۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ترمذی کا نام اس کا ساتھ دیتا ہے۔

میں اس سے میں شیخ محمد عبدالحق ملاوی اور اسے مت پسند کرتی تھی۔ (۳)

علامہ احمد محمد شاہ نے الباعث الحثیث میں ان سے نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

در اصل امام ترمذی کی نظر میں اس حدیث سے عامر سے یہ حدیث بھی سن گئی ہوتی ہوگی مگر اس حدیث کی روایت میں اس سے روایت کرنے والے نے اس حدیث کو اس حدیث سے روایت کیا ہے۔

اور اس کی پشت پر بھی روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی کی روایت میں صرف یہ حدیث ہے اور اسی حدیث کو عامر سے روایت کیا ہے۔ اور اسے بھی روایت کیا ہے۔

میں خود اس حدیث کو سن گئی تھی۔ اور امام ترمذی نے اس حدیث کو اس حدیث سے روایت کیا ہے۔ اور اسے بھی روایت کیا ہے۔

لیکن امام ترمذی نے امام ترمذی کی روایت کو اس حدیث سے روایت کیا ہے۔ اور اسے بھی روایت کیا ہے۔

میں خود اس حدیث کو سن گئی تھی۔ اور امام ترمذی نے اس حدیث کو اس حدیث سے روایت کیا ہے۔ اور اسے بھی روایت کیا ہے۔

ترمذی کے بارے میں ایک اہم سوال:

یہاں اس سوال کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے کہ

امام ترمذی یہ حدیث کی تصحیف بھی کرتے ہیں اور اس سے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس پر عمل کرنا مکمل ہے۔ اور یہ حدیث حدیثیں کے مقررہ اصول و قواعد کے ساتھ خلاف ہے۔ کیونکہ امام میں حدیثیں حدیثیں ہیں اور اس سے حدیث کی حدیثیں حدیثیں ہیں۔ ترمذی میں ایک حدیث ہے کہ یہ حدیث حدیثیں حدیثیں ہیں۔ اور اس سے حدیث کی حدیثیں حدیثیں ہیں۔ ترمذی میں ایک حدیث ہے کہ یہ حدیث حدیثیں حدیثیں ہیں۔ اور اس سے حدیث کی حدیثیں حدیثیں ہیں۔

حدیثنا ابو سلیمان یحییٰ بن خلف البصری ناالمعتمر بن سلیمان عن ابیہ

عن حنش عن عکرمہ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال

من جمع بین الصلاۃ من غیر عذر فقد اتى بابا من ابواب الکبائر۔

جس نے بغیر عذر کے دو نمازوں کو یکجا کیا ہے۔ اس نے بڑے گناہوں میں سے

ایک بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

اور اس کے بعد اسی حدیث پر یہ نوٹ لکھا ہے۔

قال ابو عیسیٰ حنش ہذا هو ابو علی الرجی وهو حسین بن قیس وهو

ضعیف عند اہل الحدیث ضعفہ احمد وغیرہ۔

حنش کی حدیث اہل حدیث میں ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو اس حدیث سے روایت کیا ہے۔

امام احمد نے اس کی تصحیف کی ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ

والعمل علیٰ ہذا عند اہل العلم ان لا یجمع بین الصلاۃ الا فی

السفر او بمرقة۔ (۱)

میں اس سے کہ حدیث باطلہ میں اور ان میں حدیث ضعیفہ کا مسد ہے وہ تو ابن ماجہ میں کم از کم ایک ہزار حدیثیں ہیں۔ (۱)

اسی بنا پر حافظ ابوالحجاج المزی کا فیصلہ یہ ہے کہ:

ان الغالب فیما تفرده به الضعف۔ (۲)

ابن ماجہ کے تفردات میں زیادہ تر ضعیف ہے

یعنی اس نے باوجود علمائے متفرقین سے سنن ابن ماجہ کو صحیح متعارف کیا ہے۔ یہ نہ صرف ضعیف روایات کا سوا ان حدیثی ہی خصوصیت نہیں ہے بلکہ صحیح تنقیحی اسری کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ سنن میں کم ہیں اور ابن ماجہ میں زیادہ ہیں۔ اور ان سب کتابوں کو باوجود ضعیف روایات ہونے کے صحاح ستہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ سنن کی روایت صحیح ہے۔ جناب علامہ ذیل نوب صدیق حسن خاں مسند حاتم میں فرماتے ہیں:

ان چھ کتابوں کو اصول ستہ صحاح ستہ کہتے ہیں۔ شہداء مبدائی محدث و ہونی نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا ہے کہ چھ کتابیں جو اسلام میں مشہور ہیں یہ ہیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ۔ اور چھٹی رسالے میں بیان کیا ہے کہ حدیث باطلہ ہے اور صاحب جامع اصول نے موطا کی کو اختیار کیا ہے اور اس کتابوں میں حدیث (۳) کی قسمیں صحیح، حسن اور ضعیف سب موجود ہیں اور ان کو صحاح کہا محض تکلیف ہے۔

مولفین صحاح کے نقطہ نظر کا اختلاف:

اگرچہ ایک ہی موضوع پر ان بزرگوں کا یہ تصنیفی کارنامہ ہے ان کے شیوخ بھی باوجود واسطہ یہی طبقہ کے لوگ ہیں۔ ان کے ہاتھ تالیفی یہ بھی ایک ہی تھا۔ اس سے باوجود ان بزرگوں نے جدا جدا میدان تصنیف میں وہ تحقیق کی ہے۔ اس میں ان کا یہ خاص نسب حسین خاص مطہر نظر اور خاص پیش ہوا ہے ایک ہی موضوع پر ایک ہی قسم کی حدیثوں کو الگ الگ پیش کرنے میں ایک گہری معنویت ہے۔

امام بخاری کا نقطہ نظر

امام بخاری کا مطہر نظر پیش کرنے میں حدیث سنیہ کا استیعاب نہیں سے یہ نہایت عمدہ

فرماتے ہیں

لہ اخرج فی ہذا لکتاب الاصحاح وما برکت من الصحیح اکثر۔

میں سے اس کتاب میں صحیح حدیث روایت کی ہیں اور زیادہ صحیح احادیث میں نے

چھوڑ دی ہیں۔ (۱)

امام بخاری نے یہ طور پتہ کیا ہے کہ امام بخاری کا مقصود حدیث سنیہ کا ایک انتصار

تیار کرنا ہے احادیث صحیحہ کا استیعاب ان کے پیش نظر نہیں ہے۔

علامہ زہد و عارفی نے امام بخاری کا مطہر نظر وضاحت سے ساتھ سمجھا دیا ہے کہ

صحیح میں امام بخاری کی غرض صرف یہ ہے کہ حدیث صحیحہ کی تصدیق و توثیق کی جائے

اور اس کے ساتھ ان احادیث سے فقہ میرت اور تفسیر کے مسائل کا استنباط کیا

جائے۔ اور استشہاد میں صحابہ تابعین اور فقہاء کی آراء سے مدد لی جائے اسی بنا پر

وہ متون احادیث میں تظہیر بھی کرتے ہیں۔ (۲)

علامہ ذیل نوب صدیق حسن خاں نے بھی امام بخاری کا یہی مطہر نظر بتا دیا ہے چنانچہ وہ

فرماتے ہیں

امام بخاری نے صحت احادیث کے ساتھ فقہی فوائد و مسائل۔ فقہی مسائل کے ساتھ بھی

الترام کیا ہے۔ (۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں

امام بخاری نے محسن یا کہ اس کی صحیح فقہی و مدنی اور عیسائی فقہوں سے مدد

ہو۔ آپ نے اپنی سمجھ کے مطابق متون احادیث سے بہت سے نئے معانی

نکالے ہیں اور ان ہی معانی کی مناسبت سے احادیث کو ایک سے زیادہ بابوں میں

صحاح ستہ کی علمی خدمت:

چند علماء نے اس پر تاویں مختلف طریقوں سے علمی خدمت کی ہے اس میں ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی سیادت میں سے ایسی سیسے کی وہ ہماریاں پیش کریں۔ ان کا نام مستخرجات اور اطراف ہے۔

مستخرجات صحیحین اور استخراج کے فوائد

محدثین کی اصطلاحوں میں استخراج صیغہ کا معنی عاقل اور حافظ محمد بن ابراہیم اور بنی صاحب ہے۔

ان باتنی المصنف الى الكتاب فيخرج احاديثه ما ساءل له من غير طريق صاحب الكتاب۔

مصنف کوئی حدیث کی کتاب نے اور اس میں مدرج حدیثوں کو اپنی سندوں سے روایت کرے اور یہ صاحب کتاب سے الگ ہو۔

اس میں شرط یہ ہے کہ مستخرج خود صاحب کتاب سے کوئی حدیث روایت نہ کرے بلکہ صحیح سند کے ساتھ اور اس سے روایت کرے۔ چنانچہ صاحب تہذیب الاسلام فرماتے ہیں

شرط المستخرج لا يروي حديث البخاري و مسلم عنها بل يروي حديثهما عن غيرهما۔ (۱)

محدثین نے استخراج کے فوائد پر بھی تفصیل سے بحث کی ہے۔ چند فوائد یہ ہیں اس کے ذریعے حدیث میں زیادہ الفاظ کی تسکین یا کسی محذوف کی تیسین ہو جاتی ہے۔ کبھی مستخرج کی حدیث کی سند اصل سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔

کثرت طرق میں سے حدیث میں قوت آ جاتی ہے اور احادیث میں باہم تضاد کے وقت یہ قوت قرینہ میں بہت مفید کام کرتی ہے۔ جسی قاضی کے وقت اس حدیث کو رائج

قرار دیا جاتا ہے جس کے طرق زیادہ ہوں اور کثرت طرق معصومہ کے ہاں زیادہ یقین کے یہاں استخراج ہے۔ (۱)

حافظ ابن حجر مقدسی جیسے ہیں۔ استخراج نے ان سے زیادہ اور بھی بہت کام کیا ہے۔ (۱) کچھ جیسے کی حدیث بھی اس سے صاف اور کچھ کثرت سے آ جاتی ہے۔ (۲) کسی بھی روایت میں سماع کی تصریح مل جائے تو ضعف کے ذریعے پیدا شدہ ابہام تدریس کا شہدہ دور ہو جاتا ہے۔

(۳) احادیث میں یہ بڑا اور ہمہ رسدوں کو اس سے حوالہ دہر میں اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہ اختلاف حافظ کی خبرانی یا کسی درقی اوکی وجہ سے ہو جاتا ہے اصل کتاب میں آمدہ روایت کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ نقل اور اختلاف ہے۔ یا بعد از اختلاف۔ استخراج یہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ روایت کس دور سے متعلق ہے۔

(چہارم) اصل کتاب کے متن یا سند کے بارے میں ابہام ہوتا ہے۔ استخراج میں تصریح آ جاتی ہے اور اس طرح چہرہ ابہام بے نقاب ہو جاتا ہے۔

(پنجم) کبھی اصل کتاب کی حدیث میں ردی کے لفظ خاص ہوتے ہیں باقی روایتوں صاحب کتاب مشہد یا سحود کہہ کر آگے چل دیتا ہے۔ استخراج کے ذریعے اس میں اقرار ہو جاتا ہے۔

(ششم) احادیث کی سند یا متن میں گادگادہ راوی کی جانب سے ارجاع ہوتا ہے اور اس کا پتہ نہیں چلتا۔ استخراج کے ذریعے ارجاع صحیح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔

(ہفتم) حدیث بظاہر مرفوع ہوتی ہے لیکن واقعہ میں وہ منقوف ہوتی ہے۔ استخراج اس معاملے میں قاضی کا کام کرتا ہے۔ (۲)

امام بخاری اور امام مسلم کی کتابوں یعنی صحیحین کے جو مستخرجات لکھے گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

- ❖ مستخرج حافظ ابو بکر احمد بن ابراہیم الاسامیل الجرجانی ۳۱۷ھ
- ❖ مستخرج حافظ ابو احمد محمد بن ابی حامد القطرانی ۳۷۷ھ
- ❖ مستخرج حافظ ابو عبد اللہ محمد بن العباس بن ابی ذعل ۳۷۸ھ
- ❖ مستخرج حافظ ابو بکر احمد بن موسیٰ مردویہ الاصہبانی ۳۷۹ھ
- ❖ مستخرج حافظ ابی حواریہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی ۳۸۱ھ
- ❖ مستخرج حافظ محمد بن محمد طیب پوری ۳۸۲ھ
- ❖ مستخرج حافظ ابو الفضل احمد بن سلیمان ۳۸۶ھ
- ❖ مستخرج حافظ ابو نعیم مسہانی ۳۸۷ھ

احادیث صحیحین کے طرق و اسانید کی تعداد:

سارے مستخرجات کا یہاں استقصاء مقصود نہیں ہے صرف یہ دکھانا ہے کہ اس سلسلے میں محدثین نے کتنے حقوق ریزی سے کام لیا ہے اور اس کا نتیجہ ہے کہ اگرچہ حافظ ابن ابی حاتم حنفی حافظ ابن الصلاح اور حافظ ابن کثیر کی تصانیف کے مطابق صحیح بخاری میں آدھ حدیثوں کی تعداد تین سو چوبیس ہزار ہے۔ اور امام ابو حنیفہ اور حافظ ابن کثیر کی رائے کے مطابق صحیح مسلم میں حدیثوں کی تعداد بھی چار سو ہے۔ لیکن استخراج کی وجہ سے ان چار سو حدیثوں میں سے بعض حدیثوں سے روایت یا کیا ہے اور حدیثوں کی یہ تعداد جن اسانید سے آریے آتی ہے۔ باتوں میں موجود ہے اس کی تعداد صرف چار سو چوبیس ہزار چار سو اسی ہے۔ چنانچہ محمد بن اسماعیل الیسانی رقم طراز ہیں:

صحیحین کے سارے طرق اور اسانید کی تعداد کے بارے میں حافظ ابن حجر نے حافظ حنفی کی تصانیف کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے صحیحین کی ایک ایک حدیث کا استخراج کیا ہے۔ تمام طرق اسانید کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار چار سو اسی ہوئی ہے۔ (۱)

اللہ انہر اصف چار ہزار اثنی عشر ہزار چار سو اسی طریقوں اور اسانید سے ملے ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اتنے بڑے انبوہ نے ان ارشادات کے یاد کرنے میں کوئی کوتاہی کی ہوگی۔ ظہور بند کیجئے اور اس لوگوں کی گفتگوں اور عرق ریزیوں کی داد دیجئے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین میں ایک بڑی بھاری جماعت یہ کہتی ہے کہ صحیحین کی تمام احادیث قطعیت کو مفید ہیں۔ حافظ ابن حزم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے نزدیک حدیث کے لیے کتنے راویوں کی ضرورت ہے جس سے حدیث حدیث دست طر کا فائدہ دے سکے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی خاص عدد مقرر نہیں ہے اگر وہ شخص بھی کوئی خدایں اور ان سے بارے میں ہمیں یہ یقین ہو کہ اس سے پہلے وہ بھی ایک دوسرے سے ملے ہیں ورنہ اس خبر ان کے لایعنی یا خوف کو کوئی دخل ہے۔ چہ ایں دوسرے کی اٹھنی میں اس خبر کو بھارے سامنے بیان کریں۔ وہ بھی رخصت نہیں بلکہ ایک جماعت کے واسطے سے۔ تو ہمیں ان کی سپاہی ہدایتی طور پر یقین آجائے گا۔ ہر وہ شخص جو ان کے حالات سے روز مرو کی زندگی میں رہتا ہوتا ہے۔ ہمارے اس بیان کی شہادت دے سکتا ہے کسی کی موت وادوات کاغذ وایت اس قسم کے تمام واقعات کا بدیہی علم ان طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔ (۱)

بہ حال صحیحین کے طرق و اسانید کی یہ تعداد بتا رہی ہے کہ احادیث صحیحین میں اور یہ صرف صحیحین کی خصوصیت نہیں بلکہ دوسری کتابوں کے بھی مستخرج لکھے گئے ہیں۔

حافظ جلال الدین السيوطی فرماتے ہیں

مستخرج صحیحین کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ محمد بن عبد الملک نے سنن ابی داؤد کا بھی طبری نے ترمذی شریف اور ابو نعیم نے ابن خزیمہ کی کتاب کا مستخرج لکھا ہے۔ (۲)

صحیحین اور دوسری کتابوں کے اطراف:

محدثین کی زبان میں مسانید اور اطراف دونوں میں مرکزی توجہ روایت کنندہ صحابی پر ہوتی ہے یعنی ہر صحابی کی روایات کو ملحوظ مضمون سمجھا جاتا ہے۔ مگر دونوں میں فرق یہ ہے

کہ مسانید میں پوری حدیث بیان کرتے ہیں مگر اطراف میں صرف حدیث کا وہی مشہور حصہ بیان کر کے صحیحین اور سنن کے تمام مشتبہ اور مخصوص طرق کا ذکر کرتے ہیں۔ حافظ ابوسعید حدیث کے ثروں سرے کو بتایا کرتے ہیں کہ جس سے ماتی حدیث کی یاد دہانی ہو جائے اس کی تمام اسانید کو باہر سے یاد کیا جاتا ہے یا اس کا پتہ دے دیا جاتا ہے کہ جن میں یہ حدیث مروی ہے۔ اس موضوع پر بہت سے حفاظ حدیث سے دریافت کی گئی ہے۔ ان میں سب سے پہلے جن بزرگ نے صحیحین پر اطراف میں ہیں وہ حافظ ابوسعید شافعی اور حاکم ہیں۔ ان کے بعد حافظ ابو محمد خلف بن محمد انیسوی، حافظ ابو نعیم اسماعیلی اور حافظ ابن حجر نے بھی یہ خدمت انجام دی ہے۔

صحیحین کے علاوہ کتب خمسہ کے اطراف حافظ احمد بن ثابت ازہری نے بھی لکھے اور کتب ستہ کے اطراف لکھنے والے یہ بزرگ ہیں

حافظ ابو الفضل محمد بن طہر مقدسی، حافظ ابو الجوزی، حافظ ابو الدین مروی، حافظ شمس الدین ابو الحسن محمد بن علی شافعی، حافظ ابو القاسم بن عبد کریم، حافظ سراج الدین ابو ابو صف عمر بن نور الدین علی بن احمد انصاری معروف بابی المصلح اس کے علاوہ بھی اور بہت سی کتابوں کے اطراف لکھے گئے ہیں۔ حافظ ابن طہر نے امام عظیم کی احادیث پر اطراف لکھے ہیں جس کا نام اطراف احادیث ابی حنیفہ ہے۔

دوسری اور تیسری صدی کے مؤلفین حدیث:

ہم نے بالا ارادہ تیسری صدی کے محدثین میں ابواب صحیح کے تالیفی کارناموں پر ذرا مختصر تبصرہ کیا ہے کیونکہ اس صدی میں فن حدیث سے ارتقاء کا یہ وہ نقطہ نکلا ہے جہاں پہلی کرامت حدیث ایک فن کی حیثیت سے ہر قسم کی قوت سے آراستہ ہو کر منظر شہود پر آیا اور اس فن کا ایک ایک شعبہ محدثین کی محنتوں سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس صدی کے محدثین اور ابواب روایت نے حدیث کی خاطر خشکی اور تری کو چھن مارا اور دنیا کے اسلام کے گوشے گوشے میں پہنچے ایک ایک شہر اور ایک ایک گاؤں میں جا کر تمام منقشہ اور پر گندہ روایتوں کو جمع کیا اور اس طرح مسانید وجود میں آ گئے۔ صحت سند کی چھان بین کی گئی۔ اسناد ارجح کی

تدوین ہوئی جرت و تعدیل نے ایک فن کی صورت اختیار کر لی تا آنکہ صحاح جیسے پیش بہا کتابیں تصنیف و تالیف کے بازار میں آ گئیں۔

چونکہ تیسری صدی میں اسلامی وسط کا دامن زیادہ سے زیادہ وسیع ہو گیا حتیٰ کہ جو حدیث دوسری صدی میں صرف دو واسطوں سے معلوم ہوتی تھی وہ تیسری صدی میں چھ اور سات واسطوں کی منتج ہوتی۔ اس دور کے محدثین کو تاریخ رجال کی طرف توجہ کرنی پڑی اور اسناد الرجال کا عظیم الشان فن مدون ہوا۔

ڈاکٹر اسپرنگر کا یہ کہنا ایک واقعہ اور حقیقت کا اقرار ہے کہ

”کوئی قوم دنیا میں یہ گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح ۳۱۱ء اور ۳۱۲ء میں خلیفہ راشدین پیدا کیا جو جس کی بدولت ہم آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم کر سکتے ہیں۔“ (رحمان السنہ: ص ۱۷۰)

محدثین نے اس کام کے لیے بڑے بڑے جتن کیے اور پاپڑ بنائے ہیں۔ ہر ہر راوی کے پورے پورے حالات معلوم کیے۔ اس سے نتیجہ میں روایت کے بارے میں اسناد کے لیے بھلا قوت، ضعف، صحت، بطلان اور اتصال و انقطاع کی نئی بخشیں پیدا ہو گئیں اور حدیث کے فن میں نئی اصطلاحات منظر شہور پر آ گئیں۔

مناہ حدیث تیسری صدی کے محدثین کی راہ علم حدیث کے سلسلے میں دوسری صدی کے محدثین سے جو ممتاز نمونی ہوئی دوسری صدی کے محدثین براہ راست مشاہیر تابعین یا کبار اصحاب تابعین سے تھے اور اس لیے ان واسناد کے بارے میں تحقیقات کی بہت کم ضرورت تھی بین تیسری صدی میں روایت میں سادہ واسطہ پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گئے تھے اس لیے تیسری صدی کے محدثین نے حالات اور حدیث تقاضوں کے تحت اپنی شاہراہ بتانی پڑی۔ علم حدیث کے مختلف گوشوں میں اس کا مایاں طور پر ظہور ہوا۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اس پر قدرے تفصیل سے بحث کریں تاکہ اس طریق کے سامنے خالص روایتی نقطہ نظر سے دوسری اور تیسری صدی کے محدثین کے مابین فرق نمایاں ہو کر آجائے اور ان اختلافی حدود کی شہادت ہو جائے جس کی بنا پر علم حدیث و یہ حالات درپیش آئے ہیں۔ سب سے پہلے اس

موقعہ پر نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں شیخ، مت شداولی، ندۃ الودیان پیش کر
دیں جس سے ان دونوں صدیوں کے محدثین کے طرز عمل پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ شاہ صاحب
تیسری صدی کے مؤلفین کا چہرہ لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

غرض احادیث کی تدوین اور ان کو رسالوں اور کتابوں میں جمع کرنے کا زمانہ تمام اسلامی
شہروں میں اس قدر عام ہو گیا کہ محدثین میں شاید ہی ایسے حضرات تھے جن سے پاس
حدیث کا کوئی مجموعہ رسالہ یا کتاب نہ ہو۔ ہر شخص ان میں سے حدیث درج کر
مصدقہ تھا۔ بڑے بڑے علماء نے حدیث کی خاطر حجاز، شام، عراق، مصر، یمن اور
خراسان کی خاک چھان ماری۔ کتابیں جمع کیں، نسخے تلاش کیے۔ حدیث غریبہ اور
نادرہ آثار کو بہت محنت سے فراہم کیا اور ان کی توجہ سے وہ احادیث مندرجہ شہور پر
آئیں جو پہلے نہ تھیں اور ان کو وہاں اس علم میں نصیب ہوئی جو پہلے کسی و نصیب نہ
تھی اور احادیث کی سندیں اس کثرت سے وجود میں آئیں کہ بہت سی حدیثوں کی
سینکڑوں سندیں معلوم ہوئیں۔ اسانید کی کثرت نے بہت سی مستور اسانید سے پردہ
بنا دیا ہر حدیث کی فراغت اور شہرت کا پتہ لگ گیا۔ مساجد اور شہرہ وجود پذیر ہو گئے
وہ احادیث سامنے آئیں جن سے پہلے ارباب فتویٰ باخبر نہ تھے اور باخبر نہ ہونے کی
وجہ یہ تھی کہ بہت سی حدیثوں کو خاص خاص شعبہ واسلے ہی روایت کرتے ہیں۔ مثلاً شام
واسلے عراق واسلے یا پھر خاص گھرانے کے آدمی روایت کرتے ہیں جیسے بریدہ کی
کتاب اور عمرو بن شعیب کا رسالہ۔ یا پھر مثلاً کوئی روایت بیان کرنے والا صحابی غیر
مشہور ہے اور اس سے چند حضرات کے سوا کسی نے روایت نہیں سنی ہے۔ تیسری
صدی کے محدثین سے پہلے لوگ اسامہ، الرجال اور مراتب عدالت کے بارے میں
صرف اپنے مشاہدے اور قرائن پر اعتماد کرتے تھے لیکن محدثین نے اسی کو موضوع بنا
کر خوب چھان بین کی اور بحث و تدوین کے ذریعے اسے مستقل فن بنا دیا جس کے
نتیجے میں حدیث کا اتصال و اتصال واضح ہو گیا۔ (۱)

آئیے شاہ صاحب ہی کی زبانی دوسری صدی کے محدثین کا بھی حال سن لیتے۔ دو
اصناف اور حجت اللہ میں رقمطراز ہیں کہ:

اس طبقہ کے علماء کا طرز عمل ایک دوسرے سے متماثل تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے استدلال کیا جائے چاہے وہ منسلک ہو یا
مستند۔ نیا صحیحہ و تاجمیں سے اقوال سے استدلال کیا جائے کیونکہ اس کے ہم میں یہ
اقوال یا تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہیں جن دانیوں کے ہاتھ
کے موقوف بنایا تھا یا پھر قلم مصنف سے ان کا استنباط تھا یا اپنی آراء سے ان کا
اجتہاد تھا۔ اور ہر صورت میں صحیحہ و تاجمیں اپنے طرز عمل کے اعتبار سے بعد میں
آئے دانیوں سے کہیں بہتر تھے اور کئی زیادہ صاحب آراء تھے۔ نیا زمانے کے
لحاظ سے سب سے مقدم اور علم کے اعتبار سے سب سے بڑا چہ کرتے تھے
ساتھ اس صورت سے کہ اس میں ہر قسم کی مسند میں اختلاف ہوا۔ نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کی حدیث ان کے قول کے مستحق حاف ہونے میں ان کے اقوال
پر عمل کرنا لازم ہے اور جس صورت میں کسی بھی مسند میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
کی حدیثیں مختلف ہوں تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرتے۔ اگر صحابہ کی حدیث
کے نسخے قائل ہوتے یا اس کو حسی معنی سے چھو دیتے یا اس کے بارے
میں کوئی تصریح نہ کرتے لیکن ترک حدیث یا اس پر عمل نہ کرنے میں متعلق ہوتے تو
ان کے نزدیک یہ بات حدیث کے معطل ہونے یا منسوخ ہونے اور یا پھر منوں
ہونے کی علامت ہوتی۔ ہر حال ان سب صورتوں میں اس طبقہ کے علماء
نے صحابہ کا اتباع کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام مالک نے کتب کے برتن میں منہ
ڈالنے والی حدیث کے بارے میں فرمایا کہ حصاء الحدیث ولا ادوی
ما حقیقہ حدیث تو ہے مگر مجھے اس حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔ امام مالک کا مطلب
یہ ہے کہ میں نے اس پر فقہاء کو عمل کرتے نہیں دیکھا ہے۔ اور جب صحابہ و تابعین
کے مذاہب میں بھی اختلاف ہوتا تو ہر عالم کے نزدیک اپنے ہی المی شہ اور اپنے

اساتذہ کا مذہب بنی سمجھا جاتا۔ چونکہ اس سے صحیح اور غیر صحیح اقوال سے باخبر ہوتا اور جو اصول ان اقوال کے مناسب ہوتے ان کو محفوظ رکھتا۔ (۱)

ایسی روشنی میں ۱۰ صدی کے مؤلفین نے اپنے مسائل کی تدوین کی ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی کتاب تاریخ میں چارے دور سے اس کو سمجھائی ہے۔ فرماتے ہیں

اور جو شخص مذہب کے اصول سے واقفیت رکھتا ہے اس بارے میں شک نہیں کر

سکتا کہ ان مذہب کی اصل و سبب و رواق عظیم کے اجماعی مسائل ہیں اور یہ ان

تمام مذہب کے رموز ہیں۔ چنانچہ ہے۔ اس کے بعد مدینہ و حجاز میں فقہاء

مسیحیہ مثلاً احمد بن حنبل اور حاکم بن محمد اور کوفہ میں سے فقہاء و محدثین اور

مصر میں سے زہبی اور حاکم بن محمد نے اس پر اعتقاد رکھا کہ مذہب کی

میان میں ایسی طرح اختلاف پیدا ہوا کہ فقہاء کے قیام پر اعتقاد رکھنا اس میں

وہمالت علی مرتضیٰ ہے۔ ایساں پر وہمالت میں بشرطیکہ حضرت علی سے ان

فیصلوں و عقل کرنے والے مدائین مسوؤں کے اصحاب ہوں اور اس سے بعد امام

ابو یوسف وغیرہ کی تحقیقات و رائے کی تحریکات پر اعتقاد امام ابو حنیفہ کے مذہب

نہ لیا۔ (۲)

آپ کے شاگرد صاحب نے ۱۰ صدی اور تیسری صدی کے علماء محدثین میں

فرق و تفریق اور خطوط اختلاف پانچ بتائے ہیں۔ یقیناً آپ اس ادارہ سے اس نتیجے پر پہنچیں گے

کہ ۱۰ صدی اور تیسری صدی کے محدثین سے ہمیں ایسا ہی پایا و مسائل علم حدیث کی حدود

سے دور دور ہو گئے تھے۔ حدیث کی صحت قیاس حدیث احرن و تحویل روایات حدیث کے روا

قوں نقل و مات حدیث شریعت و احسن حدیث و احسن حدیث میں مودعت

شرح حدیث و رخصت حدیث کے آئینی و قانونی مقام جیسے ہم مسائل میں تیسری صدی کے

مؤلفین سے پتہ چلے گا۔

دوسری اور تیسری صدی میں صحت حدیث کا معیار:

اصول میں حدیث صحیح کی یہ تعریف کی گئی ہے

الصحيح ما اتصل بسندة بطل عدل صابط عن مثله من غير شذوذ ولا

علة فادحة۔ (۱)

حدیث صحیح کی یہ تعریف حافظ ابن الصلاح اور حافظ ابن لدین عراقی نے کی ہے۔

مگر جب اس تعریف سے امام خطابی صاحب معارف السنن کو اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ

محدثین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ: ما اتصل بسندة و عدلت نقله

اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ عامہ محدثین کے نزدیک حدیث کے صحیح ہونے کے

بے ضروری ہے

سند میں اتصال ہو راویوں میں عدالت اور ضبط ہو اور حدیث شاذ اور معطل نہ ہو۔

اور امام خطابی راویوں کی عدالت و سند کے اتصال کے علاوہ کوئی شرط نہیں

بتاتے۔ یہ تیسری صدی کے محدثین کا یقین ہے اور اسے ہی حافظ ابن الصلاح نے محدثین

اختلافی موقف قرار دیا ہے۔ اس میں تین چیزیں مثبت ہیں اور دو منہی مثبت یعنی اتصال سند

عدالت اور ضبط اور منہی یعنی شاذ نہ ہونا اور معطل نہ ہونا میری رائے فرماتے ہیں کہ محدثین کے

یہاں صحیح کی تعریف میں یہ پانچوں چیزیں بنیادی ہیں۔

ان پانچوں میں سے اتصال کی قید تیسری صدی کے محدثین نے اس لیے خلاف

ہے کہ ان کے زمانے میں اسلامی وسط ریاد ہو گئے تھے ان واسطوں میں باہم زیاں معلوم

کرنا اور پھر ان میں باہم اتصال کا پتہ لگانا ضروری ہے۔ امام بخاری نے اتصال کے لیے یہ

شرط لگائی ہے کہ دور راویوں کا صرف معاصر ہونا کافی نہیں ہے بلکہ ملاقات بھی ضروری ہے

چاہے ایک ہادی ہو۔ مگر معاصرت کے ساتھ ملاقات موت و چر وہ مصلحت سے روایت و قیاس

پیتے ہیں اور وہ اتصال و شہادت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ امام بخاری سے اپنے اس طرز کی

توضیح تاریخ میں کی ہے اور صحیح میں ان کا اسی پر عمل ہے۔

قد اظهر البخاری هذا المذهب في التاريخ وحري عليه في الصحيح۔ (۱)
 یمن ہر مسئلہ کے اتصال کے معنی اس قدر سنگین نہیں بنایا جلد وہ اس سنگینی پر
 مخری پڑ رہا بھی نظر آتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ انہوں میں معاشرت ہو تو پھر
 اوقات کی شرط یہ ہے معاشرے کے معاشرے سے روایت بخلاف سے پیش کر کے تو اسے
 نسب یا محمول یا بواسطہ گا اور اس پہلے مسئلہ کے مقدمہ میں یہ بھی بصیرت افروز نوٹ لکھا ہے

ان بزرگوں نے اتصال کو اتنی اہمیت اس لیے دی ہے کہ اسانید کے سلسلہ
 میں وہ دن بہتات کی وجہ سے یہ کہنا ناگزیر تھا۔ ایک ایک راوی کے بارے میں یہ کہہ
 سکتے ہیں کہ اس کی ضرورت پیش آئی تھی کہ جس سے روایت لیتا ہے وہ اس کا معاملہ سے یا
 نہیں ہے۔ معاشرے کے واسطے اس کی مدتوں ہوتی ہے یا نہیں۔ اور اگر ملتا ہے تو اس سے یہ
 خاص حدیث اس سے کئی سہائی اور اس کی اس کا حوالہ دے دیتا ہے یہ بہت سی
 دشواری پائی جاتی تھی وہاں کی ہائی کافی پڑی ہے۔ یمن دوری صدی کے موفقیں و
 یہ کہ وہ راستہ مشاہیر تابعین یا تابعین تابعین سے شرف کلمہ تھا جس سے ان کو نہ سہا
 کے بارے میں تحقیقات کی رہا، وضاحت پیش آئی اور نہ اس کے یہاں اتصال کو اس قدر
 محبت تھی۔ ان کے یہاں سند و مرسل کی کوئی تفریق نہ تھی مرسل بھی مسند کی طرح محبت تھی۔

حدیث مرسل محدثین کی اصطلاح میں دو حدیث کہلاتی ہے جس میں تابعی اپنے اور
 مشہور تابعی مدعیہ وسلم کے مابین جو واسطہ ہے اس کو بیان کیے بغیر قال رسول اللہ کہ
 صحابہ کا نام طور پر فہم و مثالی اور ایسا سعید بن المسیب اور حسن بصری اور دیگر تابعین کے
 معقول تھا۔ پھر اگر راوی نے "اور" یوں کے درمیان جو شخص واسطہ ہے اسے چھوڑ دیا جیسے ایک
 شخص حضرت ابو ہریرہ کا ہم عصر نہ ہوئے کے باوجود ہے قال ابو ہریرہ تو اس کی روایت محدثین
 کی روایت میں منقطع کہلاتی ہے اور اگر ایک سے زیادہ واسطے حذف کر دیئے تو اسے معطل کہتے
 ہیں اور فقہاء و اصولیین کے یہاں ان سب کو مرسل کہتے ہیں۔

حدیث مرسل اور دوسری صدی کے ائمہ حدیث:

حدیث مرسل کے بارے میں تیسری صدی میں ارباب روایت نے اپنا موقف
 دوسری صدی کے تابعین سے اتصال کی خاطر ایک بنایا ورنہ تیسری صدی سے پہلے شاہی
 اس کا ہونے کی وجہ سے سب ہی حدیث مرسل کہتے ہیں میں مسند کی طرح محبت دیتے تھے اور
 مسائل و فتاویٰ کی بنیاد اسی پر قائم تھی۔ حافظ ابن جریر فرماتے ہیں۔

تابعین سارے کے سارے مرسل کے قبول پر متفق تھے ان سے پہلے اور ان کے
 بعد کسی بھی نام سے دوسری صدی کے محدث تک اس کا کار نامہ نہیں ہے۔ (۱)
 علامہ بیہقی نے ح ۱۸۱ ابن جریر کا یہ فیصلہ حافظ ابن عبد البر اور ح ۱۸۱ حقیقی سے نقل کیا
 ہے۔ امام ابو داؤد نے اپنے اس خط میں حوالہ دے کر کہتا ہے کہ مرسل حدیث کے بارے
 میں اقرار کیا ہے کہ:

باقی رہیں احادیث مسندہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حدیث مسندہ سمیں مرقی امام
 مانا نام اور اسی سبب ہی تابعین استدلال سمجھتے تھے تا آنکہ امام شافعی کے اور انہوں
 کے اس پر سبب شافعی فرمائی، امام احمد نے بھی اس موضوع پر ان کا جواب دیا۔ (۲)
 بلکہ حافظ ابن جریر تو یہاں تک کہہ گئے کہ یہ کہنا کہ مرسل محبت نہیں ہے

بدعة حدث بعد العائین۔ (تیسری صدی کی بدعت ہے)

و بعد یہ ہے کہ دوسری صدی کے بزرگوں و طبقات عدالت کی وجہ سے اپنے زمانے
 کے بزرگوں پر ایسا ہی اعتماد تھا جیسے اس زمانے میں ابن عمر اور اقطیٰ کو بخاری و مسلم پر ہے۔
 کیونکہ اس دور میں حدیث غالب تھی چنانچہ حافظ محمد بن ابی یوسف اور یوسف فرماتے ہیں

ولاشك ان لعالم عسى حاملة العلم النبوي في ذلك الزمان
 العدالة۔

بے شک اس زمانے میں اہل علم میں عدالت غالب تھی۔

یہ حقیقت ہے کہ ایک متدین متقی اور پرہیزگار شخص سے امید بھی ہوتی ہے کہ اس بڑی اہم دینی موضوعوں کے اطمینان کے بعد ہی انہی کے یوں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی بات کو منسوب کرتا ہو تو معصوم بات نہیں ہے۔ آپ کی طرف سے کسی بات کو منسوب کرتا ہو اصل اللہ ہی نہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ جس کے دین و ایمان اس بات پر ہمارا کیا جاتا ہو یا اس سے یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ قصد اللہ کے امین میں کی ہو یا نہ ہو۔ اس کے جسے اوجہ جانتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی اہمیت اور بات نہیں ہے یقیناً ایک حیثیت سے یہ قطعاً ہی اللہ و رسول کی طرف سے وفاق میں یہ سے رہا و مقامات پر اسے سب سے بڑی غلط روایات۔ جن بزرگوں کی حدیث مسند میں یقیناً سے اس کی توقع نہیں ہوتی یہ حدیث یقیناً قوی ہے۔ کی بناء پر اس باروں سے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزی لکھتے ہیں:

مراسیل الصحابة والتابعين والمئة الحديث مقبولة۔ (۱)

سچو جاتے۔ حدیث مرسل سے مراد بھی ہمارے یہاں کیا ہی ہے مقبول نہیں ہیں۔ حدیث کی جو کتابیں تاریخ میں یا کوئی کتاب ہے کہ اصول حدیث کے مقررہ اصول کے مطابق اس کا قصہ ثابت ہے اب اس کتابوں کی روایات کو ان کتابوں کے مابین نہ جہنم کا یہ تک پہنچاتے ہیں اور جن جہنم کے اریحے ہم تک پہنچ رہی ہیں یا اس کی حدیث ثابت ثابت الفاظ و معنی ہم نے اسی طرح پہچان چکے ہیں اس طرح ہمارے بخاری و مسند میں اپنے اساتذہ سے یہ بھی یہ ثابت ہے۔ اس کتابوں کی روایات ان کی طرف منسوب کرنے کی ہمارے پاس اس کے سوا دلیل ہی کیا ہے کہ:

والدليل على ذلك ان العرب، ما راوا يسمون في مصنفاتهم الاحاديث التي من احوالها۔

اس بات کی اس کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہمیشہ سے علماء اپنی تصانیف میں حدیثوں کو ان محدثین کی طرف نسبت کرتے رہے ہیں۔ (۲)

اس لیے جیسا کہ ہمیں ان اندر حدیث کی بیان کردہ حدیثوں پر باوجود اتصال نہ ہونے کے اعتبار سے یہاں امام مالک و سعید بن مسیب کے اور امام ابو حنیفہ و امام شافعی اور ابراہیم نخعی کے روایات کردہ ارشادات پر اعتماد تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

ابراہیم نخعی نے ایک موقع پر حسب کہ انہوں نے یہ حدیث روایت کی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد اور عزانہ سے منع فرمایا ہے کہ ان سے کہا گیا تھا کہ یا تمہیں اس کے سوا اور کوئی حدیث ہی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی نہیں۔ کہا کہ یوں نہیں؟ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ فلان عبداللہ اور فلان علقمہ مجھے یہ روایت پہنچا ہے۔ اس طرح شافعی۔ جس وقت ان سے ایک حدیث کی بات ہو یا یہ کہ یہ روایت ہے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کر دیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیث کی قطعاً تک اس کو نقل کیا جائے یہ حدیث اگر روایت میں کی ہو تو وہ حدیث کے قطعاً پرستی رست کی۔ (۱)

یہاں دوسری صدی کے مؤلفین کے یہاں حدیث کے صحیح ہونے سے یہ منہ ہونا ضروری نہ تھا اور مرسل اور قطعاً سب کو یوں دین میں حجت قرار دیتے تھے۔

چند مرسل کا اٹھارہویں صدی کے محدثین نے غامی و سادہ میں روایت کی ہے اسے اپنے خیال میں احتیاط کی بنا پر یا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کو متعدد مسائل میں جہاں مرسل کے علاوہ اور کوئی روایت مسند ان کے علم میں نہ تھی اس کے اختلاف کرتے پڑا۔ متاخرین میں، قطبی اور سیوطی نے اسے مامور محدث گذارے لیکن اس اذوں کا حال یہ ہے کہ سند پر سند اور روایت پر روایت اگر کرتے چلے جاتے ہیں اور اس کے ضعیف ہونے کی اس سے پاس کوئی وجہ نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ اسے مرسل ثابت کریں یہ موقف ہوا ہے۔

یہ نہ جہاں جائے مصنفین صحاح میں سے اگرچہ مامور مسلم کے اپنے مقدمہ میں تصدیق کی ہے کہ مرسل روایات حجت نہیں ہیں لیکن یہ تمام ارباب صحاح کا متفقہ فیصلہ نہیں ہے۔

امام ابو داؤد فرماتے ہیں:

افراد غرائب اور تیسری صدی کے محدثین:

پندرہ تیسری صدی کے محدثین نے تصانیف کو صحت حدیث کا معیار بنایا تھا جس لیے انہوں نے ہر نامور نوشتہ اور غیر متقدم صحیحہ کا کھوج گایا۔ مختلف اسلامی شعبوں کے افراد و اصحاب فرما رہے تھے کہ پریشان اور غیر متداول روایات جمع کر لیں اور طرق و اسانید کی ذریعہ تمام علوم اسلامی جو بے شک خاص خاص سیوں اور سفینوں میں منتشر تھے یکجا ہو گئے۔ دوسری صدی کے موفقیین عام طور پر اپنی کتابوں میں ان ہی روایات کو جھڑپتے تھے جو اہل علم میں متداول تھیں۔ قاضی ابویوسف نے ایسے موقعہ کے لیے یہ تجویز نکالی کہ:

المرأۃ ترواد کثرة و بمرح منہا مالا يعرف ولا يعرفہ اهل الفہم ولا یوافق الکتاب ولا السہ لابیابک و شاد الحدیث و علیک بما علیہ الجماعة من الحدیث و ما يعرفہ الفقہاء و ما یوافق الکتاب و السنۃ۔
روایات میں بھی طے کثرت اضافہ ہوگا اور غیر معروف حدیثیں منصفہ شہور پر آئیں گی۔ جس کو اہل اہل فقہ جانتے ہیں اور حوث کتاب و سنت کے موافق ہیں۔ قرآن حدیث شاذ سے بچ کر رہنا اور صرف ان حدیث کو پڑھنا جو جماعت پیش کرے جسے فقہاء جانتے ہوں جو قرآن و سنت کے موافق ہوں۔ (۱)

لیکن تیسری صدی کے محدثین میں یہ انداز بدل گیا اور اس کے نتیجے میں افراد غرائب کے جمع ہو جانے پر کسی روایت سامنے آئی کہ جن پر صحابہ تابعین اور فقہاء مجتہدین فاضل نہ تھے اور جو فقہاء میں متداول اور معروف نہ تھیں۔ تیسری صدی میں جن محدثین نے روایتی نقطہ نظر کا غلبہ تھا ان کو ان افراد غرائب کی صحت پر اصرار تھا۔ ان کا خیال تھا کہ صحیح سند سے ایسا چیز کے ثابت ہو جانے کے بعد اس پر عمل میں چون و چرا کرنا دیدہ و دانستہ حدیث کی مخالفت ہے لیکن دوسری صدی کے محدثین ایسی روایات کو شواہد کہتے تھے تیسری صدی کے محدثین صحت سے پروردہ دیتے تھے۔ اس وجہ سے تیسری صدی کے اصحاب روایت نے اسکی تمام

روایات کو انہوں نے قرار دیا اور ان مسائل میں ۱۱۰۰۰ حدیثیں جمع کیں۔ ان کے رائے کا متنازعہ رہا۔ تاہم ان کے موقف ان روایات کے خلاف تھے ان کو یہ کہہ کر روک دیا کہ محض رجال ہمہ رجال ہیں اس طرح ان کو تسلیم نہ کیا گیا۔ ان کی کتاب کی کتابیں ہیں ہم یہاں آپ کی سیاحت سے اسے یہ سند میں ہیں۔

ابو داؤد و ترمذی کی حدیث قلین

ابو داؤد ۱۰۰۰۰۰ میں حضرت عبد بن عمر حدیث سے۔

مسئل البی صلی اللہ علیہ وسلم عن الماء وما یوبہ من الدواب
والسباع فقال صلی اللہ علیہ وسلم اذا کن الماء فلتس لم یحکم
الحیث۔ (۱)

صرف ابو داؤد میں ہی نہیں بلکہ ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ یہ حدیث خواہ کتنے ہی متقدم طریق سے آئی ہو اور اس سند سے آئی ہو یہ سب اس حدیث ۱۱۰۰۰۰ کی صدی میں غیر معروف تھی۔ اسے اہل علم و ادب میں سے واپس لیا گیا۔ محض قرآن اور اس بنا پر قاضی ابویوسف کی زبان میں شاذ تھی۔

حضرت ابن القیم نے تہذیب سنن ابی داؤد میں اس حدیث کے ہر پانچوں سے اس حدیث کے شذوذ کو بے نقاب کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

یہ حدیث طلال و حرام پاک و ناپاک کے بارے میں فیصلہ کن ہے اور پانیوں کے مسئلہ میں اس کی حیثیت وہی ہے جو زکوٰۃ کے مسئلہ میں مختلف نصاب بہائے زکوٰۃ کی ہے۔ اگر اس کی حیثیت فیصلہ خیز نہ ہو تو یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ مشہور ہیں ہونی درگوشہ مقامی میں پائی گئی۔ اس حدیث کی صواب ۱۰۰۰۰ سے بھی زیادہ وضاحت تھی۔ ورنہ اس حدیث کی سند پر غرض نہیں دینی مگر پانی قوم وضو اور غسل میں سلامی رہائی کی بنا پر اس حدیث سے اس حدیث کی حدیث

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیثیں اگر سیکھیں تو معلوم ہوتے ہیں کہ ان میں تفریق سے تفریق اتنا ہے کہ جب بائیں ہمارے کہ میں نے سچ دیا تو بائیں کو رجوع کا حق اس وقت تک ہے جب تک خریداریہ نہ کہے کہ میں نے خرید لیا اور اگر مشتری کہہ دے کہ میں نے خرید لیا تو اسے رجوع کا اس وقت تک حق ہے کہ جب تک بیچنے والا یہ نہ کہے کہ میں نے سچ دیا۔ (۱)

یہی سچ سمجھانے سے ہے امام اعظم نے دو تہیہ اختیار کی ہے جو حافظ ابن ہمام نے سفیان بن عیینہ کے حوالے سے پیش کی ہے۔ سفیان کہتے ہیں کہ:

میں نے امام ابو حنیفہ کے سامنے یہ حدیث پیش کی کہ البعان مال الحار مالہ بنصرہ۔ تو پ نے فرمایا کہ ترسو آنے والے دونوں شخص کشتی میں سفر کر رہے ہوں تو ان میں افتراق کب ہوگا!

ایک ہی بات میں حدیث کی روایت سمجھائی اور بتایا کہ تفریق سے تفریق تو ان روایات پر چارہ میاں بن عیینہ نے امام اعظم کی اس بات کو جو رائے یا اور بہرہ دیا

کہ ان سو حنفیہ بصورت الحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الامثال فی ردہ۔

ابو حنیفہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے لیے مثالیں پیش کرتے تھے۔ یہ سفیان بن عیینہ کی خصوصیت نہیں ہے اس سے پہلے حفاظ حدیث نے فقہاء پر اسی قسم کی پھبتی کی ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ میں ایک واقعہ آتا ہے جس میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا سامنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

نوهذو اصحابی التار

حضرت ابو ہریرہؓ کی زبان سے حضور انور کا یہ ارشاد گرامی سن کر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

اتوضاء من الحمیم

حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ بات سنی تو فرمایا: یا اس احی اذا سمعت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حديثاً فلا تصرف له الامثال۔

اس میرے برابر روایت ہے! جب تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سے تو اس کے لیے مثالیں نہ بنا۔ (۱)

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ حدیث خیار مجس بھی اپنے اس مطلب کے لحاظ سے افواہ و غرائب میں سے ہے اسی طرح وہ تمام روایات جن پر عمدہ صحیحہ و تابعین میں ارباب فتویٰ عامل نہ تھا۔ ان سب روایات کے بارے میں دوسری اور تیسری صدی کے محدثین کا نقطہ نظر بالکل جدا جدا تھا۔ تیسری صدی کے محدثین اس کو صرف اتنی ہی نقطہ نظر سے دیکھتے تھے اور اقصاء و عدالت کے دریچے اس روایات کو صحیح قرار دیتے تھے دوسری صدی کے محدثین فقہاء و مابعدہ الجماعہ اور تعامل و توارث اور مسند کی روشنی میں جانچتے تھے۔ اس پر تفصیلی تبصرہ آ رہا ہے۔

امام اعظم اور حدیث کی صحت:

محدثین کی زبان سے تو آپ صحیح حدیث کی تعریف پڑھ چکے ہیں۔ ان کے یہاں حدیث صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ راویوں میں حدیث و ضبط ہو مسند میں اتصال ہو اور حدیث شاذ در مطعن نہ ہو۔ حدیث کی صحت میں ان پانچ کی حیثیت اس میں اور بنیاد کی ہے۔ چنانچہ امیر ایمانی ان پانچوں کا ذکر کر کے فرماتے ہیں

فهذه الخمسة هي المعتمدة في حفيضة الصحيح عند المحدثين۔

یہ پانچ چیزیں محدثین کے نزدیک صحیح کی حقیقت میں معتبر ہیں۔ (۲)

نے یہ سخت برداشت نہ کی۔ جس قدر زمانہ گزرتا یہ لفظ کی جدت و تازگی ہوتی تھی۔ امام اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حافظ حدیث کی روایت کو غیر حافظ کی روایت پر ترجیح ہے۔ چونکہ حافظ نہ ہونے کی حالت میں احتیاط سے کہ کوئی خط میں خط ملا کر نوشتہ میں گڑبڑ نہ ہو۔ ہم حال امام اعظم نے حدیث کے صحیح ہونے سے جو شرط لگائی وہ اگرچہ تیسری صدی کے محدثین کے یوں ایک تشدید کی حیثیت رکھتی ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ غرض سلام پر وہی ضبط کی دقیق تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

ضبط کا مفہوم یہ ہے کہ بات و ایسے طریق پر نہ جائے جیسے سننے کا حق ہے۔ پھر اس کے معنی مراد تو سمجھ جائے۔ مقامی کوشش سے اسے یاد کیا جائے پھر اس کی صداقت کی حفاظت کر کے اس کی پابندی کی جائے اور سے دوسرے تک پہنچاتے وقت تک اس کے مذاکرات کا اہتمام کرنا چاہیے مبادا وہ ذہن سے اتر نہ جائے۔ (۱)

یہ تصریحات میں حدیث میں امام اعظم کی عظمت شان اور جلالت قدر کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں غالباً جو لوگ امام اعظم کو حدیث میں تشدد وین میں شمار کرتے رہے ہیں ان کے پیش نظر امام اعظم کی یہی شرائط ہیں۔ جیسے اس خدو ن سے نکلا ہے کہ

شدد فی شروط الروایۃ والتحمل وضعف رواية الحديث البفسی ادا عار ضها العمل النعمی۔

امام صاحب نے روایت کی شرطوں اور اس کے تحمل میں سختی کی اور مکرر حدیث فعل نفس کے معارض ہو تو اس کی تعریف کی ہے۔ (۲)

لیکن جسے سختی کہا جا رہا ہے اسی کا نام احتیاط ہے اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہیں کی زندگی میں زیادہ سے زیادہ احتیاط برتی جائے۔ امام اعظم کی اس احتیاط کا بڑے بڑے محدثین نے قرار کیا ہے چنانچہ حافظ ابو محمد عبد اللہ حارثی بسند متصل امام اربع سے جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں نقل کرتے ہیں۔

الحیرنا القاسم بن عباد سمعت یوسف الصغار یقول سمعت وکیعاً یقول لقد وجد الودع عن ابی حنیفۃ فی الحدیث عالم یوجد عن غیرہ۔
جیسی احتیاط حدیث میں امام ابو حنیفہ نے کی ہے کسی دوسرے نے نہیں کی۔ (۱)
اسی طرح علی بن الجعد سے جو حدیث کے بہت بڑے امام اور حافظ ہیں اور امام زبیری اور ابو داؤد کے استاد ہیں یہ بیان منقول ہے کہ

امام ابو حنیفہ جب حدیث بیان کرتے ہیں تو موتی کی طرح آہار ہوتی ہے۔ (۲)
اور یہ امام اعظم کی احتیاطی کا نتیجہ ہے کہ روایت میں جرات جیسا کہ حدیث میں امام احمد امام ابن المذہبی امام یحییٰ بن معین اور امام عبد اللہ بن مبارک کا استہ سے امام اعظم کی ساری حدیثیں نوک زبان کرتا ہے اور جسے سید الحفاظ یحییٰ بن معین حفاظ حدیث میں سب سے اوپر بتاتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البر یحییٰ بن معین سے نقل ہیں۔
میرے ہم عصر میں روایت سے روایت ہوتی نہیں تھی امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور اس و امام ابو حنیفہ کی ساری حدیثیں یا تمہیں اور انہوں سے امام ابو حنیفہ سے حدیثیں سنیں تھیں۔ (۳)

امام اعظم اور رد و قبول روایت

محدثین نے روایت کے رد و قبول کے لیے جو شرطیں ماضی میں اور جن روایات و قابل استدلال قرار دیات اس کے نقل کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ بالغ عاقل ہونے سے ساتھ ہدایت اور ضبط کی صفات سے موصوف ہوں۔ حافظ ابن الصلاح نے صحابہ و محدث کا یہودی بتایا ہے۔ اور حافظ ابن کثیر نے اس میں تینوں کا اضافہ کر کے لکھا ہے کہ اگر ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی مخدوش ہو جائے تو روایت مردود ہو جائے گی۔ (۴)

امام زبیری نے تدریب میں اور حافظ سیوطی نے تدریب برائی میں اسی کی توثیق کی

(۱) اسبق مطلق بن اسلم ۱۹۷

(۲) جامع المساید بن ۳۲۹

(۳) جامع بیان علم بن ۲۹۶ تاریخ بعد ۱۰۰

(۴) مختصر جامع حدیث ص ۹۲

(۱) صوفیہ ص ۲۱۹ تاریخ بعد ۱۰۰

(۲) مجمع ص ۳۳

تہ حدیث میں اسے سنائی گئی ہے۔ اس میں ایک حدیث ہے جس میں امام اعظمؒ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو یہ فرمایا کہ:

ثقة ما سمعت احمد اضعفه۔ (میں نے تو کسی سے بھی ان کی تصدیق نہیں سنی)

یہ حدیث کا ذکر درودِ خطبہ شہادت میں آیا ہے اور فرمایا کہ: شعبہ شعبہ تہذیب
ہی میں۔ (۱) یعنی اس حدیث میں حدیث شریف اور عظمتِ قدر پر امام اعظمؒ کا بیان
تو کسی کے لیے یارائے سخن نہیں ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر فرماتے ہیں

لقد كان الحافظ المشهور بعناية في هذا الشأن

امام ابو حنیفہ علمِ حدیث میں مشہور حافظ حدیث تھے۔ (۲)

بہر حال امام اعظمؒ نے صحت حدیث کے لیے ایک بہت اونچا معیار قائم
یا تھا۔ ان سے شواہد روایت کے لیے معیار تحقیق کی حد تک، مقدمہ محدثین کی حیثیت تسلیم
کی گئی تھی۔ آپ مقدمہ میں علماء اور ائمہ ان اسرار کے حالات سے باخبر تھے ہیں
کہ امام ابو حنیفہ اپنی شرط میں تیسری صدی کے محدثین کی نسبت قصود تھے۔

امام اعظمؒ اور اہل ہوائی سے روایت:

روایت کے رد و قبول سے متعلق اس پر تو دوسری اور تیسری صدی کے محدثین کا
تعلق ہے۔ ان سے روایت کے لیے اسامی و درجات و شہرت و شہرہ ہونے کا مطلب یہ ہے
کہ وہ اہل حدیث میں اور اہل فتنہ و فساد میں حدیث میں روایت کرنا۔ ان موضوع پر بھی
اور میں نہیں مانی ہیں۔ میں اس میں اختلاف ہے کہ خود مسلمانوں کو اپنے
مذہب کی ضروریات سے حاصل ہیں جس سے جیتے میں مسلمانوں کی شہادت اور اس کے
پن و مکتبہ ان مشائخ و ائمہ و اصحاب معتزہ و مرہ و غیرہ۔ یا ان روایات میں
کے مخصوص نظریات کے باوجود شہرہ قبول کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ یہ موضوع علمِ
حدیث سے سمجھات و بحث میں ہے۔ اس لیے علماء نے اپنے مختلف مذاہب میں ان پر
اس پر داد تحقیق دی ہے۔ چنانچہ حافظ ابو بکر الخلیف بغدادی رقمطراز ہیں:

علماء میں اہل ہوائی سے روایت لینے کے موضوع پر ایک سے زیادہ مدارس فکر ہیں۔
مذہب میں سے ایک جماعت اسے درست خیال نہیں کرتی۔ ان کا موقف یہ ہے کہ
کافر اور منافق باقاعدگی پر شہادت بھی دے گا۔ اور اہل حق و باطل میں سے ان
لیے ضروری ہے کہ ان کی روایت کا قابل قبول ہو اور کچھ کی رائے میں اہل اہواء کی
روایت و اقوال کو یہ درست سے شہادت و تصدیق دینا چاہیے۔ کچھ علماء نے ان کی

سے یہ امام شافعی کی رائے ہے۔ اور کچھ کی رائے یہ ہے کہ اہل اہواء میں سے ان کی
رائے قبول کر لی جائے جو ہوائی و بدعت کے داعی نہ ہوں۔ دعاۃ کی روایت قابل
احتیاج نہیں ہے یہ امام احمد بن حنبلہ سے ہے۔ امام احمد بن حنبلہ نے یہ جماعت
نظریہ یہ ہے کہ سب اہل اہواء کی روایات قابل قبول ہیں چاہے وہ اپنے نظریات
کی وجہ سے کفری کے میدان میں ہوں۔ (۱)

روایت و حدیث میں تو اہل ہوائی میں داخل و مست و بانی صحت حاصل ہے اور
ان اہمیت کی بنیاد ان کے دو نظریات ہیں۔ ان میں سے اولیٰ سے انہوں نے انہوں
ہوئے ہیں۔ صحیح ہے کہ بارے میں اس کا موقف علم سے یہ ایک بہت بڑا خطرہ ہے
عقیدہ بھی ان کی صداقت و مشہور ہوتا ہے۔ اس لیے اس موضوع پر امام اعظمؒ کا فیصلہ
عبد اللہ بن المبارک نے یہ بتایا ہے

امام اعظمؒ سے ابو عصمر نے دریافت کیا کہ اہل اہواء سے روایت کے بارے میں
آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ سب اہل اہواء سے روایت لے
لیجئے جو شرطیں وہ عادل و عاقل ہیں یعنی شیعوں سے روایت لیں۔ یہ روایات ان کے عقیدہ
کی ممانعت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تائید پر ہے۔ (۲)

ہمارے نزدیک یہ مسئلہ بھی دوسری اور تیسری صدی کے اختلافی مسائل میں سے
ہے اسی لیے حضرت امام مالک بھی اس مسئلہ میں امام اعظمؒ کے ہمراہ ہیں و فرماتے ہیں کہ
روایات سے روایت نہ کرو۔ مشہور محدث یزید بن ابی اسبغہ ہیں جو صاحب بدعت کی روایت

نہ تو روایت سے ہی جائے نہیں روایت سے روایت نہ لی جائے۔ شریک بن محمد بن اسے
 سے کہ جس سے قلم لکھتے ہیں روایت سے محمد بن عبد اللہ بن مبارک بن عبد اللہ بن ثابت کا
 نام سے بتایا ہے کہ اس سے حدیث نہ ہو یہ حدیث صرف کوثر کہتے تھے۔ (۱) یہ دوسری صدی سے
 محدثین کے افکار ہیں۔ تیسری صدی میں ان ائمہ کی بدشعور کو حیل کر کے ان و شیش شریع
 ہوئی ہیں اور انہیں سے دورے میں محدثین سے پناہ مانگ کر دیا۔ امام شافعی سے عام
 روایت و اس پابندی سے نکال کر خاص خطاب تک سے محدود کر دیا اور فرمایا کہ ان سے
 روایت نہ لی جائے۔ ان سے حد محدثین کی عام روایت تمام اہل ہوا۔ ہاں سے میں ہا
 استثناء شیعہ قائم ہو گئی کہ

نقل غیر الدعاء من اهل الاهواء لما الدعاء فلا نقل اخبارهم۔ (۲)

ان میں جو داعی نہ ہوں ان سے روایت لی جائے داعی کی روایت نہ لی جائے۔

ان محدثین کی شریعت کی حدیث حاصل ہے بلکہ حافظ ابن حبان بتی سے اس پر
 مبالغہ تعلق کیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے اس کی و عدل قول قرار دیا ہے اور اس سے
 خلاف ۳ پنے بھی مار کا محدثین میں ست فائدہ جرات بتایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں

والقول بالمع مطلقا مباح لشارع عن ائمة الحديث۔ (۳)

مطلقاً اسے روکنا اس راہ سے دور بنانا ہے جو ائمہ حدیث سے مشہور ہے۔

۳ پنے کی بات یہ ہے کہ جو مجھے یہ کیا ہے اور جسے بدل اقول کہ کیا ہے یا
 واقعتاً اور بات سے بھی اس کا ساتھ دیتے۔ انیا حاتی سے کہ خود بخود ہی و سلم سے احادیث
 روایت کی ہیں چنانچہ حافظ حاتی نے لکھا ہے کہ ساری و سلم سے احادیث انہوں کی روایت کی
 ہیں۔ حافظ ابن الدین السیوطی نے تدریب میں بخاری و سلم سے ان راویوں کی فہرست
 دی ہے جس سے تحقیق کے روایات کی ہیں اور بتا دینا سید کہ کتب و ان کے مزایا

کتاب مسلم ملاں من رواة الشيعة۔ (۴)

(۲) تلمیح ۱۰۵۰ ہجری ۴۰۰

(۱) تدریب ۲۸

(۳) تدریب ۲۸

(۴) اخبار صحاح حدیث ۹۹

اور حافظ ابن الصلاح و اس فکر یہ نور افش سے روایت نہ مٹی چاہیے یہ حدیث
 مروج قرار دینے پر کہ اس کا کھلم کھلا خلاف الرواہ علیہم محدثین کی کتابیں ان کی
 روایت سے لی پڑی ہیں۔ امام ابی نے دعوت کی تقسیم کے ذریعے محدثین کی صفائی پیش
 دہائی۔ چنانچہ دہشتے ہیں

دعوت کی تقسیم میں مدنی یہ تشریح۔ یادہ یا کم مثلاً وہ حضرات جنہوں نے حضرت
 علی سے جو آراء ہوئے انہوں سے دورے میں لب لسانی کی ہے یہ طبقہ تابعین میں
 بہت سے اور اب ہی اتنا تابعین میں کہ ان کی روایت کو تشریح کی بنا پر روایت
 جائے تو حدیث کا بیشتہ حصہ حرم ہو جائے گا۔ در بدعت بھری جیسے روایت ہاں اور اس
 میں غوث ابو مراد عمر کے دامن احقر کو ہاتھ کاٹا اور لوگوں میں اس کا پراپیٹنگ
 کرنا۔ یہ قسم و شبہ ناقابل اعتقاد ہے۔ مجھے اس قسم کے لوگوں میں کون بھی صادق
 دامن نظر نہیں آتا۔ بد جھوٹ س کا پیش ارتقاہ حاق ان کا شیوہ ہے۔ (۱)

اگرچہ امام ذہبی نے بقول حافظ سیوطی ایک دوسرے موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ
 اس مضمون پر لکھ مختلف ایضال ہیں چنانچہ اسے اس میں شیعہ سے روایت قطع منع
 سے اور جہ سے روایت مطلقا جائز ہے اور تیسری راہ یہ ہے کہ جو شخص ان کی
 حدیث کو جانتا ہو اس کے لیے جائز ہے اور دوسرے کے لیے جائز نہیں ہے۔ (۲)

بعد ازیں حافظ ابن حجر مقدسی اور حافظ سیوطی نے شیعہ اور راہی کی کتابیں لکھی۔
 محدثین نے اس وجہ کو کار کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ ساری مساعی صرف اس لیے ہوتے
 ہر آتی ہیں کہ محدثین سے جوئے شد و پالیسی سے خلاف عمل ہوا ہے اس کا مدافعی ہو جائے
 لیکن ان مساعی و روشیوں کی نوعیت اس سے زیادہ پتہ نہیں ہے کہ یہ کتابوں کی مد سے شیعہ
 و راہی کی تشریح فرما رہے ہیں۔ و دوسری صدی کے محدثین مشاہدے اور واقعات کے روبرو
 سے بتا رہے ہیں کہ

فان اصل عقیدتہم تضلیل اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) تدریب ۲۸

اسی دور میں مشہور محدث حماد بن سلمہ نے یہ انکشاف کیا کہ:

احسنی شیح من الرافضۃ انہم کانوا یجتمعون علی وضع الاحادیث۔
مجھے رافضیوں کے ایک سربراہ نے بتایا ہے کہ وہ حدیثیں بنانے کے لیے باقاعدہ
اجتماعات کرتے تھے۔ (۱)

اور آپ انہیں بدنام نہیں لیکن حافظ رابطی نے نہار میں جہ سلسلہ کے موضوع پر خام
محدثانہ نقطہ نظر سے تبصیر کی تھوڑی کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے
کے موضوع پر جس قدر روایات آئی ہیں ان کا سچا شیعہ ہی شیعہ ہیں۔ پناغیہ فرماتے ہیں

وعالم الاحادیث الحہر نحلہ فی رواہا من ہو مسوب الی التشیع۔ (۲)

بسم اللہ بلند آواز پڑھنے کی زیادہ روایات شیعہ رویوں کی وساطت سے آئی ہیں۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ نہار میں بسم اللہ کے جہ پر خبر آ حد کا زیادہ دغیہ وضعی دور

بنائی ہے اور بنائی جانے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ:

لان الشیعة تروی الحہر و ہم اکذب الطوائف ہو صراحی دالک احادیث۔

کیونکہ ہمارے بسم اللہ بلند آواز بلند پڑھنے کے قائل ہیں اور شیعہ رویوں میں سب

سے زیادہ دروغ گو ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر حدیثیں بنائی ہیں۔

ان تصریحات سے آپ امام اعظم کے اس دور میں فکر کی صداقت کا اندازہ لگا سکتے

ہیں۔ اور آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس میں تھوڑا سا تبحر بہت بڑی بلا کا سامان ہے۔

جرح و تعدیل روایۃ حدیث اور امام اعظم

علامہ جزیری نے توجیہ النظر میں حدیث کے سلسلے میں ۵۲ قسم کے علوم کی نشاندہی

کی ہے۔ ان ہی علوم کے برتنے پر کہا جاتا ہے کہ جو شخص بھی حدیث کے مختلف طرق و اسانید

اس سے رویوں کی درست گنتاری اور ان پر جرح و تعدیل کی داستان پڑھے گا اس کو حدیث کی

عظمت کا اقرار کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ یہ امر آخر ہے کہ کوئی شخص مطالعہ کی محنت سے پہنچتی

کرتے خواہ مخواہ انکار کرنا لے۔

حافظ ابن خلدون نے یہ کہ حدیث کی مثال یہ صاف کی کہ بہ باوقات

کی مکمل صورت اور آواز تک میں فرق نہیں ہوتا کیلئے صاف و چٹکی اس کا ثبوت تائیدی

ہے۔ یہ کیوں بتا دینے کا طرفین حدیث میں بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے اسی کی مدد سے علامہ نے

صحیح احادیث کو غلط سے اور قوی کو ضعیف سے چھانٹ کر عینک ویا دور میں سلسلے میں علامہ نے

بڑے بڑے کاربانہ نمایاں انجام دیئے ہیں۔ اسی کا نام علم جرح و تعدیل ہے۔ اس کی مر

میدان رجال یا علم رجال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس راویوں کی اہمات نکات ہدایت

اور قوت ضبط کو بتایا جاتا ہے تو یہ علم تعدیل ہے اور اگر اس کے برعکس ان کے کذب و غصت یا

نسیان وغیرہ سے بحث کی جائے تو یہ علم الجرح ہے۔ امام عظیم معرفت علوم الحدیث میں لکھتے ہیں

وہما فی الاصل نوعان کل نوع منہما علم ہر اسہ۔

اصل میں یہ دو قسمیں ہیں ان میں سے ہر قسم مستقل علم ہے۔ (۱)

علم حدیث کے تفصیل میں یہ عظیم الشان علم، جو میں آیا ہے اور اقوام عالم کی تاریخ

میں اس طرح کے تنقیدی علم کی نظیر نہیں ملتی ہے۔ اس فن کی تاریخوں مولیٰ حافظ سیوطی

الکافی فی تاریخ الاسادی میں رقم طراز ہیں کہ:

بعد حدیث نوی صدر اول میں تینوں سے نہیں بلکہ لوگوں کے سینوں سے لی جاتی

تھی اس لیے احادیث کی حفاظت اور ان کو غلط سے بچانے اور مقبول میں تہیہ کی

خاص جرح کو جا کر کیا گیا۔ (۲)

حافظ ابن حجر مقدنی فرماتے ہیں

موتوں نے یہ علم صحابہ سے لیا اس کے یاد کرنے اور اس کے پانچنے میں اوقات

لگاے اور جانیں کھپا میں لیکن صحابہ نے بعد ہر دور میں ایسے لوگ اس میں داخل ہو

گئے جس میں اس کی صلاحیت و قابلیت تھی۔ انہوں نے نقل و روایات میں غلطیوں

کیں اور کچھ نے عمدہ اخلاف و ائمہ نقل میں دست اندازی کی۔ اس راوی سے حدیث

اس تاریخی استدوار میں حافظ سجاد کی طرف یہ نہیں بتایا ہے کہ جو عمر کا بعض میں جرح و تعدیل سے فن میں امامت کا مقام امام عظیم کو حاصل ہے بلکہ یہ بھی وضع کر دیا ہے کہ امام روحانیوں ذاتِ برائی کا بھی ہونے کی حیثیت میں توثیق و تہمت کے میدان میں صرف حرافی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان استادانِ شمیمیت ہے اور اسد جرح و تعدیل میں یہ کوہِ ساری حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ حافظ سجاد کی یہ تصریح ہے

نكلم في التوثيق والتجريح طائفة من الائمة فقال ابو حنيفة -

راویوں کی توثیق و جرح پر امام کی یہ جماعت نے سب اشخاص کی چنانچہ اوصیہ نے فرمایا
 کسی بنا پر امام مرتضیٰ نے اپنی جامع میں جرح و تعدیل پر امام عظیمہؒ کے ان دو فقرے
 کو بالاسناد کتاب الععل میں روایت کیا ہے۔

حدثنا محمود بن غیلان قال حدثنا ابو یحییٰ الحماتی قال سمعت ابا حنیفہ یقول ما رأیت احدا کذب من حاسر الجففی ولا الفصل من عطاء۔
 ماہ و ضعیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے زیادہ جھوٹا اور عطاء سے زیادہ قاضی کوئی نہیں دیکھا۔ (۱)

اس روایت کا تعلق راویوں کی حرج و تعدیل سے ہے اور امام نے اسے سند کے طور پر پیش کیا ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مائتہ مذکورہ ایک امام اعظم کا شمار ان اماموں میں ہے جس کی بات حرج و تعدیل کے موضوع پر سند ہے۔ باعظا و غیر اس کا مطلب یہ ہے کہ امام اعظم کے منہ سے نکلے ہوئے تعدیل میں عطاء کے متعلق اور حرج میں جابر پیش کے متعلق دو فقرے مر حدیث میں وہ ائمہ فہم کی بنیاد کی اہمیت ہیں۔ پہلا فقرہ یعنی ہدایت الفصل میں عطاء میں اسی راجح علم تعدیل کی اور دوسرا فقرہ یعنی ہدایت الکذب میں حاکم الحنفی علم الحرج کی۔ اور تعدیل بھی معموں رواد کی نہیں بلکہ امام فہم کی فرمائی ہے۔ اور صرف امام ترمذی نے نہیں بلکہ امام نسائی نے بھی امام ابو حنیفہ کی اس موضوع پر اسناد بنی حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب المدخل میں اسے متصل عبد الحمید الحنفی کے حوالے سے لکھا ہے۔

سمعت ابا سعد الصعالي وقام الى ابي حنيفة فقال يا ابا حنيفة ما تقول
في الاخذ عن الثوري فقال اكتب عنه فانه ثقة ما خلا احاديث ابي
اسحاق عن الحارث و حديث جابر الجعفي -

میں نے ابو سعید کو امام ابو حنیفہ سے یہ کہتے سنا ہے کہ آپ کی سفیان ثوری سے روایت کے بارے میں کیا رائے ہے؟ فرمایا ان سے حدیثیں نکھو کیونکہ وہ ثقہ ہیں لیکن ان کی وہ حدیثیں نہ نکھو جو بحوالہ ابو اسحاق از حارث ہیں۔ اور حدیث جانہ بھی بھی نہ نکھو۔ (۱)

حافظ ابن تیمیہ نے تکرر الخلقہ میں ابو الزناد احمد بن قاسم کی تعدیل کرتے ہوئے
جہاں دوسرے ائمہ بخلاف ان کے تعدیل کلمات درج کیے ہیں کہ وہ احمد دہاتے ہیں کہ جو تکرار
ربیعہ سے زیادہ عالم ہیں۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں ان سب سے
پہلے امام اعظم کے یہ تعدیل کلمات نقل کیے ہیں
روایت ربیعہ و ابوالرماد و ابو الزناد الحقہ۔

میں نے یہ اور اوقات کا ادوس کو دیکھ سے ہیں اور تاریک واقعہ ہیں۔ (۴)
 مشہور عالم جعفر صادق سے کون واقف نہیں ہے حافظہ یہی ہے ان کی قدیم مرتے
 ہوئے جہاں کئی بن معین ورا و حاتم سے ان کی توثیق ملتی ہے اب ان کا مضمون ہے یہ قدیمی
 کلمات بھی نقل فرمائے ہیں۔

عن ابی حنیفۃ ما رأیت الفقه من جعفر بن محمد۔
 اسی بنا پر ہمیشہ اس فن کے اماموں و جرح و تعدیل کے موضوع پر امام عظمیٰ
 سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ حافظ عبد القادر قرشی فرماتے ہیں:
 اعلم ان الامام نا حنیفۃ قد قبل قوله فی الحرج و التعدیل و نقوہ عہ
 علماء هذا الفن و عملوا بہ۔

تحدیث کے یہ مقدمات وہ بھی امام عظیم ہیں۔ (۱) انہیں یہ بتے ہیں کہ مومن
ایک کے پاس دوسرے کو امام عظیم کی بات سے قیود میں دیکھیں پھر اس کی طرف
سراپا توجہ ہو جائے ہم امام اعظم سے پوچھتے وہ ہم سے حدیثیں بیان کرتے۔ (۲)

تاریخ رجال میں امام عظیم کی مسرت اور رازی کا چہرہ ہزاروں واقعات سے بھی
نہایت خوبصورت منجھنے سے ثابت کہ امام عظیم سے پوچھ لیا کہ اگر میں نے وہ تہہ
نہ نہ تو کیا شواہد بیان کرتا؟ فرمایا میں نے ان سے تہہ بندہ جس چاہے۔ پوچھا اس
سے پاس تہہ بندہ موقوف کیا کرتا؟ فرمایا شہور فسادت کرتا اور تہہ بندہ خریدے۔ پوچھے
والے نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

المحرم بليس السراويل اذالم بعد لارو۔

محرم و شہور پہنے جب اسے تہہ بندہ احتیاج نہ ہو۔

امام اعظم نے جواب میں فرمایا کہ:

لم يصح في هذا عندي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم شيء۔

یہ کہ روایت اس موضوع پر حضور و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت صحیح
نہیں ہے۔ (۳)

اور کیا کہہ سکتا ہے کہ ایک تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت میں بات
ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام والے کو شلوار پہننے سے منع فرمایا۔

کی حدیث کے بارے میں یہ ایسا کہ یہ صحیح ہے یا غلط۔ صرف اسی شخص کے پاس سے
جس کی روایت پر ظہر ہو اور اس کا طریق ثابت ہو اس سے امام عظیم کا یہ فرمانا کہ یہ حدیث صحیح
نہیں ہے اس بات کی اہمیت نہیں ہے کہ امام عظیم تاریخ رجال سے چور سے ظہر پر واقف تھے۔
امام مالک سے حسب اس حدیث کے بارے میں کہیں سوال کیا گیا تو امام مالک کو جواب یہ تھا
لم اسمع بهذا ولا اؤى ان بليس المحرم سراويل۔

میں سے یہ حدیث نہیں کہی تھی اور امام مالک سے یہ حدیث نہیں کہی تھی
کی گنجائش نہیں ہے۔

الغرض امام مالک اور امام ابو حنیفہ دونوں ہی احرام والے کے لیے شلوار پہننے کے
حوالے سے قائل نہیں تھے حدیث کی حد تک ایک بار تک یہ فرق ہے اور دوسرے امام مالک
حدیث کے بارے میں یہ حدیثیں ہیں کہ میں سے یہ حدیث نہیں۔ اور نہ سننا اس کے نہ
ہونے کی دلیل نہیں اس لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام مالک کی جانب سے یہ قدرت پیش
کرنے کا خیال آگیا۔

کان حديث ابن عباس لم يلقه۔

یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک وہ حدیث نہیں سنی۔ (۱)

برخلاف امام عظیم کے کہ انہوں نے یہ حدیث دیکھی کہ میں نے یہ حدیث سنی نہیں ہے

بلکہ فرمایا ہے:

لم يصح في هذا عندي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

اور ان باتوں میں بہت بڑا فرق ہے یہ کہ میں نے نہیں سنی اور وہی میں نے نہ سنی ہے
اس کے لم يصح سند سے چلتا ہے۔ اس کے ساتھ میں سے کہ حدیث قاضی ہو جاتا ہے لیکن اس کی
صحیح کا حوالہ دینی یہ نہ مقرر ہے اس پر پوری نہیں اتنی سند۔ بعد حدیثیں کے یہاں حدیث
اس کو مستحکم نہیں ہے کہ کوئی روایت اس سے کہ حدیث میں نہ تھی اس لیے حدیث میں نہ تھی
ابن حجر مستحکم ہے کہ حدیث اس میں نہ تھی اور حدیث میں نہ تھی اس لیے حدیث میں نہ تھی
کی سے اور ہاتھ نہ تو روایت کی حدیث کا حدیث میں نہ تھی اس لیے حدیث میں نہ تھی
الطریق امام مالک سے اس کی حدیثیں یہ تھیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں

قال القرطبي اخذ بظاهر هذا الحديث احمد فاجاز ليس المحرم

السراويل للمحرم الذي لا يجد النعلين والا زار على مالهما واشترط

الجمهور قطع الحنف وفتح السراويل۔

قرآن فہمات میں اس حدیث کے خلاف پہلا فقرہ ملے گا یہ ہے کہ انہوں نے یہ قطع
و شہوار کے بیٹے و بیٹے ہی میں جا سکتی ہے کیوں کہ انہوں نے یہ قطع
و شہوار کے بیٹے و بیٹے ہی میں جا سکتی ہے۔ ()

حافظ ابن کثیر نے اسے مسلم لکھی اور جمہور مشرق کا مذہب قرار دیا ہے لیکن اس موضوع پر امام عجمی کا خیال کا مذہب اس روایوں سے باطل حد کا نہ ہے۔ امام اعظم اس صورت میں حدیث کی تصدیق یا تردید فرماتے ہیں۔ چنانچہ حافظ و دیگر اشیب فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔ میں نے امام عجمی سے دریافت کیا کہ ایک شخص جس نے حدیث محدث سے حاصل کی ہے یا اس سے یہ کہی شے نہ وہ حدیث ہے؟ فرمایا کہ ہاں میں نے اسے کہی شے نہ کہ وہ یہ ہے نہ حدیثی فلاں اور سمعت فلاں۔ اور اس کا یہ کہن یہاں ہے جیسے کہ اس سے ثابت قرآن و حدیث و روایات ہے اور بد کے کہ اس سے میرے سامنے اس بات کے ساتھ مدد بہت باقاریا ہے۔ (۱)

ایک اور سے موقع پر اشیب حدیث کی نظر رہیں

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سنا کہ انہیں ثوبی و راوی حنفیہ سے دریافت کیا کہ ایک شخص شیخ کے سامنے حدیث پڑھ رہا ہے تو کیا اسے نقل روایت کے موقع پر حدیث کی روایت سے اس کا متفق جواب یہ تھا کہ وہی مضی کہیں۔

امام ابو یوسف کی حاکم و ابی یوسف سے روایت شیخ کے فرماتے ہیں

میں نے امام مالک سے سنا کہ انہیں ثوبی و راوی حنفیہ سے پوچھا کہ محدث کے سامنے ایک شخص خود حدیث پڑھتا ہے مگر وہ کہتا ہے کہ حدیثی فلاں اس بار سے میں آپ کا خیال سے اس کا جواب یہ تھا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ میں نے اسے روایت کی ہے۔

محدث محدث نہیں کہ یہ کہتے ہیں

میں نے اس سے اس کے سامنے اسے روایت کی ہے کہ میں نے اسے امام ابو حنفیہ سے سنا ہے کہ اس کے سامنے پڑھ رہا تھا تو میں نے اس سے انہیں میں اس میں کوئی بھی مضی نہ ہوتا تھا کہ یہ اس کا تھیں کہ انہیں روایت (۲)

امام نووی نے تقریب میں اسے روایتی حدیث کے محدثین کا مذہب قرار دیا ہے ہونے اس موضوع پر امام بخاری کی کمالی کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ وفات ہے

انہ منہب الزہری و مالک و ابن عیینہ و یحیی القطان و البخاری و جماعة من المحدثین و معظم الحجاز و الکوفس۔ (۱)

قاضی میمنہ کا خط سیوطی کا خط اس کی تصحیح میں اس حدیث میں امام نووی نے ہم روایت کیا ہے۔

تخلی روایت اور اجازت

تخلی روایت کے طریقوں میں سے اجازت بھی محدثین کے یہاں یہ طریق سے محدثین کی روایت میں اجازت یہ ہے کہ شیخ کی بھی شخص و اپنی روایت کی روایت کا روایت یا تحریری پر ہے۔

اجازت کی ایک نہیں بلکہ محدثین کے یہ یہ متعدد صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی خاص شخص کو کسی خاص حدیث کی اجازت دی جائے مثلاً میں نے اس سے حدیث کی اجازت دی ہے۔ جمہور محدثین اس کے حوالے نقل میں اور اس طریق سے بھی روایت کی روایت کو درست کہتے ہیں۔ چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں

والصحيح الذي قاله الجمهور من الظهور واستمر عليه العمل حوار الرواية والعمل بها۔

اس کے برائے صحیح اور سب کا عمل جس پر سے روایت کی ہے اس کی روایت اور اس پر عمل درست ہے۔ (۲)

میں محدثین میں مشہور امام غفرلہ نے اس کے حوالے نقل میں اور اس طریق سے روایت کی ہے کہ وہی نے تقریب میں امام احمدی کے حوالے سے امام غفرلہ نے اس کے حوالے سے روایت کی ہے کہ وہی نے تقریب میں امام احمدی کے حوالے سے روایت کی ہے۔ چنانچہ احمدی نے تصحیح کی ہے

قال ابو حنبلہ و ابو یوسف لا يجوز لرويه للاحارہ مطلقا۔ (۳)

(۱) تقریب میں ۲۳۵ (۲) تقریب میں ۲۴۵ (۳) ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

تحمل روایت اور مناد

تحمل روایت کے طریقوں میں سے ایک طریق مناد بھی ہے۔

مناد یہ ہے کہ محدث طالب کو اپنی مسوعات پر مشتمل کتاب دے دے اور کہہ دے کہ اسے قرینہ کی جانب سے روایت کرو یا طالب و کتاب کا نام بتا دے یا بیٹھنے سے اپنے کتاب جاریت دے یا طالب شیخ کے پاس اپنی مسوعات کی کتاب لے کر آئے شیخ اسے بطور طالب کوہدے کہ تمہیں اس کتاب سے مشتقات کی قرینہ کی جانب سے روایت کی اجازت ہے اس و عرض سنا دیتے ہیں۔ اس موقع پر محدثین سے یہاں یہ سوال اجڑتا ہے کہ یہ حدیث اس کا یہ نسخہ ہے؟ اس اجڑے ہوئے سوال کے جواب میں علماء مختلف نمایاں ہیں۔ امام ہادی نے بتایا ہے کہ امام ربیع بن زید بن سعید مجذبی نے بعض مقامات پر ایسا ہی روایت کیا ہے ابو اسحاق ناکی ابن ابی اسحاق ناکی ان تمام ان سب کی بات یہ ہے کہ عرض مناد قوت میں تحمل روایت کی ہوگی صورت عام سے بڑا بڑا رہتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں امام ابو حنیفہ شافعی ثوری امام اوزاعی اور عبد اللہ بن مبارک وغیرہ کہتے ہیں کہ عرض مناد ہر جگہ عام اور قرأت علی الشیخ دونوں سے کمتر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

والصحيح انهم اعطوه عن السماع والقراءة وهو قول الثوري والاوزاعي وابن المبارك وابي حنيفة.

یعنی یہ کہ مناد عرض کا مقدمہ اس وقت علی الشیخ سے نیچے ہے یہی ثوری اوزاعی ابن مبارک اور ابو حنیفہ کا کہنا ہے۔ (۱)

اور امام حاکم نے اسی بات کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح پیش فرمایا ہے:

امامهم، الاسلام لدين التواقي الحلال والحرام فانهم لم يرووه سماعهم الشافعي والاوزاعي و ابو حنيفة والثوري وابن حنبل وابن المبارك.

فقہ اسلام جو اسلام میں حلال و حرام کا قوی دیتے ہیں وہ عرض مناد و سماع قرار نہیں دیتے جیسے شافعی اوزاعی ابو حنیفہ اور ثوری وغیرہ۔ (۲)

بہر حال امام اعظم کا مدعی اس موضوع پر یہی ہے کہ عرض مناد عام و قرأت سے کمتر نہیں ہے۔ اور متخرین محدثین نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔

تحمل روایت کی باقی صورتیں جنہیں صاحب مدنی و بصیرت اور ابوداؤد پر بھی محدثین نے یہاں تفصیلی بحث اصول حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ میں تو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ علم حدیث کی ہر شاخ میں امام اعظم کی جلیل قدر خدمات موجود ہیں اور محدثین نے ہمیشہ سے اس فن میں ان کی جرات شان کا پابنا ہے۔ کی چنانچہ حافظ ابن مبارک نے مشہور محدث یزید بن ہارون کا امام اعظم کے بارے میں یہ تاثر نقل کیا ہے:

ادرکت الف رحل و کنت عن کثره ما رایت فیہم افقہ ولا اروح ولا اعلم من حمزة اولہم ابو حنیفہ۔

میں نے ہزار ہا محدثین کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے اور ان میں اکثر سے احادیث لکھی ہیں لیکن ان سب میں سب سے زیادہ فہم سب سے زیادہ پارسا اور سب سے زیادہ عالم صرف پانچ ہیں۔ ان میں اولین مقام ابو حنیفہ کا ہے۔ (۱)

محدث صحیح کی سے شیخ سلام حافظ یزید بن ہارون سے بھی اسی کے قریب قریب روایت کیا ہے۔

کان ابو حنیفہ تقیاراً لهذا عالما صدوق اللسان حفظ اهل زمانه. (۲)

اور امام ربیع بن سعید القطان نے مشہور مقدمہ حدیث اور شرح اقدس میں اسے امام میں وہ فرماتے ہیں

انه والله لا علم هذه الامة بما جاء عن الله ورسوله.

والله امام ابو حنیفہ اس امت میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (۳)

امام ابو عبد اللہ ان سے اپنی مشہور کتاب معرفۃ علوم حدیث میں نوع التاسع اور یحییٰ

میں ان امر کا تذکرہ کیا ہے جن کی حدیثوں کو حفظ و ذکر اور برکت کے لیے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

هذا النوع من هذه العلوم معرفة الائمة الثقات المشهورين من التابعين و اتباعهم ممن يجمع حديثهم للحفظ والمداكرة والتروك بهم وبذكرهم من الشرق الى الغرب۔

یہ قسم علوم حدیث میں سے ان معتد مشہور تابعین اور تابعین تابعین کے نام سے ہے جن کی حدیثوں کو حفظ و ذکر کے لیے یاد کیا جاتا ہے اور جن سے روایات باطنی و شرقی سے مغرب تک جن کے ذکر سے برکت ملی جاتی ہے۔ (۱)

یہ عنوان قائم کر کے امام حاکم نے ہر ایک کلمہ مضمر شامی کے ساتھ جو یہ ذکر و یادداشت و تراجم کے محدثین کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں امام ابو حنیفہ کا نام بھی مذکور کیا ہے۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ امام اعظم محدث ہونے کی حیثیت سے محدثین کی صفائی میں صرف جانتے بچتے نہیں بلکہ بارگاہ محدثین میں ان کی خدمات و امامت علم حدیث میں مسلم ہے۔

حدیث شاذ اور امام اعظم:

یہ امر واقعہ ہے کہ آج بھی تدوین حدیث کے بعد حدیث کے نام پر جو بھی سرمایہ موجود ہے وہ تمس قسم کا ہے۔ کچھ وہ حدیثیں ہیں جس کے الفاظ محفوظ ہیں۔ اور کچھ وہ ہیں جو الفاظ تو محفوظ نہیں لیکن ان کے معانی محفوظ ہیں۔ اور کچھ حدیثیں ایسی ہیں جن کے الفاظ میں اختلاف ہے اور ساتھ ہی ان کے راویوں کی عدالت بھی اختلافی ہے۔ قسم اول اور قسم ثانوی محدثین اور فقہاء سے یہاں مفہوم و دلوں کی زمین میں اختلافی ہے اور آخری قسم خواہ محدثین نے یہاں صحت اور ثبوت کے لحاظ سے اختلافی ہے۔ چنانچہ حافظ ابو بکر عثمان الحنفی فرماتے ہیں:

احادیث محدثین کے یہاں، زہر ضبط میں اس طرح آتی ہیں کہ کچھ روایات ہیں جن کی نقل میں تضاد اور مسلم حدیث کے بعد احادیث محفوظ ہو گئے ہیں۔ یہی وہ حدیثیں

ہیں جو۔ قسمی حدیث سے پتہ چلتا ہے۔ چوتھ حدیثیں وہ ہیں جن میں جاتی تو محفوظ ہیں مگر اصل الفاظ تک محدثین کی رسائی نہیں ہوتی ہے۔ اور چوتھ حدیثیں وہ ہیں جن کے الفاظ مختلف ہیں اور جن کے راویوں کی عدالت بھی اختلافی ہے۔ یہی وہ حدیثیں ہیں جن میں علمیں ہوتی ہیں۔ فنکاری اصول صحیح کے مطابق ان میں صحیح ضعیف کی تمیز کر سکتے ہیں۔ (۱)

محدثین نے صحیح حدیث کی تعریف یہ بتائی ہے کہ جس کے راویوں میں مضبوط حدیث کے ساتھ سند کا اتصال ہو اور اس میں شذوذ اور حجت قاطعہ نہ ہو۔ گو یہ حدیث کے کئی نمونے ہیں ایک نامزیر مثالی شاذ یہ ہے کہ وہ شاذ نہ ہو لیکن شاذ کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں محدثین میں باہم اختلاف ہے۔

حافظ ابن کثیر نے حافظ ابو یعلیٰ اصفہانی سے شاذ کی یہ تعریف نقل کی ہے

والذي عليه الحفاظ ان الشاذ ما ليس له الاسناد واحد يشد به لفظه او غير لفظه۔

لفظ کے یہ ایک شاذ یہ ہے کہ اس کی صرف ایک سند ہو اور اس میں شذوذ نہ ہو۔

ثقل اس میں شذوذ پیدا کر رہا ہو۔ (۲)

اور امام حاکم نے شاذ کی یہ تعریف بتائی ہے

هو الذي ينفر دبه الثقة وليس له منابع۔

ثقل راوی کا ایسا یگانہ بیان جس کا منبع کوئی نہ ہو شاذ کہلاتا ہے۔ (۳)

لیکن حافظ ابن الصلاح نے دونوں پر اپنی رائے قید کی ہے کہ حدیث شاذ وہ ہے جو امام بخاری کی پہلی حدیث بھی شاذ ہے اور اس پر تفصیلی تبصروں سے پتہ چلتا ہے۔

فرماتے ہیں

(۱) شذوذ حدیث کی تعریف بقا میں ہے کہ حدیث میں اختلاف ہو۔

بحوالہ۔ (۲) اختصار علوم الحدیث ص ۵۵ (۳) معرفت علوم الحدیث ص ۱۱۹

اس تحریف کی بنا پر یہ حدیث ہمارے اس باب میں بھی شامل ہے۔ یہ اندازہ یہ بھی یہ
ذات کے تحت نہ مشہور و رسمی حدیث علیہ وسلم سے مفرد روایت کرتے ہیں یہ
حضرت عمرؓ سے ملنے بھی مفرد روایت کرتے ہیں اور عقلمند سے اسے روایت کرے
میں محمد بن ابراہیم اور محمد بن ابراہیم سے یحییٰ بن سعید مفرد ہیں۔ محدثین کے
ایک ہی ثابت ہے اور اس سے بھی زیادہ واضح مثال مبدعہ بن ابیہار کی یہ
حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں عن اربع الولاء وحبہ۔
اس میں بھی مبدعہ بن ابیہار مذکور ہے۔ یہ بھی وہ حدیث جو بحوالہ مالک ازہری
اس کتاب میں سے کسی میں نہ ہے۔ حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم کے داخل ہونے اور
آپ کے سر پر ڈھال تھی۔ اس میں مالک امام زہری سے مفرد ہیں۔ یہ سب
روایت صحیحین میں موجود ہیں اور ان کی سند بھی صرف ایک ہی ہے جس کا تعلق
مذکورہ سے ہے۔ غرض کہ صحیح میں اس کا ذکر فرما دیا ہے۔ امام مسلم کا یہ قرار ہے۔
کہ امام زہری کی نوے حدیثیں ہیں جن کی اس میں دو مفرد ہیں اور اس کی
کوئی بحوالہ نہیں کرتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح سے اس زمین کا نام دہلی میں مشکل کا خواہی عمل بھی پیش فرمایا
ہے لیکن وہ بھی ان کی زبانی سن لیجئے وہ فرماتے ہیں:

اصل مقدمہ یہ ہے کہ کوئی روایت مفرد پیش کرتا ہے تو ہمیں اس پر غور کرنا
چاہیے کہ اس کی یہ روایت اگر اس سے زیادہ کسی حافظ و ضابطہ کی روایت کے خلاف
ہو تو یہ شاذ و نادر ہے۔ اور اگر اس کی روایت میں خلاف کا کوئی پہلو نہ ہو تو پھر اس
مفرد روایت کو ارجح جانے کا حکم اس اور شدہ ہو تو اس کے خلاف شرف پذیرانی
دیا جائے اور اس میں یکایت قانع نہیں ہوگی جیسا کہ پہلی مثالوں میں سے اور اگر
راوی کے حفظ و اتقان پر مجرور نہ ہو تو اس کی روایت دائرہ محنت سے خارج تصور
کی جائے گی۔ (۱)

قاضی بدر الدین بن محمد نے حافظ ابن الصلاح کی اس پیش فرمودہ قرار داد کی
تائید فرمائی ہے انیس حافظ محمد بن برہم نے اس پر بھی ایک سوال قائم کر دیا ہے اور بہت جلد
ابن وچاں کے بعد نتیجہ یہ نکالا ہے کہ:

شاذ اور کثرت کی بنا پر حدیث میں محدثین کے لیے قدرے حد شل ہوگئی۔ (۱)
یہ خالص محدثانہ رنگ میں اس محدثین کا نقطہ نظر ہے جن پر شاذ روایت مانع
ہے۔ دوسری صدی میں شاذی تحریف اور اس کی حقیقت و آشکارا کرنے سے لیے محدثین نے
حوادث اختیار کیا ہے وہ اس سے بالکل جدا گانہ ہے۔ امام عظیم ابو حنیفہؒ میں حدیث و شاذ
قرار دیتے ہیں جو اس موضوع پر آئی ہوئی دوسری حدیثوں اور معانی قرآن سے صرف ہو۔
پانچ حافظ ابن مبدعہ نے امام اشعریؒ کے نقطہ نظر و ایک مقدمہ پر محدثین و جواب دیتے ہیں۔
اس طرح واضح کیا ہے:

کثیر من اهل الحديث استحوذوا بطعن على ابي حنيفة لورده كثيرا من
اخبار الاحاد العلول لانه كان يذهب في ذلك الى عرضها على ما
اجتمع عليه من الاحاديث ومعاني القرآن فما شذ من ذلك روه
وسماه شاذاً۔

بہت سے محدثین نے امام ابو حنیفہؒ پر اس لیے اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے بہت
سے شاذ مضمون کی حدیثوں پر عمل نہیں کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب باوجود
یہ تھا کہ وہ خود اس باب کی دوسری حدیثوں اور معانی قرآن سے مجموعہ سے
کراہتے۔ آخر واحد کا مضمون اس سے مطابقت حاصل ہوتا تو اس پر عمل کرتے اور نہ
اس کو قبول نہ کرتے اور اس کو شاذ حدیث فرماتے۔ (۲)

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ امام اعظمؒ اس حدیث کو شاذ بتاتے ہیں جو
معانی قرآن اور اس موضوع پر آئی ہوئی دوسری حدیثوں کے خلاف ہو۔ امام اشعریؒ کے

میں سے یہ موقف قابل ملاحظہ ہے اور امام صاحب کی مام صاحب کے ساتھ ہیں۔ کسی مام صاحب حدیث میں طلب کی تصدیق فرماتے تھے۔ شریعی فرماتے ہیں کسان ممالک بصرہ۔ امام صاحب سے ضعیف تھے۔ (۱) تین حالات کے تحت طبیعتوں اور مزاجوں میں اختلاف رونما ہو گیا۔ جس سے مزاجوں میں عقیدہ کا رتبہ غالب تھا نہیں امام اعظم کی سمجھائی تھی۔ چنانچہ امام شافعی سے حوش، ان قریب قریب تھے، امام صاحب سے قریب قریب ہے وہ فرماتے ہیں کہ شافعی یہ نہیں سمجھتے کہ حدیث روایت کر کے جس کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا بلکہ شافعی نے حدیث روایت کی حدیث روایت کر کے جو عام دوسری کی روایت کے مخالف ہو۔ (۲)

جس تک میں سمجھتا ہوں کہ بحال ہماروی الناس سے امام اعظم کے موقف کی تائید فرمائی ہے۔ تین پانچ مام موصوف نے تیسری صدی کا کچھ حصہ پایا ہے اور اس میں مام موصوف نے ان کے خلاف پارہ میں مام موصوفی تھیں اس نے تیسری مام موصوفی میں سے متاثر ہو گئی ہے اور معاملہ صرف روایت و اسناد پر آ کر ختم کیا ہے۔

قاضی ابویوسف نے انکی روایت کو شاذ قرار دیا ہے۔

جو کتاب و سنت کے موافق نہ ہوں اور جو فقہاء مجتہدین میں معروف نہ ہوں۔

چنانچہ وہ ایک موقع پر لکھتے ہیں

بابک و شاذ الحدیث و عذیبک بما علیہ الجماعة من الحديث وما

يعرفه الفقهاء ما يوافق الكتاب والسنة۔

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں

وهو عندنا شاذ و الشاذ من الحديث لا يؤخذ به۔

یہ حدیث شاذ ہے اور شاذ حدیث ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے۔ (۳)

سرخانی دوسری در تیسری صدی کے محدثین شاذ حدیث کے موضوع پر مختلف ادیان

ہیں۔

(۱) مناقب ابن ۳۱ (۲) توضیح الآثار من ۳ (۳) رد المحتار من ۱۵

روایت بالمعنی اور امام اعظم:

اس نقطہ پر متقدمین اور متاخرین سب کا قریب اتفاق ہے کہ اگر روایت کرنے والا حافظ و عارف نہ ہو تو اس کے لیے روایت بالمعنی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن ہشام فرماتے ہیں۔

أروني شخص حدیث بالمعنی روایت کرنا چاہے تو اگر الفاظ اور مقاصد روایت سے آشنا نہ ہو تو سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کے لیے روایت بالمعنی جائز نہیں ہے۔

اسے روایت بالفاظی کرنی چاہیے۔ (۱)

امام نووی فرماتے ہیں کہ:

أما إذا ورد مقصد من آثارنا هو اور معانی کے ذمہ چنانچہ سے ناواقف ہوں تو بال

اتفاق اس کے لیے روایت بالمعنی ناجائز ہے روایت باللفظی کرنی چاہیے۔ (۲)

حافظ ابن ہشام نے اختصار علوم الحدیث میں بھی تصریح فرمائی ہے۔ لیکن علماء کا اس

موضوع پر اختلاف ہے کہ اگر راوی عالم و عارف ہو تو کیا اس کے لیے روایت بالمعنی کی کوئی

گنجائش ہے حافظ و دیگر اہل علم نے کثرت سلف کی طرف نسبت کر کے لکھا ہے کہ وہ اسے بھی

ناجائز کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

سلف کی کثرت اور حدیث میں ارباب تحقیق کہتے ہیں کہ روایت بالمعنی ناجائز ہے

بدون نیت ضروری ہے کہ روایت باللفظ ہو اس میں کسی قسم کی کوئی کمی یا زیادتی اور کسی

طرح میں تقدیم اور تاخیر نہ کی جائے۔ اس موضوع پر کچھ روایات ہم پیش کر چکے ہیں

نہایت عام اور غیر عالم میں اس موضوع پر کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ (۳)

حافظ جلال الدین السیوطی نے اسی کو سلف میں قاسم بن محمد امام ابن سیرین اور رجاء

بن حیوہ کا مسلک قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

كان القاسم بن محمد و ابن سيرين و رجاء بن حيوة يعبدون الحديث

على حروفه۔ (۴)

(۱) مقدمہ من ۹۵ (۲) تہذیب من ۳۱ (۳) لکھنؤ فی علوم العربیہ من ۱۸ (۴) تہذیب العربیہ من ۳۸

الحریمة ان يحفظ المسموع من وقت السماع والهمم الى اول الاداء وهذا مذهب ابی حنیفة فی الاخبار والشهادات۔

عزیمت یہی ہے کہ سنی ہوئی بابت کو سننے اور سمجھنے کے وقت سے نقل روایت کے وقت یا دور کے یہی اخبار و شہادات میں ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ (۱)

اور عزیمت کے مقابلے میں رخصت بنا کر جس چیز کا ذکر کیا ہے وہ محدثین کی رخصت نہیں بلکہ اس کا مثالی ہے۔ اس کی قسمیں وہی حدیث معلوم ہو اور اس سے وہی قسمیں علمی استفادہ کرتا ہے۔ تو یہ آپ جواب میں حضور اور رسول اللہ علیہ السلام کے ارشاد اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ مثلاً اسے ارشاد ہے کہ یہ وہی حدیث ہے جو اسے پہلے ہوئی تھی۔ لیکن اس میں بنیادی شرط یہ ہے کہ اول:- ارشاد کا تعلق حکمت سے ہو۔

... بیان کرنے والا وجود حق سے آشنا ہو۔ اس کا مثالی ہے کہ اگر ارشاد عام ہو تو اس میں روایت بالاعتبار نہ ہوتی ہے۔ یہی ہے کہ اگر ارشاد مشکل مشتمل ہے اور مجلس کا حال ہو تو پھر روایت بالمعنی کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسبی رقمطراز ہیں:

والرحصة ان ينقله بمعناه فان كان محكما لا يحتمل غيره يجوز نقله بالمعنى لمن له بصيرة في وجود اسعة لالتقيه المجتهد وما كان من حوامع الكلم او المشكل او المنسرك او المحتمل لا يجوز نقله بالمعنى للمكمل۔

رخصت یہ ہے کہ حدیث میں روایت بالمعنی کی جواز ہے بشرطیکہ وہ مکمل ہو اور روایت کرنے والا وقت اور اس کی کمزوریوں سے واقف ہو۔ اور اگر حدیث عام ہو تو پھر بالمعنی روایت غیر مجتہد کے یہ ناجائز ہے۔ ایسے ہی وہ حدیثیں جن میں حوامع العلم مشکل مشتمل ہیں اور مجلس آگے سے ان میں روایت بالمعنی ناجائز ہے۔ (۲)

فقیر مجتہد کی قید بھی یہ تانے کے یہ کافی ہے۔ وہ وقت ہی میں روایت کے معانی و اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ اس موقع پر وہ الفاظ میں ترجمہ کی ضرورت محسوس نہیں

حضور و رسول اللہ علیہ السلام کی حدیث کا ترجمہ یہی ہے کہ اس کی روایت بالمعنی ہوتی ہے۔ اس حالت میں اس قسم کا کوئی ترجمہ نہیں نہ ہوسکتا نہ ایک صورت میں روایت بالمعنی کر سکتا ہے اور وہ یہ کہ وہی حدیث کا الفاظ ہوں اور ساتھ ہی حقیقی طور پر اس کے معانی سے بھی پورا واقف ہو۔ اس حالت میں اگر اس سے کوئی مسئلہ روایت یا جواب دہ تو یہ فقہ کی حیثیت میں حدیث کے لئے اور مدلول کو جواب میں اپنے الفاظ میں پیش کر سکتا ہے۔ یا کسی سے مباہلہ کر رہا ہو تو ساتھ استدلال میں اپنے غلطوں میں حدیث کے معنی پیش کر سکتا ہے۔ یہی قرآنی آیات کا حکم ہے۔ اس حدیث میں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اگر راوی سونے کی حیثیت میں حدیث بیان کرے اور ارشاد میں حضور و رسول اللہ علیہ السلام کی طرف نسبت کرے تو اس کے یہ تاثر یہ ہے کہ الفاظ بات دیتے ہی پیش کرے جیسے کہ ہیں اس میں حرف کی کمی تبدیلی جائز نہیں ہے چاہے الفاظ میں معنی تراویف بھی ہو۔ (۱)

میں بحث میں کہ مدعی قاری نے امام احمد کے مذہب میں اس موضوع پر جو نقاب کشائی کی ہے اس کا مفاد بھی قریب قریب یہی ہے اور فقہاء اصوبین نے روایت بالمعنی میں جو رخصت دی ہے ان کا مفاد بھی اسی قسم کی رخصت کی نشاندہی ہے۔ یہ حال امام اعظم امام مالک و زہریہ جہاں کے الفاظ میں سلف کی اثبات کا مذہب یہی ہے۔ لیکن جہاں محدثین میں کی پابندی نہ کر کے انہوں نے پہلے ثابت کے سارے الفاظ کی رخصت و ذہبی کیا۔ بعد ازیں راوی سے معرفت کی قید کو یہ بہرہ دیا کہ صرف سو یا نہ سو حدیث روایت کر سکتا ہے اور معلوم ہے کہ الفاظ کی کمرانی اگر لفظ کے ذریعے ہوتی ہے تو معانی کی تفہیم کا واحد ذریعہ معرفت سے نہیں محدثین کو اس میں شدت معلوم ہوتی تا آنکہ حنفیہ و شافعی نے بڑا اس کی غلطی کی یہ کہہ کر حکایت کی

هذا مذهب شديد فلداستقر العمل على خلافه.

یہ مذہب بہت سخت ہے محمد ثنی کا عمل اس کے خلاف ہے۔

اور اس شکایت کے بعد انہوں نے واشکاف لفظوں میں اقرار کیا کہ

لعل الرواة في الصحيحين ممن يوصفون بال حفظ لا يملغون النصف۔

شاید صحیحین کے نصف راوی بھی حفظ کی قید پر پورے نہ آتے ہیں۔

اس کے بعد محمد ثنی نے بارگاہ میں روایت بالمعنی کی حاکمیت اس کی ہے۔

اس سلسلے میں محمد ثنی کی تصریحات یہ ہیں:

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

اگر راوی عالم ہو الفاظ اور اس کے دلالات سے واقف ہو۔ جمہور علماء نے روایت

بالمعنی کو جائز قرار دیا ہے اور اسی پر عمل ہے۔ (۱)

حافظ ابو بکر الخطیب بغدادی لکھتے ہیں:

جمہور فقہاء کہتے ہیں عالم ہونا موقع احباب کے لیے روایت بالمعنی جائز ہے اور حدیث

اس میں اتفاق ہے کہ جاہل بمواقع الخطاب کے لیے یہ ناجائز ہے۔ (۲)

حافظ ابن الصلاح رقمطراز ہیں:

صحیح یہی ہے کہ سب صورتوں میں روایت بالمعنی جائز ہے بشرطیکہ راوی عالم ہو۔ (۳)

امام نووی فرماتے ہیں:

جمہور سلف اور خلف مختلف موضوعوں میں سے کہتے ہیں کہ سب میں روایت بالمعنی

جائز ہے جبکہ قطعی طور پر معنی کی ادراک کی کر سکا ہو۔ (۴)

علامہ الجزیری نے اس موقع پر جو بیانات دیے ہیں اس سے پوری صورت حال

واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

علماء کا ایک گروہ تو یہ کہتا ہے کہ روایت بالمعنی مطلقاً ناجائز ہے یہی اکثر محدثین المتقدم

(۱) اختصار علوم الحدیث: ص ۱۴۱

(۲) الکلیات: ص ۱۹۸

(۳) مقدم: ص ۸۵

(۴) تقریب: ص ۳۱۲

اور مصنفین اور علماء یہ کا مذہب ہے۔ عبد اللہ بن عمر اور تابعین کی ایک جماعت سے

بھی یہی فتوا ہے اس سے دو سنی اسنادی اور ابو یوسف رازی کا بھی یہی کہتا ہے۔ امام

قطعی فرماتے ہیں کہ امام کا بھی صحیح مذہب یہی ہے اور امام کا یہ ارشاد

کہ لا اکتب الا عن رجل يعرف ما يفخرج من راسه (میں صرف اس شخص

کی روایت قلم بند کرتا ہوں جو اپنے سر سے نکلے ہوئی بات کو جانتا ہے) اسی کا موید

ہے۔ یہ وہ بات ہے کہ اس سال کے جواب میں فرمائی تھی کہ آپ کے زمانے

پانے کے باوجود بہت سے قویوں سے روایت کیوں نہیں لی؟ یہ امام مالک نے

اپنے بہت سے قویوں سے بھی روایت نہیں کی تھی جو فضل و تقویٰ میں مشہور تھے۔

مذہب یہ ہے کہ یہاں اپنی حدیثوں کے حارف نہ تھے۔ امام بیہقی در خطیب

بعد ازیں نے نقل کیا ہے کہ امام مالک حدیث میں روایت بالمعنی کے حوافر سے قائل

تھے اور باقی میں سے درست سمجھتے تھے۔ بعض برہمنوں نے روایت بالمعنی میں

تنہا اختیار کیا ہے۔ وہ حدیث کی تبدیلی کو بھی گوارا نہیں کرتے چاہے وہ حارف

نہی یا نہ ہو اور حدیث کی تقدیم و تاخیر کو بھی پسند نہیں کرتے بلکہ بعض تو مشدد کو

مختلف اور مختلف و مشدد ذریعے سے بھی روکتے ہیں اور اس کا موقف یہ ہے کہ اگر

روایت میں کسی اور جے میں بھی تبدیلی ہوئی تو اس سے راوی اس و مید کا مصداق ہو

جائے گا۔ جو اس سلسلے میں سنی ہے اور اس لیے بھی روایت بالمعنی درست نہیں ہے

کہ حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت راوی جو افعیٰ افعیٰ کی صفت سے

موصوف ہے اور آپ کے ساتھ اور راوی کو وفادار و بدعت سے کہتے ہیں اور آپ

مقدم پر مشہور و سنی مذہب و علم کی روایت بھی نہیں پاسکتا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ہمارے

اوقات روایت بالمعنی کے لیے چند مفسرین ہوتا ہے کہ اس کے معنی حلقہ و اثر

یا بین فی الواقع یہ ہیں جو اس حدیث میں مشہور ہو سکتا ہے۔ مثلاً کے

حرف و مشہور حدیث میں تو مقدم ہے اور سب ہی جانتے ہیں نہیں شعبہ کی نے

جب اسماعیل بن علیہ سے یہ حدیث سنی کہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

و مسلم ان یتروعر الرجل لورائے اپنے نظروں میں اس طرح پیش جائے۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الترمذی۔ تو معاملہ کہیں کا نہیں پختہ کیا۔ شعبہ کی روایت، یعنی اسے ایک عمومی ضابطہ کی صورت اختیار کر لی جبکہ اسماعیل کی روایت اسے محدود سے مخصوص بنا رہی تھی۔ معاملہ میں قی پوری نزاکت ہے اور راسخ بھی ایسی کہ شعبہ جیسا امام فن محسوس نہ کر سکا لیکن اسماعیل نے تازلی اور شعبہ کو تادیب (۱)

اور پوری وضاحت اور قوت سے یہ بات لکھنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ
كان ينبغي ان يكون هذا المنصب هو الواقع ولكن لم يبق ذلك
اچھا تو یہی تھا کہ یہی منصب اختیار کیا جاتا مگر ایسا نہیں ہوا ہے۔ ایسا نہیں ہوا تو پھر کیا ہوا؟ یہ بھی ان کی زبانی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:

ذهب جمهور العلماء الى حوازي الرواية بالمعنى لمن يحسن ذلك
بشرط ان يكون جازماً بأنه ادى معنى اللفظ۔

جمہور علماء نے روایت بالمعنی سے جو روایت یا ہے بشطیکہ راوی کو مطلب کی پہلی پریقین ہو اور اسے اس کا ذہن آتا ہو۔ (۲)

کے محل نہ ہو گا۔ اس موقع پر ۵۲۵ھ تک یہ محقق کی رائے پر بھی نظر ہوا تھا۔۔۔ حدیث میں روایت بالمعنی کے جوہر نے جو عام شکل اختیار کر لی تھی اس پر بحث کرتے ہوئے یہ قابل مصلحت رقمطراز ہیں

روایت بالمعنی میں یہ اختلاف صرف زمانہ صحابہ تک ہے صحابہ کے علاوہ کسی کے لیے بھی روایت بالمعنی کی گنجائش نہیں ہے چاہے راوی معنی کو اپنے الفاظ میں کیسے ہی بھر پور انداز میں پیش کرے۔ اگر ہم صحابہ کے بعد دوروں کے لیے بھی اس کی گنجائش پیدا کر لیں تو ہم حدیث کی روایت پر اعتقاد نہیں کر سکیں گے کیونکہ یہ ایک

ہمارے زمانے تک منتقل میں تبدیلی کرتا ہے اور اپنی۔۔۔ سے صرف کی جہد و ف لے آتا ہے اس طرح خبر ختم نہیں رہتی۔ صحابہ کا معاملہ باطل اس کے بعد میں اس میں دوبارہ خصوصیتیں ہیں۔ ایک فصاحت و بدعت کیونکہ اس کی جہت مبنی سے اور ان کی زبان میں صحیح یقین سے۔ اور یہ کہ صحابہ نے حضور و رسولی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو آنکھوں سے دیکھا ہے۔ مشاہدہ معنی کے سمجھنے میں معین و مددگار ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ محدثین میں۔ میں آسان طریق ہوتا ہے۔ صحابہ احادیث میں جو یہ تعبیر اختیار کرتے ہیں کہ امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہکذا۔ تو حضور کے الفاظ کو نہیں کرتے بات حضور کی ہوتی ہے اور الفاظ کا چارہ صحابہ کا ہوتا ہے۔ یہ خبر بالکل صحیح ہوتی ہے اس میں کسی انصاف پسند کے لیے شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (۱)

اس حد تک دوسری صدی کے محققین میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ بات صحابہ کی حد تک ایک عقلی ضابطہ کی بات ہے۔ واقعی یہ بہترین مسد کا حل ہے اور اس میں کسی بھی دور میں نہیں ہوئی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ہوا کیا؟ یہ فی الواقع روایت بالمعنی حدیث میں صحابہ تک محدود رہی ہے؟ افسوس ہے کہ اس کا جواب محدثین کے یہاں نفی میں ہے۔ مبنی تو عربی تھی اور محدثین روایت کرنے والے حدیث کو بالمعنی روایت کیا ہے حتیٰ کہ عربی اب درجہ و لغت کے یہاں حدیث کی زبان بھی اس وجہ سے محبت و استدلال کی زبان نہ رہی۔ حالانکہ مال اللہ بن ایسیوطی نے اس پر سیر حاصل کیا ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تو زبان کی حد تک اس کے صرف اس حصے سے استدلال کیا جاسکتا ہے جس کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ روایت بالمعنی ہوئی ہے اور یہ حدیث ہے حدیث اور تادیب ہے "وذلك سائر حداثاً" صرف چند گنتی کی چھوٹی چھوٹی حدیثوں کو چھوڑ کر اکثر حدیثوں کی روایت بالمعنی ہے اور یہ روایت بالمعنی بھی عمیوں اور محدثین کے ہاتھوں تادیب حدیث سے پہلے ہوئی ہے۔

ان لوگوں نے اسے اپنے اندر میں بنی عمارت میں روایت کیا ہے انہوں نے ہی پیش بھی کی ہے اور تقدیم و تاخیر بھی در غلط تبدیلی بھی۔ (۱)
اور اس آخری دور میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے بھی تصحیح کی ہے کہ
حمهور الروافہ کانوا یعتنون بروس المعانی لا یسعون اشیہا۔

عام راوی صرف روایت بالمعنی کرتے ہیں اور بس۔ (۲)

بعد علامہ جزیری نے قیاس یہاں تک لکھا ہے کہ

روایت بالمعنی پر مشتمل حدیث سے صرف اصل مسئلہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے کسی ظہری حدیث میں تقدیم و تاخیر یا حروف عطف وغیرہ سے کوئی استدلال نہیں ہو سکتا ایسی ہی غلط اور سبکی تفسیر بھی کوئی استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ روایت بالمعنی کرنے والے راویوں کی اکثریت نقل روایت میں اس کا نہ کوئی استمرارت کرتی ہے اور نہ غلط۔ علامہ حدیث کے پندرہ راوی قیاس میں جن کو عربی زبان سے بھی پڑنی اقلیت نہیں چاہتا یہ روایت اور اس کے اسرار و لطائف سے۔ (۳)

میں چاہیے کہ حدیث کے اس پہلو پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔

یقیناً روایت بالمعنی کا اردو فارسی میں نہ صرف عربی زبان میں ہی رہتا تو محدثوں میں اتنی تحقیق نہ ہوتی جس قدر یہودی جرمانی اور صیہونیت کے محسوس کی ہے کہ روایت بالمعنی کی حد سے حدیث کی زبان بہت زیادہ رہی اور حدیث میں اہل علم اور اجتہاد یہ بات سے استدلال نہیں ہو سکتا یہ وہ حد ہے جس میں عرب تھے اور سانی جاتوں اور اقوام کے ساتھ متظہر کے مدق بن سے جو چاہتے تھے۔ ان کے اہل پختہ اور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا بڑا اثر تھا۔ ان سے اپنے آپ ہی بات اور آپ کے واقعات و احداث کی حیثیت عام انسانی وقایع جیسی نہ تھی۔ آپ کی یہ باتیں تو یہ ہیں یہ شہادت آپ کی زندگی کے ایک ایک عمل سے اور محض اصل سے تھیں تو ان سے پہلے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ وجود جانتے تھے کہ ہمیں سے پیش جاتے تھے اور یہ پانچ و تیرین شخصیت میں علم و ادب سے مالا مال کر رہی تھیں۔

وہ آپ کی ہر بات کو چوری قویہ سے سنتے اور آپ کے ہر کام کو دیکھتے تھے یونہی ان کو اپنی زندگی میں ای کی کاپی کرنی بھی ظاہر ہے کہ اس احساس کے ساتھ آدمی جو کچھ سنتا اور دیکھتا ہے اسے سمجھے اور یاد میں دوہرا لکھاری سے کام نہیں لے سکتا۔ وہ قرآن کی زبردستی بھی جانتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار متنبہ کرنے سے بھی ان کو اس کا شدید حساس تھا کہ نبوت کے ذمہ جھوٹ تراش کر ایک سنگین گناہ ہے۔ وہ اپنے اندر اس بات کی بہت بڑی امداداری محسوس کرتے تھے کہ بعد کے آنے والوں تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور آپ کی ہدایت و تعلیمات کو پہنچنا قرآن کا مدد کرنا ضروری ہے۔

لنکونوا شهداء علی الناس ویكون الرسول علیکم شہیدا۔

اسی وجہ سے صحابہ کے حالات میں اس قسم کے واقعات کثرت ملتے ہیں کہ حدیث بیان کرتے ہوئے وہ کانپ جاتے تھے ان کے چہرے ہارنگ فٹ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے جو عمر و الشیبانی کی رہائی حضرت عہد بن مسعود کے بارے میں انکشاف کیا ہے کہ

میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس بیٹھا، اسی سال بھر کبھی وہاں پر قال رسول اللہ نہ تھا۔ اگر کبھی آتا تو چپکے چپکے ہو جاتی اور فرماتے کہ حضور نے یوں فرمایا جس جیسا میں نے قریب فرمایا۔ (۱)

پھر اگر برسی۔ خاص طور پر صحابی حدیث روایت کرنے میں مگرانی کرتے تھے اور روایت میں احتیاط کی تعلیم کرتے تھے۔ امام ابن کثیر نے حضرت ابوہریرہ کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ احادیث میں احتیاط و تحویق کی تعلیم کرتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم کے متعلق بھی یہ انکشاف پایا ہے۔ انہوں نے محدثین سے یہ نقل روایت میں احتیاطی شرطیں جو قائم تھیں۔ حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں خاص طور پر لکھا ہے کہ

فقد رحر الامام علی عن رواية لمکرو وحث علی التحلیث بالمشہور۔

حضرت علی نے منکر روایت سے منع کیا ہے اور مشہور روایات کو بیان کرنے کی

تذکرہ لکھی ہے۔ (۲)

اور ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ زمانہ سنیہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا بہت بڑا حصہ دو تھ جس کی حیثیت محض زبانی روایات کی نہیں تھی بلکہ صحابہ کے معاشقہ میں ان کی شخصی زندگیوں میں ان کے گہروں میں ان کی معیشت اور حکومت و عدالت میں ان کی پوری خطرانی تھی اور غلط فہمی اس کے آثار و نقوش ہر طرف و ہر طرف و ہر طرف پھرتے نظر آتے تھے پورا معاشقہ اس کو متاثر کرتا تھا۔ فقہاء کی زبان میں اسی کا نام سنہ ہے اور حدیث اسی کی تاریخ ہے اور یہ اسلئے ہی زمانہ تابعین میں حدیث کی صحت کا یہ معیار بن گیا تھی۔

حافظ ذہبی نے دور تابعین کے بارے میں جملہ خلاصہ کے آخر میں جو نوٹ لکھے ہیں اس کو پڑھ کر آپ دور صحابہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

مسلمان عزت و برتری میں اور علمی و فہمی میں بہت اونچے مقام پر تھے۔ جہاں کے پھر یہ لہر اڑ رہے تھے شہر و اعیان پر تھیں درمیتیں سرنگوں۔ اہل حق کرنے والوں کی کثرت تھی۔ عبادت گاہوں کا ہجوم تھا۔ پوری انسانیت رمدگی میں تھی اور چمک کا سانس لے رہی تھی۔ اسلامی فوجیں اقصائے مغرب میں جہاز جوش اور ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ (۱)

یہ دور تابعین کی نقاشی ہے صحابہ تو پھر صحابہ ہیں

قیاس کن زنگستان من بہار مرا

سہر حال سنیہ کی ذات ترائی کا موضوع بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر روایت بالمعنی کا اور کار سنیہ پر امام تک سنی محدث و محدثین میں اتنی نیکی ہرگز نہ آتی۔ اسی بنا پر امام عظیم کے روایت بالمعنی کا عقباری مقدم سنیہ کے بعد ہے۔ چنانچہ ان کے یہ الفاظ صریح اس کی دلیل ہیں کہ:

لا ینبغی للرجل ان یحدث من الحدیث الا بما حفظہ من یوم سمعہ الی یوم یحدث بہ۔ (۲)

سوال تو صحابہ سے لینے کے بعد روایت کرنے والوں کا ہے کیا ان کے لیے بھی روایت بالمعنی کی گنجائش ہے جب کہ ان میں نیکی اور صدقہیں بھی ہیں۔ اس بارے میں امام عظیم کا موقف وہی ہے جو علامہ قاری سے پیش کیا ہے۔ اگرچہ محدثین کے دربار سے اس پر تحدید کا تو روایت سے یکن فی حقیقت تاریخ سنہ کی یہ بڑی ہی درد انگیز بے انصافی ہے جو حدیث کے اس عظیم الشان نام کے ساتھ باور رکھی گئی ہے۔ جس طرح بے درایت چینیوں نے سے سمجھنے کی کوشش میں ان کی طرح معتقدوں نے بھی اس کے فہم و بصیرت سے حدیث میں بے رحمی اختیار کر لی۔ دروں کا پتہ نہیں مگر میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ فخر الاسلام بزدلی نے ضبط کی تخریج کرتے ہوئے جو یہ لکھ دیا ہے کہ:

ضبط کا مفہوم یہ ہے کہ علامہ وایت طریق سے نہ جائے جیسے سننے کا حق ہے یا پھر اس کی مراد سمجھ جائے پوری کوشش سے یہ یاد جائے پھر اس کی حفاظت کر کے اس کی پابندی کی جائے۔ "راستہ" اور "تک" اس کے مذکورہ کا اہتمام کرتے رہنا چاہیے مبادا وہ ذہن سے اتر نہ جائے۔ (۱)

تو اس سے یہ ملاحظہ بھی ہونی چاہئے کہ ضبط میں غلط کا یا درکنہ اس کی حفاظت کرنا بنیادی شرط ہے۔ اس لیے یہ ایک بے غبار حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک روایت بالمعنی کی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اور فخر الاسلام ہی سے روایت بالمعنی پر شدید پابندی جو حافظ ابن امام نے نقل کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں

والعریضة فی الاداء باللفظ ولو حصصه معاه ملافص وریادة للعالم باللفظ و مواقع الالفاظ وقال فخر الاسلام اللفظ محو المشرک والمحمل والمنشاء بحلاف العام والحقیقة المحتملتین للحصوص والمعاذ انما المحکم منہما فتکفی اللفظ۔

عزیمت تو روایت میں حافظ سنی اور سنی ہے اور رخصت روایت بالمعنی ہے بڑے طیکہ رومی رہاں اس اور معانی غلط سے واقف ہو اور کی زیادتی نہ کرے اور فخر الاسلام

اس میں مشر و مشر و بھی داخل ہیں۔ حافظ ابن الدین عراقی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے راویوں کو آنکھ کیا تو ان کی گنتی پچاس ہوئی۔ حافظ ابن مندہ در جامعہ سے معنی پاتے کہ مشر و مشر و اس کی روایت پر جمع ہیں۔ امام بخاری جامعہ سے حوالے سے فرماتے ہیں

لَا نَعْلَمُ مِنْهُ اتِّفَاقٌ رَوَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخِدَاءُ
الْأَرْبَعَةُ ثُمَّ الْعَشُورَةُ الَّذِينَ شَهِدُوا لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِالْحَنَّةِ لَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ أَكْبَاهِرِ الصَّحَابَةِ عَلَى تَفَرُّقِهِمْ فِي الْبِلَادِ الشَّامَةِ
غَيْرِ هَذِهِ السَّنَةِ۔

ہمارے علم میں سن کوئی حث نہیں ہے جس کی روایت پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے
خلفاء راشدین مشر و مشر و اور یحییٰ بن یساق پر متفق ہوئے ہوں۔ اس سے اس حدیث کے (۱)
یاد رہے کہ یہ تواتر بخیر تحریر کے وقت رفع یدین کو حاصل ہے میری رائے میں یہ
تعمین پڑھ چکے ہیں حافظ محمد بن ابی ایوب ۲۰۰ نے بھی یہ بات حدیث کا بھی سے کہ

فَمِنْ أَهْلِ ذَلِكَ حَدِيثُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ مَكْرُوهٍ الْآخِرَةِ بِالْصَّلَاةِ (۲)
یعنی وجہ سے یہ بخیر تحریر کے وقت رفع یدین پر امت میں بھی نہیں
ہوئی تھی۔ علامہ شافعی نے فی الاوطار میں حافظ ابن ترمذی سے منقول ہے کہ علامہ ابن کے
حوالے سے اور حافظ ابن حجر مستدری نے فتح الباری میں حافظ ابن مندہ سے حوالے سے تعبیر
تحریر کے وقت رفع یدین کو یہ کہہ کر پوری امت کا فیصلہ قرار دیا ہے کہ

جَمِيعُ الْعُلَمَاءِ عَلَى جَوَازِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الْفِتَاحِ الصَّلَاةِ۔

تحریر کے وقت رفع یدین پر پوری امت کا اجماع ہے۔ (۳)

یہ اسنادی تواتر ہے اور یہی محدثین کے یہاں زیر بحث آتا ہے۔ حافظ ابن کثیر اور
علامہ شافعی نے ختم نبوت سے متعلق حدیثوں کے بارے میں اسی تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ علامہ
جزیری نے یہاں ایک فیصلہ کن نوٹ لکھا ہے اس بعد اس کا ذکر تحقیق حدیث سے خالی نہیں
ہے۔ وہ فرماتے ہیں

جب ملوے یہاں متواتر کا ذکر آتا ہے تو یہ شخص کا اس متواتر کی قسموں کی
حرف ہی جاتا ہے یعنی متواتر لفظی۔ علامہ کا ہند حدیثوں کے بارے میں اختلاف ہے چھ متواتر
جاتے ہیں اور کچھ انکار کرتے ہیں اس میں محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ بڑا محض غلطی سے انہوں
صحیح کہتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ متواتر سے ان کی مراد تواتر معنوی ہے اور جو انکار کرتے ہیں اس کا
دعا تو تر لفظی ہے علامہ اصول کہتے ہیں کہ آس تو تری سے ثابت ہے لیکن سنت تو تواتر
انہوں سے ثابت ہے لیکن سنت میں متواتر سے۔ بدرجہ فیصلہ یہی ہے کہ سنت میں تواتر
صرف تواتر معنوی ہے اور جو بھی سنت میں تواتر کا دعویٰ ہے اس کی مراد تواتر معنوی ہے۔

تواتر عمل:

اسی کو تواتر کہتے ہیں۔ زمانہ نبوت سے لے کر آج تک کسی کام کو کرنے والے
اس قدر ہوں کہ حافظ ابن کثیر پر متفق ہو جائیں ہوں۔ اسلامی عبادت امت کو ان تواتر سے
ملی ہیں اور فاضل نہیں بلکہ واجبات و سنن بھی انی راہ سے آئے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
اس کی ہدایت کو انوار صحابہ کے ہاتھ سے لے لیا۔ ان کی شخصیات رنگین ہیں اس سے ان
میں ان کی معیشت میں ان کی تعمیر کا ہوں میں ان کی عبادت اور ان کی حکومت میں حسن
سچہ کرام کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کے ہر گوشہ میں مس اسوۂ حسنہ کا شہد گاہ تھا اور جس و
ان سے والدین ابوہمیرہ ماحسان کی قیاس میں تاجین نے یہ درجہ ان کی تاجیں سے
کاپی کی ہے اسی و محدثین تاجین کی زبان میں مسند اور سی کا نام فقہاء اربعہ میں سے
یہاں صاعیہ الجماعة سے۔ فاروقی کا نام و رو کی رقیقہ رمضان کے روزے اتان کی
رہتیں متواتر رکوع میں آٹھ سو اور تکی کے وضو میں مسواک کا استعمال اسی تواتر عمل سے
ثابت ہے اور یہ بات سب سے اہم ہے کہ عمل میں قول سے زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ اس پر
جمالی تبصرہ نقلی الامت بالقول سے دلیل میں گذر چکا ہے۔ اس کی طاقت کا مدار اس سے ہوتا
ہے کہ اگر سند کے لحاظ سے حدیث ضعیف بھی ہو لیکن اس کی پشت پر عمل کی قوت و قوت حدیث
بھی صحیح قرار پائی ہے بلکہ حافظ شافعی نے لکھا ہے کہ

بَنْزِلُ مَنْزِلَةِ الْمُتَوَاتِرِ فِي أَنَّهُ يَنْسَخُ الْمَقْطُوعَ۔

(۱) توضیح ابی کار بن ۲۴ ص ۴۴ (۲) تہذیب سنن ابی داؤد ص ۱۲ (۳) فتح الباری ص ۱۲۰

اس کے ساتھ ساتھ جیسا معاملہ ہوتا ہے جتنی اس سے قطعی منسوخ بھی ہو سکتا ہے۔ (۱)
محدثین نے تواتر عمل کی وجہ سے ایک سے زیادہ ضعیف حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے۔
مثلاً حدیث "لا وصیة لوارث" الفاظ مختلفہ میں مروی ہے اور امام ترمذی نے اس کے پانچ طریقوں
کی تصحیح اور چھ کی تیس بھی فرمائی ہے لیکن حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں

لا یخلو اسناد کل منها عن مقال

اس کے باوجود انہوں نے لکھا ہے کہ۔

جصح الشافعی فی الام الی هذا السن مع الزم۔

اس کے متواتر ہونے کی وجہ خواہ شافعی نے جو بتائی ہے وہ ان کی زبانی ہے۔
وحدنا اهل العباد ومن حفظا عنهم من اهل العلم بالمعاری من قریش
لا یحتلمون فی ان السی صلی اللہ علیہ وسلم قال عام الفتح لا وصیة
لوارث" ویاتر وہ من لفوہ من اهل العلم فکان نقل كافة عن كافة
فہو قوی من نقل واحد۔

ہم نے اہل قوی کو اور ان اہل علم کو جن سے ہم نے سماع کا علمی سرمایہ حاصل کیا ہے۔
پایا ہے کہ وہ اس میں متفق ہیں کہ حضور انورؐ نے فتح مکہ کے سال لاوصیۃ لوارث
فرمایا ہے اور یہ لوگ اس ارشاد کو اپنے سے قبل اہل علم ہی سے نقل کرتے ہیں۔ اس
لئے یہ نقل کا ذمہ کا فہ ہے یہ خبر واحد سے بھی قوی ہے۔ (۲)

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تواتر عمل کی کئی قدر طاقت ہے۔ اس پر تو
تاہین صحیح حدیثوں کا جانچتے تھے اور حدیث کی صحت کا یہ ایک معیار تھا۔

تواتر قدر مشترک:

حافظ سیوطی اس کو تواتر معنوی کہتے ہیں۔ اسی روایت جو متعدد طرق سے آئی ہو الفاظ
مختلف ہوں واقعات الگ الگ ہوں لیکن اس میں وہی قدر مشترک ہو مثلاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

ن شبہ بیداری سے سوسے میں وہی آتا ہے۔ آپ سے پانچ حدیثوں پر بھی۔ وہی بات وہی
کوئی گیارہ وہی تیرہ وہی پندرہ وہی سترہ ہوتا ہے۔ حدیثوں میں تواتر قدر مشترک
قدر مشترک ہے۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں۔ عام میں۔ حدیثوں میں تواتر قدر مشترک
کا تواتر ہے۔ اس موضوع پر حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے سترہ یا دو حدیثیں آتی ہیں۔

بیسے قرآن تو تراویح کے ذریعہ سنت ہوتا ہے۔ یہی سنت ہر مکی و مدنی بھی
امت کو تواتر عمل تو تراویح اور قدر مشترک کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اور میں ثابت ہے کہ
میں بتا آیا ہوں۔ بیسے قرآن کے یہ قراءہ سعودی روایت ہیں۔ یہی سنت ہے کہ
محدثین کی روایات میں نہ تو قرآن پر روایات قراءۃ اللہ عزوجل آتی ہیں۔ اور سنت پر روایات
محدثین۔ اور نہ قرآن کا قرآن ہونا قراءہ سعودی روایات پر موقوف ہے اور نہ سنت کا سنت ہونا
روایات محدثین پر موقوف ہے۔ حدیث تو اصل تواتر سنت اور اس کی روایت ہونا ہے۔
حدیث کے اس روایتی سلسلے سے پہلے مکی سنت ہو چکی اور اس سے بعد بھی ہے۔ امام ترمذی
ابو شاہ کشمیری نے کیسی عجیب بات فرمائی ہے کہ۔

کان الاسناد لشلابہ دخل فی الدین مالیس منه لالیخرج من الدین

ماثبت منه من عمل اهل الاسناد۔

روایت و اسناد کا سلسلہ اس لیے بروئے کار آیا تھا کہ دین میں وہ چیز نہ آنے پائے

جو دین میں ہے اس لیے میں کہہ دین سے ثابت شدہ چیز خارج کیا جائے۔ (۱)

قرآن ہو یا سنت دونوں روایتی سلسلے سے الگ ہو کر متواتر ہیں۔ قرآن چونکہ ایک

مکی چیز ہے اس لیے نہایت قریبی مکی سے سنت یہ مکی چیز ہے اس لیے وہ مکی ہی ہوتا ہے۔

ہے۔ اسی بنا پر احناف نے حدیث مشہور کی عام شاہدہ سے بہت کر یہ تعریف کی ہے کہ

ماکان احاد الاصل متواترا فی القرن الثانی والثالث۔

اور حافظ ابو یوسف نے اسی بنا پر مشہور متواتر حدیثیں حدیثوں میں تواتر روایات

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس میں ہے کہ وہ اپنی حدیثوں سے امام اعظم کے صحیح کی تعریف

شہادت کے لئے شہادت کے لئے شہادت کے لئے شہادت کے لئے شہادت کے لئے
قد کن الامم مو حبیہ بشرہ فی الحدیث المصنوع عن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قبل العمل بہ ان یروہ عن ذالک اصحابی
جمع اتقیاء عن مثلہم ہکذا۔

نور حدیث سہروردی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ
چند یہ شرطیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ وہ حدیث صحیحہ ہو۔ ۲۔ وہ حدیث
کرتی چلی آئے۔ (۱)

یہ حدیث لوگوں کی ایک جماعت صحابی سے براہ نقل کرتی آئے اس حدیث
میں اس حدیث کے صحابیوں کی تعداد نہ دیکھی گئی ہے۔ اس حدیث کے
مستندین نے اس حدیث کو رد کیا ہے۔ اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث
میں اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے
مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے

احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس حدیث کو رد کیا ہے۔ اس حدیث کے
مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے

اس حدیث کی شہرت کا اعتبار قرن دوم و سوم میں ہوگا۔ قرآن مجید کے بعد شہرت کا
اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس زمانے میں اخبار آحاد مشہور ہو گئی تھیں حالانکہ ان کو مشہور
نہیں کرتے۔

اخبار آحاد اور امام اعظم:

خبر واحد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی ایک دو یا اس سے زیادہ ہوں لیکن اس
میں شہادت کے سبب نہ ہوں۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو رد کیا ہے کہ
قرآن مجید میں اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے

ہذا ابو حبیہ بقول ماجاء عن اللہ تعالیٰ فعلی الواس و العین و ماجاء
عن بقول ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لسمعا و طاعة
و ماجاء عن الصحابة تحیرنا من الفوالہم ولم یخرج عنہم و ماجاء عن
التابعین فہم رجال ونحو رجال۔

یہ ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ اللہ سبحانہ کی جانب سے آئے یعنی قرآن وہ سر
مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے
مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے
مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے

ابو حمزہ السکری نے امام اعظم کا جواب نقل کیا ہے وہ اس سے بھی واضح ہے۔
امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث صحیحہ سنو
آئے ہم اسی کو لیتے ہیں اور اس سے آگے نہیں جاتے۔ (۲)

ابو حمزہ کو امام حافظ الدین ابن المیزان کردی نے مناقب میں امام اعظم کے خلاف
میں اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے
مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے
مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے مستندین نے اس حدیث کے

قوانین عامہ پر جزئی اور خصوصی واقعات اثر انداز نہیں ہوتے۔ کیونکہ قواعد کلیہ قطعی ہوتے ہیں اور حوادث جزئیہ نفی ہوتے ہیں۔ گمان دوم سے یقین و اذعان کی عمارت منہدم نہیں ہو سکتی اور نہ ظن میں یقین کا مقابلہ بننے کی تاب ہے۔ نیز قواعد کلیہ دلائل قطعیہ سے غذا حاصل کرتے ہیں اس لیے ان میں کسی دوسرے اصول کی کشت و کشت نہیں ہوتی۔ خلافِ مذکور یہ ہے کہ یہ اصول ہر وقت ہر آن دوسرے احتمالات کا امکان رہتا ہے۔ احادیث و اخبار کی حیثیت جزئیات کی ہے اور قواعد کا مقام کلیات کا ہے۔ (۱)

شریعت میں اس کی ایک سے زیادہ مثالیں ہیں۔ صرف ایک مثال بدیہہ ظہرین کرنا ہوں۔ قرآن و سنت میں وضو میں ہر کے مسح کا ایک عمومی ضابطہ قرآن میں ہے۔

وامسحوا برؤسکم

۱۔ سنت ہے جس کی حدیث ثابت متعدد مآثر سے ہے۔ جمہور میں منہجہ امامیہ کے خلاف ہے۔ ۲۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۳۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۴۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۵۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۶۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۷۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۸۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۹۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۱۰۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔

۱۔ حدیث میں منہجہ امامیہ کے خلاف ہے۔ ۲۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۳۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۴۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۵۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۶۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۷۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۸۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۹۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۱۰۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔

۱۔ حدیث میں منہجہ امامیہ کے خلاف ہے۔ ۲۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۳۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۴۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۵۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۶۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۷۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۸۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۹۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۱۰۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔

ملاحظہ فرمائی اس پر بحث کرتے ہوئے رفقہ راہ ہیں

جب بذریعہ استقرار ایک قاعدہ کلیہ ثابت ہو چکا ہے پھر اگر کوئی جزئیہ سامنے آجائے جو اس قاعدہ کے خلاف ہو تو جزئیہ کے لیے ایسا محمل جو بڑ کرنا ہوگا جس سے وہ قاعدہ عام سے ہم آہنگ ہو جائے کیونکہ قاعدہ کی کلیت کا علم تو پوری شریعت کے سسٹم کو دیکھ کر ہوا ہے یہ ناممکن ہے کہ اس خاص جزئیہ کی وجہ سے قواعد کی عمارت کو ہموار کیا جائے۔ (۱)

اس میں امام مالک بھی امام اعظم کے ہمراہ ہیں۔ اس لحاظ سے یہ دوسری صدی کے فقہاء و محدثین کا مسلک ہے۔ چنانچہ امام مالک نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۱۔ حدیث میں منہجہ امامیہ کے خلاف ہے۔ ۲۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۳۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۴۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۵۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۶۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۷۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۸۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۹۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۱۰۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔

اس مسئلے کی سلف میں اصل موجود ہے حضرت عائشہ نے حدیث ان المعیت لہ عبد بن مسعود کہ فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۱۔ حدیث میں منہجہ امامیہ کے خلاف ہے۔ ۲۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۳۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۴۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۵۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۶۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۷۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۸۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۹۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔ ۱۰۔ سند احمد بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ شَاؤَ رَأَسَهُ يَسْجُدْ"۔

الفرض دوسری صدی کے محدثین کا اثر سراسر اخبار آحاد کے بارے میں واقع ہے۔
 یہاں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

ادعاء الحبر معارضاً لقاعدة من قواعد الشرع هل يحور العمل به
 لا فقال ابو حنيفة لا يحور العمل به وقال الشافعي يحور و تردد
 مالك في المسئلة قال و مشهور قوله و الذي عنده المعلوم
 الحديث ان عاصمة قاعدة اخرى قال به وان كان وحده تركه

یہ واقعہ کی قاعدہ و ثبوت کے معارض ہو تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟
 تو فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے امام شافعی کہتے ہیں کہ جائز ہے۔ امام مالک
 مشہور اور قابل اعتماد ہیں ہے کہ حدیث کی تائید میں اگر کوئی قاعدہ ہو تو عمل

اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام مالک نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام شافعی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام مالک نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام احمد نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام حنبل نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام ربیع نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام یحییٰ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام زہری نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام سہب نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام شعبہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام قسطلانی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام عینی نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام بیہقی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام ہیثمی نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام ذہبی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام ابن کثیر نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام ابن قیم نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام ابن عساکر نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام ابن کثیر نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام ابن کثیر نے بھی یہی فرمایا ہے۔

والاصل ان الحديث لمثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم
 وجب القول به وصار اصلاً في نفسه

حدیث جب حضور النور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو اسے اپنانا واجب ہے۔
 اور وہ خود ایک اصل ہے۔ (۱)

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

الحديث الصحيح اصل بقدره (۲) حدیث صحیح خود ایک اصل ہے۔ (۲)

یہاں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

ادعاء الحبر معارضاً لقاعدة من قواعد الشرع هل يحور العمل به
 لا فقال ابو حنيفة لا يحور العمل به وقال الشافعي يحور و تردد
 مالك في المسئلة قال و مشهور قوله و الذي عنده المعلوم
 الحديث ان عاصمة قاعدة اخرى قال به وان كان وحده تركه

یہ واقعہ کی قاعدہ و ثبوت کے معارض ہو تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟
 تو فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے امام شافعی کہتے ہیں کہ جائز ہے۔ امام مالک
 مشہور اور قابل اعتماد ہیں ہے کہ حدیث کی تائید میں اگر کوئی قاعدہ ہو تو عمل

اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام مالک نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام شافعی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام مالک نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام احمد نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام حنبل نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام ربیع نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام یحییٰ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام زہری نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام سہب نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام شعبہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام قسطلانی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام عینی نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام بیہقی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام ہیثمی نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام ذہبی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام ابن کثیر نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام ابن قیم نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام ابن عساکر نے بھی یہی فرمایا ہے۔
 امام ابن کثیر نے بھی یہی فرمایا ہے۔ امام ابن کثیر نے بھی یہی فرمایا ہے۔

والاصل ان الحديث لمثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم
 وجب القول به وصار اصلاً في نفسه

حدیث جب حضور النور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو اسے اپنانا واجب ہے۔
 اور وہ خود ایک اصل ہے۔ (۱)

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی یہ
 مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

الحديث الصحيح اصل بقدره (۲) حدیث صحیح خود ایک اصل ہے۔ (۲)

کو جانا چاہیے۔ (مجم) راوی کوئی ایسا ائمہ نہیں کہ اسے جانتا ہو کہ قرآن میں
پانچوں صورتوں میں خبر واحد قابل پذیرائی نہ ہوگی۔ (۱)

حفظ ابو مرثدہ سے قرآنی آیت منعوا ہا امرل البکم من رکم پر یہ نوٹ

نکلتے

اس آیت قرآنی کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا اتباع ہمہ جاہ واجب ہے، قرآن پر
عمل کرنا واجب ہے، قرآن سے پیروی قرآن کی اتباع اور قطعاً سے امت
سے امتیاز کا ثبوت میں ہے، اس لیے اس میں کی حدیث کی بنا پر قرآن کو
پھیرنا جائز ہے، گارنٹری میں ہے قرآن پر کوئی اعتراض ہوگا۔ (۲)

اس موقع پر علامہ محدثین بخاری نے اس بیان سے چشم پوشی کرتا اس مقام سے
اسے صرف ایک حوالہ کے طور پر لیا ہے۔

محدثین کی حدیث قرآن کی نوعیت کی بنا پر روایت کرنے والوں میں
تفاوت ہے۔ علامہ ابن حزم نے جو خبریں روایت کی ہیں، ان
کے کتب میں خبر واحد کو کتاب اللہ کو ایک تراویح میں تو لا جاتا ہے ان سے اس
موضوع پر بات ہی بیکار ہے۔ (۳)

بہرحال امام اعظم اور امام مالک حدیث کی صحت کے بعد اس کی مقبولیت میں معانی
قرآن کے خلاف کوئی حجت قاطعہ نہیں ہے۔ اور اس بنا پر انہوں نے ایک سے زیادہ
حدیثوں کو عمل قرار دے کر ناقابل پذیرائی قرار دیا ہے۔ ترمذی ان حدیثوں کی حدیث
عن عبد اللہ ان عیلاً من سلمہ النعمی اسلم وله عشرة نسوة فی الجہنہ
فاسلمن معہ فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یتخیر منہن اربعاً۔

امام ترمذی نے اسے بحوالہ زہری من سالم من عبد اللہ روایت کیا ہے امام بخاری نے
تو محمد بن خالد میں یہ فیصد کیا ہے کہ

(۱) المستدرک، ج ۱، صفحہ ۱۰۱، حوالہ ۱۰۱ (۲) حوالہ ۱۰۱

(۲) المستدرک، ج ۱، صفحہ ۱۰۱، حوالہ ۱۰۱ (۳) المستدرک، ج ۱، صفحہ ۱۰۱

ہذا حدیث غیر محفوظ

اور صحیح روایت کی نشاندہی کی ہے۔ شیخ علاء الدین مغلائی فرماتے ہیں کہ:

احادیث ہذا الباب کلھا معلولہ ولست اصابتھا فویقہ۔

لیکن قاضی ابو یوسف نے اس کے بارے میں جو فیصلہ فرمایا ہے اس سے ان کی

حدیث وفقہ میں جرات شان کا اندازہ ہوتا ہے، لہذا یہ

هو عندنا شاهدو الشاد من الحديث لا یز حدیثہ۔

یہ تو محدثین کی حدیث میں سے ہے، انہوں نے اس سے اس میں کوئی شک نہ

ہے، تو یہ حدیث میں سے ہے، لہذا یہ

لا للہ تعالیٰ لہ یحق لایکاح لاریع فہا کان من فوقی دالک کلہ

فجرہ من اللہ فی کتابہ۔

یہ حدیث حدیث ہے، ایک وقت میں چار حدیثوں میں سے ایک حدیث

نہیں ہے، انہوں نے اس سے

دیکھ لیجئے معانی قرآن سے تصادم ہونے کو شاذ ہونے کی علت قرار دیا ہے۔

اسی قبیل سے حدیث معراۃ ہے، یعنی حضرت ابو ہریرہ کی مندرجہ ذیل حدیث

حدثنا ابو ہریرہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

اوتی بکری کو معراۃ نہ بناؤ جو کوئی ایسا جانور خریدے تو وہ دودھ دینے کے بعد

اختیار رکھتا ہے چاہے اسے رکھے اور چاہے تو اسے دیکھ کر اس کے ساتھ

بائع کو ایک صاع مجبور دے۔ (۲)

یہ حدیث معنی قرآن سے معارض ہونے کی وجہ سے غیر مقبول

قرآن میں ہے۔ اس حدیث کی رو سے سوا کے فی وجہ کی صورت میں خرید رکھنا جائز ہے

مجبور کی صورت میں نہ کرے، تاہم یہ کیا ہے، ہاشم عیب کی موجودگی میں مشتری کو معراج

کرنے کا حق حاصل ہے، لیکن خریدار پر دودھ دینے کی پاداش میں مجبور کا کماؤ ان قرآن کے ساتھ

(۱) حوالہ ۱۰۱، صفحہ ۱۰۱، حوالہ ۱۰۱ (۲) حوالہ ۱۰۱، صفحہ ۱۰۱

ہیں اس لیے یہ حدیث اس اصول کے مخالف ہے۔ (۱)

امام اعظم کے موقف کی اساس سے بعد ان قیاس کی جانب سے جو بات بھی منہ سے کہی ہوئی ہو حدیث پر عمل ہے۔ یعنی نہیں ان حدیث کو جو امام اعظم کے موقف میں کہیں کہیں آئی ہو۔
میں معلوم ہے معارض سے قابل قبول نہیں ہیں۔ چنانچہ اس وقت میں قیاس پر عمل کر رہا ہوں

حاصل الرد مسحر الوحد بالمحال لہ للاصول لا بمعادہ فیہ
الاصول۔ (۲)

یعنی جو اب امام شافعی کی بات میں سب سے زیادہ شاندار ہے یہی حدیث ہے جو
اصول معلوم سے نہیں بلکہ قیاس اصول کے خلاف سے ہیں علامہ ابن اقیق وید نے اس
جواب دی یہ بہ کثرت فی ہذا مظهر (محل نظر ہے) مزوری کی طرف اشارہ فرمادے۔ علامہ ابن
نجر اور علامہ خطابی و سب ان سے انکار کی گئی کہ حدیث میں ہے اصول معلوم
کے خلاف ہے تو ہوں نے اصول اور قیاس اصول سے نظر بن کر اپنے مخصوص میں سے ثابت
یہ حدیث پیدا کرانی کہ محدثین کی اصطلاحی صحت کے بعد یہ حدیث خواہی یہ اصل کی حیثیت
اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ علامہ خطابی فرماتے ہیں:

ان الحدیث اذ انت عن رسول لله صلی اللہ علیہ وسلم وحب القول
به وحصار اصلا فی نفسه۔

حدیث جب منور نور علی حدیث و محبت ثابت ہو جائے تو اسے ہٹانا واجب ہے
اور وہ حدیث خود اصل ہے۔ (۳)

علامہ ابن نجر و خطابی میں بھی یہی بات کہی ہے

الحدیث لصحیح صل بنفسہ۔ (۴)

یعنی یہ صرف ان حدیثوں کا تعلق ہے جو قرآن کے ساتھ ہی طہوت حدیث

کی قطعیت ثابت ہے۔ یہ عباد میں عباد کا موقف نہیں ہے۔ اس پر قیاسی تہدید ہے۔
مقدم پر آئے گا۔

حدیث مع قیاس کے بارے میں امام اعظم کا موقف تو یہی ہے کہ یہ حدیث معانی
قرآن سے معارض ہونے کی وجہ سے ارجح قیاس حاصل نہیں کر سکتی۔ لیکن ان قیاس کی بات یہ
ہے کہ خواہ خلاف سے بھی امام اعظم کے موقف کا صحیح بخاری میں پیش نہیں کیا ہے یہاں یہ
در چند سوالات ابھر آئے۔

میں میں ہاں کے امام اعظم کے موقف کی ترجمانی میں طرف کی کہ یہی نہ تھا
جس کے لیے کسی صورت میں بھی قیاس میں کجی پیش نہ کی گئی ہے۔ ادنیٰ فقیہ نہ ہوا ہے رائے
جائے اور یہ حدیث مع آقا کی قیاس سے ہے۔ چنانچہ حافظ مہر تقی رشتی جیسے ہیں

مدعی عیسیٰ بن اماں من اصحاب شرواط لفہ الراوی لتقدمہ لحرر عیسیٰ

القباس وخرج علیہ حدیث المصراۃ وناہیہ اکثر المتأخرین۔ (۱)

علامہ ابن نجر و خطابی علامہ ابن القیم حافظ ابن تیمیہ علامہ ابن اقیق و علامہ

شافعی کے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا ہے۔ حافظ ابن حجر قیاس تک فرما گئے

هو كلام ادى قائمه به نفسه وفي حكاية عیسی عن نكف الرد علیہ۔ (۲)

نہ اسلام یزدوی نے امام اعظم کی جو ترجمانی کی ہے وہ بھی بے شمار شہادتوں

تحقیق کا درجہ دی ہے انہوں نے صرف قیاس کا سہارا دیا ہے اور اپنے محفلوں کو یہ پور کرنے

کی کوشش کی ہے کہ چونکہ حدیث مع آقا قیاس کے معارض ہے اس لیے اسے امام اعظم کے نہیں

اپنایا ہے چنانچہ دوسری حدیث کے قبول نہ ہونے کی دعوات دیا کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وودھ کے عیسیٰ میں یہ صریح منہور کا دین ضروری سمجھ گیا ہے علامہ سے کہ وہ

خریداری اور بکری پر قبضہ کے بعد ہی وہاں گیا ہو گا لہذا وہ خریداری کی ضرورت میں

داخل ہے کیونکہ وہ اس کا مالک ہے اس لیے تاوان کا سوا ہی نہیں۔ وہ مال کی

حیثیت نہیں رکھتا بلکہ ایت ہے جیسے بکری کا بچہ۔ اس لیے شہادت پر تاوان کی کوئی وجہ

حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل کا دھم دیا تھا کہ میں چھوڑنے اور نہتے
بہت سخت سزا ہے۔ اپنی زندگی سے۔ کوشش میں لیا اور جسے خلافت راشدہ سے اپنے اور قدر
میں تو مہمات اسلام میں قانونی طور پر نافذ کیا ہے اور جسے اسلام بہرہ نیا نے یاد ہے۔
بہت حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مشہورہ ہے۔ چونکہ یہ مولانا سے اس سے اس کے
- مکمل زندگی سے بڑی قوت میں طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔ اس کی ایک مثال
جہ یہ باقرین کرتا ہوں۔

حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر مکمل اور سب سے قابل سے متویہ
تہ عدم مانی ہے کہ امامت کے لیے وہ شخص آئے ہونا چاہیے جو مطلقاً باغ و براہین ضابطہ
تالیہ میں میں ہوں۔ تشکیک نہیں ہے۔ صرف عمر و بن عمر کی ایک مندرجہ روایت سے جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے قبیلہ میں صرف چھ سال کی عمر میں امامت کی ہے۔

حدیث صحیح بخاری میں اور حدیث نوری اور بیہقی میں اس طرح آتی ہے کہ
عمر و بن عمر کہتے ہیں کہ ہم نے سب سے اسلام کی طرف پیش قدمی کی۔
میرے والد نے ہماری قوم میں سے اسلام لانے میں پہل کی۔ مسلمان ہونے کے
بعد جب میرے والد اپنی شریف سے تو تیار تھے کہ میں تمہارے لیے حضور انور صلی اللہ
علیہ وسلم کی جانب سے حق کے برائیوں آپ نے فرمایا ہے کہ قدر قدر اوقات
میں مار پڑھا کرو۔ جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک اس جگہ پر جیسے
قرآن زیادہ یاد ہو وہ امامت کرے لوگوں نے ایسا کہ مجھے سے زیادہ قرآن کی یاد
نہیں ہے۔ بعد میں آنے والے مسافروں سے ملتا جلتا رہتا تھا لوگوں نے مجھے ہی
آگے کیا اس وقت میری عمر صرف چھ یا سات سال تھی۔ میں ایک چار اونٹ پر نماز
پڑھا کرتا تھا جب میں محمد سے میں جایا تو رہنا ہو جاتا۔ قید کی ایک عورت سے کہہ دیا
قرآن پڑھنے کا نام نہ لیا تھا۔ وہیں سے میرے لیے پانچ خرید کر تمہیں تیار
کی جس قدر مجھے سزا دینی ہوئی تھی ایسی خوشی نہ ہوئی تھی۔ (۱)

تیسری صدی کے محدثین نے اس حدیث سے چھ سالہ بچے کے لیے امامت کے
حوالہ کیا ہے۔ یہاں چھ سالہ محدث محمد بن عمر کی ہے امام اہل بیت
حوالہ سے لکھا ہے کہ

امام امامہ العلام بعد ان يعقل الامامته ويقفه في الصلوة فحانرة وان له
يحتملهم وفيما قال النبي صلعم يوم القوم القراهم وان كان اصغرهم
دلالة على ذلك۔ (۱)

لڑکے کی امامت عقل و فہم کے بعد درست ہے اگرچہ ناہائج ہو اور حضور کا یہ ارشاد کہ
لوگوں میں جو زیادہ پڑھا ہو وہ امامت کرے اس کی دلیل ہے۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ
فيه حوار امامه لصبي ووجه لدلالة ما في قوله ليومكمه كثر كما قروا
من العموم۔ (۲)

یہ حدیث بچوں کی امامت کے حوالہ سے آتی ہے۔ امام اہل بیت کا مدعا ہے۔
لیکن دوسری صدی کے محدثین اور فقہاء نے اس موضوع پر سنت مشہورہ کے خلاف
مولانا سے قائل نہیں سمجھا۔ حدیث میں بعد عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ علی رضی
ماکرم اللہ وجہہ نے اس حدیث پر مکمل نہیں کیا۔ اور اس حوالہ سے یہ تاویل کر دی کہ یہ سن
نومسلموں کا اپنی حقیقتاً کہہ سکتے ہیں امام بنایا۔ اس لیے اس موضوع پر یہ حجت نہیں ہے۔
دین میں سنت کا پھیرا ہوا موضوع اور محسوس امر کی مکمل ناپاکی۔ امامت کے تعلق میں ہے۔ اس پر
بیشک صحابہ نے عمل کیا ہے۔

تاریخ سنت میں بھی اس محسوس ہے۔ مکمل کے بارے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
کا یہ ارشاد امامت کو ملا ہے۔ مثلاً مالک بن الحویرث کہتے ہیں کہ
ہم ایک وفد کی صورت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر
ہوئے تھے روز آپ کی خدمت میں رہے آپ سے ہی مہربان اور شفیق تھے جب

آپ سے ہم میں واپسی کا اشیاق محسوس یا تو رشتہ داریاں یا وہاں ہوا میں رہو
تعلیم جاری رکھو اور نماز پڑھو جب کہ وقت آئے پڑھو کہ تم میں سے ایسے
اذان کہے اور لیتو مکم اکبر کہ جو تم میں جڑا ہو وہ امامت کرے۔ (۱)

اس واقعہ کو امام بخاری نے ایک حدیث میں اپنے مختلف اسنادوں سے نقل کیا ہے۔ ان میں ریاض المسونہ اور ترمذی کے تواتر سے نصات۔

مشقی الاخبار میں اس موضوع پر صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت
عبد بن عباس کے قادی بھی نقل کیے ہیں کہ اپنے آپ امامت نہ کچاں نہیں ہے۔ اور
قیام میں بیٹ بن سعد بن ابی سہیل بن ابی اسود بن ابی سہیل بن ابی سہیل بن ابی سہیل
آٹھ بھی اسی موقف کی تائید میں آئے ہیں بعد میں یہ مباحثہ کا دو کتاب بھی نقل کیے گئے
میں نبیوں نے اپنے موروث کو جس حد تک پائی ہے کہ ان کے تواتر کے ساتھ اپنے اپنے
امام بنا دیا تھا۔ لکھا ہے کہ:

قد تم علامہ بحکمہ السنۃ مدحہ نذک الیہ امام المسلمین

فی صلاتہم۔

تم نے چھوٹے بچے کو امام بنالیا۔

امام اعظم نے ان صاف اور سیدھا روایتوں پر اپنی خدشات سے

امامت کے اس ضابطہ عام کو جو سنت کی راہ سے آیا ہے اپنی جگہ سے نہ ہٹے دیا۔

یہ تو سننا اس محبت نہ نظر تھی جس سے سنت سے ہٹنے کوئی حد سے حدیث
پایہ مقبولیت حاصل نہ کر سکتا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف یہی علت کافی ہے اس
حدیث کی صحت بالکل نکالی ہے۔

محدثین نے اس کی صحت میں بھی کلام کیا ہے۔ ائمہ فہمات میں کہ امام احمد فرماتے
ہیں کہ عمر بن سلمہ باوجود ضعیف سے اور حافظان قیام کے بدلتے فوائد میں اس روایت کے
بارے میں شک ہے۔ لیکن رحل محمول لہو غیر صحیح اس میں ایک عجیب روایت ہے

لہذا روایت صحیح نہیں ہے۔ اور تو اور حافظ بن عمر بھی حاکمیت کے باوجود یہاں بول پڑے۔
ان میں معلوم ہوا کہ حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کے معلوم ہو
جانے کے بعد اس پر غیہ میں نہ مانی تو ہم بچے کی امامت ضرور جائز کہتے ہیں
نہایت میں یہ نہیں آتا کہ زمان یا چاہے کہ عمر بن سلمہ بھی اپنے والد کے ساتھ
حضور کے پاس گئے تھے اور حضور بن سلمہ و جب حکم دے رہے تھے تو یہ بھی موجود
تھے۔ پھر بھی اس امر کا آئی نامور ہے اور نہ تکلف ہے اس لیے عمر و امامت کے
لیے غائب ہی نہیں ہیں۔ اس حکم کے غائب صرف مامورین ہیں۔ (۱)

اخبار آحاد کا توارث سے معارضہ:

امام اعظم اخبار آحاد کا توارث کے پیمانے میں بھی تولتے ہیں اور ہر اسی حدیث کو
معلوم قرار دیتے ہیں جو توارث کے خلاف ہو۔ ہی توارث والہ اور ماعلیہ الجماعة
کہتے ہیں۔ اور اس موضوع پر امام اعظم و دوری مدنی کے محدثین کی ہمنوائی بھی حاصل ہے۔
چنانچہ مصر کے مشہور محدث و نقیض بیٹ بن سعد نے امام مالک کے نام جو خط لکھا ہے اس میں امام
صوفی کے اس معیار و وضعی طور پر پیش فرمایا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں

جب کوئی ایسا مسئلہ سامنے آجائے جس پر معزز شام عراق میں حضور نور صلی اللہ علیہ
وہ وسلم سے سنی ہے رہا۔ اور عمر و مدنیوں میں عمل کیا ہوا اور اسی پر تا آخر حیات رہے
ہوں تو ہماری یہ مسئلہ کے بارے میں رہے یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کی منزل
منہ جارت نہ دی جائے کی کہ وہ کوئی ایسا کام کریں جو صحابہ و تابعین میں اس
کے اسلاف کے سر تا سر خلاف ہو۔ (۲)

امام مالک عمل میں مدنی حجت کے حوالہ ہیں اس کا معنی بھی توارث ہے۔ حافظ
بن تیمیہ کی کو عمل مستمر کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی یہ قابل اتباع حجت ہے۔ چنانچہ یہ
موقف پر وہ اعلام میں فرماتے ہیں:

میں نے اسے قریب سے دیکھا کہ میری ساری ساری باتیں اس نے یاد کر لیں۔
اور اچھا بھلا ظاہر ہے۔

[illegible]

سبحان نام اعظم الخدا، آج کو قرآن و تعالٰیٰ کی آیتوں سے ہمیں رہنمائی مل رہی ہے۔
 یہ آیتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ ہمیں اپنے آپ کو کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔
 اللہ تعالیٰ ہمیں ہر لمحہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں ہمیشہ ہمیں رہنمائی فرمائے۔

فما الاتمة وفضلاء اهل الحديث فايهم سحر الحديث لصحيح حيث كان
ان كان معمولاً به عند الصحابة ومن بعدهم او عند طائفة منهم فاما ان كان
تروكه فلا يجوز العمل به لانهم متروكه الاعلى علم انه لا يعمل به۔

امام محمد بن اور فقہاء محدثین حدیث صحیحہ کی جو روایات آتے ہیں شریفیہ و سنیہ و
تا بعض میں مضمون پر بیان جس سے یہ روایات ایک حدیث میں وائس
تجزوئے پر وہ متفق ہو چکے تو اس پر عمل جائز نہیں ہے۔ ورنہ انہوں نے یہ حال
یہ جان کر ہی چھوڑا ہے کہ یہ ناقابل عمل ہے۔ (۱)

ترغی نے جن میں اسی واپایات ترغی کا مطابقت ہے، قدم قدم پر
موضوع، حدیث ملتے ہیں اور پھر اس کی تائید میں مت کامل یہ مدد ملتی ہے کہ میں
والعمل علیٰ ہذا بعدی اہل العلم۔ اس نے اس کا اشارہ ہے کہ جو میں وہاں
حدیث کو ہی بہ واپایات عملی تائید حاصل ہے کہ یہ سچ ہے اور یہ ترغی کی شخصیت میں

(١) أنشأت على الدراسات، ص ٢٤٣

جسے تمام مسلمانوں نے تسلیم کیا ہے۔ سید احمد رضاؒ یہ فرمایا کرتے ہیں کہ: ”میرے محمدؐ میں
سندھی نے نہ مظلوم کس دلیل کی قوت سے یہ دھوکہ لگایا ہے۔“

ليس احد من المحدثين يلتفت في صحة الحديث وحسنه الى
اشراط اخلا اهل العلم له .

محمدتین میں سے وہی جس حدیث و سنت یا اس میں یہ شرط نہیں لگاتا۔ اس بل
علم کی عملی تائید حاصل ہو۔ (۱)

میں نے بعد ازاں میں نہیں نے محسوس کیا کہ امام ترمذی کا سنن میں طبعاً مکمل نہیں ہے۔ امام ترمذی کے مکمل کے لیے تاویل کا جو سہارا تلاش کرنا شروع کیا۔ جب تاویل نہ ملے تو منشی اور بات بنانے کے باوجود نہ بنی تو یہ کہہ کر طرح دے گئے کہ:

وان كان لومدي يري ذلك فهو مما احتض به على خلاف حماهير
العلماء۔ (۲)

پتہ نہیں دو تمہارے علماء و سادات میں جو اس موضوع پر کام کر رہی ہیں مختلف ہیں۔
ماہنامہ کی سطح تک طیب بغدادی، عباس مدنی، ربانی، ابو داؤد صاحب سنن و سنن میں
محدث عثمانی، ابن کثیر، ابن کثیر و غیرہ۔ اس جرم عظیم کی کالعدم کاری میں یہاں
ماہنامہ ابن کثیر، ابن کثیر و غیرہ و میرا صاحب رازی کا اعلان آپ پہلے اس موضوع
پر پڑھ چکے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث ازلہ الخلاء میں فرماتے ہیں:

الفاق سلف و توارث ایساں اہل عظیم است در فقہ

کر سامنے آجائے تو راہ کی ساری مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔
اعمال و اقوال صحابہ کا اسلام میں مقام:

بہت میں۔۔۔ اس واقعہ کا سب سے پہلا اثر اس وقتوں پر ہوا کہ ان میں سے کوئی ایک نہیں تھا۔

کا ہے۔ یعنی جو کچھ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا یا جو آپ سے حالات مشاہدہ کیے تھے ان کے مقابلے میں ان کی مرویات کی تعداد بہت کم ہے۔ اگر یہ اپنے مشاہدات اور مسوغات کو روایت کرتے تو ان کی روایات کی تعداد حضرت ابو ہریرہؓ سے کہیں زیادہ ہوتی۔ (۱)

اس کے علاوہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اس کی روایت میں حدیثیں ہیں جو حدیث میں نہیں آتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اس کی روایت میں حدیثیں ہیں جو حدیث میں نہیں آتی ہیں۔

اس کے علاوہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اس کی روایت میں حدیثیں ہیں جو حدیث میں نہیں آتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اس کی روایت میں حدیثیں ہیں جو حدیث میں نہیں آتی ہیں۔

اخبار آحاد میں مقامیت اور امام اعظمؒ:

اللہ سبحانہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے

لَا تَجْعَلُكَ عَلَى شَرْعَةٍ مِنَ الْأُمُورِ فَتَنْهَى وَلَا تَنْهَى عَنْهُ الدِّينَ لَا يَعْصِيكَ
یہ حدیث قرآن میں مذکور ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اس کی روایت میں حدیثیں ہیں جو حدیث میں نہیں آتی ہیں۔

شريعة من الامور کے معنی ہیں امر کی راہ۔ امر یا امور کا واحد ہے اور یا اوامر کا۔
اس کے علاوہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اس کی روایت میں حدیثیں ہیں جو حدیث میں نہیں آتی ہیں۔

کی شریعت صاف و واضح ہے اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ علامہ شافعی فرماتے ہیں۔
الشریعة لا تعدل عن صحتها البتة۔ میں چونکہ ائمہ اور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعتیں ردی کی چوری
تاریخ ائمہ شیعہ و ائمہ اربعین کی ترتیب سے نہیں لکھی اور جو کچھ صحابہ کے درمیان
اس میں بھی بعض روایوں نے روایت کی ہے ان سے یہ روایت نکال دی گئی ہے جس میں حدیثیں
ہیں۔ اور تعارض کا حاصل یہ ہے کہ

ان ہاتھی حدیثان متضاد ان فی المعنی ظاہراً

اس تعداد کو روایت کرنے کا موضوع سمجھنا ضروری ہے۔ اس کی نسبت علامہ ارو
سے ہوتا ہے کہ یہ حدیثیں محدثین کا نہیں ہے بلکہ اس سے یہ ضروری ہے کہ قیہ ۳۰۔ چنانچہ
حافظ ابو بکر حازمی فرماتے ہیں

دلتک من وطئہ الفقہ، لان قصدهم اثبات الاحکام ومحال بطورهم
فی ذالک متنع۔

یہ قیہ ۵۰ کا ہے کہ حدیث میں حدیث کے نظم و انتظام ثابت ہوتا ہے اور اس
موضوع پر ان کی فکری جولانیاں وسیع ہیں۔ (۱)
اور امام نووی فرماتے ہیں

استكمل له الانسنة الجامعون بين الفقه والحديث والاصول
المواصون على المعاني۔

یہ قیہ ۵۰ کا ہے کہ حدیث میں حدیث کے نظم و انتظام ثابت ہوتا ہے اور اس
موضوع پر ان کی فکری جولانیاں وسیع ہیں۔ (۲)
حافظ سخاوی کے حوالہ سے حافظ محمد بن ابراہیم رقمطراز ہیں

هذا فن نكسبه له الانسنة الجامعون بين الفقه والحديث وقواعد
مفردة في اصول الفقه۔

اس موضوع پر ان ائمہ نے بے شمار حدیث و فقہ کا جامع کیا
اور اس کے قواعد اصول فقہ میں مقرر ہیں۔ (۳)

اور دوسری جگہ "اور انہوں نے حدیثوں کی حد سے اہم جان لی" سے پوری قیادت سے ساتھ یہ فیصلہ دیتے کہ۔

لا یحل لاحد ان یرجع فی ہبہ وصدقہ
بہ اور صدقہ کو دیکر واپس لینا کسی کے لیے روا نہیں ہے۔
لیکن اس کے ساتھ ایک دوسری حدیث بھی آتی ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یرجع فی ہبہ الا الوالد من ودد۔
بہ اور واپس کا حق کسی نہیں ہے۔ والد سے کہہ دو آپ سے کہہ دے۔
واپس لے سکتا ہے۔

جن لوگوں نے حدیث میں اس کی طرف غامضی طبع و رویہ کیا ہے وہ اس کے ساتھ کہہ رہے ہیں
یہ تو کتے کے قے چاٹنے سے تشبیہ کی ہے نبیوں نے اس کی واپسی کے لیے حرمت کا فیصلہ
کیا اس لیے کہ قے ناپاک ہوتی ہے اور ناپاک چیز حرمت میں امام اعظم سے یہاں صرف یہ
نہیں دیکھا کہ قے سے تشبیہ کی ہے بلکہ تشبیہ پر بڑے گہرے غور کے بعد کیا۔ قے واقعی
ناپاک ہوتی ہے اور ناپاک چیز حرام بھی ہوتی ہے۔ اور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشبیہ کی
ہے وہ یہ نہیں ہے۔ بڑے۔ واپس لینے والے اس شخص کی طرف سے جو قے۔ قے چاٹنے۔
بلکہ تشبیہ یہ ہے۔ کہ اس کے واپس لینے۔ اس کے لیے طرف سے جو قے کر کے چاٹے۔ حرام
تہ کہ قے حرام ہے۔ لیکن کتے کے لیے حرام نہیں ہے۔ بلکہ حرمت کا حقیقی تلفیق سے
ہے۔ اور تلفیق نہیں ہے اس لیے حدیث کی رو سے یہ کہ۔ ہر ایک شخص کو اور ہر حال میں
وہی۔ اگر تشبیہ آئی ہے تو چھ۔ ہر ایک شخص کو تو یہی روایت آئی ہے۔ یہی ہے۔ حرمت اور
یہ حرمت بھی اس وقت سے جب کہ وہ حرام ہے۔ بلکہ حرام۔ ہر ایک شخص کو اور ہر حال میں
جب کہ یہ تشبیہ و تشابہ کا کوئی بدلہ نہ ہو۔ اور یہی وہی شخص امام اعظم نے "وحدیثوں و پیش
نظر مقررہ مالی میں۔ رشتہ داروں کی شہادتوں میں آئے ہوئے تشہارہ الا الوالد من ودد
سے اخذ کیا ہے اور مال کی شرط اقلیٰ اور من بنی شہیدین کی روایت سے یہ

الرجل احق بمہنتہ مالہ بشہ سہا۔ (بہرہ عقد ہے جب تک اس کا بدلہ نہ پائے)
لیکن اس کے ساتھ اس طریق سے تمام روایات سے ہمیں مفاہمت ملتی ہے۔

ارشاد نبوت اور صحابی کے فتویٰ میں مفاہمت:

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا ضرب الکلب فی الاناء
احدکم فلیغسلہ مبعأ۔

تمہارے ان میں سے آپ کا ہر ایک اس سے قے چاٹے۔ سے کہہ دے۔

سنن دارقطنی میں حضرت ابو ہریرہ کی دوسری حدیث ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغسل الاناء من ودد یحکب
ثلاثا او خمساً او سبعاً۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ برتن میں منہ ڈالنے سے تین دفعہ
یا پانچ یا سات بار دھویا جائے۔ (۱)

حدیث رقیق سے اس حدیث سے یہی حدیث حضرت ابو ہریرہ کی یہ بھی
بھی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ولع الکلب فی اناء احدکم
فیلہرقہ ولیغسلہ ثلاث مرات۔ (۲)

برتن میں کتا منہ ڈال جائے تو اسے گرا کر تین بار دھوؤ۔

یہ روایتیں نے اپنی سند میں حضرت ابو ہریرہ کی یہی حدیث بھی روایت کیا ہے۔

اداولع الکلب فی الاناء فاحرقہ ثم اغسلہ ثلاث مرات۔ (۳)

جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسے اٹھاؤ اور اسے تین بار دھوؤ۔

اور دارقطنی نے حضرت ابو ہریرہ کا یہ عمل بھی نقل کیا ہے کہ:

انہ کان اذا ولع الکلب فی الاناء احرقہ و غسلہ مرات۔ (۴)

برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اسے گرا کر تین بار دھوتے تھے۔

امام اعظم جو حنفی نے ان سے حدیثوں اور سنتوں پر یہ روایتیں درج کیں و
چونکہ نظر رکھ کر اس میں کسی مخالفت کوئی نہ تھا جس سے ان کی باتوں میں سے کوئی حدیث
جی اپنی جگہ سے نہیں ہلے فرماتے ہیں کہ تم پر ہر جگہ اور ہر وقت ہر حالت کا ہر مستحب
کے لیے ہے۔ چنانچہ امام طحاوی فرماتے ہیں

يحمل ما زاد على الثلاث في المرفوع والموقوف على ابي هريرة كسهما
على الاستصحاب لورودا لتطويع في المرفوع والموقوف عنه (۱)
تمن سے زیادہ عدد کو مستحب قرار دیا جائے گا۔

اور حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں

طهاره الماء الذي ولع فيه الكلب لا يتوقف على السبع بل تنب كل
السبع ما للثلاث على ما ذكره الحاكم في اشاراته وهو ايضا مقتضى
مفهوم عن ابي حنيفة وجوبها واستصحاب الاربعه بعدها۔

جس برتن میں کتے نے منہ ڈال دیا اس کا پاک بنانا سات پر موقوف نہیں بلکہ دو سات سے
پہلے ہی تمین سے پاک ہو چکا ہے جیسا کہ اس سے بتایا ہے اور یہی تقاضا ہے ماہ و حنفیوں
اس روایت کا جس میں کہا ہے کہ تم پر ہر جگہ اور ہر وقت ہر حالت کا ہر مستحب ہے۔ (۲)

اس طرح دونوں ارشاد ہوتے ہیں اور کوئی حدیث کے تقابلی میں مخالفت کوئی نہ ہوگی اور
تمام حدیثوں پر اپنی اپنی جگہ عمل ہو گیا۔

جماعت کھڑی ہو جانے پر سنتیں پڑھنا:

اسی قسم کی ایک اور مثال سنئے۔ صحیح مسلم میں حدیث آئی ہے

عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا قيمت الصلوة
فلا صلوة الا المكتوبة۔

خضوع اور رسی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز قائم کرادی جائے تو فرض نماز کے

سوا کوئی نماز نہیں ہے۔

اگرچہ حفاظ حدیث کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حضور پر مبنی ہے یا روایت
ہے یا حضرت ابو ہریرہؓ کا روایت ہے۔ جماعت ماہ شافعی نے کتاب امام میں سے حدیث
ابو ہریرہؓ کا روایت کی قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہؒ کا مصنف میں اور طحاوی کا شرح معانی ابی ہریرہؓ
میں یہی بیان ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرماتے ہیں کہ شاید ان اختلافوں کا یہ امام حنفی نے
اس کی اپنی صحیح میں روایت نہیں کی ہے۔

ظاہر بینوں نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے کہ اگر جماعت کھڑی ہو جائے تو کوئی
فحش سنتیں وغیرہ پڑھ رہا ہو تو اس کی سنتیں کا حکم درجہ اول میں ہوگی۔ چنانچہ علامہ شوکانی نے
ظاہر یہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

واهل الطاهر انبالا تعقد صلاة تطوع في وقت اقامة الفريضة (۱)
ظاہر یہ کہ اسے میں فرض قائم ہونے پر کوئی عمل نہ کر نہیں ہوتی ہے۔

اور علامہ شوکانی کا اپنا میلان بھی یہی ہے وہ ہذا القول هو الطاهر یعنی توں ظاہر
ہے۔ لیکن اس حدیث میں نماز کے باطل ہونے کے لیے دور کا بھی اشارہ نہیں ہے۔ نہ یہ اس کا
منطوق ہے نہ مدلول اور نہ مفہوم۔ اسی بنا پر امام احمد میں سے یہ کسی مذہب نہیں ہے۔ ہمدرد کا
مذہب یہی ہے کہ توڑ سے نہیں بلکہ پوری کرے۔ امام اعظم کا مذہب صحیح یہ ہے کہ ایک رکعت
طے لی تو قیام ہو تو سنتیں مسجد سے باہر کرے۔ رکعت کی قید اس حدیث سے لی گئی ہے۔

من ادرك الركعة من الصلاة فقد ادرك الصلاة۔ (رواہ ابو داؤد)

جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔

امام اعظم کا یہ مذہب امام محمد نے جامع صغیر میں ان الفاظ میں لکھا ہے

رحل انتهى الى الامام في الفجر ولم يصل ركعتي الفجر فحنى ان
يعونه ركعة ويدرك الاخرى فانه يصل ركعتي الفجر عذاب
المسجد فان حنى فونهما دخل مع الامام ولم يصل ركعتي الفجر۔

میں اس حد بندی تا زیر ہے مگر اس سے کوئی عقل و دماغ یہ نہیں کہہ سکتا کہ ابورکبانی شامی مسجد میں صبح کی جماعت نمازی ہوئے پر قمریہ کے زمین پر ہر قسم کی نماز حرام ہے اگر یہ واقعہ ہے تو پھر ادا فی صلوٰۃ میں مکات سے مکات یعنی مسجد ہی مراد ہے اس لیے نماز نمازی ہو جانے پر مسجد میں سنتیں نہ پڑھنی چاہئیں۔ لیکن امام ابو نعیمہ کا اصل مذہب ہے مسجد کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ محمد بن عقبہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں بتایا ہے

خرج عبد الله بن عمرو بن بنه فاقبعت صلوٰۃ الصبح فركع ركعتين
فقل ان يدخل المسجد وهو في الطريق ثم دخل المسجد فصولي
الصبح مع الناس ركعتين۔

عبداللہ بن عمرؓ سے صبح کی نماز نمازی ہو چکی تھی۔ آپ نے سنتیں مسجد میں داخل ہونے سے پہلے راستہ ہی میں دائیں بعد ازیں مسجد میں آئے اور جماعت سے نماز پڑھی۔ (۲)

یہ اور اس قسم کے ایک سے زیادہ آثار بھی آئے ہیں امام ابوبکر بن شیبہ نے انہیں صحابہ کے آثار پیش کیے ہیں جن سے یہ ان مسجد صبح کی نماز نمازی ہو جانے کے باوجود اداء سنت کا پتہ چلتا ہے۔

شاید آپ یہاں یہ طش محسوس کریں کہ امام اعظم صبح کی سنتوں کی ادائیگی پر اس قدر اصرار کیوں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ امر بھی امام اعظم کا اپنا نہیں بلکہ براہ راست سراج رسالت منیر کا اصرار ہے۔ منہ احمد ابو داؤد میں ارشاد ہے

لا تدعوا ركعتي الفجر ولو طرقتكم الخيل

صبح کی سنتیں نہ چھوڑو چاہے تمہیں گھوڑے روند ڈالیں

حضرت عائشہؓ نے حضور نورؐ کے عمل کی تصویر پیش کی ہے وہ بھی سن لیجئے۔

لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم على شئ من الوافل اشد تعاهدا
منه على ركعتي الفجر۔

نعمت کے اسی مصداق بنام امام اعظمؒ نے سنتوں کی سنتی جماعت میں ہو جانے کے بعد جو دو رکعتوں کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ان کے یہ کہ یہ اس مسجد میں۔ اور یہ کہ انوں رکعتوں کے جانے کے بعد پڑھنا۔ یہاں حدیث محمد بن اسحاقؒ سے قیاس میں شامل ہے۔ اور سنت و طبع آفتاب کے بعد پڑھنے۔ لیکن ان ہمارے حدیث سے یہ حدیث کی بار کے بعد حضور انورؐ کا بتایا ہوا عام ضابطہ یہ ہے

عن عمر بن الخطاب ان النبي صلى الله عليه وسلم يهيى عن لصلاة بعد
العصر حتى تطلع الشمس و بعد العصر حتى تغرب الشمس۔ (متفق عليه)
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حدیث طبع آفتاب تک درج ہے۔
بعد غروب آفتاب تک نماز سے منع فرمایا ہے۔

اس لیے حضرت نمازی کے لیے بعد انہیں انہیں میں حدیث بتادی نے تائید ہے۔
اسی کی ایک بڑی جماعت نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ اور اس حدیث کے ترغیب کی ایک روایت
میں اپنا خود ساختہ مطلب ڈال کر اسے اس مشہور ضابطہ سے متصادم کر دیا۔
ترغیب میں قیس بن قباد کا یہ واقعہ منقول ہے

خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فاقبعت الصلوة فصبرت معه الصبح ثم
انصرف النبي صلى الله عليه وسلم فوجدني صلي فقلت له اني صليت ركعتي الفجر فان فلا ادن۔
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لے جماعت نمازی ہو گئی میں نے آپ
کے ہمراہ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد انہیں حضورؐ کے نماز کے وقت کے بعد مجھے نماز
پڑھنے پایا تو فرمایا اے قیس چھوڑ دیا۔ اور میں نے انہیں انہیں میں نے عرض کیا کہ یا
رسول اللہ میں نے صبح کی دو سنتیں میں ادا کی تھیں فرمایا پھر بھی نہیں۔

اس حدیث میں فلا ادن کے معنی فلا باس ادن میں سے کوئی ممانعت نہیں ہے۔
اس روایت کی روایت عمر کے معنی یہ ہیں اور بطور غرض نماز کے بعد قیس نے پھر
پوچھا کہ یا رسول اللہ میں نے صبح کی دو سنتیں پڑھ لی ہیں (قیس) ان وقت کے بعد

نے عدم رفق کی روایات و روایات کی فقہانوں کی ماہر اور ماہرین کی سند سے
عالی ہونے کی بنا پر ترجیح دی ہے۔ (۱)

امام اعظم نے روایت کے انداز کی صورت سے بہت بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ اس لیے کہ
مذہب قرار دیا ہے اس لیے کہ

فقہائے ہند کے درجے فقہ میں سنی اور فہم سنی کا شعور اور سیدھا سادہ ہے۔ اس لیے کہ
ایسی بات معلوم ہوتی ہے جس کا خلاصہ حرج و مرج سے مطابقت نہیں رکھتا تو وہ
اس کو اول نظر میں ہی روایت نہیں کرتا بلکہ اس کی حقیقت کا محقق ہوتا ہے۔ اس
کے معنی میں سرگرداں رہتا ہے جب وہ مطمئن ہو جاتا ہے تو روایت کرتا ہے
برخلاف غیر فقہ کے کہ یہ اس کے پس کی بات ہی نہیں ہوتی ہے۔ اس کی اولیٰ بات
کو آگے چلا دیتا ہے۔ اس قصید کا قصہ یہ بھی ہے کہ فقہانوں کی روایت و فقہ کی
روایت پر ترجیح دی جائے۔ (۲)

ترجیح روایت کے بارے میں دراصل امام اویسی کا یہی مذہب ہے اور فقہانوں کی
نزدیک دو سنی حدیثوں میں ترجیح کا سبب مؤثر ہے۔ فقہاء اسلام کی یہ تہمت ہے کہ
کہ ہذا مذهب فی التوحیح۔ اور فقہان ابہام نے اسی کو حق قرار میں مذہب منہج
قرار دیا ہے اور ماطلی قاری نے واشکاف لفظوں میں بتا دیا ہے کہ:

والمذهب المنصور عند علماءنا الحنفية الا فہية دون الا کثیرة۔

کامیاب مذہب احناف کے نزدیک اہمیت ہے اکثریت نہیں ہے۔

اس کا مطلب اس کے ساتھ ہے کہ حدیثی طاقت اور روایات کی زیادتی کے کسی

روایت کو راجح نہ قرار دیا جائے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ معنویت کہاں ہے؟

ظاہر بین بزرگوں نے امام اعظم نے اس زمین ضابطہ و تخریجی قسم کا سیدہ قرار دے کر
بے جان بنانے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن شاید اس کو محسوس نہیں ہے کہ محدثین کے علم حدیث کے
متعلق سارے ہی اصول و ضوابط تخریجی ہیں۔ اصول حدیث کا کوئی ضابطہ اور قاعدہ بھی محسوس

نہیں ہے۔ یہ بات۔ فقہ طہر کی ماہر روایت و تخریج کی جائے نو تخریجی ہے اور اس کا پس
مذہب قرار دیا ہے اس لیے کہ اس کا سبب بھی اس کو افراد و غراب کے لیے بتایا گیا ہے فن
سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس میں احتیاط کا قصاص تو یہی ہے کہ اس میں فکر و نظر اور
فکر و بصیرت رکھتے ہوں۔ اس بات کا پتہ صحابی ہوں۔ آفرینی و جہ تو ہے کہ ہمارے صف اول کے
بارے میں مشہور اور مصلیٰ مدحیہ و مہم ۱۰۰۰ تصدیق جو۔ خوال ابو سعید انصاری اور خوال عبداللہ بن
مسعود سند احمد مسلم ابو داؤد اور ترمذی میں ان الفاظ میں موجود ہے۔

لیلیٰ اولو الا حلام النہی منکم

مجھ سے قریب نماز میں تم میں سے اہل عقل و فہم ہوا کریں

ہل علم و فضل و صفت اس میں رہتے ہیں اس کے سوا کچھ یا ہو سکتی ہے جو علامہ شافعی
نے بتائی ہے۔

لاحدو عن الامام و ما حد عنہم غیرہ لاہم اسس مصط صغہ الصلاة
و حفظها و نقلها و تلعبھا۔

تاہم وہ امام کے احادیث و روایات کی تہمتیں و درجے عامہ ان کے اہل و انصار
کی تہمتیں ہیں۔ یہ وہی مہم کی تہمتیں ہیں کہ طریقہ و تہذیب اور حفظ کر سکتے ہیں اور
ان میں اسے آگے نقل کرنے اور پہنچانے کی صلاحیت ہے۔ (۱)

امام اعظم کے درجے کے بارے میں فقہی یدیں کے موضوع پر یہی سوئی پیش فرمائی
ہے۔ فقہ یدیں کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے اور حدیث کے موضوع پر
حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے۔ ان دونوں حدیثوں کی روایتی اور عادی حیثیت
دونوں مسموع ہے۔ ان دونوں روایتوں کی حالت میں کوئی کام نہیں ہے۔ امام اعظم نے حضرت
عبداللہ بن مسعود کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود کا بار سہ سے
میں۔ نہ کہ میں یہ شخص اول مصلیٰ مدحیہ و مہم کے پیچھے صف اول میں ہوتے تھے۔ حضور انورؐ نے
محدثین کے اس میں اس کے پہلے مصلیٰ مدحیہ و مہم کے بارے میں اس پر و تمہارے لیے بن

مسعود چاند برہمہ میں تمہارا یہ سیدہ ای پر راضیوں۔ (۱) درمیان کے ان مسعود سے عہد اور تحقیق کی مضبوطی سے قائم رکھو اور اس پر جتنے روز۔ (۲) حضرت عمرؓ نے ان اصحاب کو کہا ہے اور رونق، ان کی طرف معلم قرآن و سنت بنا کر روئے کیا، ان مسعود کی نسبت ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود، خلفائے راشدین سے بھی زیادہ عالم تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی اشعری کہتے ہیں کہ وہ وقت انصار اور مکہ کے پاس رہتے تھے اور حضور نورؐ اس سے کی وقت جواب نہ کرتے تھے۔ ان کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی ہے مسلمانوں سے واسطوں میں یہ پہلے مسلمان ہیں اس لیے ان کا شمار ابوبکر و عمرؓ و عثمانؓ اعلیٰ کے ساتھ السابقون الاولون میں ہے۔ ان کا بیان امام اعظمؒ کو پہنچا ہے کہ حضور انورؐ صرف کعبہ تحریر کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے شک بزرگ ترین صحابی ہیں یکن حضور انورؐ کی ہجرت سے وقت ان کی موت و ان کی تہی اور وفات کے وقت یہ عمر کی چوبیسویں ہمارا کچھ ہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا شمار ان السابقون الاولون میں ہے۔ اور ان ابوبکر و عمرؓ کے علم و فضل میں ہم پید ہیں۔ ہمارے میں حضورؐ کے چیلے ہو مقام عبد اللہ بن مسعود کا ہے وہ یقیناً عبد اللہ بن عمرؓ کا نہیں ہے اس لیے امام اعظمؒ نے عبد اللہ بن مسعود کے بیان کو راجح قرار دیا ہے۔

حدیث ضعیف اور امام اعظم:

محدثین نے حدیث ضعیف کی یہ تعریف کی ہے کہ:

حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں مسند صحیح کی صفات نہ ہوں۔ (۳)
اور کچھ نے یہ بتایا ہے کہ

حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جو حسن کے پائے کی نہ ہو۔

لیکن حدیث ضعیف کی یہ تعریف اس حد میں آئے ہے کہ حد میں اس کی ختمی ہے جن کے نزدیک حدیث تین قسموں پر مشتمل ہے۔ صحیح، حسن اور ضعیف۔ اور نہ حقیقت میں حدیث کی اس مثالی تفسیر سے آشنا نہ تھے۔ ان کے یہاں حدیث کی تفسیر مثالی تھی۔ جتنی حدیث

نئی دہائی میں بتاتے تھے تھے اور ضعیف۔ چنانچہ امام محمد نے زمانے تک حدیث اور فقہوں میں محمد تقیؑ سے اور مریم حسنؑ کی اولیٰ ارجحہ قدر میں حدیث محمد شین سے اس ۱۰۰۰ سے اور مریم حسن کی صورت نکال لی۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صدیٹ کی یہ تقسیم صحیح حسن اور ضعیف اور جو میں قرندی کی بنائی ہوئی ہے۔ بعد
 سے پہلے یہ تقسیم کی سے مراد نہیں ہے۔ اور قرندی نے اس سلسلے میں یہی مراد بھی
 واضح فرمائی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ حسن وہ ہے جو متعدد طرق سے مراد ہو اور
 جس کا کوئی راوی کذب سے متعم نہ ہو اور نہ ہی شائبہ ہو۔ یہ مرتبہ میں صحیح سے
 ہے جس کے راویوں کی عدست اور ضبط معصوم ہوتا ہے۔ ضعیف وہ ہے جس کا راوی
 معمم بالکذب ہو یا روای انحطت ہو۔ (۱)

علامہ خطابی نے حسن کی یہ تعریف کی ہے۔
جس کا مخرج معلوم ہوا اور جس کے راوی مشہور ہوں۔ (۲)

لیکن حافظ سن تیسہ کو طبع خطابی سے انتقال سے دوام مرتضیٰ کے سمو میں ۔
صدیٹ نس وہ ہے جو متعدد طرق سے مروی سوار اس کا وئی رونی مدب سے مہم
نہ ہو اور نہ وہ شاف ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ متاخرین جسے سن کہتے ہیں وہ عقیدہ میں — میں ضعیف ہے۔ چنانچہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ليس المراد بالحدث الضعيف في اصطلاح السلف هو الضعيف في اصطلاح المتأخرين بل ما يسميه المتأخرون حسداً قد يسميه المتقدمون ضعفاً.

ضعیف کے بارے میں حقد میں اور متاخرین کی اصطلاحیں الگ الگ ہیں۔
متاخرین جسے حسن کہتے ہیں حقد میں کی زبان میں اس کا نام ضعیف ہے۔ (۳)
اسی ضعیف کے بارے میں محدثین نے امام اعظم کا یہ موقف بتا دیا ہے کہ

ہیں اس بات کا ہے جو سند نہیں جلد مرسل ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس بات کی سبب یہ ہے کہ حدیث میں تکرار کے بعد نوٹ کے ہوتے ہیں کہ حدیث میں تکرار کی آتی ہے چوتھے دو سندوں یا مرسل۔ حدیث میں یہاں متفقہ ہیں۔ اور اس کے بعد یہ بات درست ہے کہ

اجمع اهل الحديث على ضعفه (۱)

اس کے بارے میں فقہات کا اتفاق ہے کہ حدیث میں تکرار کی بات درست ہے۔ اور اس کے بعد وضو کی تکرار کے بعد نوٹ کے ہوتے ہیں کہ حدیث میں تکرار کی آتی ہے چوتھے دو سندوں یا مرسل۔ حدیث میں یہاں متفقہ ہیں۔ اور اس کے بعد یہ بات درست ہے کہ

فیہ تمر سے وضو کی حدیث

روایتی ہے کہ جو حدیث میں تکرار کی بات درست ہے۔ اور اس کے بعد وضو کی تکرار کے بعد نوٹ کے ہوتے ہیں کہ حدیث میں تکرار کی آتی ہے چوتھے دو سندوں یا مرسل۔ حدیث میں یہاں متفقہ ہیں۔ اور اس کے بعد یہ بات درست ہے کہ

حدیث اسی لفظ فی لوصوء لیس بضع و بورید مجہول۔
حافظ ابو جعفر طحاوی فرماتے ہیں:

حدیث اس مسعود زوی میں طرق لا یفہم بمنہا احد (۲)

یہ حدیث اس مسعود زوی میں طرق لا یفہم بمنہا احد (۲) ہے۔ حدیث میں تکرار کی بات درست ہے۔ اور اس کے بعد وضو کی تکرار کے بعد نوٹ کے ہوتے ہیں کہ حدیث میں تکرار کی آتی ہے چوتھے دو سندوں یا مرسل۔ حدیث میں یہاں متفقہ ہیں۔ اور اس کے بعد یہ بات درست ہے کہ

لا شک فی ہذا الباب من ہذا لروایہ حدیث بل احادیث الصحیحہ علی عبد اللہ رافضہ بخلافہ۔

اس باب میں وہ حدیث ثابت نہیں ہے جو مقدر سے تکرار کی حدیث میں تکرار کی آتی ہے چوتھے دو سندوں یا مرسل۔ حدیث میں یہاں متفقہ ہیں۔ اور اس کے بعد یہ بات درست ہے کہ

ہذا حدیث لا یثبت۔ (یہ حدیث ثابت نہیں ہے) (۲)

حدیث مقدر یا حدیث

فیہ تمر سے وضو کی حدیث

روایتی ہے کہ جو حدیث میں تکرار کی بات درست ہے۔ اور اس کے بعد وضو کی تکرار کے بعد نوٹ کے ہوتے ہیں کہ حدیث میں تکرار کی آتی ہے چوتھے دو سندوں یا مرسل۔ حدیث میں یہاں متفقہ ہیں۔ اور اس کے بعد یہ بات درست ہے کہ

والحدیث مشہور نسب بطرق مختلفہ و عملت بہ الصحابہ (۳)
حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں

لہذا علیہ احادیث عن الی ضعف متعددہ الطرق و دلک برفع الضعف لی الحسن (۴)

یہ ضرور درستی ہے۔ اور اس کے بعد وضو کی تکرار کے بعد نوٹ کے ہوتے ہیں کہ حدیث میں تکرار کی آتی ہے چوتھے دو سندوں یا مرسل۔ حدیث میں یہاں متفقہ ہیں۔ اور اس کے بعد یہ بات درست ہے کہ

حافظ طحاوی فرماتے ہیں

حسن و فیہ تکرار متواتر ہے جبکہ متعدد طرق سے آئے۔

(۱) معالم السنن ج ۱ ص ۸۳

(۲) نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۳۳

(۳) سنن ابی یوسف ج ۱ ص ۶۰

(۴) فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲

(۱) سنن ابی یوسف ج ۱ ص ۶۰

(۲) سنن ابی یوسف ج ۱ ص ۶۰

امام نووی بھی علامہ سقاوی کے ہم زبان ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیثوں کی سندیں اگر الگ الگ ہوں چاہے وہ ضعیف ہوں ان کا مجموعہ باہر تقویت کی وجہ سے حدیث کو حسن اور کامل احتجاج بنا دیتا ہے۔ امام سیوطی کی بھی یہی رائے ہے کہ حدیث ضعیف کثرت طرق سے آئے تو قوی ہو جاتی ہے۔ بدیع الزماں میں مامونوں سے روایت سے یہاں تک مثل روایت۔ حدیث ضعیف اگر متعدد طرق سے مروی ہو تو وہ ضعیف سے حسن اور مقبول و معمول پہ ہو جاتی ہے۔ (۱)

ارباب روایت کے یہاں عمل کے بارے میں تین مسلک ہیں اول یہ کہ ضعیف پر قطع عمل نہ کیا جائے۔ اس میدان میں نے ہی ہدایت نہیں کی۔ مسند قادیانی نے حدیث میں وہ منہج اعلیٰ کی ایک نیا تہذیب سے جو صاحب قادیانی نے تصنیف کی ہے حدیث ضعیف میں نہ کیا جائے۔ دوم یہ کہ حدیث ضعیف پر ہر حال میں عمل کیا جائے گا۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں عری ذالک الی ابی ہلالہ واحمد لا یھما یوہاں طوی من راہی الرجال۔ (۲) سوم یہ کہ صرف فضائل میں ضعیف پر عمل کیا جائے احکام میں ضعیف پر عمل نہ کیا جائے۔ چنانچہ امام حاکم رقمطراز ہیں

میں نے ابو بکر زکریا یا عتہری سے سنا وہ فرماتے تھے کوئی حدیث اگر حلال کو حرام وار حرام کو حلال نہ کرتی ہو اور کسی حکم کو واجب نہ کرتی ہو اور صرف ترفیف و ترسیب سے تحقق رجحتی ہو تو اس سے ہر طریقہ میں نہ کیا جائے۔ اس سے راویوں نے اس میں تسامح سے کام لیا جائے گا اور جیسا کہ امام عبد الرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و حرام اور احکام کی روایت کرتے ہیں تو اسانید کے بارے میں سختی برتتے ہیں اور رجال پر نقد کرتے ہیں اور جب فضائل و عقاب کی روایت کرتے ہیں تو اسانید میں نرمی اختیار کرتے ہیں اور احادیث میں

تسامح سے کام لیتے ہیں۔ نبوی نے مامون کا بھی یہی بیان بتایا ہے کہ روایت کی حدیثوں میں تسامح مناسب ہے لیکن امام احکام میں نہیں۔ (۱) علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ:

اگر حدیث ضعیف ہو لیکن موضوع نہ ہو تو محدثین اس کی اسناد میں تسامح کو جائز سمجھتے ہیں اور یہ بھی جائز قرار دیتے ہیں کہ ضعیف کی تصدیق کے بغیر بیان بھی کر سکتا ہے جب کہ حدیث کا حلق احکام و مقامات نہ ہو بلکہ مواظفہ قصص اور فضائل میں ترتیب و تزیین سے ہو۔ اگر حدیث احکام و مقامات سے متعلق ہو تو اس میں تسامح قطعاً ناجائز ہے۔ اگر حدیث میں عبد بن مسعود بن عبد اللہ بن المبارک اور محمد بن ضعیف کی روایت ہے۔ (۲)

حافظ ابن الہمام نے تصریح کی ہے کہ حدیث اگر ضعیف ہو اور موضوع نہ ہو تو اس سے انتخاب ثابت ہو جاتا ہے۔ (۳) ابن حاکم سیوطی نے تہذیب الرجال میں اور حافظ سقاوی نے اقوال اہل بیت میں حدیث ابن جبر حدیثی سے روایت سے بتایا ہے کہ حدیث ضعیف کی قویت کے لیے تین شرطیں ہیں ۱۔ یہ کہ حدیث میں ضعیف راوی نہ ہو یعنی حدیث کے راوی ایسے نہ ہوں جو جھوٹ میں مشہور نہ ہوں یا ان پر روایت کوئی کی قسمت ہو یا حکم خدا یا غلطیوں کا شکار ہوں۔ ۲۔ یہ کہ حدیث جس مضمون پر مشتمل ہے اس کی اصل شریعت میں موجود ہو بات شخص سے اصل درمیان نہ ہو۔ ۳۔ یہ کہ عمل کے اوقات میں اس کے ثابت ہونے کا عقیدہ نہ رکھا جائے بلکہ اس راوی اختیار اس پر عمل ہو۔ آخری دو شرطیں حافظ عبدین بن عبد السلام، علامہ ابن اثیر، العید کی بتائی ہوئی ہیں۔ اور پہلی شرط کو علامی نے اتفاقاً قرار دیا ہے۔

امام مہدی نے خطہ ایمانی فی شرح مختصر ابن ماجہ میں ان سہ گانہ شرطوں کا تذکرہ کر کے مثالیں بھی دی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

فقہاء احناف کا قصد ہے کہ ان سے علت آستہ بہت دوری آوار سے اور ظہیر جہدی ابہری آوار سے کہی جائے اور ایسا کرنا مستحب ہے اور اس پر اسوں نے ترمذی کی کس حدیث سے استدلال کیا ہے جو کوائف حضرت جابر بن عبد اللہ میں آئی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے کہ سے باہر جب ان دو تو آہستہ آہستہ دو اور جب تکیر کو تو جلدی کرو۔ الخ۔ امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں تصحیح ہے کہ ہوا اسناد معہول۔ اور اہل فطن۔ اس کے راوی عبد اللہ بن عمر کی تصحیف کی ہے اس سے باوجود چونکہ فضائل میں حدیث ضعیف کافی ہو جاتی ہے اس لیے فقہاء نے اس پر عمل کو مستحب قرار دیا ہے۔ نیز فقہاء حنفیہ وضو میں کرنا سے مسک و مستحب قرار دیتے ہیں اور اس پر ایک ایسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو خاص میں محدثانہ نقطہ نظر سے ضعیف ہے۔ واداد میں ہے کہ ظہیر بن مصرف اپنے والد اور اس کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارے کرتے ہوئے دیکھا تھا کہ آپ نے قذال تمسک کیا۔ قذال آدن سے بدلی حصہ و مستحب ہیں۔ یہ روایت صحابی شمار میں بھی ہے لیکن یہ سب روایات ظہیر بن جب سے ناقص اقبہار ہیں۔ اہل فطن نے ظہیر بن کے والد اور ان کے دادا کو مجہول قرار دیا ہے۔ (۱)

علامہ دوانی کا شبہ اور اس کا جواب

علامہ دوانی نے انموذج علوم میں یہاں ایک شبہ افہا کران عوں وجو کہتے ہیں کہ حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے ایک پریشانی میں آیا ہے۔ علامہ موصوف کے اس شر کو مولانا عبدالحی نے اجوت الفاضل میں مولانا صدیق حسن خاں نے جلد میں اور علامہ جمال الدین القادری نے قواعد احمدیہ میں بڑی آب و تاب سے بیان کیا ہے۔ ان کے شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء ایک طرف فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف سے استحباب اور جو امر معلوم ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی ان کا یہی ارشاد ہے کہ استحباب ہو یا جوار۔

یہ بھی احکام شریعہ میں سے ایک حکم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف احکام سے استحباب و جو زامات کا تو اس سے نتیجہ میں اس سے غمگینی ثابت ہو گا۔ اس لیے ایک طرف یہ کہنا کہ حدیث ضعیف سے استحباب و جو زامات ہو جاتا ہے اور دوسری طرف یہ بتانا کہ حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہیں ہوتے دونوں میں اس حد سے یقیناً تضاد ہے کہ استحباب اور جو زامات بھی خود غمگینی ہے۔ کہ حدیث ضعیف سے غمگینی ثابت نہیں ہو سکتا تو لازماً استحباب بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

علامہ نے اس شبہ کے متعدد جوابات دیے ہیں اور خود علامہ دوانی نے بھی اس کے ازالہ کی بہترین کوشش فرمائی ہے۔

علامہ احمد انصاری نے تیسری ریاض ثنائی شفاء قلوبی عیاض میں جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے

حدیث ضعیف سے نصیحت کا ثبات ہو تا کی حکم کے ثبات ہوئے جو سکر نہیں سے یہ عمل جس کا استحباب صحیح حدیث سے ثابت ہو اس کا ثواب یا اس کے ثواب میں ترغیب یا مصلحت کی نصیحت یا فساد و ثروں نصیحت کی نصیحت حدیث سے معلوم ہو جائے تو اس کا ثواب یہ مطلب نہیں ہے کہ اصل خبری ضعیف سے ثابت ہو رہا ہے۔ اعمال اور فضائل اعمال میں بہت بڑا فرق ہے۔ (۱)

علامہ خفایہ کی بات بڑی گہری ہے اور آپ اس بیان کے ذریعے وہ پڑھنے والوں کے دوس میں یہ بات تارنا پڑھتے ہیں کہ حدیث ضعیف سے کسی عمل کا جو ثبات نہیں یہ جاتا ہے بلکہ ثابت شدہ موجودہ عمل جس کا وجود اصل شریعہ سے پہلے ثابت ہو چکا ہے صرف اس کی نصیحت و حدیث ضعیف کے ذریعے جاری یا حلال سے مثلاً نماز تہجد کی سلیت، اصل شریعہ سے ثابت ہے اب اس کا ثبات شدہ سنت کی ترغیب کے لیے یا اس کی بڑائی کے ظہار کے لیے حدیث ضعیف کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ علامہ موصوف نے اس طرح علامہ دوانی کی لٹائے ہوئے سوال کا جواب دیا ہے۔ مولانا صدیق حسن خاں نے صرف علامہ موصوف کے جواب پر

یہ کتابیات اور اس سلسلے میں بنی و بنیاتی سے ہی نہیں فرمائی ہے۔ اس امر میں
تجربہ کے حامل مفسرین نے اس میں کافی غور کیا ہے۔ اور ان کے مابین میں یہ
مذاہب و مذاہب ہیں جو اس سلسلے میں رہنمائی دے سکتے ہیں۔ یہ مکتبہ اسلامیہ
اور اس کے شاخے ہیں۔ فقہاء کے لیے یہ ایک ضعیف حدیث ہے۔ اس کے لیے کتاب
و کتابت کے لیے اس کا انتخاب احادیث کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
یہ کہ وہ حدیث ضعیف کا اضافہ اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
ہے۔ ان مسائل میں سے وہی چیزیں اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے

اذا ورد حدیث ضعیف بکراہیۃ بعض البیوع او الانکحة فالمستحب

ان یترکہ عنہ۔ (۱)

جبکہ وہی ضعیف حدیث کا یہ اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
اور حافظ ابن الہمام کے اس نظریہ کے بھی خلاف ہے۔

ثبت الاستحباب بالحدیث الضعیف۔ (۲)

استحباب حدیث ضعیف سے ثابت ہو جاتا ہے۔

یہ کتابیات اور اس سلسلے میں بنی و بنیاتی سے ہی نہیں فرمائی ہے۔ اس امر میں
تجربہ کے حامل مفسرین نے اس میں کافی غور کیا ہے۔ اور ان کے مابین میں یہ
مذاہب و مذاہب ہیں جو اس سلسلے میں رہنمائی دے سکتے ہیں۔ یہ مکتبہ اسلامیہ
اور اس کے شاخے ہیں۔ فقہاء کے لیے یہ ایک ضعیف حدیث ہے۔ اس کے لیے کتاب
و کتابت کے لیے اس کا انتخاب احادیث کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
یہ کہ وہ حدیث ضعیف کا اضافہ اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
ہے۔ ان مسائل میں سے وہی چیزیں اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے

مولانا عبدالحی رحمانی فرماتے ہیں

اس مقدمہ پر واقعی اور ہجرت یہ ہے۔ اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
حدیث صحیح سے ثابت نہ ہو اور اس مکتبہ کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
ضعیف شدہ نہ ہو تو اس سے جواز و استحباب ثابت ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس کام کی کوئی
اصول شریعت میں موجود ہو اور یہ کام اصول شریعت میں موجود نہ ہو۔
خود ماہنامہ محمدیہ کے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ چنانچہ اس کے لیے اس کے لیے
نہ اندر اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
اس مکتبہ پر قابل غور یہ ہے کہ جب کسی بھی کام کی کوئی حدیث ضعیف سے مستحب
ہو جائے اور وہ کام ناجائز اور مکروہ ہونے کے اندیشے سے بالا ہو تو ایسے موقع پر
ضعیف پر عمل جائز اور مستحب ہے۔ یہ اندیشہ یہ کہ اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
اور اس پر ثواب کی توقع ہے اور اس توقع کی مدد سے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
کوشش ہوتا ہے۔ تاہم اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
خود ماہنامہ محمدیہ کا جواب اور استحباب کے درمیان میں مقدمہ پر مکتبہ محمدیہ کا جواب ہے۔
ماہنامہ محمدیہ اور استحباب سے دو چیزیں اس میں فرق و غور کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
مستحب سے دستبرداری کی وجہ ہے۔ اگر کراہت کا اندیشہ قوی ہو اور استحباب کا
دشمنی کے خلاف اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
نہایت کمزور ہو تو اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
نہایت کمزور ہو تو اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
مستحب کو بنایا جائے گا۔ اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے
اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے اس کے لیے

تیس سے سات تیس، وقتی بد ان میں حدیث صحیحہ سے، ایسے انتخاب کا انتخاب روایا میں
 ہے۔ ان سے تحقیق اس پر عمل یا ہے اور تحقیق عمل کا انتخاب خود وقت خود میں
 سے معلوم ہے۔ (۱)

میں یہ کہتی تھی کہ اس مضمون سے تفصیلی مباحث ایران کی گہرائیں تلف و بانی میں نہ ہوتی ہیں۔ بہرحال مقدمہ میں سو یا ستائیس۔ ضعیف میں اختلاف ہے۔ باوجود اہل الضعیف پر مشفق ہیں۔ اگرچہ اس کی وجوہات میں اختلاف ہے۔

متحدہ بین حدیث ضعیف پر عمل تا مین اور اتباع تا مین کی عملی تائید کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اور متاخرین تعدد طرق سے آنے کی بنا پر۔

متاخرین کے مابین جس حدیث ضعیف پہ نسل کے پارے میں اختلاف ہے وہ ان
 دو پہ اسطرح کی ضعیف ہے۔ ان کا مستند میں نہ ضعیف تہ وہی قطع نہیں ہے۔

حدیث و قیاس میں تعارض اور امام اعظم:

قوت کی اہمیت کی مثالوں میں قیاس کی نوعیت کی کمی سے ہم تپ کو جس میں
 اہمیت نہیں پاتے۔ اس کی تفصیل مباحثہ تپ کو اشارہ بہ ماہظمہ اور علمہ اشعاع میں ہیں۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ احکام قنای میں اور حوادث و واقعات جو روزانہ نئے پیش آرہے ہیں وہ ان گنت ہیں۔ اشہرستانی رقمطراز ہیں

نہیں اس کا قطعہ علم ہے۔ حوادث و واقعات خواہ اس کا قتل مجاہدات سے ہو یا
محاولات سے۔ بے حساب اور بے شمار ہیں۔ اور یہ بھی ہمیں پتہ ہے کہ ہر ہر واقعہ
و حادثہ سے بارے میں صاف اور مستحکم خبریں ملے اور یہ ہمیں بھی نہیں ملے۔
اس صورت حال یہ ہے کہ حوادث و واقعات سنست اور دیکھا مقررہ وقتوں میں
نہ ملے گا یہ سنست کہ قضاہی قضاہوں کی وقت میں نہیں آ سکتا اس لیے یہ بات حقہ اور
قطعہ سے کہ سام میں احتیاط و قیاس کا خاص مقدمہ ہے تاکہ ہر پیش پا افتادوں
کے لیے اجتہاد کے ذریعے راستہ معلوم ہو سکے۔

قانون کے اس حوالہ سے یہ قہار اور نہایت بے اجتناب امت ہو گیا ہے۔ یہ
یہ طرف اسلامی قانون کو باریک بینی سے ملاحظہ کرنے سے محفوظ کر لیا اور دوسری طرف اسلامی
معاشرے کو دینی آزادی اور قید رہائی کی برائیوں سے بچا دیا۔ اس کا پابند بننے
پڑنے لوگوں کو مجبور کر پوری امت نے قیاس کی شریعت کو مانا ہے۔

دہشت گردی کے شہر نشینوں کو دیکھ کر انہوں نے کہا کہ یہ تو کچھ عجیب ہے۔
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک یہی معاملہ ہو رہا ہے۔
 قیامت سے پہلے یہ کام لیتے رہتے ہیں۔ اس کا اس پر جہاد ہے کہ حق کی فتح حق سے
 اور باطل کی فتح باطل سے ہو۔ قیامت کا کاردار ہے جس سے یہاں وہ معاملہ کیا ہے۔
 ممالک احکام کا نام ہے۔ (۱)

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ:

حضور انور علیہ السلام سے پیش آنے والے حوادث میں اختلاف ہے کہ
 جتنے تھے اور بعض حکماء و بعض پر قیاس کرتے تھے وہ ایک ظلم ہے اور یہی ظلم
 کرتے تھے۔ (۲)

۱۰۴۲ (۳) رخصتی کے اس موضوع پر مفید اور بڑے پیمانے پر ہے۔

(۱) جامع میان العلم و فضلہ (۲) اعلام الموقنین ج ۱ ص ۱۷۶

[illegible]

جس سے مطلب بدل جائے کیونکہ درباب عدالت راویوں کے بارے میں یہ کلی
دینی بات ہے کہ وہ اہل دین ہیں اور بدعتی کے ساتھ منہ کی تبدیلی کا کام نہیں
لیتا نہیں ہے۔ اور ان کی حدیث اتنی ہی مانیں جتنی ان پر روایتی وری کا حجب رہا جس
کے تحت ہے۔ یہ جس قیاس کی بنا پر روایت کو رد کیا جا رہا ہے خود اس قیاس کی صحت
نی کی یہ سمجھنا کہ قیاس صحیح سے واقفیت میں دشوار ہے دشوار تر یہ مذاہب حدیث
کو اپنا ضروری ہے۔ (۱)

شیخ برہنہ دینی نے بھی امام عظیم سے سختی کی تہمت لگائی ہے۔ چنانچہ علامہ
عبدالعزیز بخاری فرماتے ہیں۔

شیخ برہنہ دینی اور ان کے متبعین نے اس حدیث سے قیاس پر مقدمہ لگا کر
اسے سیدہ اہل بیت کی حدیث قرار دیا ہے۔ حدیث کی قبولیت سے یہ صرف ان
میں عدالت اور ضبط ہونا کافی ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ حدیث قرآن و سنت کے
خلاف نہ ہو بلاشبہ ایسی حدیث کو قیاس پر بھی مقدم کیا جائے۔ (۲)

انہی اس حدیث سے بھی امام عظیم کا یہی سخت تہمت ہے چنانچہ فرماتے ہیں

ادعاء من غير الواحد والقياس بحيث لا جمع لعدم الخبر مطلقا
عند الاكثر منهم ابو حنيفة والثالثي واحمد۔

حدیث اور قیاس میں تخریض سے جو اسے اس کی طرف بھی دونوں کا مخرج کرنا
ممکن نہ ہو تو پھر حدیث کو بلاشبہ مقدم کیا جائے گا اس کی رائے یہی ہے ان کی
میں ابو حنیفہ شافعی اور احمد ہیں۔ (۳)

اور اسے اگر امام عظیم کے اس موقف کی حمایت میں حرمین کی مجلس یہ ہیں اس
کی تعمیل کا یہاں موقع نہیں لیکن علامہ عبدالعزیز بخاری نے اسی سلسلے میں جو بات چوری قوت
سے بتائی ہے وہ سننے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں

(۱) کتاب التفتیح ص ۱۶۳ (۲) کشف الاسرار ج ۲ ص ۱۴ (۳) تیسرے التحریر ج ۳ ص ۱۶

جو بات تخریض کا نام ہے پیش فرمائی ہے یہ ہمارے صحابہ سے قطعاً متفق نہیں ہے
ان سے اس کے برعکس جو کچھ روایت ہمیں معلوم ہوا ہے وہ صرف یہ ہے کہ خبر واحد
قیاس پر مقدم ہے اور اس بارے میں تفصیلاً ان سے کچھ بھی مروی نہیں ہے۔
واقعتاً بھی یہی طریقہ ہے مزید ہیں۔ چنانچہ حدیث کی ہر ذرہ کی حد سے جوں پر
صاف پٹے سے روایت کرنے کا یقین و حقیقت نے اسی بنا پر کیا ہے حدیث اگرچہ
مخالف قیاس سے لیکن اس کے باوجود اس کی پٹائی سے حق کہ امام عظیم سے متفقوں سے
کہ لولا الروایہ لقلت بالقياس۔ اس موضوع پر تخریض روایت نہ ہوتی تو میں
قیاس سے کام لیتا۔ اور یہ بھی امام عظیم سے متفقوں سے کہ صاحبنا نأخذ بالله
والرسول فهو على الراي والعين۔ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے جو
کچھ ہمارے پاس آئے وہ ہمارے سر آنگھوں پر ہے۔ اس بنا پر ہمارے اسلاف
میں سے کسی سے بھی روایت کی صحت کے لیے روایت کے فقیہ ہونے کی شرط متفقوں
نہیں ہے بلاشبہ یہ بات بعد کو گھڑی گئی ہے۔ (۱)

فقہ احناف میں جن روایات پر عمل نہیں کیا گیا ہے مثلاً حدیث عرابیہ حدیث صحابہ
اور حدیث قمریہ اور جن کے متعلق دوسروں نے عمل نہ کرے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ خلاف قیاس
ہیں۔ ان کا جواب دیتے ہوئے امام علامہ ابوالحسن کرخی رقمطراز ہیں:

یہ خط ہے کہ ہمارے صحابہ نے اس حدیث پر اس سے عمل نہیں کیا کہ یہ خلاف
قیاس ہیں بلکہ ان حدیثوں پر عمل نہ کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ حدیثیں کتاب
اللہ اور سنت رسول اللہ سے خلاف ہیں اور یہ بھی نہیں کہ ان کے راوی اقارب کی
فحمت سے محروم ہیں۔ حدیث عرابیہ مشہورہ کے خلاف ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ
لسمو بالنصر مثل بمنزل کمال بکمال۔ کھوکھ کے بدلے کھوکھ برابر برابر ہے۔ ہم
یہ تسلیم کرتے کہ ہم تیار نہیں ہیں کہ ابو حنیفہ نے اسے فقیہ نہیں سمجھا۔ آپ زمانہ صحابہ میں توفیق
دیتے تھے انہی میں سے ان کے میں یہ فقیہ کے ان دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۱) کتاب التفتیح ص ۱۶۵

آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ائمہ صحابی تھے آپ کے ان کے حق میں دعائے حیر فرمائی ہے اور آپ سے روایت کردہ حدیثوں کو کافی شہرت ہوئی ہے۔ (۱)

بہر حال یہ حقیقت ہے غور ہے کہ امام عظیمؒ اور آپ کے اصحاب سنت جملہ اخبار آحاد کو قیوں کے مقابلے میں رائج قرار دیتے تھے درہنہ امام عظیمؒ کے موقف کی تصدیق ہوتی ہے۔

حدیث میں امام عظیمؒ کے اصول:

حدیث کی صحت اور اس کی قبولیت کے بارے میں امام عظیمؒ نے جو اصول وضع فرمائے ہیں اور اس فن میں جو ایک فن کار کی حیثیت سے علمی خدمت سرانجام دی ہے ان میں ایک ایسی ہی جھلک آپ کے ماضی و حال میں دیکھ چکے ہیں اور آپ یہ بھی معلوم کر چکے ہیں۔

تیسری صدی میں امام شعبہ اور یحییٰ بن یحییٰ کے زمانے تک امام عظیمؒ کی ذات کی شان میں ارباب حدیث کے یہاں صرف علمی نہیں بلکہ استدلالی شخصیت تھی۔

امام عظیمؒ کے وضع فرمودہ اصولوں کے بارے میں کچھ بزرگ ایک عجیب خاص فہم کا حامل ہیں اور اسوں نے اس سے نتیجے میں یہ دور کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ امام عظیمؒ کے نام سے اس موضوع پر جو بھی سرمایہ سے دو سب یاد رکھوں گا کما اہو ہے اور اسے اہل اہل الکلام آزاد نے اپنے خاص خطبات انداز میں بر ملا کہہ دیا کہ:

امام حنفیہ اور ان کے سامعین کو ان اختلاقی اصول و قواعد کا وہم و خیال بھی نہ گذرا۔ (۲)

میرے خیال میں یہ ان بزرگوں کی جانب سے بہت بڑی زیادتی ہے۔

اصل یہاں وہ چیزیں ہیں اور وہ اس اپنے مزاج کے حالات گنگا میں۔

صحت حدیث اور قبولیت حدیث۔

صحت حدیث کے لیے اصول و قواعد اور قوانین وضوابط دینا اگر محدثین کا کام ہے تو قبولیت کے لیے شرط و قواعد مقرر کرنا ارباب اجتہاد اور فقہاء کا کام ہے۔ حدیث کی صحت

کے لیے یہ اصول و قواعد اور قوانین وضوابط متاخرین کے کام ہیں اور کتابت میں ان میں ایک بھی مداخلت اور تداخل و مداخلت کر کے امام بخاری اور امام مسلم سے یہ مداخلت نہیں ہے۔ بلکہ کتابت و قلم کے مکمل بندوں پر یہ انکشاف کیا ہے

علمہ ان البخاری و مسلم ومن ذکر ما بعدہم لم یقل عن واحدہم
انہ قال شرطہ ان اخرج فی کسی ما یكون علی الشوط الفلانی واسمہ
یعرف ذالک من سیر کتبہم فیعلم بذالک شرط کل رجل منہم۔

امام بخاری در مسلم وغیرہ سے ایسی کوئی شہادت نہیں آتی جس میں یہ شرطوں نے یہ کتاب میں تحقیق روایت کی فلاں شرطوں میں نے پابندی کی ہے ان کی شرطوں پر ان کی کتابوں کا مطالعہ سے ہوتا ہے اور بس۔ (۱)

الجزائری بھی علامہ مقدسی کے ہمزبان ہیں۔ فرماتے ہیں

اعلم ان البخاری لم یوجد عنہ تصریح بشرط معین وانما اخذ ذالک من تسمية الكتاب والا مستقراء من تفرقه۔

خود بخاری کی کسی شرط کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں ہے ان کی کتاب کے امام اور کتاب میں ان کے تفردات سے لوگوں نے خود یہ اخذ کر لیا ہے۔ (۲)

اگر حدیث کی صحت کے لیے یہ شرط وضوابط یا پھر ان شرطوں کے عمل سے معلوم کر کے یہ یہ جانتا ہے اور اسے ان شرطوں کی طرف منسوب بھی کیا جاسکتا ہے تو پھر امام محمد بن یحییٰ بن یوسف اور محمد بن اسحاق بن اسحاق کے ہاتھ تو خود معلوم کر کے ان بزرگوں کی طرف منسوب کر دیئے تو اس میں کون سی قباحت ہے۔

حجۃ الیہ ذیلت ہے۔ صحت حدیث کے موضوع پر قوانین کی تحقیق کو صرف ہر اہل حق میں کیا جاتا ہے۔ اس پر قسین و آفرین کے خیرے گاہ جاتے ہیں۔ لیکن قبولیت حدیث کے میدان میں امام اجتہاد کی طرف منسوب اصول و قوانین وضع کرنا پر اس سوتے ہیں اور ان پر تحقیق سوتے ہیں کیجی اور اختراعیت کا تو وہ سب جانتا ہے۔ فی اللامع واللعاز والی اللہ العشقی۔

متاخرین فقہاء کے بارے میں وہی بات نمبر ہے جس جو اس لہجہ سے متاخرین محدثین کے بارے میں لکھا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اصول و قواعد صحت حدیث سے متعلق ہوں یا قبولیت سے۔ دونوں کو جی اور اختلاقی اور بعد میں آنے والوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ نہ تو محدثین کے یہاں صحت حدیث کے اصول بذریعہ وحی آئے ہیں اور نہ فقہاء کے پاس قبولیت حدیث سے متعلق قوانین منصوص ہیں۔ اگر قواعد و ضوابط کو یہ بہہ کر جس انداز میں دیا جائے کہ یہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں تو تمام نظام شریعت درہم برہم ہو جائے گا۔

اس میں بھی طور پر کوئی شک نہیں کہ اصول و قواعد تخلیقی ہیں اس لیے اس کا دینی اعتبار نہیں ہے۔ ہاں اس کی جگہ یہ بات عقل و اپیل رکنی ہے کہ فن کے قواعد عملی فن کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہود کی فن میں جو انکار اس سے استفادہ فن سے عقائد بنایا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیری اس موقع پر بڑے سچے کی بات فرما گئے۔

تمام اسلامی فرقے اس پر متفق ہیں کہ ہر فن میں اس کے فنکاروں کی بات حجت ہو گی۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو علوم و فنون کی دنیا ختم ہو جائے کیونکہ انسانی فن تو فن میں بات نہ کر سکے گا اور اگر بات کرے گا تو غلط کرے گا۔ (۱)

یہ بات تو معنی برانصاف ہے جس اس میں وحی حقیقت نہیں ہے کہ اصول و قواعد و تخلیقی بنائے میر معیت قرار دے دیا جائے۔ سے اگر بظور اصل تسلیم کریں جائے تو فن قوت میں تجوید کے اصول ادب و لغت میں لغت و زبان کے قواعد فقہ میں اصول فقہ حدیث میں اصول حدیث تفسیر میں اصول تفسیر سب ہی انسانوں کے وضع کردہ اور تخلیقی ہیں۔ ان کو اگر یہ بہہ کر دیا جائے کہ یہ وضعی اور تخلیقی ہیں تو مسلم کے پورے بھی سرمایہ سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ اصول و قواعد حدیث کے ہوں یا فقہ کے۔ سب انسانی مخلوق کے مرہون منت ہیں اس لیے یہ کہنا بچہ وزن نہیں رکھتا کہ احناف نے کچھ شرطیں لگائی ہیں جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے مجموعہ الرسائل میں لکھا ہے:

بہت سے اہل الرائے نے اکثر احادیث کا ایسی شرطوں کی وجہ سے انکار کر دیا جو انہوں نے خود لگائیں۔ (۱)

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ حدیث کی صحت کے لیے اگر محدثین متاخرین شرطیں لگاتے ہیں تو یہ راست اور حتمی خدمت کبھی ہوتی ہے کہ حدیث کی قبولیت سے یہاں میں حدیث کے دین میں قیادہ کی صورت میں شرطیں بتائیں تو اس وقت وہی دینی شرطیں قرار دیا جائے۔ دونوں آتی ہیں دونوں ہی حدیث سے دین کی خاطر لگائے گئے ہیں دونوں کا پیش کردہ دین کی حفاظت ہے دونوں میں یہ امتیاز جو قوانین انصاف نہیں ہے۔

یہ درست ہے کہ یہ اصول و ضوابط بخاری و مسلم کی طرح امام اہل علم سے صرف متاخرین میں ہیں اس میں وہی شک نہیں کہ متاخرین قویں سے مقدمہ حدیث کے بارے میں دیگر ضوابط سے مستثنیٰ ہوں گے جس کی روشنی میں اس حدیث و صحت و قوتوں میں استعمال کیا ہے۔ اعلیٰ ایسی ہی حدیث کی تصدیق سے مقدمہ جو قوانین و ضوابط و احادیث حدیث کے پیش نظر تھے جن کی روشنی میں اصول و حدیث کے یہ معاشقات یا کے مدام میں صحت امتیاز ہوئی ہے۔ ان سے اصول و حدیث و اصول و حدیث و حدیث و حدیث میں سے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صحت حدیث کے لیے اس کے پیش نظر دینی ضابطہ دینی نہ تھا یہی حدیث کی قبولیت کے بارے میں امام مجتہدین ابو حنیفہ، یوسف اور محمد سے مولیٰ سرمایہ صحت منقول نہیں تو اس کا بھی ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ متاخرین شریعت کے میدان میں یہ بڑے حدیث کی حد تک اس قاعدہ و ضابطہ کے پابند نہ تھے۔ یقیناً آپ جو قواعد سے ضرور پابند ہوں گے۔ باقی ضابطہ نہ لگاتے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے اصول و قوانین کو جو ایسی نہ تھا اور متاخرین شریعت کا ہر کام محض جفاف سے ہو رہا تھا۔

جن علماء نے اصول و قوانین پر تدوین کی خدمت انجام دی ہے انہوں نے اس امر کو نہایت منتقل فرمائی بھی سرمایہ سے اخذ کر کے اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ قاسم یوسف

تعلقہ بہ جماعة من الکبار منهم زکری بن الہدیٰ و ابو یوسف القاضی
الی اخرہ۔

اور قسم دہائی کے لیے وہ فرماتے ہیں

روی عنہ من الحدیث والفقہاء عدۃ لا یحصى۔

اس کے بعد ان گنت محدثین میں سے چند محدثین کا بطور مشق از خرد تذکرہ کیا
جائے گا۔ ان میں سے بعض محدثین کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ابو الحسن بن صالح و ابو بکر بن عیاش و حفص بن غیاث و جریر بن عبد الحمید
الحارثی و ابو اسحاق القزازی و اسحاق بن یوسف الارزاق و المعانی بن عمران و نعیم
بن الحباب و سعد بن الصلت و حفص بن عبد الرحمن و عبید اللہ بن موسیٰ و محمد
بن عبد اللہ الانصاری و ابو اسامہ و ابن نمیر و جعفر بن عون و اسحاق بن سلیمان
الرزازی۔ (۱)

ہم نے بالا ارادہ تکرار سے بچنے کے لیے ان ناموں کو چھوڑ دیا ہے جو پہلے آچکے
ہیں۔ حافظ ابو الحجاج المزی نے تہذیب العمال میں اگرچہ سارے تلامذہ کا استقصا نہیں کیا ہے۔
لیکن اس نے تذکرۃ الحفاظ میں تلامذہ کی بہتات کا تذکرہ کرنے اور نمونہ کے چند نام ذکر کرنے کے
بعد "و بشر کثیر" اور مناقب میں "و خلاقی" فرما کر تلامذہ کی کثرت کو بتایا ہے۔

اس بہتات کے اجمال تذکرے کو حافظ عبد القادر قرشی نے یہ کہہ کر بے نقاب کیا

ہے کہ

روی عن ابی حنیفۃ نحو من اربعۃ الاف نفر۔ (۲)

تلامذہ کی اسی کثرت اور بہتات کے تذکرے میں حاشیہ نسائی میں حافظ ابن حجر

کے حوالہ سے بعض ائمہ کا یہ تاثر نقل کیا ہے کہ

اسلام کے مشہور ناموں میں سے کسی سے اسباب اور شائستگی نہیں ہوئے جس قدر امام
ابو حنیفہ کے ہوتے اور جس قدر حدیث آپ سے استفادہ کیا ہے کی بات سے نہیں کیا۔
امام احمد کے تلامذہ کا دوسرا اس قدر وسیع تھا کہ خیر وقت کی حدود مملکت بھی اس
سے زیادہ وسیع تھیں۔ امام حافظ الدین ابن ابی راس کروری نے امام عقیل کے مخصوص تلامذہ کا
تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد سات سو تیس مشاہیر علماء کرام کے نام بقید نسب لکھے ہیں اور
موجودہ اس شمار کیا ہے۔ چنانچہ جس صوبہ جات و ملک کا اس سلسلے میں انہوں نے نام کیا ہے
وہ حسب ذیل ہیں۔

مکہ معظمہ و مدینہ منورہ و کوفہ و بصرہ و واسطہ و موصل و حرہ و ریہ و رندہ
نصیبین و دمشق و رملہ و مصر و یمن و یامہ و بحرین و بغداد و اہواز و
کربلا و اصفہان و طبرستان و خوارزم و ہمدان و نہندہ و رے و مغان و
توس و طبرستان و حر جہان و فیث پور و فارس و نس و مرو و بخارا و سمرقند
شیراز و مغان و ترمذ و خوارزم و قزاقان و تاجک و ترک و خوارزم و

من روی عنہ الحدیث و الفقه خروفاً و غرباً بللنا بللنا۔ (۱)

حافظ الدین ابن ابی راس کروری نے ان ائمہ کے جن خاص خاص تلامذہ کا تذکرہ
زیر عنوان لکھا ہے ان کی تعداد سات سو تیس مشاہیر علماء ہیں۔

امام ابن اندلس نے القم سے اس کی بہت سی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے
العلم سراً و محرراً و غرباً و شرقاً و فرما تلو بہ رضى اللہ تعالیٰ عنہ۔ (۲)
اس سے آپ تلامذہ کا گشت میں کروری صدی کے نصف دہائی میں امام عقیل کے
تلامذہ کی تعداد چار سو تیس تھی اور یہ بعد عمر کی اشاعت میں مصروف تھے۔
رندہ و اسی کو شامی نے تلامذہ میں چار سو تیس تلامذہ کی تعداد سے درج کیا ہے اور
محدثین نے ان کی تعداد چار سو تیس تلامذہ کے بتائی ہے ان کی یہ مقبولیت اور کثرت
حیات پر قبضہ سامان رشک بنا ہوا تھا۔

اس کا چواہد ازواس سے ہوتا ہے کہ اس میں آپ نے مردانہ پنہا ہے۔ یہاں مرد سے فقہ فطنی و حکمرانی تھی، امام اعظم کے علاوہ کی ایک بڑی جماعت یہاں تھا، ائمہ اربعہ میں مشغول تھی۔ مدد نصر بن شمیل جب بصرہ سے مامون کی علمی قدراندوزی کی خدمت میں گریہاں آئے تو امام اعظم کے علوم کی یہ قیادت عام اور اشاعت عام، انھوں نے اور چوتھو علم حدیث میں اپنے ساتھ امام اعظم کے علوم کے خلاف ایک منظر کشیم بنائی۔ چنانچہ صدر الامر نے یہ سب لکھا ہے کہ فتح بن عمر کہتے ہیں

نصر بن شمیل جس زمانے میں مرو میں مقیم تھے میں وہیں تھا۔ انہوں نے امام اعظم کی کتابوں کو آپ رواں میں بھیج کر جو ثلث شروع کیا۔ خالد بن صبیح نے حوان دون مرد کے قاضی تھی یہ کہانی سنی تو وہ خود در خانوہ صبیح کے دیگر افر و فضل بن سہل کے پاس پہنچے۔ یہ مامون کا وزیر اعظم تھا۔ وراق کہتے ہیں کہ اس زمانے میں خانوہ صبیح میں پچاس یا اس سے بھی زیادہ ایسے علماء موجود تھے جو حدیث میں کام کرنے کی صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ خالد کے ساتھ ابراہیم بن رستم اور سہل بن حزام بھی تھے اس سب حضرات نے آکر فضل بن سہل کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ فضل نے واقعہ میں جواب دیا کہ اس وقت تک اس معاملے میں ہاتھ نہیں کر سکتا جب تک کہ صورت واقعہ کو خلیفہ کے روبرو پیش نہ کروں۔ یہ کہہ کر فضل مامون ارشد کے پاس گیا اور سب سے سارے واقعہ سے آگاہ کیا۔ مامون نے فریقین کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون و کب ہیں؟ فضل نے بتایا کہ یہ نوخیز تو اسحاق بن راہویہ اور احمد بن ربیع ہیں مگر نصر بن شمیل ان کے ساتھ ہیں اور دوسرے خالد بن صبیح، سہل بن حزام اور ابراہیم بن رستم ہیں۔ مامون نے دوسرے روز دونوں کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ اسحاق اور ان کے ساتھیوں کو مامون کی گفتگو معلوم ہوئی تو اسحاق بن راہویہ کو یہ فکر دامگیر ہوئی کہ مامون سے گفتگو کرے گا۔ آخر شور سے یہ طے پایا کہ احمد بن ربیع مامون سے گفتگو کریں۔ چنانچہ دوسرے روز دربار میں حاضری ہوئی مامون نے آتے ہی سلام کیا اور نصر بن شمیل سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ امام

صفیہ کی کتابوں سے متعلق آپ کو کون سا یہ یا روایت اختیار کیا ہے؟ عمر تو یہاں رہے مگر احمد بن ربیع بولے کہ میرے ہاتھ میں کراہت میں تو میں چھوڑ دیتا ہوں۔ مامون نے کہا ہاں فرمائیے وہ بولے امیر المؤمنین اس نے سنی کتابوں کو کتاب مذہب و سنت کے خلاف پایا ہے۔ مامون نے کہا کتاب و سنت کے خلاف کیا؟ اتنا کہ خالد بن صبیح سے ایک مسدا ریافت یا کہ اس کے بارے میں وہ ضعیف نے یا کہا ہے؟ خالد نے امام موصوف کے قول کے مطابق فتویٰ دیا۔ احمد بن ربیع اس کے خلاف روایت بیان کرنے لگے مگر مامون نے امام ابو حنیفہ کی تائید میں روایت پیش کی حوان دونوں کے علم میں نہ تھیں۔ آخر میں مامون نے کہا کہ لرو حد ماہا محالہ لکتاب اللہ و سنتہ و سولہ ما استعملہا ابراہیم بن و کتاب و سنت کے خلاف پاتے تو ان پر عمل کرانے کے خواہش مند ہیں ہوتے۔ خوارب آئندہ اپنی خدمت نہ کرنا، امام اعظم بن شمیل قرم میں نہ رہتے تو میں تم کو انکی سزا دیتا کہ یاد رکھتے۔ (۱)

احمد بن امام اعظم کے کا مذکور ہمدانی بھی نہ چاکی۔ اس کا مادہ میں بنی قدیمیت میں جو اپنے وقت میں نہ صرف حافظ حدیث بلکہ علم حدیث کے قریب ہوئے۔ ان کا یہ بہت وسیع تھے مگر ہم یہاں صرف قریب کی خاطر چند کاتر فطر رنگار گزار لکھتے ہیں:

الحافظ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ:

حافظ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ میں اس کو صاحب بی صفیہ کے قب سے پایا ہے۔ یوحید نہایت اور خود کے رہنے والے ہیں۔ خطیب نے امام علی بن امدینی کے حوالے سے ان کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے کہ

حدیث میں روایت واس کے سارے سلسل کا محور صرف چھ بزرگ ہیں۔ ان کے نام تھے بن کے بعد ان چھ بزرگوں کا علم ارباب تصنیف سے لے کر آج تک

بعد ازین ابن ابی حاتم تصنیف کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔

اول یحییٰ بن زکریا دوم یحییٰ بن سعید۔ (۱)

اور یہ بھی امام علی بن المدینی ہی کا اثر ہے کہ

زمانہ ابن عباس میں طبرستان پر زمانہ یحییٰ بن سعید پر اور زمانہ یحییٰ بن سعید پر

پر اور زمانہ یحییٰ بن سعید پر ختم ہے۔ (۲)

صاحب تصانیف برکت ہیں۔ حافظ ابی حاتم نے تصانیف کا ذکر کیا ہے کہ

صاحب تصانیف یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے۔ وہ میں کتابوں سے سب سے پہلے تصانیف ہیں۔

خطیب بغدادی نے بھی یہی لکھا ہے کہ

ابو اول من تصانیف الکوفہ وکن بعد فی فقہاء محدثی الکوفہ

یعنی بات بھی ناقصہ اور صحیح ہے۔ حافظ یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

وضاحت فرمائی ہے وہیہ متصل اسد بن القرات سے ناقل ہیں کہ:

ابو محمد ابو یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف کا زمانہ ہے کہ

پہلیں ہے۔ اس میں تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

ابو یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

راہد ہیں۔ اور یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

کا کام کرتے رہے۔ (۳)

اس کا مطلب اس سے ہے کہ یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

تیس ماہ امام احمد بن حنبلہ کی تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

یہ تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

تیس ماہ امام احمد بن حنبلہ کی تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

ابو یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

ابو یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

(۱) ابن حاتم، ج ۱، ص ۱۱۵ (۲) ابن حاتم، ج ۱، ص ۱۱۵ (۳) ابن حاتم، ج ۱، ص ۱۱۵



منہجہ الامنی میں تصریح کی ہے۔

ان المنفردین من علمائنا کانوا یملون المسائل الفقیہیہ وادلہا من

الاحادیث البویہ باسنادہم۔

ہمارے علماء محققین مسائل اور ان کے دلائل کا احادیث نبویہ سے اپنی اسناد کے

باجوہا کرتے تھے۔ (۱)

حال کے غیر مسلم محققین میں سے ڈاکٹر غلبہ حق نے بھی یہی انکشاف کیا ہے۔

فدرہ بن حنفیہ بن کوفہ وبعثہ وبعثہ بنی یحییٰ بن سعید وکن بعد فی

سحرہ بن مال عبید بنی یحییٰ بن سعید وبعثہ بنی یحییٰ بن سعید وکن بعد فی

افعی بتعالیہ شعہا لتلا مبدہ۔

یہ تصانیف بعد ازین ابن ابی حاتم تصنیف کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔

تیس ماہ امام احمد بن حنبلہ کی تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

سائے آئے آپ نے اپنی تعلیمات کو اپنے شاگرد تک زبانی پہنچا دیا۔ (۲)

یہ تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

تیس ماہ امام احمد بن حنبلہ کی تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

یہ تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

تیس ماہ امام احمد بن حنبلہ کی تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

ابو یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

ابو یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

ابو یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

ابو یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

ابو یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

ابو یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

ابو یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

ابو یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

ابو یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ وہیہ تصانیف میں جو تصانیف میں یحییٰ بن سعید کا زمانہ ہے کہ

كان على قضاء المدائن و بعد من حفاظ الكوفيين للحديث معتبرا

ہائن کے قاضی تھے اور ان کا شمار کوفہ کے حفاظ حدیث میں ہے۔ (۲)

ان کی حالت میں کا ہمارا زمانہ قریب دو سو تین ہزار سال پہلے تھا۔

سارے کوفہ میں مجھے کچھ کچھ سے زیادہ اپنی مخالفت کا کسی سے اندیشہ نہ تھا۔ (۱)

ارباب صحیح نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ اور بمقام ہائن ۶۳ سال وفات پائی ہے۔

امام ابو عبد الرحمن المقرئ

عبد اللہ بن یزید نام ابو عبد اللہ الرحمن کنیت اور المقرئ لقب ہے۔ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ حقیقت میں ماہر تالیف ہیں۔ حدیث میں ایک قیور تالیف تھیں۔

امام اعظم کے شاگرد ہیں۔ حافظ ذہبی رقمطراز ہیں

سمع من عوں و ابی حبیہ

بصرے میں ۳۶ سال اور مکہ معظمہ میں ۳۵ سال قرآن پڑھایا ہے اسی لیے مقرئ کر کے مشہور ہیں حدیث کی ساری کتابوں میں ان کی روایات ہیں۔

حافظ ابوبکر الخطیب نے سند متصل ان کے بارے میں انکشاف کیا ہے کہ

بشر بن موسیٰ کا بیان ہے کہ امام ابو عبد الرحمن المقرئ ہم سے حدیث روایت کرتے

تھے میں ابو مصنف نام مصنف حدیث کے ہوا۔ اسے روایات تھیں۔ اسے قس

اسند پر تھیں۔ قس حدیث روایت فرماتے تھے۔ حدیثنا شاہدہ ان حدیثیں

ملک معظم نے ہم سے بیان کیا۔ (۲)

حافظ ذہبی نے تذکرہ میں ان کے حوالہ سے سند متصل ایک حدیث روایت کی ہے

اس میں ابو مصنف نام مصنف حدیث کے ہوا۔ اسے روایات تھیں۔ اسے قس

ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

۳۳۳ھ میں ابو مصنف نام مصنف حدیث کے ہوا۔ اسے روایات تھیں۔ اسے قس

امامنا اس اس فدائہ احبنا اس طبررد اما ابو غالب من الاء اما ابو

محمد الجوهري اما ابوبكر القطيعي فابشر بن موسى اما ابو

عبد الرحمن المقرئ عن ابي حنيفة عن عطاء عن حابر انه راه بصلي

في قميص حبيب لس عليه ازار ولا رداء قال ولا اظه صلي فيه

الا ليربما انه لا باس بالصلاة في الثوب الواحد۔ (۱)

ابن ابی حاتم کا مقالہ:

کتاب احسن التحدیل میں ماہ مقرئ سے ترمذ میں امام مقرئ کا ایک ایسا بیان درج

ہے کہ جو ماہ مقرئ کی شان جو اس کے خلاف ہے بلکہ تاریخی طور پر ثابت بھی نہیں ہے۔

میں ہے۔ امام حسین مقرئ کہتے ہیں کہ ہم نے ابو حنیفہ حدیثیں بیان کرتے تھے اور جب

حدیث سے یہاں سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ فرماتا تھا ہذا الذی معکم کلمہ

ربیع و صلی۔ اس پر ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوا رشادات سنے ہیں وہ سوائی اور

تالیف ہیں۔ یہاں رہا اس تاریخی ترمذ میں امام اعظم کی شان محمد نام سے مرعوب ہو

یہ سزاوارش ہے۔ امام اعظم تو امام عظیم ہیں یہ فاسق ہے اس حق تر مسلمانوں نے اس پر بھی

ارشادات نہایت تاریخی نہیں کہتے۔ اسے تاریخی طور پر بھی اس کا تجزیہ کر بیچے اور

دیکھئے کہ اس کی روایتی پوزیشن کیا ہے۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مجھے اسے خبر ہو جانی ہے ایک خط میں امام ابو عبد الرحمن کا

یہ بیان لکھا ہے

یا ہریم جو جانی نے ہوا۔ یہ بیان امام مقرئ سے سنا ہے۔ ہریم نہیں بلکہ فرماتے

ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کوئی نے بتایا ہے۔ یہ بتانے والا کون ہے جو جانی نے اس

کا نام نہیں بتایا۔ سند کا یہ نقصان ہی رہا۔ حلال سے ہوا ہے کہ کسی نے نہیں بتایا ہے بلکہ

یہاں کا بیان غلط ہے۔ آپ پوچھتے ہیں کہ اس کا مصنف کون ہے؟ آپ مانیں یا نہ

مانیں یہ ہوا۔ اسے خبر ہو جانی ہے۔ ہاں اس صنفی ہے۔ یہ اس کا میل بن ابان کہتے ہیں کہ

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۰

امام عبداللہ بن المبارک:

حافظ جمال الدین المزی نے تہذیب الکمال میں حافظ ذہبی نے مناقب میں
حافظ جمال الدین سیوطی نے تہذیب المستمیر میں و امام بخاری نے تاریخ میں عبداللہ بن
المبارک کو امام اعظم کے شاگرد میں شمار کیا ہے۔

امام عبداللہ بن المبارک کی حالت قدیمہ کا ذکر امام سیوطی نے مناقب میں کیا ہے۔
پڑھئے وہ فرماتے ہیں کہ

عبداللہ بن المبارک کے شاگرد نے ایک میٹنگ اس ارادے سے منعقد کی کہ امام
موصوف کی خوبیاں بیان کی جائیں۔ جن خوبیوں پر سب کا اتفاق ہوا یہ تھیں

۱۔ بے غش و بے ریا ۲۔ راجح و متوجہ ۳۔ فصاحت و قیام میل ۴۔ ج
۵۔ فی سبیل اللہ ۶۔ کھڑے نہ ہونے ۷۔ ساری بات میں سنی ۸۔ انصاف و رفقہ ۹۔ لم

اختلاف ۱۰۔ یہ سب خوبیاں آپ کی ذات گرامی میں جمع ہیں۔ (۱)

امام سیوطی نے یہ سب خوبیاں بیان کیں ہیں۔ پچھلے میں عبداللہ کی کتابوں کو رد کر دیا
تھا۔ لیکن یہاں آخر کے مقدمہ میں امام سیوطی کی قید کافی ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن
مبارک کے زمانے میں امام اعظم کا تذکرہ و مفاہیہ میں نہیں ہے۔ بارے میں یہ کہا جائے
تھا کہ امام سیوطی اس پر چار روایات بیان کرتے ہیں۔ ۱۔ کہ امام سیوطی نے کہا ہے
روایت میں کہ میں نے اپنے دوستوں میں یہ سنی ہے۔ یہ اس وقت لوگ تھے کہ امام سیوطی نے
اور درخواستیں لیے پھر رہے تھے۔ (۲)

امام ابن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے یہ روایت سنی کہ میں نے
اپنے ایک غلام کو ان کے ہاتھ میں لے کر امام اعظم کی مسجد میں لے گیا تو
فرمایا کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابن مبارک کے قلب میں امام اعظم کا یہ مقام تھا۔
چنانچہ فرماتے ہیں

کطیران الصفور من المصیفة

روی انارہ فاجاب لہا

(۲) مناقب ذہبی، ص ۱۵

(۱) تذکرۃ الخط ج ۱ ص ۱۳۲

نہوں نے آثار و روایت یا تو اس میں مدد پزیری اٹھائی جیسے شارحین بارے میں
مقام سے اڑ رہے ہوں۔

ولم یکن له بالعراق نظیر ولا بالمشرقین ولا بالكوفة (۱)

عراق میں ان کی کوئی مثال تھی نہ مشرق و مغرب اور نہ کوئی میں

امام اعظم کے فقہ سے بارے میں عبداللہ بن مبارک کا جو تاثر مذکور ہے
سید بن نصر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کی تردید باقی ہے جو کہ امام ابو حنیفہ
نے بارے میں عبداللہ کی طرف مضمون لکھا تھا کہ ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ فرماتے ہیں

لا تقولوا رای اہی حنیفة ولكن قولوا انه تلمسیر الحدیث۔

اسے ابو حنیفہ کی رائے نہ کہو بلکہ یہ کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے۔ (۲)

اور یہ بھی عبداللہ بن المبارک ہی کا ہے کہ حدیث سے بحث چاہو اور حدیث کی
حاضر امام اعظم سے کیوں؟ اس کی وجہ بھی خود عبداللہ بن مبارک ہی فرماتے ہیں

یعرف ناویل الحدیث ومعاہ

اور خواہ ان مبارک کا اپنی ذاتی تربیت کے بارے میں امام اعظم سے تحقیق چاہیے
تھا کہ

لولا ان الله اعاننی باہی حنیفة ومغیان کنت بدعیاً۔

امام ابو حنیفہ کے علوم سے پورے طور پر سیراب ہونے کے بعد مغیان ثوری سے شر
کفہ حاصل کیا ہے۔ امام ذہبی نے اسے متصل نقل کیا ہے کہ:

مالزمت مغیان حتی جعلت علم اہی حنیفة بکذا و اشار بقض بدہ۔

میں مغیان کے پاس اس وقت گیا جب میں نے ابو حنیفہ کے علم کو پورے طور پر
سمیٹ لیا۔ (۳)

ان کے زہد و تقویٰ اور پارسائی کا مہیہ تھا کہ مشہور محدث مغیان بن حبیب فرماتے ہیں کہ

(۱) جامع السانید ج ۲ ص ۳۰۸ (۲) الجواہر المفی ج ۱ ص ۳۹۰ (۳) مناقب ذہبی ص ۴۵

میں نے صحابہ اور عبداللہ بن المبارک دونوں کے حالات کا مطالعہ کیا مجھے صحابہ میں عبداللہ سے زائد صرف دو چیزیں معلوم ہوئی ہیں ایک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف اور دوسرے غزوات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت۔ (۱)

اللہ یان، الدین امنو ان تخشع قلوبہم لذكر اللہ ومانزل من الحق۔
 میں ۔۔۔ میں پناہ میں رہتا ہوں ۔۔۔ یہ ۔۔۔ جو مخلوق کی بات ہے وغیرہ تو قرآن مجید پر آش
 کروئے ۔ میری زبیرانہ زندگی کا روز اول ہے۔ (۲)

آیا ہے ان میں کوئی طریق بھی ایسا جس نے کئی صدیاں جاگزیں رہا۔ امام ربیع رحمہ اللہ نے یہ بات فرمائی ہے تو وہی وجہ نہیں ہے کہ ہم اسے غلط سمجھنے پر آمادہ نہ ہوں۔ یہ بات فرمائی ہے تو وہی حدیث نہ آتی تھی۔ کیونکہ لفظ یتیم دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک غنی۔ اور دوسرے محتاج۔

لغت میں یتیم کے معنی صاحبِ قلوب سے نیک اور امداد سے محروم ہیں۔ البسہ للورد وکل شبسی بصر نظیرہ۔ یگانہ اور ہم این چہ جو اندر میں ہو۔ بخیر کی خاطر ہیں کہ دیرہ بیضا بست منیم اور حرمة بنمہ کے معنی رات بے مثال اور نارالو حو کے لیے ہو جاتے ہیں۔ بچے بے باپ ہو کر فردہ جاتا ہے اس لیے وہ یتیم ہوتا ہے۔ مطلب صاف ہے کہ امام عظیم حدیث میں دورۃ الدہر اور عظیم الخیر شخصیت میں اور ہے یہ بات ٹھیک۔ عبد اللہ بن المبارک کے دوسرے بیان بھی اس کے مؤید ہیں۔

اصلاح محدثین میں یتیم وہ شخص کہلاتا ہے جو ایک حدیث و مازکم ایک سوسندوں سے روایت نہ کرے۔ چنانچہ مشہور محدث ابراہیم بن سعید جو ہری کہتے ہیں:

کل حدیث لم یکن عندی من مائۃ وجہ فانا لہ یتیم۔

جو حدیث مجھے سوسندوں سے نہ ملے تو میں اس میں بچہ کو یتیم سمجھتا ہوں۔ (۱)

حافظ محمد بن ابراہیم البوری نے بھی یہی بات ابراہیم بن سعید میں نقل کی ہے۔

انراں معنی کے لحاظ سے امام اعظم حدیث میں یتیم ہیں تو یہ بات نہ امام اعظم کے لیے قدح ہے اور نہ کسی کے لیے قابلِ مدح ہے۔ امام اعظم کا رہنا نہ شرط طریق کا رہنا نہ تھا اس لحاظ سے تو سارے تابعین اور سارے صحابہ حدیث میں یتیم ہیں یونہی ہی اور تابعین میں کسی کو بھی کوئی ارشاد نبوت سے سوا طرق سے معلوم نہ تھا اور نہ اس کی ضرورت تھی۔ حدیث تو ابراہیم کا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال۔ انفعالات و آداب و احوال کا۔ نہ کہ اشراطِ حق کا۔ اسلام کی زندگی میں مسائل کے لیے ضرورت کی چیز حدیث سے نہ کہ طرق۔ اور امام اعظم کو یہ چیز

میں۔ میں قیصر تھا۔ آپ ان آیتوں میں۔ امام عظیم رحمہ اللہ نے یہ بات فرمائی ہے تو وہی وجہ نہیں ہے کہ ہم اسے غلط سمجھنے پر آمادہ نہ ہوں۔ یہ بات فرمائی ہے تو وہی حدیث نہ آتی تھی۔ کیونکہ لفظ یتیم دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک غنی۔ اور دوسرے محتاج۔

اس فن کے مشہور محدث اسرائیل اس موقع پر بڑے سچے کی بات فرما گئے کہ نعمان کیا ہی مزے دار شخص تھے فقہ سے تعلق ہر حدیث ان کو خوب یاد تھی اس نے اس حدیث کو بھی اور اس میں جو ہونا تھا اس کے خوب ہی عام تھے ان کے ہاں اس حدیث کی یاد تھی اور خوب یاد تھی اس لیے ان کی حدیث عام و عام و ذرا سب عزت کرتے تھے۔ (۱)

ہم حال عبد اللہ بن مبارک امام عظیم کے تادم میں سے تھے حدیث کے تمام محدثین سے شرفِ تہذیب رکھتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلہ تادم میں سے ہیں اور یہی دو مشہور شخصیتیں تھیں جو زمانہ قتلی میں امام عظیم سے چوٹی چوٹی مشہور تھیں تھیں۔ جو امام تھیں ان کی یاد تھی کہ ان کے ہاں اور یہاں اقتدار سے دور۔ ان کو پورے رقی کے لیے وہ زمانہ دین کے معاملات میں ہستی اور نہ ہستی کا اظہار نہ آتا۔ یہ تمام باتیں مہرِ مدائن مسابک کی ذات گرامی میں پائی جاتی تھیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

الامام ابراہیم بن طہمان:

حافظ ابی نے اس کا لحاظ حدیث کے چاروں حصے میں لیا ہے۔ امام ابو حنیفہ سے مار کا تادم میں سے تھے۔ ان کے ذخیرے یہ تھے کہ خود امام ابو حنیفہ سے ہونے کے باوجود ان سے روایت لی ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے تصریح کی ہے

حدث عنہ من شیوخہ صفوان بن سلیم و ابو حنیفۃ الامام۔ (۲)

محدثین کے عرف میں اس حدیث کی روایت لا کبر عن الاصابع کہتے ہیں اور ایک محدث کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سے بالا اور کمتر اور اپنے جیسوں سے روایت کرے۔ علامہ ترمذی نے محدثین کو ہر کا فیصلہ لکھا ہے کہ

لا یكون محدثا حتى یأخذ عمن فوقه و مثله و دوله۔

محدث ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے سے برتر کتر اور مثیل سے روایت لے۔ (۱)
اور اسی بنا پر محدثین نے اس کی عظمت شان اور جلالت قدر کا اقرار کیا ہے وہ

فرماتے ہیں

نوع مهم تدعو الیه الهم العالیۃ والا نفس الرکیۃ۔

بہر حال امام اعظمؒ نے استاد ہونے کے باوجود ابراہیم بن طہمان سے روایت لی

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

تہذیب میں حدیث قدر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ اس سے ہوتا ہے کہ وہ

امام عظیمؒ جیسے اور مثیل میں نہ رہا۔ فی بیان کی حقیقت بھی گوشہ مدار فرما
تھے خود جلد سے محدث خطیب بغدادی کا کہ وہ اس مقدمہ پر ارجاء کی حقیقت ابو الصلت کے
حوالہ سے یہ کہہ کر بے غتاب کر گئے۔

قال علی - قال ابو الصلت لم یکن ارجاء ہم هذا ولم یذهب الحدیث
ان الایمان قول بلا عمل وان ترک العمل لا یصر بالایمان بل کان
ارجاء هم ایہم کانوا ارجحون لابل الکبار العفوان رد علی الحوارج
وعبرہم الدین مکہروں لاس بالدیوب فکانوا ارجحون ولا مکہروں
بالدیوب و معن کذا الک۔

اس کا ارجاء یہ مذہب تہذیب نہ تھا کہ ایمان قول جیسے عمل سے ارتقاء عمل سے بڑھ
نہیں گزرتا ہے بعد ان کا ارجاء تو صرف یہ تھا کہ اگر وہ کفاروں سے لیے امیدوار
معفرت تھے تو وہ ارجح کی تہذیب کرتے تھے جو کفاروں کو صرف کفر کی پاداش میں
اور عالم سے ہار ایت میں وہ خوشی کی امید کرتے تھے کہ وہ کفاروں سے
سے کافر نہ کہتے تھے اور ہم بھی ایسے ہی ہیں۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ خطیب نے بتایا ہے کہ امام ارجح ہیں حجاز اور غیبی ثورین
جیسے محدثین کا بھی یہی مذہب ہے۔

ارجح بن ارجح کہتے ہیں کہ میں نے غیبی ثورین سے بھی آخر میں یہی سنا ہے۔ وہ
فرماتے تھے کہ ہم سارے مسلمانوں کے لیے جو کفاروں سے پناہ دیتے ہیں
امیدوار معفرت ہیں خواہ وہ کیسا ہی گمراہ ہو۔ (۱)

اور القدر یہ ہے کہ اسے تو اسے تھے ہیں محدثین فقہاء کی یہ تمہید سن کر یہ نہ تھے۔
ایمان و عمل جدا جدا ہیں اور ان میں ایک کا ختم مختلف ہے۔ صرف یہ ایمان۔ ایمان و عمل جدا
ہو سمجھنا صحیح مذہب سے کسی کی تہذیب کرتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے
حافظ ابن ابی شیبہ سے فرمایا کہ یہ گمراہیوں کی حیثیت ہی دینی ہیں۔

ہو تو حاتم نے یہ کہہ کر ایک مجلس کے مال سے قید و نبوت پر ایمان رکھتا ہے تو پھر اسے
کے دونوں بیٹے لائیں اور دو سو روپے انہوں سے لے کر جو آخرت کی باز پرس سے آزاد ہے لیکن
محققین میں اس حدیث جو اصل و جزا ایمان میں بتاتے ہیں سے مزید ایک گناہ مسلمان کا معاہدہ
اللہ سے نہ کہ فقیر میں ہے چاہے تو اپنے فضل سے بخش دے اور چاہے تو اپنے عدل کے
مطابق برادے اور خود امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔ بہر حال ابراہیم بن طہس کی
مرکز یہ شخصیت اس سے بڑھتی۔

امام احمد بن حنبل کے مال میں ساری اس قدر قیمت تھی کہ ایک بار اس کی مجلس میں
ایک عورت کا ذکر ہوا کہ اس کی بیاہی کی وجہ سے اس کا گناہ مٹنے سے لے کر گناہ مٹنے اور فریاد

لا ینفی ان یذکر الصالحون فہنکا۔ (۱)

صالحین کا ذکر ہو تو حاتم کا گناہ مٹ جائے گا۔

والت برت میں ہوا اور وفات ۱۶۳ھ میں حرم حرم میں ہوئی۔ رحمہ اللہ۔

امام احمد بن حنبل کی ابراہیم:

حافظ ابن کثیر نے ان کا ذکر اس طرح شروع کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل فرما کرتے ہیں۔ اور
ان کے استاد میں یزید بن ابی حنیفہ اور سہیل بن حبیب کے ساتھ امام ابو حنیفہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

حدث عن یزید بن ابی حنیفہ و جعفر الصادق و بہر بن حکیم و ابی
حنیفہ و ہشام۔

یہ سب امام احمد بن حنبل کے خاص شاگرد ہیں۔ صدر الامم رقمطراز ہیں
کہ امام احمد بن حنبل کوئی تیس سال امام عظیم کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہے اور
آپ سے فقہ حدیث حاصل کیا اور بکثرت روایتیں لیں۔ (۲)

یہ سب امام احمد بن حنبل کے بہت بڑے شاگرد ہیں۔ بڑے بڑے جلیل القدر ائمہ ان کے
شاگرد تھے۔ امام احمد بن حنبل امام یحییٰ بن یحییٰ اور امام بخاری نے ان کے سامنے راتوں کے ادب

تہ کیا ہے۔ خود امام احمد بن حنبل نے کہا میں نے سنا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ میں نے
ہوں اور سنا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ میں نے
سال کی عمر میں علم حدیث کی تحصیل شروع کی۔ (۱) امام احمد بن حنبل نے سنا ہے کہ میں نے
کیا ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ کوئی میری خدمت میں پیش آئے کی
تو میں سوائے تاحین کے کسی سے بھی حدیث نہ لیتا۔ (۲) ان سے آثار میں، سنا میں
بڑے بڑے دار سے کیونکہ اس وقت تک امام ابو حنیفہ نے ہی توجہ دیا تھا۔ چنانچہ امام
بخاری کا امام احمد بن حنبل کی روایتی ان سے نقل ہیں کہ میں ۵۰ بار بار امام احمد بن حنبل کی
خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا کہ تم تجارت کرتے ہو مگر تجارت میں علم کے فیہ نہ تارخ رہا۔ یہی
خسارہ ہے۔ تم علم کیوں نہیں حاصل کرتے ہو؟ حدیث یوں نہیں سمجھتے۔ امام احمد بن حنبل نے مجھے
برابر اس طرف توجہ دے رہے تھے کہ میں نے اس میں قدم نہ رکھا۔ اور کتابت میں
طرف متوجہ ہو گیا اور اللہ سبحانہ نے مجھے علم کی دولت مرحمت فرمائی۔ اس لیے میں نے سنا ہے کہ
اور جب بھی امام احمد بن حنبل کا ذکر ہوتا ہے تو ان سے حق میں اعلا کے فیہ سنا ہوں۔

لان اللہ تعالیٰ بہر کما فتح لی باب العلم۔

یونکہ آپ ہی کی برکت سے اللہ سبحانہ نے میرے لیے علم کا دروازہ کھولا ہے۔ (۳)
خدا ہے کہ آپ امام احمد بن حنبل سے چند سو سال کی عمر میں ۵۰ بار بار سنا ہے کہ میں نے
ہوں کے اسی عمر کے زمانے کو علم کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ماں فیہ مال سوج یا میں مذکور ہے۔
بلکہ آپ نے ستر سو سال کی عمر میں علم حدیث کے باب علم کی حیثیت اختیار کر لی اور اس سلسلے میں
اولیں استاد آپ کے امام احمد بن حنبل تھے اور آپ ۳۳۰ھ میں وفات پائی۔ امام احمد بن حنبل نے حرم
میں کرتے رہے اور آپ کی وفات کے بعد آپ نے حرم کے دولہ سے اٹھائے یا ہے کہ آپ
نے سنا ہے کہ آپ کی وفات جیسا کہ محمد بن احمد نے قایم ہے ۳۳۰ھ میں ہوئی ہے تو
حرم کی یہ تعداد اسی طرح پوری ہو جاتی ہے کہ آپ کا پہلا حج ۳۳۰ھ میں ہو۔

(۲) تہذیب المعادین ج ۱ ص ۲۹۵

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۳

(۳) مناقب صدر الامم ج ۲ ص ۱۶۱

(۲) مناقب صدر الامم ج ۱ ص ۲۰۳

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۲

محدثین میں ہشتم سے زیادہ میں نے ہند پایہ کوئی نہیں دیکھا ہے کچھ محدثین نے سفیان ثوری سے بھی برتر کہتے تھے۔ اے تسمیہ نے کہتے تھے عراق میں ان کے سوا کوئی محدث ہے وہ فرماتے تھے ہشتم سے بڑھ کر بھی عراق میں کوئی محدث ہے؟ (۱)

یہ تمام محدثین نام نہاد تھے جن کی روایت سے ابو یوسف کا باہم رشتہ استاد و شاگرد ہونے کا ہے۔ ایسے ہی امام احمد کا رشتہ بھی ہشتم اور قاضی ابو یوسف سے تھا۔ ان کے بارے میں آزاد پڑھیے۔ انہوں نے یہ تفصیل کا عمل نہیں ہے۔

بہر حال ہشتم بن بشر علم حدیث کے امام اور امام ابو حنیفہ کے تلمیذ ہیں۔ اخطیب نے ان کی تاریخ وفات ۱۸۲ھ بتائی ہے۔

یہاں امام اعظم کے تمام کاغذ کا استحصاء مقصود نہیں ہے۔ ان کے حفاظ ہیں جن کے تراجم حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھے ہیں حافظ مسقانی نے امام اعظم کے کاغذ و حدیث میں ذکر کیا۔

میں نے یہاں کے تمام کاغذ بیان کریں تو ایک طویل طویل داستان ہو جائے گی۔ اس لیے ہم طوالت سے بچنے کے لیے صرف ان ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ نضر بن تھانف غنی

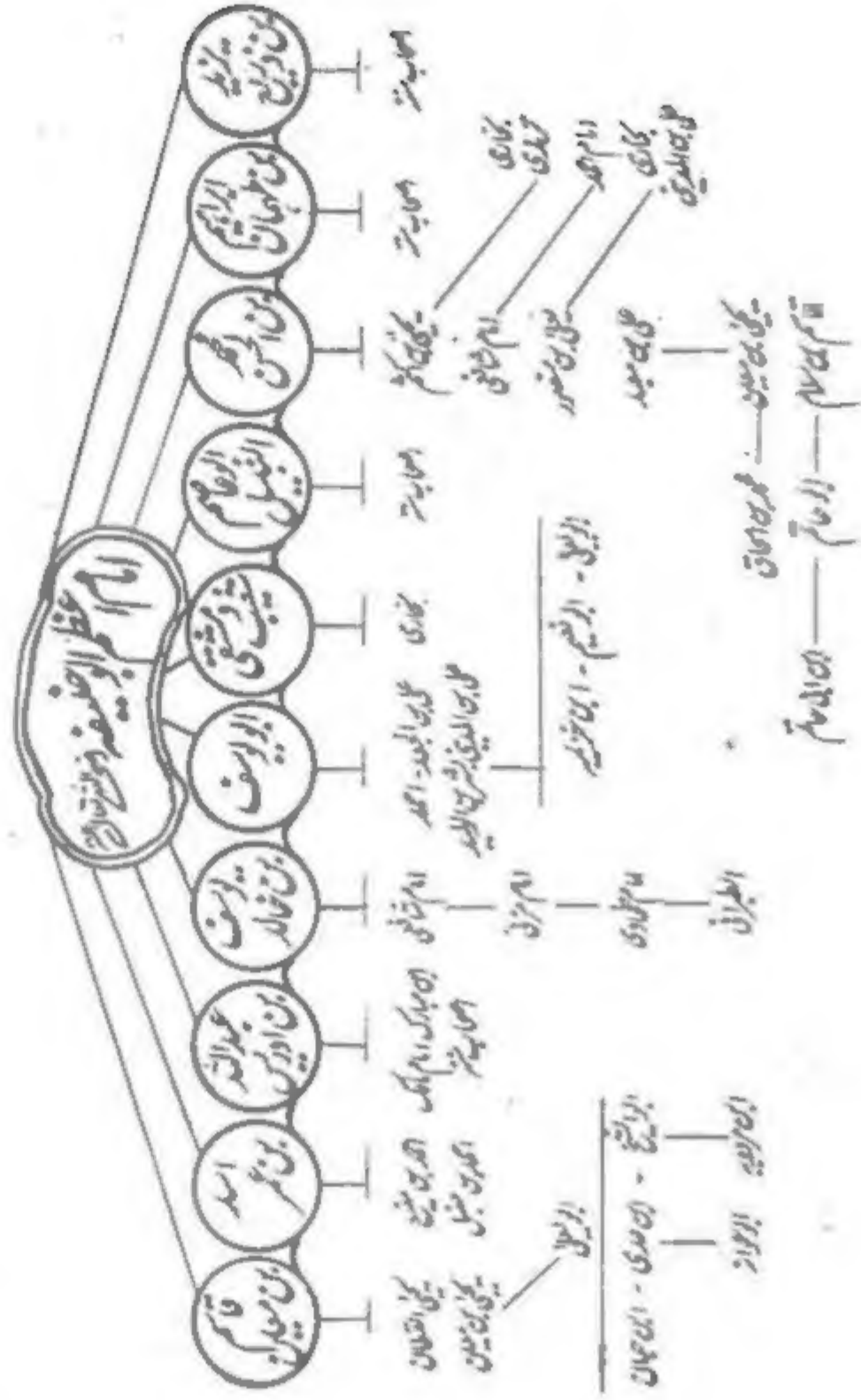
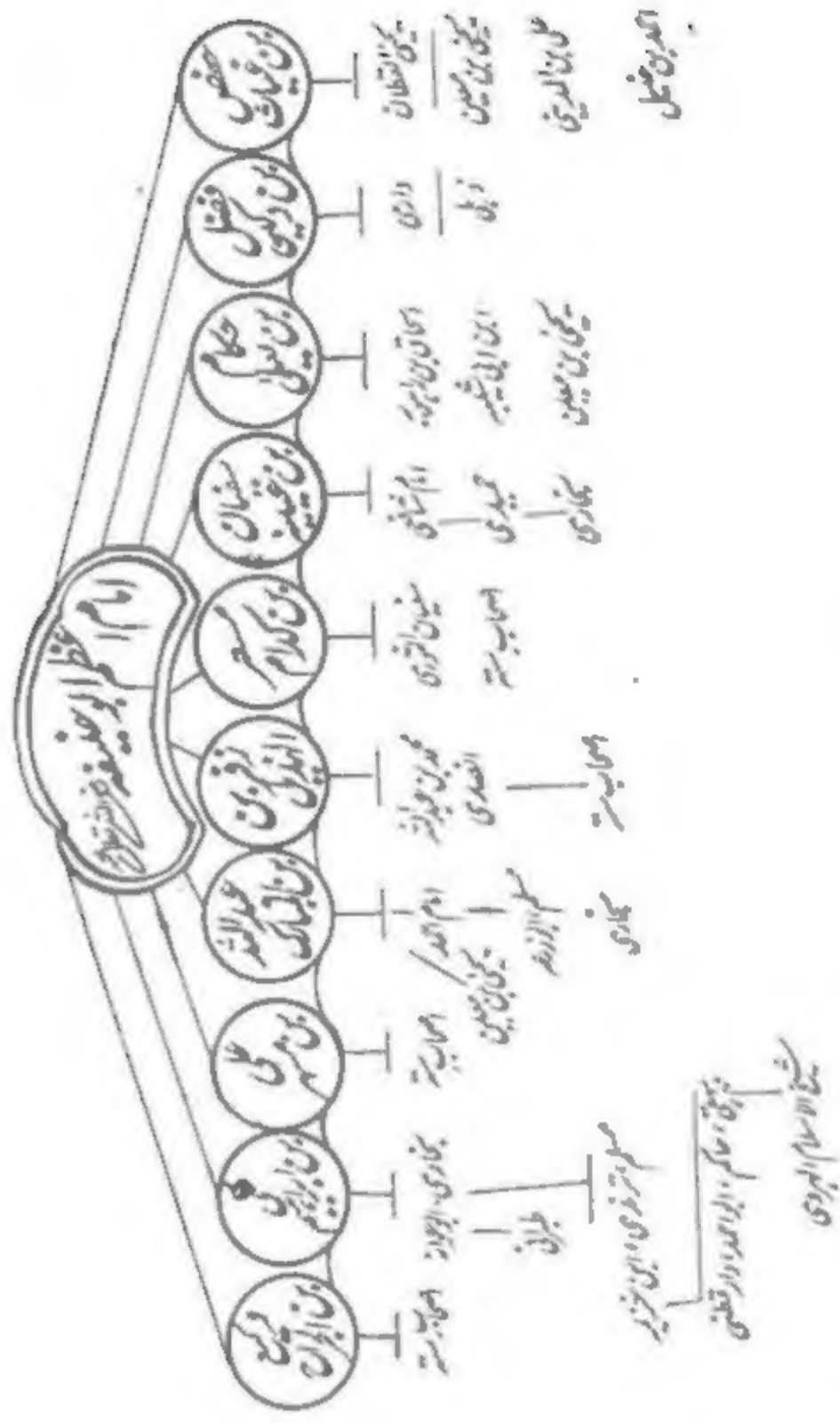
حفض بن غیاث : اسحاق بن ابراہیم : بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی
عثمان بن ابی شیبہ، ابویعلیٰ، جعفر القریابی، نسائی، ابن ماجہ

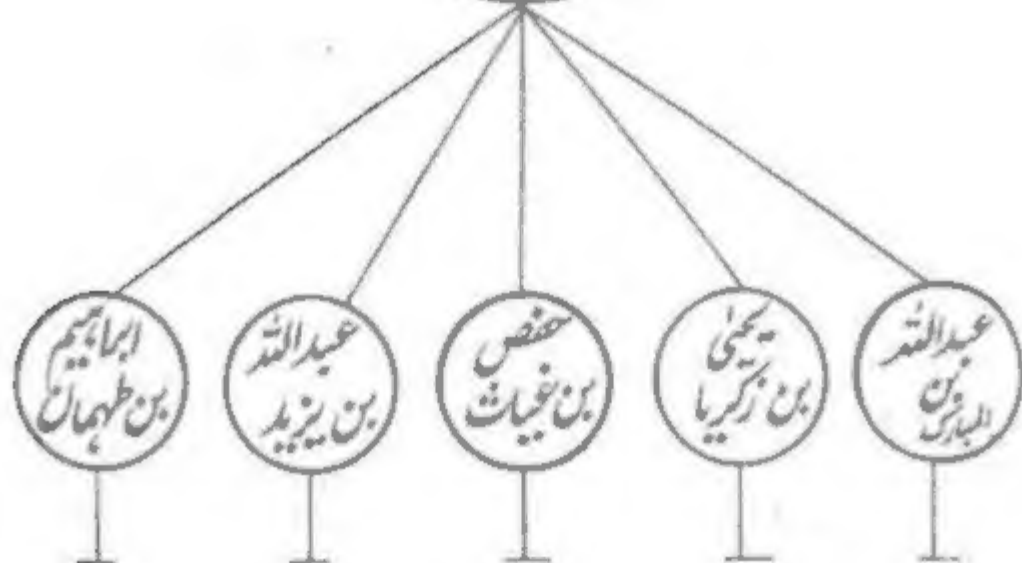
ابراہیم بن طہمان : بخاری، محمد بن نصر مزنی، بن خزیمہ، صالح بن جزیرہ
نسائی، ابوبشر الدولابی، ابوقاسم الطبرانی

دیکھ بن الجراح : علی بن ابی الدین، ذہبی، بخاری، ابویعلیٰ
ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوزرعه، یحییٰ بن محمد، القریابی

علی بن مسہر : علی بن حجر، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی
ہناد بن المریم، ابوزرعه، ابوالعباس، حبان

مسعر بن کدام : یحییٰ بن آدم، احمد، اسحاق، عبد بن حمید، الحسن بن علی
ابونعیم، محمد بن یحییٰ الذہلی، بخاری، دارمی، التتات





۱- ابو حنیفہ بن ابراہیم	۱- اسحاق بن زبیر	۱- احمد بن حنبل	۱- احمد بن حنبل
۲- یحییٰ بن معین	۲- یحییٰ بن معین	۲- یحییٰ بن معین	۲- یحییٰ بن معین
۳- ابو جبرین بن جبر	۳- ابراہیم بن موسیٰ	۳- المارث بن محمد	۳- المارث بن محمد
۴- احمد بن حنبل	۴- یحییٰ بن معین	۴- اسحاق	۴- اسحاق
۵- ناسی	۵- ناسی	۵- ناسی	۵- ناسی
۶- ابن ماجہ	۶- ابن ماجہ	۶- ابن ماجہ	۶- ابن ماجہ

سکونِ قلب

مصنف

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ انعامیہ

دکان نمبر 24، قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی

021-32216814, 0345-2151205

۱۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۲۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۳۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۴۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۵۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۶۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۷۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۸۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۹۔ عسائی دایگر مطبوعات
 ۱۰۔ عسائی دایگر مطبوعات